بیاد محمود بابر فیصل

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 600 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ----- 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ----- 6000 روپے

مستقل سلسلے

اکتوبر 2012

جلد 35 شمارہ 7

قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Website: www.khawateendigest.com
Email: kiran@khawateendigest.com

اداریہ

منیرہ

اکتوبر کا کرن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
کچھ لوگ بہت کم عمر لے کر آتے ہیں لیکن طویل زندگی پاتے ہیں۔ محمود بابر فیصل کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی محبت بانٹنے میں صرف کردی۔ ان سے ایک بار مل لینے والا ہمیشہ کے لیے ان کا گرویدہ ہوجاتا تھا۔ ذوالقرنین کے روپ میں اپنے برجستہ و برمحل جوابات سے مسکراہٹوں کے پھول کھلانے والے محمود بابر فیصل 25۔ اکتوبر 1993ء کو دنیا سے رخصت ہوکر ہزاروں لوگوں کو اشک بار کر گئے۔ 25۔ اکتوبر کو ان کی برسی کے موقع پر بہنوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔
اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ (آمین)
نومبر کا شمارہ عید نمبر ہوگا۔ مصنفین اور قارئین سے گزارش ہے کہ اپنی تحریریں جلد از جلد ہمیں روانہ کردیں تاکہ عید نمبر میں شامل اشاعت ہوسکیں۔

اس شمارے میں،

- بیادِ محمود بابر فیصل،
- اداکار محمد تقی سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "آواز کی دنیا سے" تحریم منیبہ کی باتیں،
- "سلمیٰ اظفر" دو کے پہاڑے کے ساتھ،
- نبیلہ عزیز اور فوزیہ یاسمین کے سلسلے وار ناول،
- شفق افتخار کے طویل مکمل ناول کا دوسرا اور آخری حصہ،
- "ساڈا چڑیاں دا چنبا" نفیسہ سعید کا طویل مکمل ناول،
- عنیقہ محمد بیگ، ثمینہ سید، ریحانہ امجد بخاری اور نجمہ جبیں علیزئی کے ناولٹ،
- نیلم رضا، فوزیہ احسان رانا، سندس جبیں اور تانیہ مذاق کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

دلچسپ کرن کتاب "عجائبات عالم"، کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔ استفادہ کریں۔

میرا رب سب کا ہی حاجت روا ہے
وہ مانگو جو بھی جائز مدعا ہے

سراپا مغفرت ہے ذات اس کی
خطا پوشی تو اُس کی اک ادا ہے

کرے وہ ذکر بس ہر دم خدا کا
بشر جو بھی غموں میں مبتلا ہے

ہے شاہد اس کی قدرت کی ہر اک شے
ظہور اس کا تو ہر جا برملا ہے

فنا ہوتی رہی ہر شے جہاں کی
فقط اللہ ہی بس باقی رہا ہے

وہ مجھ سے دور ہے نہ اور میں ہوں
اُسی کا نام تو دل پر لکھا ہے

اقبال آرزو

جہاں رحمت ہی رحمت سربسر ہے
اسی کا نام تو طیبہ نگر ہے

ثنائے احمد مرسل میں گم ہوں
مدینہ تو میرا قلب و جگر ہے

غلام سید خیر الوریٰ ہوں
نبیؐ کا یہ بھی فیضان نظر ہے

گدائے مصطفیٰؐ کہتی ہے دنیا
میری قسمت یوں دیکھو اوج پر ہے

میری کشتی بھلا ڈوبے گی کیسے
کرم سرکار کا جو سربسر ہے

تخیل کو دعائیں کیوں نہ دوں میں
جدھر دیکھوں مدینہ جلوہ گر ہے

اقبال آرزو

بیاد محمود بابر فیصل

پردۂ شب میں چھپ گیا خورشید

ساجدہ حبیب

آج 25 اکتوبر ہے بابر بھائی!
ہجر کا یہ سال بھی ٹھہر ٹھہر کر گزر گیا۔ بہتے آنسو، دلوں سے اٹھتی آہیں، لبوں سے اندر دل کے پھیلے صحرا تک پکارتی آوازیں، شب و روز کے چکر میں گزرتے موسم، سب ہی کچھ تو بیت گیا۔

اور یہ لمحات پھر آ گئے۔

آفس کے در و دیوار آج تک نوحہ کناں ہیں۔ وہ خالی کرسی منتظر ہے جہاں ایک درویش منش، لفظوں کا جادوگر چہرے پر دانش مندی کا چشمہ سجائے ہماری تحریروں کا انتظار کیا کرتا تھا۔

"مگر ۔۔۔ سب ہی کچھ خاک نشین ہو گیا۔

ان گزرتے لمحوں کے بیچ آپ کی جانب سے جو محبتیں ہمارا نصیب بنیں، جو خلوص ہماری زندگی کو گل رنگ کر گیا۔ وہ برسوں ہماری آنکھوں کو برساتا رہے گا۔

"ہاں سچ ہی تو کہا تھا محمود خاور نے کہ چار اکتوبر بھلا اب کیا کرنے آئے گا۔"

آپ کی جانب سے محبتوں کا جو قرض ہم پر واجب الادا ہے وہ بھلا کیوں کر ادا ہو گا۔ مگر اک ستم آپ نے بھی تو کیا۔

اس طویل ہجر کی صورت میں جو سود آپ نے وصول کیا، وہ بڑا اذیت ناک ہے۔

اب کی بار اکتوبر کے اوائل میں وہ شام یاد آئی جب محترمہ بشریٰ رحمان کے لیے آپ کے ہاں "کرن شام" منائی گئی۔

چاند نگر کی کھلی چھت پر کیسی حسین محفل جمی تھی اور اپنی بہنوں کے درمیان کتنے زیادہ خوش گوار موڈ میں آپ میزبانی کے تمام فرائض سر انجام دے رہے تھے۔

ریاض صاحب نے اس موقع پر محترمہ بشریٰ رحمان کے لیے تعریفی کلمات ادا کرتے ہوئے دعوے کے ساتھ کہا۔

"بشریٰ میری بہن ہیں۔"

"بہن کا بوجھ اٹھا سکیں گے؟" بشریٰ رحمان نے فوراً سوال کیا۔

"کتنا ہے؟" بابر بھائی نے آواز لگائی۔

محفل میں مسکراہٹ کے شگوفے پھوٹنے لگے اور بشریٰ جی نے اپنے مخصوص بے تکلف لہجے میں خاص پنجابی زبان میں آپ کو پیار بھری ڈانٹ پلائی۔

"حس مزاح بہت تیز ہے۔" میں نے تبصرہ کیا۔

"جی ہاں۔" آپ نے اعتراف کیا۔

"مگر تیز رو سے زیادہ نہیں۔"

تو اب ۔۔۔ بس یادیں ہی یادیں رہ گئیں۔

قدرت بھی کبھی کبھی بڑے ستم کر جاتی ہے۔

ہجر کے ان سالوں میں ہماری زندگی جاری و ساری رہی، مگر اک خلش، اور تشنگی کا وہ احساس بھی ساتھ ساتھ رہا، جس سے ہم کبھی آشنا تھے۔ بہت سے احباب کے ساتھ، میں بھی ان خطوط کی منتظر رہی۔ جو میرے نام آیا کرتے تھے۔

خطوط تو بہت آئے بابر بھائی! احباب نے یاد بھی کیا۔ خیریت بھی پوچھی، مگر وہ دونوں تحریریں تو کھو گئیں تاجن کے لیے آج بھی نظریں ترستی ہیں۔ آپ کی تحریر اور خالدہ اسد کے طویل خطوط۔

سنیے! آپ خاک نشین سہی اور ہم اس دنیا کے باسی، لیکن جب ہماری دعاؤں کے انمول تحائف لے کر فرشتے آپ تک پہنچاتے ہوں گے تو عالم بالا میں آپ کی روح کس قدر خوش ہو گی۔ بس یہی احساس ہمیں اس زندگی میں اب تک مطمئن اور خوش رکھے ہوئے ہے۔

☼ ☼

کرن نومبر کا شمارہ عید نمبر ہو گا۔
حسب روایت ہم عید الاضحیٰ کی مناسبت سے قارئین سے کچھ سوالات کر رہے ہیں۔

سوالات

1۔ ہماری عام زندگی میں عید الاضحیٰ کی اہمیت کیا ہے، کیا ہم اس فریضے کی روح پر عمل پیرا ہیں؟
2۔ عید الاضحیٰ پر آپ کے کچن میں بننے والی خاص ڈش کی ترکیب؟
3۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر پیش آنے والا کوئی دلچسپ واقعہ جو آپ کے یا کسی عزیز کے ساتھ پیش آیا ہو بیان کریں؟

ان سوالات کے جوابات اور اپنی ایک عدد تصویر (اگر دینا چاہیں) تو ہمیں جلد از جلد روانہ کریں۔ تاکہ آپ کے جوابات عید نمبر میں شامل اشاعت ہو سکیں۔

کہنا کہ مسافر تو گیا

سدرہ سحر عمران

یہ کیسی رت ہے؟
کہ آنگنوں میں تو پھول کھلتے ہیں اور آنکھوں میں پچھلے موسم کے خشک پتے بکھر رہے ہیں۔
گلاب چاروں طرف کھلے ہیں۔
مگر دریچوں میں جانے والوں کی راہ تکتے اداس چہرے۔
خزاں کی دہلیز پر کھڑے ہیں!

بے ثبات زندگی میں بنجر زمینوں کی طرح خواب گم گشتہ کا حصہ بنے بہت سے عزیز چہروں کے نقوش ذہن کے کینوس میں انمٹ تصویروں کی طرح ثبت ہوتے ہیں کہ وقت کی بے مہر اور لاتعلق ہوائیں بھی ان رنگوں کو کبھی دھندلا نہیں پڑنے دیتیں۔ رشتوں کے بہت سے نام سہی لیکن انسانیت کا رشتہ سب پر بھاری ہے۔ کڑیوں کی طرح زنجیر سے جڑے رشتے اتنے بار آور تو ہوتے ہیں کہ ایک کڑی کے شکستہ ہو کر ٹوٹ جانے کا غم ہر دل کا آزار ہے۔

جب میں گزشتہ اوراق میں مقید جناب ایم بی فیصل کے مدبر چہرے پر نظر دوڑاتی ہوں تو ایک پل کے لیے مرگ جیسی سفاک حقیقت پر آنکھیں نم ضرور ہوتی ہیں۔ موت اٹل حقیقت ہے لیکن سب حقیقتوں سے زیادہ اذیت ناک ہے۔ اسی لیے تو ہم آج تک اس حقیقت کو قبول کر لینے کے باوجود اسے ماننے سے انکاری ہیں۔

عمر کی نقدی ہر انسان کے پاس مختلف صورت لیے ہوئے ہے۔ اپنی عمر کے عروج و زوال سے آگاہی رکھنے والوں کے لیے مرگ 'انتظار کا دوسرا نام ہوتی ہے لیکن عہد شباب میں موت سے ہم آغوش ہونا..... جانے والے تو ہر احساس سے بری ہو کر سفر آخرت پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ زاد راہ کے طور پر ہمراہ اعمال کی گٹھری..... نہ بچھڑنے والوں سے الوداع ہونے کا دکھ 'نہ وقت رخصت پیچھے رہ جانے والوں کے اندوہ سے سروکار..... زندگی کے سارے احساسات تو اس کے ہونے سے مشروط ہیں۔ سانسیں تھم جائیں تو لین دین کے معاملے خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ سو گلے شکوے بھی تو ہماری اپنی ہی ذات میں محصور ہو کر نوحہ کرتے بکھر جاتے ہیں۔ غم تازہ اور شدید ہو تو اس کی نکاسی آنسوؤں کے ذریعے ہوتی ہے۔ اشکوں کی روانی کے ساتھ الم بھی بہہ جاتے ہیں اور پھر آنکھوں کے سوتے خشک ہو جائیں تو دھیرے دھیرے صبر بھی آ ہی جاتا ہے۔

اور ہم نے تو انہیں بہت بعد میں جانا..... اتنا بعد میں کہ جب وہ عکس سے تصویر بن چکے تھے۔ نہ کبھی دیکھا نہ ملے..... پھر بھی شناسائی لازم ٹھہری اور جو لوگ لفظوں میں زندہ رہیں انہیں کون کہتا ہے کہ وہ مر گئے..... آج بھی اپنے پسندیدہ ترین ماہنامے میں بانی کے نام سے انہیں زندہ و تابندہ جانتے ہیں۔ ہر شمارے میں خاموش تصویر میں بولتی آنکھوں والا چہرہ دیکھتے ہیں تو لب بے ساختہ وا ہو جاتے ہیں کہ۔

طلسمی چہروں پہ چسپاں تھا سکوت لازوال آہ! کیا لوگ تھے کہ وہ مرگ کے غاروں میں نوحوں کا دکھ لفظوں سے زیادہ دلوں میں پنپتا ہے اور پھر وہ لوگ جو وجود سے عدم ہو گئے ان کے جانے کا دکھ تو تازہ رہتا ہے۔ انسان لاکھ فانی سہی اس کا کردار لافانی رہتا ہے۔

محمود بابر فیصل کو اپنی شگفتہ مسکراہٹ 'حاضر جوابی بذلہ سنجی کی باعث بہت سے دلوں میں زندہ ہیں یہ ان کی جانے کی عمر تو نہیں تھی۔

پھر جو لوگ نہ آنے کے لیے رخت سفر باندھتے ہیں
ان کی جدائی کا دکھ تو ہر دکھ سے زیادہ الم ناک ہوتا ہے۔
بچھڑنے والوں کی یاد کانوں میں لڑکھڑاتی ہوئی صداؤں کے۔

جال بنتی ہے آس چنتی ہے
یہ کیسی رت ہے
بہار آ کر کھلے کواڑوں کو کھٹکھٹاتی ہے
بے دلی کی ہوا دریچوں میں سرسراتی ہے
اور پیلے گلاب آنگن میں کھل رہے ہیں
یہ کیسی رت ہے!
کہ پانیوں میں تمام منظر گھرے ہوئے ہیں
مگر نگاہوں میں پیاس لکھی ہے
یہ کیسی رت ہے کہ آنگنوں میں تو پھول کھلتے ہیں
اور آنکھوں میں
پچھلے موسم کے خشک پتے بکھر رہے ہیں

ان زرد موسموں کے پیلے گلاب چنتے اب تو کئی برس گزر چکے ہیں۔ آنکھوں کے ساگر میں گو کہ وہ طغیانی نہیں رہی 'تاہم بیتی رتوں کے گواہ نقش اتنی آسانی سے فراموش نہیں ہوا کرتے۔ زندگی 'بچھڑنے والوں کا خراج بھی زندہ لوگوں سے لیا کرتی ہے۔ مرنے والوں کے دکھ پیچھے رہ جانے والوں کی آنکھ سے آنسو بن کر نکلتے ہیں اور یہ درد تو درد مشترک ہے۔ کون ایسا ہے جس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے دل میں بستے مکینوں کو تہہ خاک نہ کیا ہو گا۔ جو بچھڑنے کی اذیت سے آشنا نہ ہو گا؟

اور زندگی کا اصول تو موت سے وابستگی ہے۔ موت کو دوام ہے۔ زندگی کو نہیں پھر ہمیں زندگی سے محبت کیوں ہوتی ہے؟ ہم موت سے اس قدر خوفزدہ کیوں رہتے ہیں؟.....

لمحے صدیوں کے فاصلے ماپ لیتے ہیں۔ وقت کی طنابیں بھربھری مٹی کی طرح اس کی مٹھی سے پھسلتی رہتی ہیں..... نجانے کتنے عزیز چہرے بے وفا زندگی کے ہاتھ سے یونہی ریت کی طرح پھسلتے جاتے ہیں اور ہم کچھ نہیں کر پاتے سوائے ان ہستیوں کو یاد کرنے کے۔

بابر انکل کے لہجے کی برجستگی 'مزاج کی لطافت اب فقط لفظوں میں نظر آتی ہے۔ برسوں بیت گئے انہیں زندگی کا راستہ بھولے 'مگر لفظ آج بھی ان کے لوٹ آنے کے منتظر ہیں۔ ان کی شگفتہ بیانی جو مزاج کا حصہ تھی ان کی آنکھوں کے ساتھ ساکت نہیں ہوئی بلکہ ان کے شگوفوں اور چٹکلوں کا روپ دھارے اب بھی تحریر میں سانس لیتی ہے کہ کچھ لوگ ہمیشہ زندہ رہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کا وجود ضرور نگاہ سے اوجھل ہو جاتا ہے 'مگر ان کے لفظ باتیں کرتے ہیں۔ اس دنیا میں بہت سے لوگ مرتے ہیں لیکن ان میں سے کتنے ہوتے ہیں جنہیں یہ دنیا یاد رکھتی ہے۔

ہمیشہ یاد رہنے کا ہنر بھی تو کسی کسی کو آتا ہے اسی لیے تو پروین شاکر نے کہا تھا کہ۔

مر بھی جاؤں تو کیا لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے 'میرے ہونے کی گواہی دیں گے

کتنا سچ کہا تھا انہوں نے آج محمود بابر فیصل زندہ ہیں تو تحریر کے سہارے..... ہمارا ان سے لفظوں کا بندھن ہے۔ جو کبھی نہ پرانا ہوتا ہے اور نہ دھندلا پڑتا ہے اس لیے ہم ہر اکتوبر میں اسی طرح اداس ہوتے ہیں جس طرح تحریر کا ربط ٹوٹ جانے پر لفظ افسردہ ہو جاتے ہیں۔

آنچل میں پھول لے کر کہاں جا رہی ہوں میں
جو لوگ آنے والے تھے وہ لوگ تو گئے
کیا جانیے افق کے ادھر کیا طلسم ہے
لوٹے نہیں زمین پر 'اک بار جو گئے

☆ ☆

تقی احمد سے ملاقات

شاہین رشید

آج کل آپ ایک نئے فنکار "تقی احمد" کو "کاش میں تیری بیٹی نہ ہوتی" اور "خوشبو کا گھر" میں دیکھ رہے ہیں یہ بہت اچھے اور سلجھے ہوئے فنکار ہیں۔ شہرت نے ابھی ان کا مزاج خراب نہیں کیا ہے اور امید ہے کہ خراب ہوگا بھی نہیں اس کا اندازہ ہم نے ان کی گفتگو سے لگایا ان سے کی گئی گفتگو قارئین کے لیے پیش خدمت ہے۔

☆ "تقی احمد صاحب کیا حال ہیں ..... اور کیا مصروفیات ہیں آپ کی آج کل؟"

○ "جی ٹی وی سوپ کی ہی مصروفیات ہیں۔ آج کل تین سوپ آن ایئر ہیں۔ "کاش میں تیری بیٹی نہ ہوتی" "سپنوں کی اوٹ میں" ـــــــــ اور "خوشبو کا گھر"۔

☆ "خوشبو کا گھر" میں بہت غصے والا شوہر دکھایا گیا ہے آپ کو حقیقت میں کیا صورت حال ہے؟"

○ "جس نے بھی اس سوپ کو دیکھا ہے اور دیکھ رہے ہیں سب نے یہی کہا ہے پہلے تو وضاحت کردوں کہ میں شادی شدہ نہیں ہوں اور دوسرے یہ کہ یہ صرف ایک کردار ہے میں بالکل بھی ایسا نہیں ہوں ..... اور خود میری فیملی میں اور میرے خاندان میں کئی لوگوں نے کہا کہ ہم نے تو تمہیں ٹی وی پہ ہی بولتے سنا ہے ورنہ عام زندگی میں تو تم خاصے کم گو ہو۔"

☆ "اس کردار کا پس منظر کیا ہے؟"

○ "اصل میں یہ کردار نفسیاتی ہے۔ کیونکہ بچپن وہ احساس محرومی سے گزارتا ہے اور برا وقت دیکھتا ہے تو پھر ایسے بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو تھوڑے سے نفسیاتی بھی ہو جاتے ہیں۔ وہ خود چونکہ برے وقت سے گزر چکے ہوتے ہیں اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی تکالیف سے گزریں۔"

☆ "اور "کاش میں تیری بیٹی نہ ہوتی" میں جو ظلم و ستم دکھایا جارہا ہے ایک غریب لڑکی پر "ایسا ہوتا نہیں ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

○ "اصل میں ہمارے لوگوں کو پتا ہی نہیں ہے کہ جن لوگوں کے بڑے بڑے گھر ہیں 'بڑے بڑے محل ہیں ڈیفنس میں جن کی اونچی اونچی دیواریں ہیں ان دیواروں کے پیچھے کیا ہو رہا ہے ..... اس لیے چونکہ عام لوگ ان لوگوں کی فطرت اور ظلم وزیادتی سے واقف نہیں ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ چلیں آپ ڈیفنس کو چھوڑیں۔ یہ جو بڑے بڑے وڈیرے اور جاگیردار ہیں ان کے یہاں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ اتنا ہی ظلم ہوتا ہے جتنا دکھایا جارہا ہے یا شاید اس سے بھی زیادہ۔"

☆ "مان لیا کہ ایسا ہی ہوتا ہوگا لیکن آپ کے دونوں بیٹے تو جوان ہیں گرم خون ہے کیا اس ظلم کے خلاف بغاوت نہیں کرسکتے؟ سب کچھ کیسے برداشت کرلیتے ہیں؟"

○ "باپ خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔ جب سارا بزنس اور سارا اسیٹ اپ اور مکمل اختیار باپ کے پاس ہو تو پھر گھر کے بچے کچھ بول نہیں پاتے اور ایسا صرف بڑے گھروں میں ہی نہیں ہوتا بلکہ عام گھرانوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور باپ جس کے پاس سب اختیار ہو ان کے آگے بچے بول نہیں پاتے اور پھر جب بچوں کے پاس اختیار آجاتا تو پھر باپ بے بس ہو جاتا ہے۔"

☆ "آپ تو ایسی فیملی سے نہیں ہیں! یا "خوشبو کا گھر" والی فیملی سے تو نہیں؟"

○ "نہیں 'نہیں ..... میں ایسی فیملی سے نہیں ہوں اور نہ ہی دوسری فیملی سے 'بلکہ ہم مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ہمارے والد نے ہمیں بڑے اچھے انداز میں رکھا اور بہت اچھے انداز میں ہماری پرورش کی ہے اور ہمیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا اور ہمیشہ سے مجھے اس فیلڈ میں آنے کا شوق تھا تو والد نے کہا کہ بے شک آؤ مگر پڑھ لکھ کر آؤ۔"

☆ "تو کیا پڑھا اور کیسے آئے اس فیلڈ میں؟"

○ "اصل میں میں گریجویٹ ہوں اور ناپا سے بھی میں نے ایکٹنگ کا کورس کیا ہے ..... اور کیسے آیا تو سوچنا پڑے گا۔"

☆ "1985ء کی پیدائش والے کو بھی ماضی میں جانا پڑے گا اس فیلڈ میں کس نے متعارف کروایا؟"

○ "میرا کوئی گاڈ فادر نہیں رہا۔ البتہ لوگوں نے مجھے سپورٹ بہت کیا ..... لیکن میری امی مجھے اکثر بتاتی ہیں کہ جب میں چھوٹا تھا تو شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر پتا نہیں کیا بول رہا ہوتا تھا پھر انہیں بڑے عرصے کے بعد سمجھ میں آیا کہ یونیئنز ا کا ایک اشتہار آیا کرتا تھا جس میں ماڈلز کھڑے ہوتے تھے اور ہوسٹ کررہے ہوتے تھے تو میں ان کی نقل کر رہا ہوتا تھا۔ تو شاید بچپن سے ہی اداکاری کے جراثیم تھے مجھ میں تو مجھے کسی نے اجمل مراد صاحب سے ملنے کو کہا اور انہوں نے مجھے ماڈلنگ میں کافی پرموٹ کیا اور میں نے اپنی فنی زندگی کا آغاز ماڈلنگ سے کیا تھا اور فاروق پریو کے ڈرامے "دیکھ مگر پیار سے" متعارف ہوا۔"

☆ "شہرت انہی دو ڈراموں سے ملی؟"

○ "نہیں شہرت تو مجھے ایک کمرشل سے ملی۔ آج

بھی لوگ دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو زونگ والا لڑکا ہے۔"

☆ "1985ء تاریخ پیدائش ہے۔ اتنی عمر میں تو لڑکیوں کی شادی نہیں ہوتی تو بھلا لڑکوں کی کیسے ہو سکتی ہے؟"

○ "لڑکیوں کی تو خیر ہو جاتی ہے۔ لڑکوں کی مشکل سے ہوتی ہے اور میں تو ان شاء اللہ دو سال تک شادی کروں گا تھوڑا کچھ کمالوں تھوڑا اسٹیبلش ہو جاؤں۔"

☆ "کمائی ٹھیک ٹھاک ہو رہی ہے؟"

○ "جی الحمدللہ پہلے کمرشل سے 40 ہزار ملے تھے تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے رکھوں کہاں اور اب اس سے زیادہ پیسے کماتا ہوں مگر ان کی اتنی اہمیت نہیں لگتی جتنی پہلی کمائی کی تھی اور میں اپنی ہر کمائی سے اپنے گھر والوں کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتا ہوں کیونکہ مجھے دینا اچھا لگتا ہے۔"

☆ "گویا مزا آ رہا ہے کام کر کے؟"

○ "بہت مزا آ رہا ہے کیونکہ میری پسند کا کام ہے اور جن۔ نوں کام ہو صبح صبح اٹھنے کو دل چاہتا ہے اور فوراً کام پر جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہوں.... اور شروع

شروع میں میں بڑا کنفیوژ رہتا تھا کہ پتا نہیں لوگ میری اداکاری پسند بھی کرتے ہیں یا نہیں لیکن جب لوگوں نے تعریف کی تو احساس ہوا کہ ٹھیک ٹھاک اداکاری کر لیتا ہوں۔"

☆ "پلاننگ سے چلتے ہیں اور کبھی کچھ الٹ پلٹ ہوا اپنے اختیار سے کچھ باہر ہوا؟"

○ "کوئی خاص نہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندہ پلاننگ کے ساتھ چل رہا ہوتا ہے اور سب کام پلاننگ کے مطابق ہو رہے ہوتے ہیں کہ اچانک ایک دم سے ایسا وقت آجاتا ہے کہ سب کچھ بدل جاتا ہے۔ تو پھر احساس ہوتا ہے کہ انسان کے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ تو کوئی اور ہی ہے۔۔۔ ہے۔ جو سب کچھ چلا رہا ہے۔"

☆ "یہ تو حقیقت ہے کہ جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہی ملتا ہے۔ مگر پھر بھی کچھ فیوچر پلاننگ ہے کہ آئندہ چند سالوں میں کیا کرنا ہے؟"

○ "پلاننگ تو بہت کرتا ہوں۔ سوچتا بھی بہت ہوں کہ کیا کرنا ہے۔ بس آپ اسے میری خواہش کہہ سکتی ہیں کہ میں فلم میں کام کرنا چاہتا ہوں خواہ وہ پاکستان کی ہو یا انڈین..... انسان سوچتا تو بہت کچھ ہے اور کوشش بھی کرتا ہے' باقی جو اللہ کو منظور ہوتا ہے' وہی ہوتا ہے۔"

☆ "پھر جو فلم انڈسٹری کی حالت ہے اس کو دیکھتے ہوئے تو خواب پورا ہونا مشکل ہے؟"

○ "بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مگر ان حالات میں بھی سال دو سال میں کوئی ایک دو فلمیں اچھی بھی بن جاتی ہیں تو بس کوشش کریں گے آگے اللہ مالک ہے۔"

☆ "لوگ نصیحت تو بہت کرتے ہوں گے کہ یہ کرو یہ نہ کرو؟"

○ "نصیحت کسی بھی انداز کی ہو میں اس کے خلاف ہوں پہلے انسان خود اچھا ہو پھر نصیحت کرے اور اب جو حالات ہیں ان میں نصیحت کا وقت گزر چکا ہے اب ایکشن کا ٹائم ہے۔ کچھ کر کے دکھانے کا وقت ہے۔

اب میں آپ کو اپنی بات بتاؤں۔ میں اس چیز کے سخت خلاف ہوں کہ بچے بھیک مانگیں یہ باقاعدہ ایک پروفیشن بن گیا ہے اور بچوں کو استعمال کیا جا رہا ہے تو میں نے اپنی گاڑی میں ریزگاری کی بجائے چاکلیٹس رکھی ہوئی ہیں۔ جب کوئی بچہ بھیک مانگنے آتا ہے اسے چاکلیٹ دے دیتا ہے اور وہ خوشی خوشی لے لیتا ہے کیونکہ پیسے ان کے اپنے پاس تو آتے نہیں ہیں وہ تو کوئی اور لے جاتا ہے تو اس طرح بچوں کو کچھ نہ کچھ کھانے کو تو مل ہی جاتا ہے۔"

☆ "آپ کے خیال میں حکومت کو ایکشن لینا چاہیے؟"

○ "بالکل لینا چاہیے یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ اب نصیحت کا دور نہیں ہے کہ یہ نہ کرو وہ نہ کرو اب ایکشن کا دور ہے۔ یہ ہماری نئی نسل ہے بھیک مانگے گی تو ملک کیسے سنبھالے گی۔"

☆ "شوبز میں سب کچھ ٹھیک ہے یا کچھ برا بھی ہے؟"

○ "شوبز کی سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ یہاں پر وقت کی پابندی نہیں ہے ابھی تک لوگ وقت کے معاملے میں اتنے ذمہ دار نہیں ہوئے کہ اس کی قدر کر سکیں۔ میں تو کوشش کرتا ہوں کہ وقت کی پابندی کروں۔"

☆ "ایسی باتوں سے دل برداشتہ ہوتے ہیں؟"

○ "میں بہت سی باتوں سے دل برداشتہ ہو جاتا ہوں..... بنیادی طور پر ہم ایک محکوم قوم ہیں ہمیں کوئی خوشی کوئی تہوار منانے کا حق حاصل نہیں ہے اور میں تو یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر ٹیکنالوجی نہ ہوتی تو اچھا تھا مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں دیر میں پیدا ہوا ہوں مجھے کم سے کم 60 سال پہلے پیدا ہونا چاہیے تھا.... بہت سادا زندگی ہوتی تھی اور میں جو گلاسز استعمال کرتا ہوں تو میرے دوست کہتے ہیں تم تو ہمارے دادا کے زمانے کے گلاسز استعمال کرتے ہو۔ مجھ میں پرانی روح ہے۔"

☆ "پھر تو آپ کو موبائل کی ایجاد بھی بری لگتی ہو گی؟"

○ "ارے نہیں یہ تو بہت ہی اچھی ایجاد ہے اور میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ پہلے زمانے کے لوگ موبائل کے بغیر کیسے رہتے تھے۔"

☆ "اس وقت انڈر پروڈکشن کیا ہے اور آن ایئر کیا

ہے؟"

○ "آن ایئر تو تین ہیں جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا ــــ خوشبو کا گھر' کاش میں تیری بیٹی نہ ہوتی' سپنوں کی اوٹ میں" اور انڈر پروڈکشن میں ایک دوست سے سٹ کام کی بات چل رہی ہے اور کچھ اور بھی ہیں مگر ابھی فائنل نہیں ہے۔"

☆ "آفر آئے اور ہاتھ میں اسکرپٹ ہو تو کیا دیکھتے ہیں؟"

○ "یہ دیکھتا ہوں کہ کردار مرکزی ہے کہ نہیں' پھر اس کا بجٹ کیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کردار کتنا پاور فل ہے۔"

☆ "شوٹ کے لیے ملک سے باہر گئے؟"

○ "جی بالکل گیا ہوں۔ ایک دفعہ کمرشل کے لیے گیا تھا اور ایک مرتبہ سیریل کے لیے گیا تھا اور دونوں مرتبہ ملائشیا ہی گیا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بہت اچھی جگہ ہے مگر مجھے تو مزا نہیں آیا بلکہ میں تو بور ہی ہوا کچھ دیکھنے اور گھومنے کو زیادہ ہے نہیں۔"

☆ "اپنے ملک میں تو لوگ با آسانی پہچان لیتے ہوں گے؟"

○ "جی بالکل پہچان لیتے ہیں..... لیکن سچ پوچھیں تو میں نے ان چیزوں کو اپنے سر پر سوار کیا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے ایسے بہت سے سینئر آرٹسٹوں کو دیکھا ہے' جو ایک زمانے میں سپر اسٹار تھے مگر آج ان کی پہلے والی ویلیو نہیں رہی اور اکثر کو تو لوگ پہچانتے بھی نہیں' تو بس میں ڈرتا ہوں اس وقت سے کہ جب میرے ساتھ ایسا ہو' اس لیے میں شہرت کو سر پر سوار کرتا ہی نہیں ہوں۔"

☆ "تقی آپ نے اپنا فیملی بیک گراؤنڈ نہیں بتایا؟"

○ "والد کی طرف سے ہم لکھنؤ کے ہیں اور والدہ کی طرف سے "اندور" کے ہیں۔ والد صاحب تو ریٹائر ہو گئے ہیں اور امی ہاؤس وائف ہیں' ہم دو ہی بھائی ہیں۔ بہن اللہ نے دی نہیں اور اپنے بارے میں تو میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں۔"

☆ "کام لیتے وقت ڈائریکٹر' پروڈیوسر اور رائٹر کو بھی مدنظر رکھتے ہیں؟"

○ "ہیں ہی کتنے؟ ــــ اور جتنے بھی ہیں سب ہی اچھے ہیں کردار پر میری نظر زیادہ ہوتی ہے اور ڈائریکٹر پر اگر ڈائریکٹر اچھا ہے تو وہ آپ سے اچھے سے اچھا کام کروالے گا۔"

☆ "ٹی وی کا ماحول اچھا ہے اور گھر والے خوش ہیں آپ کے اس فیلڈ میں آنے سے؟"

○ "آپ کے اندر کا ماحول اچھا ہے تو پھر سب کچھ اچھا ہے اگر آپ کے اندر بے ایمانی ہے تو پھر کچھ بھی اچھا نہیں ہے اور گھر والے اب بہت خوش ہیں لیکن جب میں اس فیلڈ میں آیا تھا تب خوش نہیں تھے۔"

☆ "آج کل حالات بہت خراب ہیں۔ اگر کسی کو قتل کرنے کی آزادی ہوتی تو کس کو کرتے؟"

○ "میں اپنے آپ کو کرتا کیونکہ جب میں ہی نہیں رہوں گا تو یہ حالات کیسے دیکھ سکوں گا بہتر ہے کہ میں ہوں گا نہ ان حالات سے دل برداشتہ ہوں گا۔"

☆ "دوسرے ملک جانے کا اتفاق ہوتا ہے کیا؟"

○ "جی بالکل ہوتا ہے اور بہت رشک آتا ہے وہاں کے لوگوں پر کہ کتنے خوش نصیب ہیں یہ لوگ کہ ان کے ملک میں امن و امان ہے۔ کوئی لوڈشیڈنگ نہیں ہے کوئی پانی کا مسئلہ نہیں ہے کوئی دہشت گردی نہیں ہے۔ اپنا ملک بہت اچھا ہے مگر یہاں کے حالات نے بددل کر دیا ہے۔"

☆ "ماشاء اللہ اتنا کماتے ہیں۔ اپنے اوپر خرچ کرتے ہیں؟"

○ "اپنے اوپر کم ہی خرچ کرتا ہوں زیادہ تر گھر والوں پر خرچ کرتا ہوں کہ ان پر خرچ کر کے مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اپنے لیے تو میں نے صرف ایک عدد گاڑی یعنی کار خریدی ہے۔"

☆ "کس ملک کا کلچر بہت اچھا لگتا ہے؟"

○ "ہندوؤں کا..... کیونکہ ان کا اور ہمارا کلچر بہت ملتا جلتا ہے خاص طور پر شادی بیاہ کی رسمیں..... تو میں بہت انجوائے کرتا ہوں۔

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے تقی احمد سے اجازت چاہی۔

☆ ☆

سلمیٰ ظفر علی

شاہین رشید

1 "خاندان کی دو شخصیات جو آپ کو بہت چاہتی ہیں؟"
"میری امی اور میرے ابو۔"

2 "دو نام جو آپ اپنی ملکیت میں لانا چاہتی ہیں؟"
"نہیں ایسا تو کچھ نہیں ہے مجھے اپنا نام بہت پسند ہے اور میری بیٹی کا نام فاطمہ ہے جو کہ مجھے بہت پسند ہے اور میری ملکیت ہے اور شہ زل بھی مجھے اچھا لگتا ہے۔"

3 "نمبروں میں کوئی دو لکی نمبرز؟"
"5 اور 6۔"

4 "دو باتیں جو آپ کو دوسروں میں ممتاز کرتی ہیں؟"
"یہ تو میرے خیال میں لوگ زیادہ بہتر طور پر بتا سکتے ہیں۔ میرے خیال سے میری ایمانداری اور شاید میری ہنسی جو لوگوں کو بہت پسند ہے۔"

5 "دو تاریخی ادوار جس میں آپ جانا چاہتی ہیں؟"
"میرا خیال ہے کہ انڈیا اور پاکستان کے قیام کا وقت اور مصر کی جدوجہد کا دور۔"

6 "کوئی دو افراد جن کے SMS کے جواب فوراً" دیتی ہیں۔"
"میری بہن اور رائٹر محمد احمد۔"

7 "کوئی دو بری عادتیں جن سے آپ چھٹکارا چاہتی ہیں؟"
"کسی کو زیادہ دیر کے لیے قصوروار نہیں ٹھہراتی۔ یہ میری بری عادت ہے جبکہ لوگوں کے نزدیک اچھی عادت ہے اور دوسری یہ کہ میں ہر چیز اپنے اوپر لے لیتی

ہوں۔"

8 "دو جھوٹ جو آپ اکثر بولتی ہیں؟"

"مجھے کسی سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور سب کچھ ٹھیک ہے۔"

9 "اپنے بارے میں کوئی دو باتیں جن کو سن کر آپ کو غصہ آجاتا ہے۔"

"اگر کوئی کہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں اور دوسری بات یہ کہ کوئی کہے کہ تم اچھی ماں نہیں ہو۔"

10 "حالات حاضرہ کے دو میزبان جو آپ کو پسند نہیں یا سفارش سے آئے ہیں؟"

"کوئی آئیڈیا نہیں ہے۔ کیونکہ میں "ٹاک شو" دیکھتی ہی نہیں ہوں۔"

11 "مارننگ شو کے دو بہترین میزبان آپ کی نظر میں؟"

"ساحر لودھی اور ندا یاسر۔"

12 "دو مشہور شخصیات جن کے ساتھ آپ دنیا گھومنا چاہتی ہیں؟"

"مرزا غالب اور ابراہم لنکن۔"

13 "دنیا کی دو ایسی شخصیات جن کی قسمت پر آپ کو رشک آتا ہے؟"

"یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ جو ہمیں خوش نظر آرہے ہوتے ہیں اور جن پر ہم رشک کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ پتا نہیں اصل زندگی میں کیسے ہوں۔"

14 "دو دوست جن پر آپ بھروسہ کر سکتی ہیں؟"

"بہن اور ابو۔ یہ میرے دوستوں جیسے ہیں۔"

15 "دو تہوار جو آپ اہتمام سے مناتی ہیں؟"

"عید اور فاطمہ (بیٹی) کا برتھ ڈے۔"

16 "دن کے چار پہر میں سے کون سے دو پہر اچھے لگتے ہیں؟"

"صبح صبح کا وقت اور رات 12 بجے کے بعد کا وقت اچھا لگتا ہے۔"

17 "پہلی ملاقات میں کون سے دو جملے لازمی بولتی ہیں؟"

"السلام علیکم۔ کیسے ہیں آپ۔"

18 "دو کھانے جنہیں کھا کر آپ کبھی بور نہیں ہوتیں؟"

"پائے اور حلیم۔"

19 "دو افراد جن سے معافی مانگنے میں شرم محسوس نہیں کرتیں؟"

"والدین اور والدین ویسے اگر میری غلطی ہوتی ہے تو میں کسی سے بھی معافی مانگنے میں شرم محسوس نہیں کرتی۔"

20 "دو کھلاڑی جن کی وجہ سے آپ کرکٹ میچ دیکھتی ہیں؟"

"دیکھتی تھی۔۔۔ ایک وسیم اکرم اور جاوید میانداد یہ میرے پسندیدہ کھلاڑی رہ چکے ہیں۔"

21 "دو خواہشات جو ابھی تک پوری نہیں ہوتیں؟"

"ایک تو یہ کہ میں پوری دنیا گھوموں اور دوسری یہ کہ میری بیٹی فاطمہ اتنا پڑھ لکھ جائے کہ میں اسے اونچے مقام پر دیکھوں۔"

22 "دو چیزیں جنہیں لیے بغیر آپ گھر سے نہیں نکلتیں؟"

"موبائل فون اور بیگ۔"

23 "دو الفاظ جو آپ بہت استعمال کرتی ہیں؟"

"پتا نہیں کوئی بات نہیں۔"

24 "شوبز میں جگہ بنانے کے دو گر؟"

"ایک اچھی اور گڈ لکنگ شخصیت اور باصلاحیت ہونا بہت ضروری ہے۔ باصلاحیت انسان کے لیے کسی سفارش اور کسی گر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

25 "سات دنوں میں کون سے دو دن اچھے لگتے ہیں؟"

"ہفتہ کا دن اور پیر کا دن۔"

26 "بارہ مہینوں میں کون سے دو مہینے اچھے لگتے ہیں؟"

"دسمبر، جنوری، اور جنوری فروری بھی ہو سکتے ہیں۔"

27 "اپنے گھر میں دو پسندیدہ جگہیں؟"

"اسٹڈی روم اور گھر کی بالکونی۔"

28 "گھر کے دو کام جن کو نہ کرنے پر گھر والوں سے ڈانٹ پڑتی ہے؟"

"میں گھر میں خود ہی ہوتی ہوں اور ویسے بھی کوئی

نہیں ڈانٹتا میں نے کبھی موقعہ دیا۔"

29 "دو شخصیات جن پر آپ کسی قسم کا شک نہیں کر سکتیں؟"

"نہیں۔۔۔ کوئی ایسا نہیں ہے۔"

30 "دو سیاست دان جو ملک کے لیے بوجھ ہیں؟"

"کیا مجھے مروائیں گی۔ میرے خیال میں جتنے بھی پرانے سیاست دان ہیں وہ سب ہی ملک کے لیے بوجھ ہیں۔"

31 "کن دو ممالک کی ترقی سے متاثر ہیں؟"

"جاپان اور چائنا۔"

32 "کون سے دو رنگ کے لباس پسند ہیں؟"

"کالا اور نیلا۔"

33 "اپنے ملک کے دو پسندیدہ شہر؟"

"کراچی اور مانسہرہ ناران کاغان۔"

34 "اگر ایک دن کے لیے ساری دنیا سو جائے سوائے آپ کے تو آپ کیا دو چیزیں لینا چاہیں گی؟"

"وہ ایک دن سب سے اچھا ہوگا اور کچھ لینے کو دل اس لیے نہیں چاہے گا کہ سکون اور چین ہوگا۔ بس اسی دن کے مزے لوں گی۔ سکون سے بڑھ کر کچھ نہیں۔"

35 "کن دو تاریخی شخصیات سے ملنے کی خواہش ہے؟"

"شیر شاہ سوری اور نپولین بونا پارٹ۔"

36 "لڑکوں کے لیے کوئی دو نصیحتیں؟"

"زندگی میں جو فیصلہ کریں وہ بہت سوچ سمجھ کر کریں کہ آپ کو زندگی میں آگے آنے کے لیے کیا کرنا ہے اور کبھی کسی اور کے جذبات پر پیر رکھ کر نہ چلے جائیں۔ یہ لڑکوں کی بہت بری عادت ہے۔"

37 "سال کے چار موسموں میں سے کون سے دو موسم پسند ہیں؟"

"سردی اور بہار کا موسم مگر لاہور یا اسلام آباد کا کراچی میں بہار کا موسم اچھا نہیں ہوتا۔"

38 "لڑکوں کی دو ناپسندیدہ عادتیں؟"

"جو بیٹھے بیٹھے سگریٹ پیتے رہتے ہیں اور لڑکوں

کے منہ میں گالیاں بہت ہوتی ہیں 'بات بات پہ گالیاں دیتے ہیں۔"

39 "صبح اٹھتے ہی کون سے دو کام پہلے کرتی ہیں؟"

"سب سے پہلے تو میں اپنی بیٹی کو گلے لگاتی ہوں اور پھر اس کے اسکول جانے کی تیاری کرتی ہوں۔"

40 "دو مرد جنہوں نے آپ کی زندگی بنانے میں اہم رول ادا کیا ہو؟"

"میرے والد صاحب اور اظفر۔"

41 "آپ کے نزدیک دنیا کے دو خوب صورت ترین مرد؟"

"شاہ رخ خان" اور پاکستان کے "شان"

42 "دو پسندیدہ پروفیشن؟"

"لائر اور ڈاکٹر۔"

43 "دنیا کے دو بہترین سیاست دان آپ کی نظر میں؟"

"یاسر عرفات اور نپولین بونا پارٹ جس کے بارے میں میں نے پڑھا تو مجھے اس نے بہت متاثر کیا۔"

44 "دو چیزیں جن پر آپ بہت خرچ کرتی ہیں؟"

"کپڑوں پہ اور وہ بھی فاطمہ کے اور کھانے پینے پر کیونکہ میں کھانے کی شوقین ہوں۔"

45 "دو قیمتی چیزیں جو آپ خریدنا چاہتی ہیں؟"

"نہیں کچھ بھی نہیں۔ میں بہت قناعت پسند ہوں۔"

46 "اپنے کیے گئے دو فیصلے جو غلط ثابت ہوئے ہوں؟"

"کوئی بھی فیصلہ میرے خیال سے غلط نہیں ہوتا۔

بس نتیجہ غلط ضرور نکلتا ہے۔وہ بھی کبھی کبھی۔"

47 "پانچ وقت کی نمازوں میں کون سی دو وقت کی نمازیں لازمی پڑھتی ہیں؟"

"عصر اور مغرب۔"

48 "بیرون ملک شاپنگ میں کیا دو چیزیں لازمی خریدتی ہیں؟"

"پرفیومز سوئیٹ اور فاطمہ کے لیے جینز..... جو کہ یہاں اچھی نہیں ملتی۔"

49 "دو لوگ جن کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"

"نہیں مجھے کسی کے بھی غصے سے ڈر نہیں لگتا۔"

50 "کن لوگوں کی تعریف میں بخل سے کام نہیں لیتیں؟"

"امی ابو..... بس۔"

51 "دو پسندیدہ مشروب جن کے بغیر نہیں رہ سکتیں"

"چائے اور پانی۔"

52 "دھنک کے سات رنگوں میں کون سے دو رنگ پسند ہیں؟"

"جامنی اور آسمانی۔"

53 "شادی کی دو رسمیں جو آپ انجوائے کرتی ہیں؟"

"مہندی اور مایوں۔"

54 "جب آپ افسردہ ہوتی ہیں تو کن دو لوگوں کے کاندھوں پر سر رکھ کر رونا چاہتی ہیں۔"

"بہن اور ابو۔"

55 "اپنے لباس میں کن دو باتوں کا خاص خیال رکھتی ہیں؟"

"ایلیگنٹ اور گریس فل ہونے چاہئیں۔"

56 "کن دو افراد کے ساتھ بارش انجوائے کرتی ہیں"

"بیٹی فاطمہ اور زبیدہ جو کہ گزشتہ چھ سات سال سے ہمارے گھر میں ملازم ہیں۔"

57 "کن دو کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"

"مجھے کیڑوں سے ڈر نہیں لگتا۔ بس مجھے چھپکلیاں اچھی نہیں لگتیں۔ مجھے کسی جانور اور کسی کیڑے مکوڑوں سے کوئی تکلیف نہیں ہے۔"

58 "دو ریسٹورنٹ جہاں سے کھانا کھانا پسند کرتی ہیں؟"

"کلاچی 'اعلانتو"

59 "اپنے ملک کے دو شاپنگ مال جہاں سے شاپنگ کرنا پسند کرتی ہیں؟"

"ڈالمن مال اور پارک ٹاور۔"

60 "دو تبدیلیاں جو آپ اپنی شخصیت میں لانا چاہتی ہیں؟"

"شاید مجھے اب سیکھنا پڑے گا کہ ہر چیز معاف نہیں کی جاسکتی اور یہ کہ میں بہت آسانی سے اپنے آپ کو بے وقوف بنالیتی ہوں۔"

61 "دو چینل جو آپ شوق سے دیکھتی ہیں؟"

"اسٹار پلس "لوگ یقیناً" مجھے برا کہیں گے اور ہم ٹی وی۔"

62 "کھانے کی ٹیبل پہ کون سی دو چیزیں نہ ہوں تو کھانے کا مزا نہیں آتا؟"

"سلاد اور رائیتہ۔"

63 "دو چیزیں جو آپ کے والٹ یا بیگ میں لازمی ہوتی ہیں؟"

"آئی ڈی کارڈ اور اے ٹی ایم کارڈز۔"

64 "کن دو شخصیات کو اغوا کرنا چاہیں گی اور تاوان میں کیا وصول کریں گی؟"

"اظفر کو اغوا کرنا چاہوں گی "تاوان میں کچھ نہیں مانگوں گی۔ بس اس کو اپنے پاس چھپا کر رکھ لوں گی اور دوسرا اوباما کو۔ اور تاوان میں یہ مانگوں گی کہ ہمارے ملک کی جان چھوڑ دو۔"

☆ ☆

آواز کی دنیا سے

تحریم منیبہ

شاہین رشید

آواز کی دنیا سے انسان کا بہت پرانا تعلق ہے۔ جب ایجادات کا عمل نہایت آہستہ تھا تب ریڈیو ایجاد ہوا تھا اور اس ایجاد پر لوگ بہت حیران ہوئے تھے کہ اس چھوٹے سے ڈبے میں سے آواز کہاں سے آتی ہے۔ اب اس چھوٹے سے ڈبے نے بہت ترقی کرلی ہے۔ آج کے اس سائنسی دور میں کتنی ہی چیزیں کیوں نہ ایجاد ہو جائیں مگر ریڈیو کی اہمیت کو کوئی کم نہیں کر سکتا۔ ریڈیو نہ صرف چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا ہے بلکہ انسان کی تفریح کا بہترین ذریعہ اور روح کی غذا بھی ہے۔

ریڈیو کو سننے والے تحریم منیبہ کی آواز سے ناواقف نہیں تحریم منیبہ آواز ہی نہیں حمد و نعت کی دنیا کا بھی جانا پہچانا نام ہے۔ کچھ باتیں ان سے آپ کے لیے۔

☼ "کیا حال ہیں تحریم اور آج فرصت میں ہیں؟"

★ "جی اللہ کا شکر ہے اور ابھی ابھی گھر آئی ہوں۔ کیونکہ میرا صبح سات بجے پروگرام ہوتا ہے ریڈیو پہ دس بجے کے بعد فارغ ہو جاتی ہوں۔"

☼ "سات بجے پروگرام شروع ہوتا ہے چھ بجے گھر سے نکلتی ہوں گی اتنی جلدی اٹھ جاتی ہیں صبح؟"

★ "ہاں کیوں نہیں بہت آسانی سے اٹھ جاتی ہوں۔ کیونکہ مجھے صبح اٹھنا زیادہ پسند ہے اور میں اس وقت اپنے کام سے فارغ ہو جاتی ہوں جب لوگ آفس جا رہے ہوتے ہیں اور صبح اٹھنے کی عادت اسکول کالج کے زمانے سے ہے اور چونکہ میں کالج کے زمانے سے ہی ریڈیو پروگرام کر رہی ہوں تو میری صبح اٹھنے کی عادت ٹوٹی نہیں۔"

☼ "کتنے سال ہو گئے ہیں ریڈیو کی فیلڈ میں؟"

★ "تقریباً" چار سال ہو گئے ہیں اور مجھے ریڈیو پہ کام

کرنا بہت اچھا لگتا ہے کیونکہ میری نظر میں ریڈیو ایک طرح سے کتھارسس ہے۔ لوگوں کو اچھی بات سننے کو مل جاتی ہے۔ اچھی میوزک سننے کو مل جاتی ہے اور ہمیں سننے والا مل جاتا ہے لوگ نہیں بلکہ مائیک ہمارے لیے سننے والا ہے۔"

✳ "ایک بے جان چیز مائیک کے سامنے بولنا۔ احساس ہوتا ہے کہ لوگ بھی سن رہے ہوں گے؟"

★ "آج تک کبھی بھی ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ لوگ سن رہے ہوں گے یا نہیں سن رہے ہوں گے۔ بلکہ میرا پروگرام ایف ایم انڈسٹری کا وہ واحد پروگرام ہے جس میں نہ میں sms لیتی ہوں اور نہ ہی لائیو کالز لیتی ہوں۔ مجھے لوگوں سے بات چیت کرنا اس لیے پسند نہیں ہے کہ جو نمود و نمائش اور "میں" بات کرنے والوں میں ہے اتنا تو شاید پریزنٹرز میں بھی نہیں ہے۔ بلاوجہ کی تعریفیں کرکے بات کو کہیں سے کہیں لے جانا مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہے۔ لہٰذا مجھے جو بات کہنی ہوتی ہے وہ کہہ کر میں اجازت طلب کرتی ہوں۔"

✳ "کیا فارمیٹ ہے آپ کے پروگرام کا؟"

★ "پروگرام کچھ اس طرح کا ہے کہ میں حالات حاضرہ کے پروگرام کرتی ہوں اور اس میں دنیا جہاں کی باتیں ہوتی ہیں۔ جس میں سائنس، سیاست، ہالی ووڈ، بالی ووڈ، معلومات عامہ اور دیگر موضوعات ہوتے ہیں اور وہ چیز جو مجھے دلچسپ لگتی ہے اسے میں دلچسپ انداز میں بیان کرتی ہوں اور یہی میرے پروگرام کا فارمیٹ بھی ہے اور میں آپ کو بتاؤں کہ میرے پروگرام میں میوزک بھی میری ہی پسند کا ہوتا ہے۔"

✳ "اچھا... مگر لوگوں کی خواہش تو ہوتی ہوگی کہ وہ کال کریں اور پروگرام کے بارے میں کچھ رائے بھی دیں؟"

★ "لوگوں کا کیا ہے۔ لوگوں کی تو ہزاروں خواہشات ہوتی ہیں اور میں ایک بات ہمیشہ کہتی ہوں کہ جب آپ کا معیار لوگ ہو جائیں تو یہ آپ کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ معیار لوگ نہیں ہونے چاہئیں۔ معیار آپ کا کام ہونا چاہیے۔"

✳ "آپ کی باتیں درست... مگر لوگوں کی رائے بھی تو کچھ اہمیت رکھتی ہے؟"

★ "میری نظر میں یہ چیز ضروری نہیں ہے۔ جب میں نے ریڈیو جوائن کیا اور یہ سوال اٹھا کہ تم کالز کیوں نہیں لیتیں اور میرے گھر میں اور میرے باس نے بھی مجھ سے یہ سوال پوچھا... تو میں نے یہی کہا کہ مجھے اپنی بات کرنا اور کام کی بات کرنا اچھا لگتا ہے۔ حالانکہ فی البدیہہ پروگرام کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کالز والے پروگرام کرنا آسان ہوتا ہے کیونکہ بات سے بات نکل آتی ہے آپ اچھی ہیں۔ وہ اچھی ہے والی باتیں مجھے پسند نہیں ہیں۔"

✳ "تو آپ کو اپنے پروگرام کا فیڈ بیک کیسے ملتا ہے؟"

★ "جب معیار لوگ ہیں ہی نہیں تو پھر فیڈ بیک کی کیا فکر کرنی الحمدللہ مجھے اتنا پتا ہے کہ پروگرام اچھا ہو رہا ہے یا نہیں ہو رہا اور مجھے اپنا پروگرام پیش کرکے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اچھا گیا یا برا گیا۔"

✳ "چار سال ہو گئے ریڈیو سے وابستہ ہوئے۔ اب آپ ٹی وی پہ بھی نظر آتی ہیں تو فرسٹ چوائس ریڈیو کیوں؟"

★ "ریڈیو جوائن کرنے کا بالکل بھی ارادہ نہیں تھا۔ یہ بات ہے 2009ء کی۔ میں ایک آرٹیکل لکھ رہی تھی ریڈیو کے موضوع پر اور اس آرٹیکل کے سلسلے میں مجھے ایف ایم 100 جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں میری ملاقات بزنس منیجر سے ہوئی اور آرٹیکل کے لیے کچھ سوالات میں نے ان سے پوچھے اور جب میں اجازت لے کر اٹھنے لگی تو انہوں نے کہا کہ بی بی آپ ہمارے یہاں کام کیجیے بطور براڈ کاسٹر کے' میں نے کہا کہ اچھا دیکھتے ہیں۔" پھر انہوں نے کہا کہ آپ پیر کے دن سے آجائیے۔ چونکہ ان دنوں میں فرصت سے بھی تو میں نے کہا ٹھیک ہے آجاؤں گی۔ ورنہ مجھے ریڈیو ٹی وی پہ آنے کا شوق بالکل بھی نہیں تھا... البتہ بولنے کا بچپن سے شوق تھا... اور جب پیر کے دن گئی تو انہوں نے کہا کہ بسم اللہ کریں آپ کی جاب پکی ہو گئی ہے۔"

✳ "خوشی ہوئی... یا نارمل رہیں اور کس چینل پہ کتنا عرصہ رہیں۔"

★ "چونکہ بولنے کی عادت بچپن سے ہے تو جہاں کہیں بولنے کا موقعہ ملتا ہے خوشی ہی ہوتی ہے۔ بس ہم جاتے تھے۔ خوب بولتے تھے گانے چلاتے تھے اور گھر آجاتے تھے۔ اسی طرح چھ مہینے گزر گئے اور چھ ماہ بعد ہم نے وہ چھوڑ دیا۔ جبکہ اس ایف ایم پہ میں نے محمد علی بھائی سے بہت کچھ سیکھا۔ وہ میرے استاد ہیں اور چھوڑا کیوں؟ تو کچھ ذاتی وجوہات تھیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک نجی چینل نے ایک ایف ایم چینل لاؤنچ کیا اور میں نے پورا ایک سال ان کے ساتھ کام کیا۔ اس چینل کے بند ہونے سے تقریباً" دو ہفتے پہلے میں نے اس ایف ایم کو چھوڑ دیا تھا۔ بس کچھ اندرونی مسائل کی وجہ سے یہ اسٹیشن بند ہو گیا۔ اور پھر اس کے بعد میں نے ایف ایم 105 جوائن کیا اور الحمدللہ آج تک وہیں ہوں تین سال ہو گئے ہیں مجھے اس اسٹیشن پہ کام کرتے ہوئے۔"

✳ "ماہ رمضان میں آپ کو ایک ٹی وی چینل پہ سحری کے پروگرام کرتے دیکھا۔ یہاں تک رسائی کیسے ہوئی؟"

★ "یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو کسی دن تفصیل سے بتاؤں گی اور ٹی وی کے لیے مزید آفرز بھی ہیں۔ ان کے بارے میں بھی بتاؤں گی۔"

✳ "یہ بتائیں کہ ایک آر جے میں کن خوبیوں کا ہونا ضروری ہے۔"

★ "آر جے کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ یعنی ہر موضوع پر بولنے میں اس کو مہارت ہونی چاہیے اور مطالعہ کے لیے تو میں یہ کہوں گی کہ جس اخبار کے کاغذ میں نان آئیں اس کو بھی ضرور پڑھیں۔ انٹرنیٹ پہ ہر چیز کا مطالعہ کریں اور میری ایک بری عادت یہ ہے کہ میں کتابیں نہیں پڑھ سکتی لہٰذا مجھے بہت محنت کرنی پڑتی ہے جب میں پڑھنے کا موڈ بناتی ہوں۔ مجھے باقاعدہ خود کو منانا پڑتا ہے کہ مجھے فلاں کتاب پڑھنی ہے۔"

✳ "تو پھر تالیج کیسے آتی ہے اور اسکرپٹ لکھتی ہیں کیا؟"

★ "جب مشکلیں پڑتی ہیں اور پتا ہوتا ہے کہ یہ پروگرام کرنا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن میں پھر بھی سب سے کہوں گی کہ مطالعہ بہت ضروری ہے اور جہاں تک اسکرپٹ کی بات ہے تو

بولنے کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ آپ بے شک نیند سے اٹھا کر بلوائیں۔ اسکرپٹ تو اللہ کا شکر ہے آج تک نہیں لکھا۔ اپنے ٹی وی کے پروگرام کے لیے بھی کبھی اسکرپٹ نہیں لکھتی۔"

✳ "پریشان ہوتی ہیں تو اپنی پریشانی دوسروں سے شیئر کرتی ہیں'؟"

★ "میں اپنا دکھ درد آپ کو کیوں سناؤں جب آپ میرے لیے کچھ کر نہیں سکتے۔ ریڈیو پہ اگر میں رونا دھونا شروع کر دوں یا موڈ آف کر لوں تو کچھ بھی نہیں ہو گا میرا نظریہ یہ ہے کہ بات آپ اس سے کریں جو آپ کا مسئلہ حل کر سکے۔"

✳ "اچھا یہ بتائیں کہ اپنے نام کے ساتھ والدہ کا نام کیوں لگاتی ہیں؟ والد کا کیوں نہیں؟"

★ "اگر آپ اسلامی نقطہ نظر سے دیکھیں تو قیامت کے دن انسان اپنی ماں کے نام سے اٹھایا جائے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ تربیت اور پہچان مجھے منیبہ صاحبہ سے ہی ملی ہے اور اگر دین میں یہ فرض ہوتا کہ باپ کا نام لگانا ہے تو میں یقیناً" لگاتی۔ لیکن چونکہ دین میں آسانی ہے تو میں نے اس کا استعمال کیا ایک دو لوگوں نے تو یہ سوال پوچھا لیکن اکثریت کے ذہنوں میں تو یہ سوال آیا ہی نہیں ہو گا۔"

✳ "کب کہاں پیدا ہوئیں تعلیم بہن بھائی؟"

★ "21 جون 1989ء کو کراچی میں پیدا ہوئی۔ میری ماں کے بارے میں سب جانتے ہیں۔ منیبہ شیخ صاحبہ نے تین ماسٹرز کیے ہوئے ہیں اور میرا "سی اے" مکمل ہونے والا ہے "اور میں براڈ کاسٹر بھی ہوں اور وائس اوور آرٹسٹ بھی ہوں۔ میرا تعلق انڈیا سے ہے ——— میری خالہ بچوں کی مسلم لیگ کی سربراہ تھیں اور مہاراشٹر میں خواتین اور مردوں کے مسلم لیگ کے ہیڈ کوارٹر ہمارے ہی گھر میں ہوا کرتے تھے اور میرے والد سینئر آڈیٹر ہیں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ منیبہ شیخ صاحبہ نے مجھے گود لیا ہوا ہے اور میں ان کی بھانجی کی بیٹی ہوں اور جب میں ایک دن کی تھی تو انہوں نے مجھے گود لے لیا تھا اور تب سے اب تک وہی میری ماں بھی ہیں اور وہی میرا باپ بھی ہیں اور میرے دیگر بہن بھائیوں میں ایک چھوٹا بھائی اور ایک چھوٹی بہن ہے۔"

✳ "والدین کو اپنی اولاد کی شادی کی بہت فکر رہتی ہے۔ تو ۔۔۔ سوچتے تو ہوں گے' آپ کا اپنا نظریہ کیا ہے؟"

★ "پتا نہیں ابھی کچھ بتایا تو نہیں۔ لیکن جہاں تک میری بات ہے تو یہ نہیں کہوں گی کہ میں ابھی بہت چھوٹی ہوں اور ابھی شادی نہیں کروں گی لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ شادی سوچ سمجھ کر کرنی چاہیے۔ بے شک اسلام میں اجازت ہے کہ آپ کی نہیں بنتی تو آپ جو مرضی آئے کریں لیکن میں یہ کہتی ہوں کہ پہلا فیصلہ کریں اور سوچ سمجھ کر کریں' جلد بازی نہ کریں اور ویسے تو میں ارینج میرج کو ہی ترجیح دوں گی' لیکن اگر کوئی پسند آگیا تو کیا کر سکتے ہیں۔"

✳ "مزاج کی کیسی ہیں۔ بچپن سے لے کر اب تک کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ انسان میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں؟"

★ "بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسان بدلتا رہتا ہے۔ میں بچپن سے لے کر اب تک بہت باتونی ہوں۔ دوسروں کو ہنسانا انہیں خوش رکھنا مجھے بہت پسند ہے۔ خوش رہنا پسند ہے۔"

✳ "پھر تو غصہ نہیں آتا ہو گا؟"

★ "ایسا نہیں ہے' غصہ بہت آتا ہے بلکہ بہت زیادہ آتا ہے۔ لیکن ہمیشہ سے مجھ میں یہ خوبی رہی ہے کہ میں ضبط کر لیتی ہوں لیکن اگر کوئی مجھے کریدے یا اکسائے تو پھر میں پھٹ پڑتی ہوں اور رد عمل عموماً" یہ ہوتا ہے کہ میں بالکل خاموش ہو جاتی ہوں اور اگر بہت شدید غصہ آجائے تو پھر رونے لگتی ہوں۔"

✳ "گھر والوں کو پتا چلتا ہے؟"

★ "عموماً" پتا نہیں چلتا' کیونکہ چاہے غصہ ہو یا کوئی دوسری شدید فیلنگ ہو تو میں اپنے آپ کو اکیلا کر لیتی ہوں۔ کمرے میں اپنے آپ کو بند کر لیتی ہوں یا زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزارتی ہوں۔"

✳ "گھر داری سے لگاؤ ہے؟"

★ "بالکل ہے۔ صفائی کا بہت شوق ہے۔ گھر کو صاف ستھرا رکھنے اور ہر ایک چیز کو قرینے سے رکھنے کا شوق ہے۔ کپڑے دھونے کا بہت زیادہ شوق ہے اور داغ ختم کرنے کا بہت شوق ہے خواہ داغ کپڑوں پر ہوں' فرنیچر پہ ہو یہ کسی بھی جگہ پہ ہوں۔ بس میں چاہتی ہوں کہ داغ نظر نہ آئیں' کھانے پکانے کا زیادہ شوق نہیں ہے۔ لیکن ہاتھ میں ذائقہ ہے۔ جو بھی بناتی ہوں اچھا بناتی ہوں اور لوگوں کو پسند آتا ہے۔"

✳ "کھانے پکانے کے اتنے سارے چینلز ہیں ان سے فائدہ نہیں اٹھاتیں کیا؟"

★ "بس معاف کر دیں اور سچ بتاؤں' مجھے سادگی پسند ہے۔ لباس سے لے کر کھانے پینے تک میں اس لیے میں ان چینلز سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی۔"

✳ "آپ نے بتایا کہ آپ کے پروگرام کرنٹ افیئرز کے بارے میں ہی ہوتے ہیں۔ تو موجودہ حالات اور سیاست سے دلچسپی ہے؟"

★ "بس پروگرام کی حد تک ہے۔ خبر کو اس طرح سے پیش کرنا کہ آپ کو سب کچھ پتا ہے میری نظر میں یہ ایک ہنر ہوتا ہے اور الحمدللہ مجھ میں یہ ہنر ہے۔ مجھے سیاست کی الف ب بھی نہیں پتا کیونکہ پاکستان کی سیاست ایسی ہے کہ گویا اپنا وقت برباد کرنا ہو۔۔۔ تو سیاست میں وقت برباد کرنے سے بہتر ہے کہ انسان کچھ اور کام کرے۔"

✳ "کھیل وغیرہ سے ۔۔۔؟"

★ "بہت زیادہ دلچسپی ہے ۔۔۔ کھیل کی خبریں کافی شامل کرتی ہوں اپنے پروگرام میں اور جب کرکٹ شروع ہوتی ہے تو میں اپنے سامعین کو یہی تسلی دیتی ہوں کہ جیت کی امید نہ لگائیے گا۔ کیونکہ امید نہ لگا کے اگر جیت گئے تو اس کی زیادہ خوشی ہو گی۔"

✳ "کوئی خواہش جو ابھی تک پوری نہ ہوئی ہو؟"

★ "وہی ایک مصرعہ میں بھی پڑھ دوں گی کہ "ہزاروں خواہشیں ایسی" ویسے ایسا نہیں ہے' اللہ نے بہت چھوٹی عمر میں عزت شہرت اور دولت دے دی ہے۔ میں اپنی لائف میں بہت خوش ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے تحریم منیبہ سے اجازت چاہی۔

☼ ☼

حسن و صحت

ادارہ

بال عورت کی خوب صورتی کا اہم حصہ ہونے کے ساتھ ساتھ شخصیت میں بھی مقناطیسی کشش پیدا کرتے ہیں۔ جسمانی صحت اور حسن کی طرح بالوں کی حفاظت اور نگہداشت بھی بہت ضروری ہے تاکہ بالوں کو خوب صورت اور پرکشش بنایا جا سکے' بالوں کی طرف سے تھوڑی سی بھی لاپرواہی برتی جائے تو بال جھاڑیوں کی طرح بدنما ہو جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بال جلدی سفید ہونے لگتے ہیں۔ بالوں کو بیماری سے بچانے اور انہیں صحت مند رکھنے کے لیے اپنی غذا میں پروٹین' وٹامن اور آئرن شامل کرنے پر خاص توجہ دیں تاکہ بالوں کی کشش ماند نہ پڑے اور بال پرکشش رہیں۔ ٹھنڈا پانی بالوں کے لیے آب حیات ہے اور اس کا استعمال بالوں میں مالش کرنے سے اکسیر کا کام کرتا ہے۔ سر کو ٹھنڈے پانی کے ساتھ دھوتے وقت بالوں کو انگلیوں کی مدد سے مسلنا اور رگڑنا بالوں کی صحت کے لیے بہت مفید ہے۔

جس طرح انسانی جلد کی تین قسمیں ہیں اسی طرح بالوں کی بھی تین اقسام ہیں۔ چکنے بال' نارمل بال' خشک بال ہمیشہ اپنے بالوں کے مطابق شیمپو کا انتخاب کرنا چاہیے۔ شیمپو بالوں کی تیزابیت کو ختم کرتا ہے۔ بالوں کے بڑھنے اور گرنے کا انحصار آپ کی صحت پر بھی منحصر ہے آپ کے جسم کو اگر مناسب مقدار میں پروٹین اور دوسرے وٹامن مل رہے ہیں تو آپ کے بال بھی صحت مند' لمبے اور چمکیلے ہوں گے۔ بالوں کی حفاظت بھی اسی طرح ضروری ہے۔ جس طرح ہم اپنے باقی اعضا کی حفاظت کرتے ہیں۔ اکثر خواتین بالوں کو لمبا کرنے کے طریقوں سے ناواقف ہوتی ہیں۔ ان کے خیال میں اگر بالوں کو نہ کٹوایا جائے تو بال بڑھتے رہتے ہیں۔ یہ سوچ بالکل غلط ہے اگر آپ کے بال لمبے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ مہینے میں ایک بار ان کی نوکیں کٹوائیں۔ اس سے بالوں کو بڑھنے میں مدد ملے گی۔

بالوں کی غذا تیل ہے : ہفتہ میں دو بار بالوں کی جڑوں میں تیل کا مساج کرنا چاہیے روئی کو سرسوں کے تیل میں بھگو کر سر کے بالوں میں مانگ نکال کر لگائیں۔ اس کے بعد انگلیوں کی پوروں سے مالش کریں۔ پندرہ منٹ تک آہستہ آہستہ کنگھی کریں اور اس کے بعد تولیہ بھگو کر نچوڑ لیں اور سر پر لپیٹ دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر یہی طریقہ دہرائیں۔ یہ عمل تین مرتبہ کریں۔ بعد میں باریک کنگھی سر پر پھیریں۔ اس کے بعد ایک تو تیل جڑوں میں جذب ہو جائے گا دوسرا جلد کی خشکی کنگھی میں آجائے گی۔ اس عمل کے بعد اپنے بالوں کو کسی اچھے شیمپو سے دھوئیں۔ اگر بال گرتے ہیں تو اس کے لیے ایک گھریلو نسخہ بہت آسان ہے۔ گرتے بالوں کو روکنے کے لیے ضروری ہے کہ سر میں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ تک برش کریں۔ بالوں کا رخ کمر کی طرف کر کے برش کرنا زیادہ بہتر ہے۔ سردیوں میں اگر سر میں زیتون یا روغن بادام استعمال کیا جائے تو اس سے بالوں کے بڑھنے کی رفتار میں اضافہ ہوتا ہے۔

دھوپ اور خشک ہوا

بالوں کو دھوپ اور خشک ہوا سے جتنا ممکن ہو بچانا چاہیے۔ آج کل بہت چھوٹی عمر میں لڑکے لڑکیوں کے بال سفید ہونے لگے ہیں سفید بالوں کی وجہ سے چہرے کی دلکشی متاثر ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے کم عمری میں بال سفید ہوتے ہیں ان کے لیے ایک اچھا نسخہ یہ ہے ایک پاؤ مہندی میں ایک چمچ کافی ایک چائے کا چمچہ شکر چند قطرے لیموں کے اور حسب ضرورت پانی ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور پھر باریک کپڑے سے سر لپیٹ لیں اور چار پانچ گھنٹے بعد پانی سے سر دھو ڈالیں۔ یہ عمل مہینے میں صرف ایک بار کرنا چاہیے۔

بالوں میں خشکی

بالوں میں خشکی کا ہونا بھی بالوں کے گرنے کی ایک وجہ ہے۔ خشکی دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سرسوں کا تیل انڈہ اور دہی یکجان کر لیں اور اس آمیزے کو بالوں میں لگائیں اور سر پر کوئی رومال باندھ لیں۔ ایک گھنٹے بعد سر دھو لیں۔ بالوں میں خشکی ختم ہو جائے گی۔ آپ کے بالوں میں خشکی ہو تو آپ لیموں کے رس کو پانی میں ملا کر سر دھوئیں چند ہی دنوں بعد بال چمکدار اور خشکی سے پاک ہو جائیں گے۔ سیاہ اور چمکیلے بال اپنے حسن اور درازی کے باعث شخصیت میں چار چاند لگا دیتے ہیں۔

بال خوبصورت بنانا

ناریل کا خالص تیل ایک پاؤ' تل کا تیل ایک چھٹانک اور کیسٹر آئل دو چھٹانک آپس میں ملا کر رکھ لیں اور سوتے وقت روزانہ اس تیل سے مساج کریں۔ اس سے بال مضبوط گھنے اور لمبے ہو جائیں گے۔ لیموں کا رس بھی بالوں کے لیے بہترین ہے۔

بالوں کو جھڑنے سے روکنے کے لیے نسخے

بال زیادہ گرنے پر پندرہ دن میں ایک بار انڈے کی زردی کو اچھی طرح پھینٹ لیں اور اسے بالوں کی جڑوں میں اچھی طرح سے لگائیں اور انگلیوں کی پوروں سے ہلکے ہلکے مالش کریں' پندرہ منٹ بعد بالوں کو ٹھنڈے پانی سے دھو لیں' گاجر میں کیلشیم' فاسفورس' وٹامن اے جیسے عناصر اور کافی مقدار میں پائے جانے والا بیٹا کیروٹین بالوں کو مضبوطی عطا کرتا ہے' جس سے بال گرنا بند ہو جاتے ہیں' یہ نسخہ روزانہ استعمال کرنے سے فائدہ دکھائی دیتا ہے۔ سبز دھنیے کے پتوں کا رس جات تیجے لیں' اسے بالوں کی جڑوں میں آہستہ آہستہ لگائیں۔ ایک گھنٹے کے بعد بالوں کو دھو لیں' سبز دھنیے میں کافی مقدار میں کیلشیم' فاسفورس' آئرن' وٹامن اے' بی سی' عناصر ملتے ہیں۔ جو بالوں کی جڑوں کو غذائیت دے کر بالوں کو مضبوطی عطا کرتے ہیں' جس سے بالوں کا گرنا بند ہو جاتا ہے۔

بالوں کی حفاظتی تدابیر

بال گر رہے ہیں تو بالوں میں بلیچ نہ کرائیں' بالوں کو خشک کرنے کے لیے ہیئر ڈرائیر کا استعمال نہ کریں۔ دن بھر میں کئی بار کنگھی کریں' کنگھی کرنے سے سر کی جلد میں خون کے دوران میں اضافہ ہوتا ہے' جس سے بالوں کو غذائیت حاصل ہوتی ہے اور بال مضبوط ہوتے ہیں۔ بالوں کو دھونے کے لیے ٹھنڈے پانی کا استعمال کریں زیادہ گرم پانی' بالوں کی جڑوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ غسل کرنے کے بعد بالوں کو کپڑے سے زور زور سے رگڑ کر خشک نہ کریں' ملائم روئیں دار تولیے کو ہلکے ہاتھوں سے بالوں پر پھیر کر بالوں کو خشک کریں۔

تیز دھوپ میں کھڑے ہو کر بالوں کو خشک نہ کریں' تیز دھوپ بالوں کے بڑھنے کے قدرتی عمل کو نقصان پہنچاتی ہے' جس سے بالوں کی جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں اور بال زیادہ گرنے لگتے ہیں' بالوں کو ہوا میں خشک ہونے دیں۔ گیلے بالوں میں کنگھی نہ کریں اس سے بال زیادہ گرنے لگتے ہیں' بالوں کو سنوارنے کے لیے گول منہ اور چوڑے دانتوں والے برش یا کنگھی کا استعمال کریں۔ بالوں کی باقاعدہ مالش کریں' بالوں کی مالش کے لیے اپنی انگلیوں سے بالوں کو جڑوں سے مالش کریں' سر کو تھپتھپائیں اور اپنی انگلیوں کو بالوں میں پھنسا کر کھینچیں' ایسا کرنے سے سر کی جلد میں خون کی گردش تیزی سے ہونے لگے گی۔ جس سے بالوں کو غذائیت اور مضبوطی ملے گی۔ بالوں کی حفاظت کے لیے اپنی خوراک میں ہری سبزیوں' تازہ پھلوں' خشک پھلوں' دودھ' پنیر' وٹامن اے' بی کمپلیکس' پروٹین' آئرن وغیرہ سے بھرپور غذائی چیزوں کو شامل کریں۔

☼ ☼

فوزیہ یاسمین

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی.... مگر زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے.... رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے.... اور روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رگومیلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے.... اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لنچ کی دعوت دیتی ہے.... اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، ذکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کرلیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے.... رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے.... وہ دونوں واپس جانے کے لیے سڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے.... اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کردیتا ہے.... اب آگے پڑھیں۔

انتیسویں قسط

خرم کی بات پر زوبیہ الجھ کر چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئی پھر پر سوچ انداز میں کہنے لگی۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے اس لڑکے کو اور اس فارم ہاؤس کو جانتے ہوں۔" اس کے سوال پر خرم ذرا بھی نہیں گھبرایا۔

وہ اگر حمید کے ساتھ اپنی شناسائی ظاہر بھی کر دیتا تب بھی کوئی حرج نہیں تھا مگر وہ حمید کو ان تمام باتوں میں گھسیٹنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ حمید سے دوستی کا تذکرہ کرنے کی صورت میں زوبیہ فوراً" اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کرتی جس پر خرم ہرگز عمل نہیں کر سکتا تھا۔

حمید یا دکی جیسے لڑکوں کے کردار سے واقف ہوتے ہوئے بھی وہ زوبیہ کو اگر اس سے ملوا دیتا تو یہ اس کی نہایت کم ظرفی ہوتی جبکہ وہ کوئی بے غیرت انسان نہیں تھا۔

دوسرے زوبیہ کی دماغی حالت کے بارے میں بھی کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ جانے کب اسے دورہ پڑ جائے اور وہ نامناسب رویہ کا مظاہرہ کر دے۔

وہ اب اسے مزید تماشا نہیں بنانا چاہتا تھا اسی لیے بہت سوچتے ہوئے بولا۔

"میں جانتا تو نہیں ہوں لیکن پتا ضرور کر سکتا ہوں مگر اس جگہ کی تصدیق بس تم ہی کر سکتی ہو۔

دراصل جس لوکیشن کا تم ذکر کر رہی ہو وہ میری دیکھی ہوئی ہے۔" خرم کی بات زوبیہ بری طرح چونک اٹھی۔

"آپ کی دیکھی ہوئی ہے۔" اس نے حیرت سے دُہرایا۔

"شاید دیکھی ہوئی ہے۔" خرم نے شاید پر زور دیا تو دوسری طرف زوبیہ خاموش ہی رہی آخر خرم کو ہی کہنا پڑا۔

"تبھی تو کہہ رہا ہوں اس کی تصدیق تم ہی کر سکتی ہو ہم کل ہی دن کے وقت وہاں جائیں گے کیا تم گھر سے نکل سکتی ہو۔" خرم کے سوال پر زوبیہ سوچ میں پڑ گئی۔

خرم کے ساتھ یونیورسٹی جانے کا فیصلہ اسے کچھ مناسب نہیں لگا تھا اور پھر جس طرح خرم کی منگیتر نے اس سے بات کی تھی اس پر تو اسے اپنے آنے پر سخت پچھتاوا ہوا تھا۔

مگر وہ اپنے حالات اور زندگی سے اتنی مایوس ہوگئی تھی کہ خرم سے قطع تعلق کر لینے کا مطلب تھا کہ اسے اس وہم کے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہوگی جو کہ اسے ہرگز منظور نہیں تھا لہٰذا خرم کے ساتھ جانا فائدے مند تھا یا بے سود وہ اپنی سی ہر کوشش کر لینا چاہتی تھی۔

مگر اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ گھر سے نکلنے کے لیے بہانہ کیا کرے گی عائشہ اختر تو پہلے ہی اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئی تھیں۔

انہوں نے زوبیہ سے تو ذکر نہیں کیا لیکن انہوں نے ڈرائیور کو بلا کر اپنے طور پر سب پوچھا تھا۔

لیکن ڈرائیور بھی کوئی بے وقوف نہیں تھا اسے جب پتا چلا کہ زوبیہ یونیورسٹی میں نہیں اسپتال میں ہے بلال اختر نے اسے فون کر کے کہا تھا وہ جہاں بھی ہے عائشہ اختر کو لیتا ہوا اسپتال آجائے انہیں ضروری کام سے فوراً" نکلنا ہے۔

تب ڈرائیور نے یہ بتانا مناسب ہی نہیں سمجھا کہ وہ زوبیہ کو یونیورسٹی میں ایک لڑکے کے پاس چھوڑ کر گاڑی بنوانے چلا گیا تھا اگر وہ یہ کہہ دیتا تو بلال اختر تو اس کی کھال ادھیڑ دیتے۔

وہ تو یہ سوچ کر ہی ڈر گیا تھا کہ زوبیہ بی بی اسپتال میں ہیں جانے ان کے ساتھ کیا ہو گیا ہے وہ جو مناسب سمجھیں گی ہوش میں آنے پر بتا دیں گی چنانچہ اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ بی بی جی نے کہا انہیں ٹائم لگے گا تو میں ان کی اجازت سے گاڑی ٹھیک کرانے چلا گیا۔

زوبیہ کے علم میں بھلے ہی یہ سب باتیں نہیں تھیں مگر خطرہ تو تھا نا اگر عائشہ اختر نے ڈرائیور سے کچھ پوچھ لیا

اور اس نے کسی لڑکے کا ذکر کر دیا تو پھر کیا ہوگا وہ ڈرائیور کو اپنے طور پر منع کر کے اسے مشکوک بھی نہیں کرنا چاہتی تھی ورنہ ہو سکتا ہے وہ اس معاملے کو اب تک سرسری انداز میں لے رہا ہو اس کے کچھ کہنے پر وہ عائشہ اختر کو مطلع کرنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوئے بھی ساری اطلاع دے دی اور یہ بھی بتا دے کہ زوبیہ بی بی نے خاص طور پر اسے منع کیا ہے کچھ بھی بتانے سے لہٰذا بہتر یہی تھا کہ خاموشی اختیار کی جائے اور دل ہی دل میں دعا کی جائے سو وہ یہی کر رہی تھی۔

"زوبیہ میں نے پوچھا ہے تم گھر سے نکل سکتی ہو یا نہیں۔" خرم اس کی خاموشی طویل ہوتی دیکھ کر ایک ایک لفظ کو کھینچتے ہوئے بولا۔

"ہاں میں آجاؤں گی لیکن صبح میں نہیں بلکہ بارہ ایک بجے تک اور میں ڈرائیور کے ساتھ نہیں آؤں گی آپ مجھے پک کر لیجیے گا۔" زوبیہ کا ذہن گھر میں کچھ بھی بتائے بغیر نکلنے کے لیے تانے بانے بننے لگا۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن کی صبح بڑی بوجھل اور اداس تھی ساری رات ایک صوفے پر ایک ہی کروٹ سے لیٹے رہنے کے باعث رومیلہ کے جسم کا ہر انگ بری طرح دکھ رہا تھا۔

پھر ساری رات اس کی سوتے جاگتے اور روتے ہوئے گزری تھی۔ نیند میں ہی اس کی آنکھیں بھر آتیں اور بہنے لگتیں تو اس کی نیند ٹوٹ جاتی وہ ویسے ہی صوفے پر لیٹے لیٹے چہرہ ہاتھوں سے صاف کرلیتی۔

چنانچہ صبح کمرے میں پھیلی روشنی دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی بے اختیار اس کی نظریں بستر کی جانب اٹھ گئیں مگر وہ خالی پڑا تھا اس نے فوراً" باتھ روم کی طرف دیکھا۔

اس کا بھی دروازہ کھلا ہوا تھا گویا الیان اس کے اٹھنے سے پہلے ہی کمرے سے نکل کر جا چکا تھا۔

رومیلہ کو ایک محسوس کیے جانے والے سکون کا احساس ہوا سب کچھ جاننے سے پہلے بھی اسے الیان کی موجودگی ایک عجیب سی گھٹن میں مبتلا کر دیا کرتی تھی اور اب تو اس میں الیان کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔

وہ شکر کا کلمہ پڑھتی جلدی سے حلیہ ٹھیک کر کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں۔" اس پر نظر پڑتے ہی سکینہ نے چونک کر پوچھا تو رومیلہ ایک دم گھبرا گئی۔

"ہاں۔۔۔ کیوں۔۔۔ کیا ہوا۔" اس نے تیزی سے پلکیں جھپکائیں مبادا آنکھوں کی سرخی نے اس کے رات بھر رونے کا راز فاش تو نہیں کر دیا۔

"آپ کی شکل سے تو لگ رہا ہے آپ کی طبیعت بہت خراب ہے آپ کو بخار تو نہیں ہو رہا۔" اس نے قریب آکر رومیلہ کی پیشانی چھوتے ہوئے پوچھا تو رومیلہ بے اختیار گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"نہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔"

"ارے کیا خاک ٹھیک ہیں آپ کا ماتھا تو جل رہا ہے لگتا ہے آپ کو سفر کی تھکن ہوگئی ہے۔" سکینہ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تو رومیلہ کچھ مطمئن سی ہوگئی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں ہو سکتا ہے تھکن تو مجھے واقعی بہت ہوگئی تھی ہو سکتا ہے اسی لیے حرارت محسوس ہو رہی ہو ورنہ طبیعت تو میری بالکل ٹھیک ہے۔" رومیلہ نے جلدی جلدی صفائی دی۔

"جب حرارت محسوس ہو رہی ہے تو طبیعت بالکل ٹھیک کیسے ہوگئی۔"

"بھلے ہی میں ابھی ڈاکٹر نہیں بنی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اپنی صحت کی طرف سے لاپروائی برتیں اور مجھے احساس تک نہ ہو مجھے معلوم ہے آپ نے رات کو کھانا بھی برائے نام کھایا تھا۔"

”آپ کے چہرے پر ... اور خالی پیٹ ہونے کے باعث ہی بارہ بج رہے ہیں اب آپ فوراً ... ناشتا کریں پھر میں آپ کو ایک ٹیبلٹ دوں گی جسے کھا کر آپ تھوڑی دیر سو ئیں گی۔“

”نہیں... نہیں سکینہ... سونا تو اس وقت اچھا نہیں لگے گا۔“ رومیلہ فوراً بولی۔

”ارے اچھا اور برا گیا بھاڑ میں۔ آپ کو نہیں پتا ہماری برادری کی عورتیں الیان بھائی کی دلہن کو دیکھنے کے لیے کس قدر بے چین ہو رہی ہیں ایک بار ان سب کے آنے کا تانتا بندھ گیا تو آپ بس دلہن بنی ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی رہیں گی۔

اس لیے جتنی جلدی اور جتنا آرام کر سکتی ہیں اچھا ہے ویسے تو عورتیں فجر کے بعد سے ہی آنی شروع ہو جاتیں مگر دادی جان (الیان کی نانی اماں) اتنا لمبا سفر کر کے آئی ہیں سب ان کے لحاظ میں صبح سے نہیں آئے۔

حالانکہ وہ تو اپنی عادت کے مطابق فجر سے اٹھی ہوئی ہیں۔“ سکینہ کہتی چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد اس کے سامنے ناشتے کے نام پر پراٹھا‘ دیسی انڈوں کا حلوہ اور لسی آ گئی۔ لسی میں تیرتا گھی دیکھ کر رومیلہ کو تو ابکائی آنے لگی۔

”حاجرہ... یہ ناشتا ہے۔“

”فار گاڈ سیک بھابھی کم از کم آپ یہ ناشتا ضرور کریں گی پھوپھا اور الیان بھائی نے اس ناشتے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے بریرہ اور پھپھو (شگفتہ غفار) ابھی سو رہی ہیں لیکن مجھے یقین ہے وہ بھی یہ ناشتا نہیں کریں گی۔ لہٰذا آپ کو یہ سب کھانا ہے‘ میں الیان بھائی کی طرح آپ کو ہلکے سے سکے ہوئے سلائس پر مکھن لگا کر چائے پینے ہرگز نہیں دوں گی۔“ شاہ جہاں ماموں کی بڑی بیٹی حاجرہ نے بڑے خلوص بھرے انداز میں ڈانٹ پلائی اور سامنے رکھی ٹرے اس کے اور نزدیک کر دی۔

اسی وقت سکینہ کمرے میں داخل ہو گئی تو رومیلہ بد طلب نظروں سے اسے دیکھنے لگی جو ہاتھ میں گولیوں کا ایک پتا لیے آئی تھی اور اس پر نظر پڑتے ہی مسکرا دی تھی۔

”حاجرہ آپا۔ بھابھی یہ ناشتا نہیں کر سکتیں ان کی تو طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے اور پھر یہ لوگ صبح صبح اتنی مرغن چیزیں نہیں کھا سکتے۔“

”کیا ہوا ان کی طبیعت کو۔“ حاجرہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

”تھکن ہو گئی ہے بس اور کچھ نہیں ہوا ہے۔“ رومیلہ جلدی سے بولی۔

”ہوں۔ آپ کا چہرہ مرجھایا مرجھایا لگ رہا ہے چلیں پھر تو آپ کو معاف کر دیتی ہوں ورنہ میرا تو پورا ارادہ تھا آپ کو یہی ناشتا کرانے کا۔

پھوپھا (ریاض غفار) نے تو شرما حضوری میں یہ کھا بھی لیا مگر الیان بھائی نے تو صاف انکار کر دیا‘ میں نے تبھی سوچ لیا تھا ان کی بیوی کو زبردستی یہ سب کھلاؤں گی۔ لیکن نہیں بھئی۔ آپ بھی آخر ان ہی کی بیوی ہیں۔“ حاجرہ کا لہجہ تھوڑا شوخ ہو گیا تو رومیلہ زبردستی مسکرا دی۔

اب اس سے کیا کہتی کہ لفظ بیوی اس پر بالکل سوٹ نہیں کرتا وہ تو کسی کے سر پر زبردستی مسلط کیا گیا ایک بوجھ ہے۔

”کہاں کھو گئیں۔“ حاجرہ نے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ لہرایا۔

”ہوں... نہیں... کہیں نہیں۔“ رومیلہ نے اپنا دھیان اس کی جانب مبذول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کیونکہ وہ بڑے شوخ انداز میں بولے جا رہی تھی۔

”پھر میں آپ کو بھی الیان بھائی کی طرح چائے ٹوسٹ دے دوں۔“

”نہیں حاجرہ‘ مجھے تم صرف چائے دے دو مجھے کچھ بھی کھانے کی خواہش نہیں ہو رہی۔“

”کچھ کھائیں گی نہیں تو ٹیبلٹ کیسے لیں گی۔ میری بات مانیں جلدی سے ٹیبلٹ کھا کر سو جائیں ورنہ دس گیارہ بجے سے جو آپ کی منہ دکھائی شروع ہو گی تو پتا نہیں شام کب تک چلے۔“ سکینہ نے سمجھایا تو حاجرہ ایک بار پھر بڑے ڈرامائی انداز میں کہنے لگی۔

”اور اس وقت آپ کو اتنے سادہ سے حلیے میں کمرے سے نکلنے کی اجازت نہیں ہو گی بلکہ آپ کو میں سجاؤں گی ورنہ آپ کو کیا معلوم ہمارے علاقے کی دلہن کیسی ہوتی ہے۔

آپ اور بریرہ بھابھی دونوں بہت اچھی لگیں گی۔“ اس نے نقشہ تو بہت خطرناک کھینچنے کی کوشش کی تھی مگر بات کے آخر تک اس کے چہرے پر ایک پرخلوص مسکراہٹ ابھر آئی۔

رومیلہ اس کے انداز پر بے ساختہ مسکرا دی اور پھر ان دونوں کے پرزور اصرار پر وہ واقعی کمرے میں آ کر سونے پر مجبور ہو گئی۔ سکینہ نے اسے دوا بھی ایسی دی تھی کہ وہ جلد ہی نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

رات اس کی ویسے ہی سوتے جاگتے گزری تھی چنانچہ اس وقت جب وہ دو گھنٹے کی اچھی گہری نیند لے کر اٹھی تو خود کو پہلے سے بہت بہتر محسوس کر رہی تھی سکینہ اور حاجرہ نے اس کے لیے بالکل اپنے روایتی علاقائی کپڑے نکال کر اس کے کمرے میں رکھ دیے تھے رومیلہ اتنا بھاری جوڑا دیکھ کر صرف بھنویں اچکا کر رہ گئی اور بغیر چوں چرا کیے نہا کر زیب تن کر لیے وہ باتھ روم سے باہر نکلی تو حاجرہ اس کے انتظار میں اس کے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔

”واؤ۔ آپ تو بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔ آپ کے بال اتنے لمبے ہیں مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا۔“ اس نے رومیلہ کے کمر تک آتے گھنے بالوں کو دیکھتے ہوئے ستائشی انداز میں کہا۔

رومیلہ صرف مسکرا کر رہ گئی تو وہ مزید کہنے لگی۔

”ابھی تو آپ نے وہ زیور نہیں پہنا جو ہمارے ہاں دلہن پہنتی ہے جب آپ وہ پہنیں گی پھر دیکھیے گا کیا لگتی ہیں۔“ وہ خاصی پرجوش ہو رہی تھی۔

”وہ زیور ان کپڑوں کی طرح بھاری تو نہیں ہو گا نا۔“ رومیلہ نے پریشانی سے پوچھا۔

”بھاری تو یہ کپڑے بھی نہیں ہیں لیکن آپ خود اتنی نازک ہیں کہ آپ کو ضرور بھاری لگیں گے۔“

”یہ کپڑے تمہاری نظر میں بھاری نہیں ہیں۔“ رومیلہ نے ایک ہاتھ سے قمیص کا دامن اٹھاتے ہوئے حیرانی سے کہا تو حاجرہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

”دلہن کے لحاظ سے تو بالکل بھی نہیں۔“ حاجرہ نے کندھے اچکائے۔

”تو کیا کل رات کو جب بریرہ ولیمہ کی دلہن بنے گی تو وہ ایسے ہی کپڑے پہنے گی۔“ رومیلہ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں بھابھی۔ بریرہ کے لیے تو تائی جان (بریرہ کی ساس) نے بالکل شہر والے کپڑے بنائے ہیں جیسے شہروں میں دلہنیں پہنتی ہیں۔

اس وقت تو گاؤں کی عورتیں گھر پر ملنے آ رہی ہیں اس وقت ایسے کپڑے آپ لوگوں کو پہنا دینا الگ بات ہے لیکن اگر ولیمے کے اتنے بڑے فنکشن میں بریرہ کو علاقائی لحاظ سے تیار کیا تو بریرہ کو شاید اچھا نہ لگے۔

آخر اس کی پرورش تو شہر میں ہوئی ہے وہ اس ماحول اور رہن سہن کی عادی ہے پہلے ہی ہم لوگوں کے ماحول میں بہت فرق ہے ایسے میں ہم کوئی بھی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے جس سے بریرہ کو ایک دم اس ماحول کے مطابق ڈھلنا بہت مشکل لگنے لگے۔

ایسے تو وہ بہت گھبرا جائے گی اس رشتے کے ہونے سے پہلے ہی کافی لوگوں نے اس شادی پر اعتراض کیا تھا کہ

بریرہ یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو سکتی۔ لیکن دادی جان کا کہنا تھا کہ ہم لوگ بھی کوئی دیہاتی گنوار نہیں ہیں ہمارے گھر میں بہت پڑھا لکھا ماحول ہے پھر بھلا بریرہ کو کیوں مشکل پیش آئے گی۔

چنانچہ ہم سب تو اسے لائے ہی یہ سوچ کر ہیں کہ وہ جیسے رہنا چاہے گی اسے رہنے دیا جائے گا پھر آہستہ آہستہ وہ خود ہی سب کچھ اپناتی چلی جائے گی اور اگر نہیں بھی اپناتی تو جس میں وہ خوش ہم بھی خوش بس سب کے ساتھ گھل مل کر رہے۔" حاجرہ کہتی چلی گئی۔

رومیلہ ان سب کی سوچ اور وسیع النظری پر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ متاثر بھی ہوئی تھی واقعی وہ لوگ بڑے کھلے دل کے ساتھ بریرہ کو بیاہ کر لائے تھے۔

اس کے دل سے بے اختیار دعا نکلی تھی کہ بریرہ کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا اس کا علم ان لوگوں کو کبھی نہ ہو یہ خوش باش گھرانہ ایسے ہی ہنستا بستا رہے اور اس پر کوئی آنچ نہ آئے۔

حاجرہ نے اسے مخصوص روایتی زیور پہنا کر اس کے بالوں کی دو چوٹیاں بنا دیں البتہ میک اپ رومیلہ نے اپنا خود ہی کیا۔

اس کے باوجود اپنا آپ اسے بہت عجیب اور منفرد سا لگ رہا تھا حالانکہ حاجرہ مسلسل اسے سراہے جا رہی تھی اس کے علاوہ جس نے بھی اسے دیکھا بڑے کھلے دل سے اس کی تعریف کی سوائے بریرہ اور شگفتہ غفار کے۔

ان دونوں سے اسے اِسی روّیے کی امید تھی بلکہ اب کیونکہ وہ سچائی سے واقف تھی لہٰذا اب انہیں حق بجانب سمجھتے ہوئے اس کے دل میں ان کے روّیے کو لے کر کوئی شکایت بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

بلکہ جب اس نے محسوس کیا کہ بریرہ کے مقابلے میں سب اس کی تعریف زیادہ کر رہے ہیں تو وہ تو الٹا شرمندہ ہی ہونے لگی جیسے اس نے بریرہ کے کسی حق پر ڈاکہ ڈال لیا ہو۔

اس کی فطرت ایسی تھی کہ وہ اپنی تعریف پر زندگی میں کبھی بھی نہیں اترائی تھی پھر اس وقت تو صورت حال بھی بڑی عجیب تھی وہ تو خود میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔

لیکن بھلا شگفتہ غفار کو اس کے احساسات کی کیا خبر۔ وہ تو سب کو اس کے گن گاتا دیکھ کر بری طرح تلملا گئی تھیں جس کا وہ اظہار نہیں کر پا رہی تھیں تو ان کی جھنجلاہٹ دوسری چیزوں پر نکل رہی تھی۔

"یہ آپ لوگوں نے ولیمہ کل کیوں رکھا ہے۔ آج ہی کر لیتے تو کل ہم اپنے گھر روانہ بھی ہو جاتے۔" شگفتہ غفار نے بھنائے ہوئے انداز میں نانی اماں کو دیکھا۔

"یہ تمہیں ماں کے گھر رہنا اتنا گراں کیوں گزر رہا ہے، جو تم ایک ہی دن میں گھبرا گئیں۔" نانی اماں نے کچھ خفگی سے پوچھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔۔۔" شگفتہ غفار سے کوئی جواب نہ بن سکا تو وہ سر جھٹک کر رہ گئیں جبکہ ممانی جان صفائی دینے لگیں۔

"دراصل میں سوچا تو ہم نے بھی یہی تھا کہ ولیمہ اگلے دن ہی کر لیں گے مگر آپ کے بھائی نے ہی ارادہ ملتوی کر دیا ان کا کہنا تھا اگلے دن تو سفر کی تھکن ہی اتنی ہو گی کہ ولیمہ اس کے اگلے دن رکھا جائے تو ہی سکون سے ہو سکے گا۔"

"ارے تو کیا ہو گیا۔" نانی اماں بہو کے صفائی دینے پر بگڑ کر بولیں۔

"اچھا ہی ہوا جو آج ولیمہ نہیں رکھا۔ سنا نہیں تم نے۔" شگفتہ نے کیا کہا اگر آج ولیمہ ہوتا تو یہ کل ہی روانہ ہو جاتے۔

اتنے دنوں بعد تو آئے ہیں اب جائیں گے تو جانے کب آئیں گے اچھا ہی ہے کچھ دن ٹھہریں۔

اور کان کھول کر سن لو شگفتہ یہ تمہارا میکا پہلے ہے اور تمہاری بیٹی کی سسرال بعد میں۔" نانی اماں کو شگفتہ غفار

کی بات سخت ناگوار گزری تھی۔

جبکہ ان کا سب کے سامنے شگفتہ غفار کو جھڑکنا ممانی جان کو بڑا عجیب لگا وہ اپنے طور پر صفائی دینے کے لیے کہنے لگیں۔

"وہ اصل میں اس نظریے سے کہہ رہی ہوں گی کہ یہاں رہنے میں الیان کی چھٹیاں ضائع ہو رہی ہیں یہاں تو یہ بعد میں بھی آ سکتی ہیں جبکہ یہاں سے جلدی جانے کی صورت میں الیان کو رومیلہ کے ساتھ کہیں باہر جانے کا موقع مل جائے گا۔" اپنے طور پر تو انہوں نے نانی اماں کو ٹھنڈا کیا تھا مگر انہیں کیا پتا تھا کہ ان کی بات شگفتہ غفار کو آگ لگا دے گی وہ جو پہلے ہی چڑی ہوئی تھیں۔ رومیلہ کے سامنے رومیلہ اور الیان کے کہیں جانے کا سنتے ہی اتنی بری طرح بھڑک اٹھیں کہ ساری مروت و لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے تنک کر بولیں۔

"الیان بھلا رومیلہ کو لے کر کہیں کیسے جا سکتا ہے اس نے کوئی سوچ سمجھ کر پلاننگ کے ساتھ شادی تھوڑی کی ہے اچانک جیسے کوئی قیامت ٹوٹی ہو ایسے تو شادی ہوئی ہے۔

اس کے پاس بھلا ان فضول چونچلوں کے لیے ٹائم کہاں ہے اتنا تو کام پھیلا ہے آفس میں۔" شگفتہ غفار تو گویا انگارے چبا رہی تھیں ان کا یہ لب و لہجہ اور انداز دیکھ کر سبھی دم بخود رہ گئے۔

سب سے زیادہ بری حالت رومیلہ کی تھی وہ تو ان کے چہرے کی جانب دیکھ بھی نہیں پا رہی تھی اور بغیر دیکھے ہی اسے پتا تھا کہ وہاں اس کے لیے کتنی حقارت تھی کیونکہ ان کا ہر لفظ زہر میں بجھا ہوا تھا خاص طور پر ان کا یہ کہنا کہ جیسے کوئی قیامت ٹوٹی ہو ایسے تو شادی ہوئی ہے۔

رومیلہ کو ذلت و شرمندگی کی گہرائیوں میں دھکیل گیا اس کے لیے وہاں سب کے بیچ بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا دل چاہ رہا تھا ابھی اٹھ کر یہاں سے بھاگ جائے مگر اس میں تو ہلنے کی بھی سکت نہیں تھی اتنی سخت بے عزتی محسوس ہوئی تھی اسے اپنی کہ اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو شگفتہ۔ کچھ تو سوچ سمجھ کر بولا کرو شادی چاہے جن حالات میں بھی ہوئی ہو اسے قیامت تو مت کہو۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ خوش رکھے بس اور کیا چاہیے۔ یہ کوئی ضروری تھوڑی ہے کہ شادی روایتی انداز میں ہی ہو، اہم چیز تو بچوں کی خوشی ہے۔" نانی اماں کے ناصحانہ انداز پر شگفتہ غفار تلملا کر رہ گئیں۔

ان دونوں کے ساتھ خوش رہنے کی دعا پر وہ با آواز بلند "اللہ نہ کرے" کہنا چاہ رہی تھیں مگر بھاوجوں کی موجودگی نے انہیں اتنا بے قابو ہونے سے روک لیا مگر پھر بھی وہ اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گئی تھیں جسے ان کے تاثرات اور روّیے کے باعث سبھی نے بھرپور طریقے سے محسوس کیا۔

"مجھے معلوم ہے تم اس بات پر دکھی ہو کہ اکلوتے بیٹے کی شادی ارمانوں کے ساتھ نہیں کر سکیں۔

لیکن اللہ کے ہر کام میں کوئی مصلحت ہوتی ہے ان دونوں کا ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لکھا تھا سو ایسا ہی ہوا اب اس پر رونے کی بجائے ان کی خوشگوار زندگی کی دعا کرو۔

تمہارے اس روّیے سے اس بچی کا دل کتنا برا ہو گا۔" نانی اماں آگے کہنا چاہ رہی تھیں کہ "کم از کم اس کے سامنے تو ایسی باتیں مت کرو۔"

لیکن وہ ضبط کر گئیں اپنی بیٹی کے ہٹ دھرم مزاج سے وہ خود بھی واقف تھیں سب کے درمیان اسے زیادہ ٹوک کر وہ اس کا مزاج اور برہم نہیں کرنا چاہتی تھیں کبھی غصہ آنے کے باوجود انہوں نے اپنا لہجہ حتیٰ الامکان نرم رکھا تھا۔

شگفتہ غفار دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔ مگر بولیں کچھ نہیں۔ سب کے بیچ ماں سے بحث کرنا انہیں مناسب نہیں لگا تھا اور ان کی تائید تو خیر وہ کر ہی نہیں سکتی تھیں۔

چنانچہ انہوں نے یہ سوچ کر سر جھٹک دیا کہ اماں کو ساری بات معلوم نہیں ہے نا اسی لیے اس چڑیل کی حمایت کر رہی ہیں ورنہ دل رکھنا تو چھوڑو وہ تو رومیلہ کو جوتے مارتے ہوئے گھر سے نکال دینے کی خواہش ظاہر کرتیں۔

شگفتہ غفار بظاہر خاموش رہیں مگر ان کی پیشانی پر پڑے بل اور نخوت سے سکوڑے ہونٹ چیخ چیخ کر ان کی سوچ کی عکاسی کر رہے تھے۔

رومیلہ تو کیا وہاں موجود سبھی کو ان کا رویہ شرمندہ کر گیا تھا چنانچہ سب ہی پانچ منٹ کے اندر اندر منظر سے غائب ہو گئے بس بریرہ اور نانی اماں وہاں بیٹھے رہے اور ملنے آنے والی گاؤں کی عورتوں سے ہلکی پھلکی بات چیت کرتے رہے۔

رومیلہ شدید خواہش کے باوجود کمرے میں جا کر بند نہیں ہو سکتی تھی وہ تو اتنے غیر حاضر دماغ کے ساتھ بیٹھی تھی کہ اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ کون اس کے پاس آیا اور کس نے اس سے کیا پوچھا وہ تو بس ایک مورتی بنی ہوئی تھی۔

اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا کئی سوال اس کے اندر سر اٹھا رہے تھے۔

"کیا ان سب لوگوں کا رویہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا....؟"

"کیا شگفتہ غفار اسی طرح ہر آئے گئے کے سامنے اسے ذلیل کریں گی....؟"

"کیا الیان اسی طرح اس سے ہر روز نفرت سے منہ موڑے گا....؟"

وہ ہمیشہ تو کیا چار دن بھی یہ سب برداشت نہیں کر سکتی اس کے اندر تو ابھی سے گھٹن کے باعث ایک دھواں بھرنے لگا تھا ایسا لگ رہا تھا اتنے بڑے اور کشادہ کمرے میں پنکھے چلنے کے باوجود آکسیجن کی اتنی کمی ہو گئی ہو کہ سانس لینا دو بھر ہو رہا ہو۔

آخر خدا خدا کر کے گاؤں کی عورتوں کے آنے کا سلسلہ ختم ہوا اور یہ محفل برخاست ہو گئی تو رومیلہ نے اپنے کمرے میں آکر ایسے گہری گہری سانسیں کھینچیں جیسے اگر کچھ دیر اور رکی تو دم گھٹنے کے باعث مر ہی جائے گی۔

اسی وقت اس کے پرس میں رکھا موبائل فون بج اٹھا تو اس نے بڑی بے تابی سے پرس کھولنا شروع کر دیا۔

اسے امید تھی فون نمل یا سنبل کا ہو گا اور اسے اس وقت ان دونوں میں سے کسی ایک کی سخت ضرورت تھی۔

اور واقعی اسکرین پر نمل کا نام جگمگاتا دیکھ کر رومیلہ نے تیزی سے فون آن کر کے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو نمل کیسی ہو۔" بغیر سلام کیے رومیلہ نے اتنی بے صبری سے پوچھا تھا کہ نمل اس کی آواز اور الفاظ دونوں پر ٹھٹک گئی۔

"میں تو ٹھیک ہوں۔ مگر تمہیں کیا ہوا سب خیریت تو ہے نا؟" نمل کے الجھے ہوئے لہجے پر رومیلہ کو اچانک اپنی بے اختیاری کا احساس ہوا تو وہ کچھ سنبھل سی گئی۔

"ہاں ہاں سب خیریت ہے میں کل ہی گاؤں پہنچ گئی تھی کافی اچھی جگہ ہے اور پھر یہاں سب لوگ اتنے اچھے ہیں کہ جگہ نہ بھی اچھی ہوتی تو بھی مسئلہ نہیں تھا۔

ابھی دوپہر کے کھانے کے بعد الیان کے ماموں وغیرہ ہم سب کو گاؤں دکھانے لے جائیں گے۔ اصل میں تو وہ مجھے ہی گھمانے لے کر جائیں گے باقی الیان کے گھر والوں کا تو سب کچھ پہلے سے دیکھا ہوا ہے۔" رومیلہ دانستہ تفصیل سے بولی تاکہ نمل کا دھیان بٹ جائے۔

مگر دوسری طرف صرف اس کی کزن ہی نہیں بلکہ بچپن کی دوست موجود تھی وہ اس غیر ضروری تفصیل پر بڑے وثوق سے پوری سنجیدگی کے ساتھ پوچھنے لگی۔

"رومیلہ کیا بات ہے جو تم چھپا رہی ہو کیا پھر کوئی نیا مسئلہ....." رومیلہ لحہ بھر کے لیے خاموش ہو گئی۔

نمل اور سنبل سے کچھ چھپانے کا اس کا کبھی بھی کوئی ارادہ نہیں ہوتا تھا مگر جو انکشاف کل اس پر ہوا تھا اسے جان کر وہ اپنے آپ سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی تو بھلا نمل کو کس منہ سے بتاتی۔

"رومیلہ تمہاری خاموشی مجھے ہولا رہی ہے۔" نمل کی آواز میں واضح کپکپی تھی حالانکہ وہ اتنی آسانی سے ہاتھ پاؤں چھوڑ دینے والوں میں سے نہیں تھی۔

لیکن رومیلہ جن حالات میں اور جس طرح اس سے اتنی دور ہوئی تھی وہ نمل کو بد سے بدترین چیز کی توقع کرنے پر مجبور کر گیا تھا اور اس چیز کا احساس ہوتے ہی رومیلہ نے خود کو نارمل کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنی خیریت کی یقین دہانی کرانی ضروری سمجھی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو نمل۔ تمہیں کب سے ہولنے کا مرض ہو گیا خوامخواہ کے وہم مت پالو میں بالکل ٹھیک ہوں سب خیریت ہے۔" رومیلہ کی بات سے نمل کو تھوڑا سا اطمینان ہوا مگر پوری طرح مطمئن وہ تب بھی نہیں ہوئی تبھی تھوڑا چڑ کر کہنے لگی۔

"یار جب تمہیں پتا ہے کہ تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتیں تو کیوں ٹالے جا رہی ہو سیدھی طرح بتاؤ نا کہ ہوا کیا ہے۔" رومیلہ ایک بار پھر لب بھینچ کر رہ گئی۔

وہ ایسے الفاظ ڈھونڈنے لگی جن میں ابرار بھائی کی اس درجہ خود غرضی اور کم ظرفی کی نمائش نہ ہو اور کسی طرح ان کا بھرم رہ جائے۔

مگر انہوں نے جو کیا تھا اس کے بعد پوری دنیا کی کسی بھی زبان میں ایسا کوئی لفظ نہیں تھا جسے بول کر سننے والے کو اس جرم کی شدت اور نوعیت میں کوئی کمی محسوس ہو۔

پھر بھی وہ اس تلاش میں اتنی مگن تھی کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا کب کمرے کا ہینڈل گھوما اور کب دروازہ کھلا اور الیان دبے قدموں اندر داخل ہو گیا۔

اسے حامد کے ذریعے پتا چلا تھا کہ رومیلہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور یہ کہ سکینہ نے اسے کوئی دوائی دی ہے تاکہ وہ سو جائے۔

اب یہ سب تو اس کے علم میں نہیں تھا کہ یہ دوائی وغیرہ رومیلہ کو صبح دی گئی تھی یا اس وقت بہرحال وہ کمرے میں داخل ایسے ہی ہوا تھا کہ اگر رومیلہ سو رہی ہے تو وہ اٹھ نہ جائے ورنہ خوامخواہ اس کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ اسے صرف اپنے موبائل کا چارجر چاہیے تھا جسے بیگ سے نکال کر اس کا فوراً" واپس پلٹ جانے کا ارادہ تھا۔

مگر کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر بستر کے ایک کونے میں ٹانگیں نیچے لٹکائے منہ ادھر کیے بیٹھی رومیلہ پر پڑی تو اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

اسے کمرے میں موجود دیکھ کر اور وہ بھی جاگتے ہوئے دیکھ کر الیان کو شدید قسم کی کوفت ہوئی تھی موبائل اگر بالکل بند نہ ہو گیا ہوتا تو وہ چارجر لیے بغیر ہی واپس چلا جاتا مگر اب وہ اس کی پشت کو بے زاری سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اسے موبائل پر کسی سے ہم کلام دیکھ کر کچھ رک سا گیا۔

رومیلہ کمرے میں کسی دوسرے شخص کی موجودگی سے بے خبر بڑے مطمئن انداز میں بات کر رہی تھی اسی لیے اس کا پہلا جملہ کان میں انجانے طور پر پڑتے ہی الیان پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"نمل ہوا تو کچھ بھی نہیں ہے سب کچھ ویسے کا ویسا ہی ہے۔ جیسا میں نے بتایا تھا۔

الیان اور ان کے گھر والوں کا رویہ وہی ہے ان کی بے زاری اور ہتک آمیز سلوک جوں کا توں ہے۔ تائی اماں کے گھر والوں کے سامنے بس ایک جھوٹا بھرم ہے لہٰذا سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا تھا۔ بس اگر کہیں کوئی فرق ہے تو صرف اتنا کہ مجھے اس شادی کے پیچھے چھپا پوشیدہ سبب پتا چل گیا ہے۔" رومیلہ کے لہجہ میں پورے زمانے کی تھکن بول رہی تھی۔

"کیا مطلب۔" نمل چونکی۔

"ابرار بھائی نے الیان کو مجھ سے شادی کرنے پر کیسے تیار کیا ہے یہ مجھے کل رات پتا چل گیا ہے اور تب سے مجھے لگ رہا ہے کہ کاش میں کچھ نہ ہی جانتی تو اچھا تھا۔

ابرار بھائی نے۔۔۔ الیان کی بہن کو اغوا کر لیا تھا اور کہا تھا کہ جب وہ مجھ سے شادی کرلیں گے تب وہ بریرہ کو چھوڑیں گے۔" رومیلہ کی آواز میں آنسوؤں کی نمی اترنے لگی۔

نمل ششدر سی اس کی بات سن رہی تھی حیرت اور تاسف سے اس کی آواز بند ہوگئی تھی مگر پھر بھی وہ پوری طرح سے رومیلہ کی طرف ہمہ تن گوش تھی جو گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ابرار بھائی نے الیان کی فیملی کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے مجھے بہو کی حیثیت سے گھر میں نہیں رکھا تو وہ بریرہ کے سسرال میں اس کے اغوا ہونے کے متعلق سب بتا دیں گے۔

بریرہ کی شادی سے تین چار دن پہلے یہ لوگ ایسی کوئی بدنامی مول نہیں لے سکتے تھے چنانچہ وہ مجھے بیاہ کر اپنے ساتھ لے آئے۔

ابرار بھائی کا مقصد پورا ہو گیا ہے اب اس گھر میں میرے ساتھ جو بھی سلوک ہو۔ انہیں اس سے کیا۔

انہیں تو اپنا بوجھ اتارنا تھا۔ وہ جو انہوں نے گلفام کے سامنے کہا تھا نا کہ دو دن بعد ہی رومیلہ کی شادی ہوگی اور وہ بھی کسی بہت اونچے خاندان میں تو بس انہیں اپنی اس بات کو پورا کرنا تھا اپنی انا کی تسکین کے لیے انہوں نے وہ حربہ اپنایا کہ الیان جیسا آئیڈیل فیملی کا لڑکا انکار نہ کرسکے اور اس کے لیے انہوں نے میری زندگی داؤ پر لگا دی۔" رومیلہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی فون کے دوسری جانب موجود نمل دم بخود رہ گئی تھی وہ اتنی شاکڈ تھی کہ رومیلہ کو چپ کرانا اور اسے تسلی دینا تو درکنار اسے اپنا منتشر ہوتا ذہن یکجا کرکے کچھ کہنا بھی مشکل لگ رہا تھا وہ تو بالکل پتھرا گئی تھی۔

اور ایسی ہی کچھ حالت فون کے اس جانب کھڑے الیان کی تھی رومیلہ کی بات سن کر وہ خود بھی گنگ رہ گیا تھا اسے ہرگز امید نہیں تھی کہ کوئی بھائی اپنی بہن کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اس طرح اس کے علم میں لائے بغیر ایسی غنڈہ گردی اور داداگیری کے ذریعے کرسکتا ہے۔

وہ تو اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اس سازش میں یہ پورا گھر شامل ہوگا لیکن یہاں تو رومیلہ کو سرے سے کچھ پتا ہی نہیں تھا۔

وہ چپ چاپ کھڑا رومیلہ کے ہولے ہولے ہلتے وجود کو دیکھے گیا البتہ نمل کے لیے چپ چاپ رومیلہ کا رونا برداشت کرنا ناممکن تھا اس نے تیز تیز پلکیں جھپکاتے ہوئے بہت ہی بودا سا عذر تراشنے کی کوشش کی صرف اور صرف اسے چپ کرانے کے لیے۔

"رومیلہ۔۔۔ رومیلہ۔۔۔ چپ ہو جاؤ۔۔۔ ہو سکتا ہے تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔ ہو سکتا ہے یہ سب سچ نہ ہو۔"

"یہ سب سچ ہے کل رات میری ابرار بھائی سے بات ہوئی ہے انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے میری شادی الیان سے کرانے کے لیے ایک لڑکی کو اغوا کرنے جیسا سنگین جرم اور گھٹیا کام کیا ہے۔

لہٰذا یہاں نہ کوئی غلط فہمی کی گنجائش ہے نہ ہی کسی "ہو سکتا ہے" کی جگہ۔" رومیلہ نے بھنا کر اس کی بات کا

جواب دیا اور پھر اپنے اور الیان کے بیچ کل رات ہوئی گفتگو کا مختصر احوال سنانے لگی جس کے بعد اس نے ابرار کو فون کیا اور کس طرح الیان کے گھر والوں پر حرف آئے بغیر اس نے ابرار سے سب سچ اگلوا لیا۔

بلکہ ابرار نے کس ڈھٹائی سے اپنے فعل کو جائز قرار دینے کی کوشش کی یہ سب اس نے نمل سے کہہ دیا، نمل نے بے اختیار انگلیاں بالوں میں پھنسا لیں اور آنکھیں ایسے موند لیں جیسے دماغ پھٹا جا رہا ہو۔

حالت تو الیان کی بھی کچھ ایسی ہی تھی البتہ اس کے انداز میں شاک سے زیادہ تاسف تھا۔

کوئی بھائی محض اپنی ضد پوری کرنے کے لیے اپنی بہن کو اس طرح کسی کے ساتھ زبردستی کیسے رخصت کر سکتا ہے کیا ابرار کا دل ایک بار بھی یہ سوچ کر نہیں کانپا کہ ان لوگوں کا اس کی بہن کے ساتھ رویہ کیسا ہو گا۔

جو لڑکی سچائی جان جانے پر اتنی بری طرح بکھری ہے اور ایسے بلک بلک کر رو رہی ہے وہ ساری زندگی ان حالات میں اجنبی لوگوں کے بیچ اجنبی ماحول میں اور ناخوشگوار فضا میں کیسے گزارہ کرے گی اور کیسے سانس لے گی۔

کیا اسے اپنی بہن کی حساس فطرت کا اندازہ نہیں تھا کیا اسے علم نہیں تھا کہ جب اس پر حقیقت کا انکشاف ہو گا تو اس کے اوپر کیا بیتے گی۔

رہ رہ کر اس کے ذہن میں یہی سوال ابھر رہا تھا اور پھر اپنا اور اپنے گھر والوں کا رویہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ رخصتی سے لے کر اب تک وہ سب مسلسل اس کی تذلیل کرتے آ رہے تھے اور کل رات تو الیان نے حد ہی کر دی تھی۔

کل رات کی گفتگو کے بعد ہی تو اس نے ابرار کو فون کر کے ساری صورت حال جاننے کی کوشش کی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ الیان اور اس کے گھر والوں کے رویے کی بدصورتی کا احساس تک ابرار کو نہ ہو۔

ورنہ اگر وہ غصے میں منہ پھاڑ کر صاف صاف سب بتا دیتی تو ابرار کا اگلا قدم کیا ہوتا۔

جسے بہن کا گھر بسائے رکھنے کی پرواہی نہیں جس نے اسے محض بوجھ سمجھ کر اتار پھینکا ہے وہ اپنے دھمکانے اور ڈرانے کا یہ نتیجہ دیکھ کر تو بالکل آپے سے باہر ہو جائے گا۔

پھر تو وہ اپنی بات سچ ثابت کرنے اور الیان اور اس کے گھر والوں کو سبق سکھانے کے لیے واقعی بریرہ کے اغوا کی بات اس کے گھر پر بتا دے گا۔

اب تک تو الیان کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں یہ یقین پوشیدہ تھا کہ ابرار صرف انہیں دھمکا رہا ہے وہ اس راز پر سے کبھی پردہ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ جس دن اس نے اس راز کو فاش کیا اسی دن الیان کو مجبور کرنے اور ڈرانے کا اس کے پاس اور کوئی حربہ نہیں رہے گا۔

تب اس کی اپنی بہن بھی اجڑ کر اس کے گھر واپس آ بیٹھے گی اور کیونکہ الیان کا خیال تھا کہ اس نے اپنی بہن کی شادی الیان سے اس لیے کی ہے تاکہ ان کی جائیداد اور دولت میں حصے دار بن سکے تو وہ مقصد بھی اس کا پورا نہیں ہو سکے گا۔

طلاق ہونے کی صورت میں وہ صرف حق مہر لے کر آ سکتی تھی باقی کی جائیداد سے اسے ہاتھ دھونا پڑتا جبکہ اس گھر کی بہو بنے کی صورت میں وہ وقتاً ”فوقتاً“ بڑی بڑی رقموں کا مطالبہ کر سکتے تھے۔

لیکن یہاں تو صورت حال اس کی سوچ کے بالکل برعکس تھی یہاں نہ رومیلہ سے کچھ کہنے سننے کا فائدہ تھا نہ اسے گھر سے نکال دینا ہی اس مسئلے کا حل تھا۔

وہ اس ساری بازی میں ایک پیدل جیسا مہرہ تھی جس کے پٹ جانے یا ایک ہی خانے میں کھڑے رہنے سے شطرنج کی بساط پر کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔

رومیلہ اب بھی نمل سے کچھ بات کر رہی تھی مگر الیان کا اب مزید کمرے میں رکنا مشکل ہو گیا تھا وہ جن دبے

قدموں سے اندر داخل ہوا تھا اس سے زیادہ دبے قدموں سے باہر نکل گیا البتہ اس کے دل و دماغ میں ایک شور بلکہ ایک طوفان برپا ہو گیا تھا۔

ایک طرف اسے رومیلہ کے ساتھ ہوئی زیادتی پر دکھ تھا تو دوسری طرف اپنے گزشتہ رویے پر بھی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

اور ان سب سے بڑھ کر جو مسئلہ تھا وہ یہ تھا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب آگے کیا ہو گا۔

ابرار واقعی ایسی ہی ذہنیت کا انسان تھا جو اپنی بات اونچی رکھنے کے لیے اپنی بہن کو بھی اجاڑ سکتا تھا تو پھر الیان کی بہن بھلا اس کی نظر میں کیا اہم ہو گی۔

اتنا اندازہ تو اسے ہو گیا تھا کہ اسے رومیلہ کی پروا نہیں اس لیے اس کے ساتھ الیان کے گھر والے جو بھی رویہ رکھیں اسے قطعاً ”پروا نہیں ہو گی لیکن اپنے دھمکانے کے باوجود ان کے قابو میں نہ آنے پر وہ بھڑک کر کوئی بھی قدم اٹھا سکتا ہے چاہے اس کی سزا اس کی بہن کو ہی کیوں نہ بھگتنی پڑے۔

٭ ٭ ٭

زوبیہ نے بڑی مشکل سے اپنے اندر ہمت جمع کی تھی وہ سب کرنے کی جو وہ کبھی خواب میں بھی کرنے کا نہیں سوچ سکتی تھی۔

بارہ بجے خرم اسے پک کرنے آنے والا تھا لیکن زوبیہ نے اسے گھر کے گیٹ پر آنے کی بجائے گھر سے کافی دور گلی کے نکڑ پر گاڑی میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے کو کہا تھا۔

صبح وہ اپنے معمول کے مطابق نیچے اتر کر آئی تھی اور ناشتے کی میز پر غیر معمولی انداز میں ہلکی پھلکی بات چیت کرتی رہی تھی جس کو بلال اختر اور عائشہ اختر دونوں نے ہی محسوس کیا تھا۔ وہ دونوں اس طرح اس کے گفتگو میں حصہ لینے پر کچھ چونک سے گئے تھے۔

عائشہ اختر تو دل ہی دل میں خوش ہو گئی تھیں اس سے آگے انہوں نے کچھ نہیں سوچا سوائے اس کے کہ آج زوبیہ کافی نارمل لگ رہی ہے جبکہ بلال اختر نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے اس تبدیلی کی وجہ کھوجنے کی کوشش کی اور جب ناکام ہو گئے تو اندازہ لگاتے ہوئے پوچھنے لگے۔

”پھر تم نے اپنے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کے متعلق کیا فیصلہ کیا۔“ زوبیہ چند لمحوں کے لیے سٹپٹا گئی۔

وہ اس سوال کے لیے بالکل تیار نہیں تھی لیکن کیونکہ اسے آج اپنے آپ کو ہر حال میں بالکل ٹھیک ظاہر کرنا تھا اس لیے فوراً ”خود کو سنبھالتے ہوئے خود اعتمادی سے کہنے کی کوشش کرنے لگی۔

”میں.... سوچ رہی ہوں ایڈمیشن لے لوں۔“ بلال اختر اور عائشہ اختر ایک ساتھ چونکے۔

پہلے ان دونوں نے زوبیہ کو حیرانی سے دیکھا پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

زوبیہ ان کی کیفیت بخوبی سمجھ رہی تھی تبھی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنے لگی۔

”دراصل میں اس گھر میں شفٹ ہونے کے بعد سے میں بور بہت ہونے لگی ہوں آج میری آنکھ صبح کے چار بجے کھل گئی اس کے بعد سے نیند ہی نہیں آئی سوچا کچھ پڑھنے بیٹھ جاؤں تو نیند اچھی آ جائے گی۔

مگر آپ کو تو معلوم ہے مجھے افسانے اور ناول پڑھنے کا شوق نہیں۔ اخبار سے بھی مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس وقت احساس ہوا کہ اگر کورس کی ہی کتابیں ہوں تو وقت کتنا اچھا گزر جاتا بھلا پڑھائی سے اچھی اور کارآمد مصروفیت کوئی ہو سکتی ہے۔“

زوبیہ کی گفتگو پر عائشہ اختر خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھیں البتہ بلال اختر صرف سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے

تھے۔

”ہاں ہاں زوبی بھلا پڑھائی سے اچھی مصروفیت اور کیا ہو سکتی ہے گھر کی تبدیلی واقعی تمہارے لیے خوشگوار رہی ہے۔“

عائشہ اختر نے پہلی بار بلال اختر کے سامنے اتنے واضح الفاظ میں یہ اعتراف کیا تھا۔

مگر بلال اختر ان کی طرف متوجہ ہی نہیں تھے وہ بدستور زوبیہ کو بغور دیکھ رہے تھے جو ان کی نظروں سے گھبرانے کے باوجود بظاہر اعتماد سے بیٹھی تھی۔

”جی مما یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں گھر کی تبدیلی خوشگوار تو ثابت ہوئی ہے بلکہ اب مجھے لگتا ہے میں جب سے شفٹ ہوئی ہوں میں نے اپنی الماریوں کی سیٹنگ ٹھیک طرح سے نہیں کی۔

میں سوچ رہی ہوں آج اپنی الماریاں ٹھیک کرلوں۔“ زوبیہ آہستہ آہستہ موضوع کی طرف آنے لگی۔

”آج رہنے دو صبح چار بجے سے اٹھی ہوئی ہو جلدی تھک جاؤ گی پھر کسی دن کرلینا۔“ عائشہ اختر کے لہجے میں ممتا بھری تھی۔ زوبیہ نے تشکر بھری نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا جس نے عین وہی بات کہی تھی جس کی زوبیہ کو خواہش تھی۔

وہ اپنے کمرے میں الماری اور درازوں کا سارا سامان نکال کر پھیلا دینے والی تھی اور بارہ بجے کے قریب عائشہ اختر سے جاکر کہنے والی تھی کہ میں بہت تھک گئی ہوں مجھے کھانے پر جگایا نہ جائے میں سونے لیٹ رہی ہوں۔

عائشہ اختر ان معاملوں میں خاصی اصول پسند تھیں وہ زوبیہ کو کوئی سینڈوچ وغیرہ کھلا کر سونے بھیج دیتیں اور تب تک نہیں جگاتیں جب تک زوبیہ خود نہیں اٹھتی چاہے چھ بجیں چاہے سات۔ بشرطیکہ اس کی طبیعت ٹھیک ہو چنانچہ اپنی طبیعت کی طرف سے انہیں اس نے صبح ہی صبح اطمینان دلا دیا تھا۔

البتہ بلال اختر کی سنجیدگی اسے تھوڑا فکر مند کر رہی تھی کہیں وہ انہیں مطمئن کرنے کی کوشش میں کچھ زیادہ تو نہیں کہہ گئی جس سے فائدہ ہونے کی بجائے الٹا نقصان ہو گیا اور وہ اس کی باتوں سے مشکوک ہی ہو گئے۔

جو بھی تھا وہ ان سے براہ راست پوچھ تو نہیں سکتی تھی اور اندازے اس کے اتنے اچھے تھے نہیں کہ وہ محض چہرے سے ان کے ذہن تک رسائی حاصل کر لیتی۔

لہٰذا ان کے دیکھنے کی پروا کیے بغیر اپنے پلان پر عمل کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”مما اب میں نے مائنڈ سیٹ کرلیا ہے بلکہ کپ بورڈ میں سے چیزیں بھی نکال لی ہیں۔“ زوبیہ منمناتے ہوئے بولی اور اس سے پہلے کہ عائشہ اختر کچھ کہتیں وہ اٹھتے ہوئے تھوڑے خوشامدی انداز میں بولی۔

”میں نہیں تھکوں گی اور اگر تھک گئی تو سو جاؤں گی جتنا بھی کام باقی ہو گا سب ویسے کا ویسا ہی چھوڑ دوں گی۔“

زوبیہ کی بات پر عائشہ اختر رضامندی دینے والے انداز میں مسکرا دیں تو وہ تیزی سے زینے کی طرف بڑھ گئی۔

مگر ابھی اس نے سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ اسے لگا جیسے بلال اختر عائشہ اختر سے کچھ کہہ رہے ہوں۔

غیر ارادی طور پر وہ رک کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگی۔

اپنا نام تو اس نے واضح طور پر سنا مگر انہوں نے کہا کیا وہ اس کی سمجھ میں نہ آیا ان کی بات کے جواب میں عائشہ اختر عجیب حیرت کرنے والے انداز میں کچھ بولیں لیکن ان کے الفاظ بھی وہ سن نہ سکی۔

دل تو چاہا واپس پلٹ کر اور تھوڑا قریب جا کر بات سن لے مگر وہ دل پر جبر کرتی اپنے کمرے میں آگئی۔

کم از کم آج کے دن وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتی تھی کہ پکڑے جانے پر وہ دونوں اس پر غصہ ہو جاتے۔

کمرے میں آکر اس نے ارادے کے مطابق الماری کے چھ کے چھ پٹ کھول کر سارے کپڑے نکال کر بستر پر ڈھیر کردیے اسے یقین تھا اگر اس وقت عائشہ اختر اس کے کمرے میں آگئیں تو وہ سارے کپڑے ایک ساتھ نکال

کر پھیلا دینے پر ضرور اعتراض کریں گی اور یہی وہ چاہتی تھی کہ اگر وہ آئیں تو اتنا پھیلاوا دیکھ کر اسے کئی گھنٹوں کے لیے مصروف سمجھ کر ڈسٹرب نہ کریں یہ اور بات تھی کہ وہ دو گھنٹے بعد اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

تب تک اس نے صرف ایک ہی پٹ میں کپڑے وغیرہ رکھے تھے جبکہ باقی سارا سامان جوں کا توں پڑا تھا۔

”یہ کیا زوبیہ پہلے ایک کپ بورڈ ٹھیک کر لیتیں پھر دوسرا پھیلاتیں۔“ انہوں نے پورے کمرے کو بے ترتیب دیکھ کر الجھن بھری نظر اس پر ڈالی۔

”مما اس طرح تو جس خانے میں جو چیز رکھی ہے میں اسے واپس وہیں رکھ دوں گی جبکہ مجھے ساری چیزیں اسی طرح رکھنی ہیں کہ فینسی کپڑے ایک طرف ہوں کیجول کپڑے ایک جانب ہوں۔“ زوبیہ نے سوچا سمجھا جواب دیا تو وہ ایک گہرا سانس کھینچتے ہوئے کہنے لگیں۔

”اچھا میں ذرا مسز مجید کے گھر جا رہی ہوں وہاں سے پھر میں شاپنگ پر جاؤں گی مجھے کافی دیر ہو جائے گی تم لنچ کرلینا۔“ زوبیہ الماری میں سے سر نکال کر حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

اسے پہلے سے اگر ان کے اس پروگرام کا پتا ہوتا تو اسے یہ سب کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی ایسا لگا تھا جیسے کوئی بوجھ اس کے سر سے سرک گیا ہو وہ پرسکون انداز میں کہنے لگی۔

”مما میرا کھانے کا کوئی موڈ نہیں۔ آپ سب ملازموں کو کہہ دیں مجھے کوئی تنگ نہ کرے میں بس یہ تھوڑے سے کپڑے رکھ کر سونے لیٹ رہی ہوں۔“

”میں نے پہلے ہی کہا تھا تم چار بجے کی جاگی ہوئی ہو آج مت پھیلاؤ یہ سب۔ اب تم سوؤ گی تو شام سے پہلے تو ہرگز نہیں اٹھو گی۔“ ان کے کہنے پر زوبیہ نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا تو وہ بھی جانے کے لیے پلٹ گئیں اور جاتے جاتے حسب توقع اسے کوئی سینڈوچ وغیرہ کھا کر سونے کی ہدایت دیتی کمرے سے نکل گئیں۔

زوبیہ ہاتھ میں پکڑے ہینگرز ایک جانب ڈالتی کچھ دیر کے لیے بستر پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی۔

خرم کے ساتھ اس طرح چھپ کر کسی فارم ہاؤس پر جانا ایک بہت ہی خطرناک فعل تھا اور زوبیہ جیسی بودی اور کم ہمت لڑکی کے لیے تو یہ سب کرنا کسی پہاڑ پر چڑھنے سے کم نہ تھا لیکن وہ اپنی زندگی کے اس اکیلے سے تنگ آچکی تھی وہ اس سارے کھیل کو سرے سے ختم کر دینا چاہتی تھی۔

اور اس کام میں خرم کے علاوہ کوئی اس کی مدد کرنے کے لیے آگے بڑھا ہی نہیں تھا ورنہ اگر اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ ہوتا تو وہ اس طرح ایک اجنبی انجان شخص پر یقین کر کے اس کے ساتھ تن تنہا ہرگز نہ جاتی۔

وہ بے وقوف یا نادان نہیں تھی بس اپنی زندگی اور حالات سے بری طرح مایوس ہو چکی تھی چنانچہ خرم اگر اندھیرے میں تیر چلا رہا تھا تو بھی وہ اس کا نشانہ خطا نہ ہونے کی امید لگائے بیٹھی تھی۔

جانے کتنی دیر زوبیہ ایسے ہی بستر پر بیٹھی خرم کے ساتھ جانے کی اور ملازموں سے نظر بچا کر گھر سے نکلنے کی ہمت جمع کرتی رہی اور اپنے فعل کے غلط نہ ہونے کی تاویلیں خود کو دیتی رہی پھر آخر وہ بستر سے ایسے اٹھی جیسے پورے عزم کے ساتھ آگے بڑھنے کا ارادہ ہو۔

مگر تبھی اس کے برابر میں رکھا ایک سوٹ جسے وہ ہینگر کرنا بھول گئی تھی اور عائشہ اختر کے آنے پر بستر پر ہی رکھ دیا تھا پھسل کر زمین پر گر گیا۔

زوبیہ کا آگے بڑھتا قدم رک گیا اس نے جھک کر سوٹ زمین سے اٹھایا اور جیسے ہی سیدھی ہوئی ٹھٹک گئی۔

اسے اپنا خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہوا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جھک کر جوڑا اٹھاتے وقت اسے وہم ہوا ہے یا واقعی اس کے بستر کے نیچے کوئی ہے

اسے اپنے پورے وجود پر چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوئیں۔
ایک خوف اسے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کرتا لگا
ہاتھ میں پکڑے جوڑے پر اس کی گرفت تکلیف وہ حد تک سخت ہو گئی۔ کافی دیر وہ اسی کیفیت کے زیر اثر اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی رہی آخر بڑی دیر بعد اس نے پلکیں جھپکتے ہوئے اپنے سکتہ کو توڑنے کی کوشش کی اور پھر جب وہ اپنے جسم کو حرکت دینے کے قابل ہو گئی تب اس نے پلٹ کر وہ جوڑا جیسے تیسے الماری تک جا کر اس کے اندر رکھ دیا۔
وہ بستر کی جانب دیکھنے سے بھی گریزاں تھی اس کا وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا وہ ڈاکٹر شکیلہ کے الفاظ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی اور آہستہ آہستہ انہیں دہرانے لگی۔
"یہ۔۔۔ یہ صرف میرا وہم ہے۔"
"بس۔۔۔ بستر کے نیچے کوئی نہیں ہے۔"
"مجھے وہم ہوا ہے۔"
زوبیہ بولتی جا رہی تھی اور کپڑے الماری میں ٹھونستی جا رہی تھی یہاں تک کہ کرسی پر پڑے سارے کپڑے الماری میں چلے گئے اب مزید کپڑے اٹھانے کے لیے اسے بستر کے نزدیک جانا تھا جبکہ وہ تب سے بستر کی طرف پیٹھ کیے کھڑی تھی۔
اس نے آنکھیں موند کر ایک گہرا سانس کھینچا اور بستر کی جانب گھوم گئی یہ اور بات تھی کہ اس کی نظریں اب بھی بیڈ پر نہیں تھیں بلکہ وہ سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔
بہت سست روی سے چلتی وہ بستر کے نزدیک پہنچی تھی اور بستر پر سے کپڑے اٹھانے میں کامیاب ہوئی تھی جنہیں الماری میں لے جا کر رکھنے کے بعد جب وہ دوبارہ پلٹی تو اپنی جگہ جم گئی۔
اگر بستر کے نیچے کچھ نہیں ہے اور یہ صرف اس کا وہم ہے تو پھر اتنا ڈرنے کی بجائے ایک بار بستر کے نیچے جھانک لینے میں کیا حرج ہے یہ سارا خوف فوراً" ختم ہو جائے گا۔
کوئی اس کے اندر بول رہا تھا بلکہ چلا رہا تھا زوبیہ ایک بار پھر اپنی ہمتیں مجتمع کرنے پر مجبور ہو گئی اپنے کمرے میں وہ اپنے ہی بیڈ سے خوف کھا کر اس کمرے میں کیسے رہ سکتی تھی لہٰذا اس خوف پر قابو پانا تو سخت ضروری تھا اور پھر انسانی فطرت بھی تو یہی ہے ایک بار کسی چیز کے لیے شک ہو جائے تو جب تک شک کی تصدیق یا تردید نہیں ہو جاتی وہ چین سے نہیں بیٹھتا۔
زوبیہ بھی دل کڑا کرتی زمین پر سجدہ کرنے والے انداز میں بیٹھنے لگی وہ بستر سے خاصے فاصلے پر کھڑی تھی جیسے یہ خوف ہو کہ کوئی چیز بستر کے نیچے سے نکل کر اس پر حملہ کر دے گی۔
اس نے آیت الکرسی پڑھتے ہوئے گردن کو بہت ذرا سا گھما کر کن انکھیوں سے بستر کے نیچے دیکھا تو اس کے سینے میں اٹکی سانس بڑے پرسکون انداز میں خارج ہو گئی۔
بستر کے نیچے کچھ بھی نہیں تھا وہ بے اختیار ہی مسکرا دی اور سر جھٹکتے ہوئے جیسے ہی سیدھی ہوئی اس کے منہ سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔
وہ خوف سے تھرتھراتی بڑی تیزی سے پیچھے ہٹی تھی اس کی کمر پوری قوت سے الماری کے کھلے پٹ سے ٹکرا گئی تھی مگر پھر بھی وہ رکی نہیں یہاں تک کہ پٹ زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا مگر وہ الماری سے لگی ہانپتی رہی۔
"کیا ہوا بی بی جی۔" ملازمہ کی آواز پر زوبیہ نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا اس کے چیخ پر ملازمہ کے ساتھ ساتھ مالی تک دوڑا چلا آیا تھا۔

زوبیہ کی خوف سے [illegible] بن گئی اس نے ایک ہراساں نظر ملازمہ پر ڈال کر سب [illegible]
تو بستر بالکل صاف تھا سوائے ان کپڑوں کے وہاں اور کچھ نہیں تھا جو زوبیہ نے الماری میں سے نکال کر بستر پر ڈالے تھے۔
"بی بی جی آپ ٹھیک تو ہیں نا۔" زوبیہ کو الماری سے خوف زدہ انداز میں چپکا دیکھ کر ملازمہ اس کے قریب چلی آئی زوبیہ دونوں گھٹنے سینے سے لگائے اور دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے بالکل سمٹی ہوئی کسی شاک میں گھری بیٹھی تھی۔
ملازمہ کے کندھا ہلانے پر وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
جو اس نے ابھی دیکھا تھا وہ بیان کرنا بے کار تھا ملازمہ اسے وہم کہہ کر اس پر یقین نہیں کرنے والی تھی یا اگر وہ اپنی کم تعلیم اور جہالت کے باعث بھوت پریت پر یقین کرتی بھی ہو گی تو بھی ان سب ملازموں کو ایسی باتیں زوبیہ کے سامنے کرنے سے سختی سے منع کیا گیا تھا بلکہ ایک ماسی کو تو اس موضوع پر بات کرنے کی وجہ سے ملازمت سے نکال دیا گیا تھا۔
پھر بھلا انہیں کیا ضرورت تھی زوبیہ سے کچھ کہہ کر اپنے روزگار پر لات مارنے کی۔
زوبیہ یہ سب جانتی تھی لہٰذا اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے "کچھ نہیں" کہا اور خود کو نارمل ظاہر کرنے کے لیے فوراً" اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔
"آپ کو پانی لا دوں بی بی جی۔ آپ دوائی کھا لیں۔" ملازمہ کے مشورے پر زوبیہ نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔
"کیوں دوائی کیوں کھاؤں۔" زوبیہ جانتی تھی وہ کیا سوچ رہی ہے تبھی چڑ کر ہی سے بولی۔
"جی۔۔۔ وہ۔۔۔ آپ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے نا۔" وہ زوبیہ کو غصے میں آتا دیکھ کر کچھ بوکھلا گئی۔
"کوئی طبیعت خراب نہیں ہو رہی میری۔ میں بالکل ٹھیک ہوں بلکہ میں سونے لیٹ رہی ہوں مجھے کوئی تنگ نہ کرے اگر کسی نے بھی میرے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" زوبیہ کبھی غصہ نہیں کرتی تھی۔
مگر اس وقت اسے ملازمہ کے دوائی کھانے کا مشورہ دینے پر آگ لگ گئی تھی۔ سب لوگ اسے پاگل اور بیمار سمجھتے ہیں یہ احساس اسے ہمیشہ تکلیف پہنچاتا تھا مگر آج تو اسے غصہ بھی آ گیا تھا۔
شاید اس لیے کہ اس کے مقابل اس کے والدین ڈاکٹر یا ٹیچرز اور کلاس فیلوز کی بجائے اس کی ملازمہ کھڑی تھی۔
اسے بھی زوبیہ کا یہ لب و لہجہ سننے کی عادت نہیں تھی وہ بھی بے نیازی سے کندھے اچکاتی "ٹھیک ہے جی" ایسے بول کر کمرے سے نکل گئی جیسے کہہ رہی ہو "ہمیں کیا بھاڑ میں جاؤ۔"
زوبیہ کچھ دیر تو بند دروازے کو دیکھتی رہی پھر خود کو کچھ بھی سوچنے سے روکتی گھر سے نکلنے کی تیاری کرنے لگی۔
وہ دانستہ اپنے بستر کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی پھر بھی وہ منظر بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔
جب وہ سیدھی ہوئی اور اسے بستر پر خون میں لت پت ایک لڑکی کی لاش آڑی ترچھی پڑی نظر آئی۔
اس لڑکی کا چہرہ بکھرے بالوں کی وجہ سے وہ واضح طور پر نہیں دیکھ سکی مگر اس کا وجدان کہہ رہا تھا وہ شائستہ خالہ ہی تھیں۔
اسے اپنے کمرے سے ڈر لگ رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کمرے سے باہر نکل جائے۔
اسی خوف و گھبراہٹ میں اس نے پاؤں میں سینڈل پھنسایا اور پرس اٹھاتی کمرے سے باہر آ گئی یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کا موبائل پرس میں نہیں ہے بلکہ سائیڈ ٹیبل پر چارج پر لگا ہے۔

اس کی ساری توجہ صرف کہیں سے اچانک نمودار ہو جانے والے ملازموں پر مبذول تھی۔
مگر کمرے سے نکل کر زینے تک آنے پر اسے احساس ہوا کہ مالکان کے نہ ہونے پر وہ سب بھی کام جیسا تیسا ختم کر دیتے ہیں جبھی صرف کچن سے برتنوں کی آوازیں آرہی تھیں شاید خانساماں ابھی کام کر رہا تھا باقی سب غائب تھے۔
زوبیہ اللہ کا شکر ادا کرتی تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھ گئی اور جیسے ہی باہر نکلی اس نے اپنا موبائل نکالنے کے لیے پرس کھولنا چاہا ہی تھا کہ گلی کے کونے میں خرم کی گاڑی کھڑی نظر آگئی تو وہ تقریباً" دوڑنے والے انداز میں گاڑی کے پاس آئی اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی خرم نے اس کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
"کہاں رہ گئی تھیں۔" خرم نے موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔
"میں تو ٹائم پر آئی ہوں۔ کیوں۔ کیا آپ فون کر رہے تھے۔" زوبیہ نے حیرانی سے کہا۔
"فون بھی کر رہا تھا اور میسج بھی کیا تھا ساڑھے بارہ بج رہے ہیں جہاں ہمیں جانا ہے وہ جگہ بھی خاصی دور ہے چار گھنٹے تو صرف آنے جانے میں لگ جائیں گے۔" خرم نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے کہا۔
"پھر تو ہمیں اور جلدی نکلنا چاہیے تھا اب تو واپسی میں شام ہو جائے گی۔" زوبیہ نے پریشانی سے کہا۔
"تم نے جو ٹائم بتایا تھا میں تو اس سے بھی آدھے گھنٹے پہلے آگیا تھا تم ہی لیٹ آئی ہو۔" خرم کی بات پر زوبیہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔
اپنی گھڑی دیکھ کر خود اسے بھی حیرانی ہوئی تھی وہ تو سمجھ رہی تھی ابھی گیارہ بج رہے ہوں گے اس کے خیال میں تو وہ بھی جلدی وقت سے پہلے نکل آئی تھی پھر یہ ڈیڑھ گھنٹہ بیچ میں کہاں گزر گیا شاید الماری ٹھیک کرنے میں اسے ٹائم کا اندازہ نہیں ہوا۔
جو بھی تھا وہ عائشہ اختر کی واپسی سے پہلے ہر حال میں گھر پہنچ جانے کی دعائیں مانگنے لگی اور یہ اس کی دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا کہ خرم نے اتنی تیز ڈرائیونگ کی تھی کہ دو گھنٹے کی بجائے محض سوا گھنٹے میں وہ فارم ہاؤس کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہے تھے۔
خرم نے حمید کے والد سے فون کر کے کہا کہ وہ سارے دوستوں کو ایک سرپرائز پارٹی دینا چاہتا ہے اپنی سالگرہ پر' جس کے لیے اسے ان کا فارم ہاؤس چاہیے ہوگا۔
انہیں بھلا کیا اعتراض ہوتا انہوں نے فوراً" اجازت دے دی وہ خرم کی پوری فیملی کو جانتے تھے خرم بھی ان کی طرح خاندانی رئیس تھا اور انہیں بیٹے کے ایسے دوست بہت پسند تھے جو ان کے سرکل میں اونچی شان و شوکت رکھتے ہوں۔
اجازت ملتے ہی خرم نے ان سے کہہ دیا کہ پارٹی تو ویک اینڈ پر ہوگی لیکن اس کے انتظامات کے لیے اسے کل دوپہر میں جانا ہوگا۔
حمید کے والد نے اسی وقت اپنے فارم ہاؤس کے گارڈز وغیرہ کو فون کر دیا کہ خرم آئے تو کوئی اسے پریشان نہ کرے بلکہ اسے جس چیز کی ضرورت ہو مہیا کر دی جائے۔ یہی نہیں انہوں نے اس کے سرپرائز کو برقرار رکھنے کے لیے مکمل رازداری کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔
وہ ایسا وعدہ نہ بھی کرتے تب بھی خرم کو کوئی خاص پروا نہیں تھی ایک بار وہ جگہ زوبیہ کو دکھا کر وہ معاملے کی تہ تک پہنچنا چاہتا تھا آگے اس کے بارے میں کوئی کیا سوچ رہا ہے اس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔
اس نے تو یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ جب وہ ایک لڑکی کو لے کر فارم ہاؤس پر پہنچے گا تو وہاں موجود گارڈز وغیرہ اس کے کردار کی طرف سے مشکوک ہو جائیں گے اور وہ اس بات کی شکایت حمید کے والد سے بھی کر سکتے ہیں تب وہ

اس کے بارے میں کیا سوچیں گے یا پھر ویک اینڈ پر جب وہ کوئی پارٹی نہیں رکھے گا تب وہ اس کی غلط بیانی پر اس سے بدگمان ہو جائیں گے۔
اتنا سوچنے کی اس نے زحمت ہی نہیں کی تھی اسے تو بس ایک ہی خیال آیا تھا کہ اگر حمید کے والد کے فارم ہاؤس سے کوئی لاش برآمد ہو گئی تو وہ اسی وقت پولیس کو فون کر دے گا بلکہ فرقان حسن کے دوست جو ایس ایچ او ہیں انہیں بلالے گا کہیں ایسا نہ ہو حمید کے والد اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اس کیس کو حل ہونے سے پہلے ہی دبا دیں۔
گاڑی ایک جگہ پارک کر کے وہ زوبیہ کو لے کر فارم ہاؤس کے پچھلے حصے کی جانب چلا گیا وہ جگہ ریسٹ ہاؤس کے پچھلی طرف ہونے کے باعث زیادہ تر ویران سی تھی اور فارم ہاؤس جتنی شاندار نہیں تھی۔
زمین پر جگہ جگہ گھاس بھی موجود نہیں تھی اور پھر وہیں پچھلی طرف ایک بہت بڑا اسٹور موجود تھا جہاں فارم ہاؤس کی مرمت اور تعمیر کا مختلف سامان ڈھیر کی صورت میں جمع تھا کچھ سامان کمرے کے باہر بھی موجود تھا جس میں زیادہ تر چیزیں باغبانی سے متعلق تھیں۔
اس احاطے میں قدم رکھتے ہی زوبیہ کے پاؤں اپنی جگہ جم گئے اس کے سامنے عین وہی منظر تھا جس کی منظر کشی اس نے اس بہترین انداز میں کی تھی کہ خرم کی آنکھوں کے سامنے پورا منظر زندہ کر دیا تھا۔
ایک بڑا سا درخت جس کے آس پاس کی پوری زمین کچی تھی درخت کے پیچھے فارم ہاؤس کی طویل دیوار تھی جس پر لائٹ گرین کلر ہوا تھا اور اس دیوار کے اوپر وہی لائٹ گرین کلر کی گرل جو فارم ہاؤس کی دیوار کو اونچا کر کے محفوظ کرنے کے لیے لگائی گئی تھی۔
زوبیہ مشینی انداز میں چلتی اس درخت کے پاس آرکی اس کی نظریں زمین پر ایک جگہ گڑی ہوئی تھیں جبکہ اس کے چہرے پر خوف اور بے یقینی کے آثار نمایاں تھے وہ انگلی سے زمین کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کرنے لگی مگر اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔
خرم جانتا تھا وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے مگر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسے کیا کرنا چاہیے اس نے ایک نظر چاروں طرف پھیلے سناٹے پر ڈالی اور پھر اسٹور کے باہر رکھے باغبانی کے سامان میں سے ایک کدال اٹھا کر اس جگہ کی کھدائی شروع کر دی۔
اسے یقین تھا فارم ہاؤس کا کوئی بھی ملازم اس کی جاسوسی کرنے اس کے پیچھے نہیں آئے گا کیونکہ وہ لوگ خرم کو جانتے تھے وہ یہاں بہت بار حمید کے ساتھ آچکا تھا۔
پھر بھی اگر کوئی آجاتا تو وہ اسے باآسانی مطمئن کر سکتا تھا یہ کہہ کر کہ پارٹی والے دن وہ حمید کے ساتھ ایک گیم کھیلنے والے ہیں جس کے لیے یہ گڑھا کھودنا ضروری ہے اور پھر حمید کے والد نے خود فون کر کے تاکید کی تھی کہ اسے کوئی پریشان نہ کرے چنانچہ ایسی مداخلت کا کوئی امکان نہیں تھا۔
زوبیہ دھڑکتے دل کے ساتھ خرم کو زمین کھودتا دیکھتی رہی اس میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ اس کی مدد ہی کر دیتی بلکہ اس کی ٹانگوں میں تو کھڑے ہونے کی بھی سکت نہیں رہی تھی تو وہ وہیں دوزانو بیٹھ گئی۔
اس پر ایک عجیب سا خوف طاری تھا جیسے ہی خرم کدال سے زمین پر چوٹ مارتا اس کا دل ٹھہر سا جاتا ہر بار اسے لگتا کہ اب کی بار کدال کے ساتھ کوئی کپڑا بھی کھنچتا ہوا باہر آجائے گا۔ حالانکہ شائستہ خالہ کی موت کو ایک زمانہ ہو گیا تھا اب تک تو ان کے کپڑے گل سڑ گئے ہوں گے۔
مگر ایک گھنٹہ گزر گیا خرم زمین کھودتے کھودتے ہانپنے لگا اس نے اچھا خاصا گہرا گڑھا کھود لیا تھا اور بالآخر

جھنجلائے ہوئے انداز میں گڑھے سے باہر نکل آیا کدال ایک جانب غصے سے اچھال کر وہ خود زمین پر گرنے والے انداز میں بیٹھ کر گہرے گہرے سانس کھینچنے لگا۔

بے زاری اور کوفت اس کے چہرے سے عیاں تھی زوبیہ کچھ شرمندہ سے انداز میں اسے دیکھنے لگی خرم کی جھنجلاہٹ اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ اس کی بات پر یقین کرکے سخت پچھتا رہا ہے۔

جبکہ زوبیہ کو لگ رہا تھا کہ اگر وہ مزید کھدائی کرے تو یقیناً "شائستہ خالہ کی لاش برآمد ہو جائے گی اسے سو فیصد یقین تھا وہ لاش یہیں ہے وہ اس جگہ کبھی نہیں آئی تھی لیکن وہ اس جگہ کو دیکھ چکی تھی جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ لاش یہیں دفن ہے۔

وہ کچھ دیر خرم کے بولنے کا انتظار کرتی رہی پھر ہمت کرکے خود ہی گڑھے کی طرف بڑھنے لگی۔

خرم کا سانس اب قدرے بہتر ہو گیا تھا۔ زوبیہ کو کدال اٹھاتا دیکھ کر وہ لب بھینچے اسے دیکھے گیا دل تو چاہا اسے لتاڑ کر رکھ دے مگر اسے زوبیہ سے زیادہ اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا جو ایک پاگل کی بات پر اتنی دور چلا آیا اور آکر کسی کے فارم ہاؤس کی کھدائی کرنے بیٹھ گیا۔

اپنی بے وقوفی پر اسے اپنے آپ سے خجالت ہو رہی تھی جس پر وہ سوائے دل ہی دل میں تلملانے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

زوبیہ نے کدال اٹھا کر زمین پر مارنی چاہی مگر وہ اتنی وزنی تھی کہ زوبیہ پوری قوت استعمال کرنے کے باوجود اسے مار نہ سکی اور صرف لڑکھڑا کر رہ گئی۔ گڑھا کھودنا تو دور کی بات تھی۔

خرم کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ دوڑ گئی کچھ دیر تو وہ اس کا اناڑی پن دیکھتا رہا پھر بھنا کر کھڑا ہو گیا۔

"زوبیہ Just Leave it یہاں کوئی لاش واش نہیں ہے۔ چلو واپس چلتے ہیں، بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"مجھے یقین ہے وہ لاش یہیں ہے اگر ہم۔۔۔"

زوبیہ منمنائی مگر خرم پھٹ پڑا۔

"شٹ اپ اینڈ لیٹس گو"

(Shut up and let's go) خرم اتنے غصے سے بولا تھا کہ زوبیہ بحث نہ کر سکی اور دل مسوستے ہوئے اٹھ گئی جاتے جاتے اس نے ایک بار پھر اس قبر کی طرف دیکھا تھا مگر خرم کا موڈ اتنا خراب تھا کہ وہ کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکی۔

ابھی وہ گاڑی کے قریب آئے ہی تھے کہ خرم کا موبائل بج اٹھا ایک Unknown نمبر دیکھ کر پہلے تو خرم نے سوچا لائن کاٹ دے مگر پھر کچھ سوچتے ہوئے موبائل کان سے لگا لیا دوسری طرف آواز بھی اجنبی تھی۔

"کیا میں خرم سے بات کر سکتا ہوں؟"

"خرم اسپیکنگ" خرم بولا۔

"میں زوبیہ کا والد بول رہا ہوں زوبیہ سے میری بات کراؤ۔"

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

"مجھے بارش بالکل پسند نہیں۔" اس نے کھڑکی بند کرتے ہوئے قدرے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ نظر بھٹکتی ہوئی لان میں گئی اور ٹھٹک کر رک گئی۔

"یہ کب آیا؟" اس نے لان میں تیز بارش میں بھیگتے شہزاد کو دیکھا اور زیر لب بڑبڑائی تھی۔

بارش کی بوندیں کھڑکی کو دھندلا کرنے لگی تھیں۔ اس نے بے اختیار کھڑکی کے شیشے پہ ہاتھ پھیرا، مگر یہ باہر کی سمت تھی۔ جب ہی لان ابھی تک دھندلا ہی نظر آرہا تھا۔ اس نے میکانکی انداز میں کھڑکی کھول دی۔ ایک تیز بوچھاڑ اسے بھگو گئی۔ وہ بے خبر سی کھڑی رہی۔

ریڈ شرٹ اور بلیو جینز میں وہ براؤن سافٹ بال کو ٹھوکریں لگا رہا تھا۔ ایک ٹھوکر پھر دوسری اور پھر تیسری....

مالا... کو ہر ٹھوکر اپنے دل پہ پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بنا پلکیں جھپکائے ساکت سی اسے دیکھ رہی تھی۔ یک لخت اس نے فٹ بال کو زوردار ٹھوکر لگائی، فٹ بال اڑتا ہوا لان کی جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ شہزاد نے اطمینان سے ہاتھ جھاڑے، وہ اس ایکٹیویٹی میں دلچسپی کھو چکا تھا۔ ویسے بھی کوئی بھی چیز اسے زیادہ دیر تک خود میں انوالو نہیں رکھ پاتی تھی۔

وہ ایک متلون مزاج شخص تھا۔ وہ جانتی تھی۔ اب وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ غالباً" مزید کسی دلچسپی کی تلاش میں یوں ہی اس کی نظر اوپر اٹھی تھی اور کھلی کھڑکی سے ہوتی ہوئی مالا سے جا ٹکرائی اور پلٹ گئی۔

ایک بہت سرسری، بہت عام سی نظر جیسے کوئی معمول کا منظر نظر آگیا ہو۔

مالا کے دل کو کچھ ہوا تھا اس کا دل بہت گہرائی میں جا کے ڈوبا تھا۔ اس نے بوچھاڑ میں بھیگا چہرہ لیے ہوئے کھڑکی بند کر دی اور سست قدموں سے بیڈ کی سمت بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"بیت الرشید" کے در و دیوار پہ ایک حبس آلود، گرم اور زرد شام جھلملا رہی تھی۔ گھر کے مکین مختلف مشاغل میں مصروف تھے۔ ٹی وی لاؤنج خوب بھرا بھرا اور آباد تھا سب لڑکے لڑکیاں لاؤنج میں بیٹھے مووی دیکھنے میں مصروف تھے۔ چائے کا دوسرا دور شروع ہو چکا تھا۔ باتوں، قہقہوں اور تبصروں کا شور باہر تک آرہا تھا۔ پچھلی طرف کی سیڑھیوں پہ بیٹھی مالا نے اکتا کر کتاب بند کر دی۔ وہ گھٹنوں پہ سر ٹکا کر خاموشی سے ڈھلتی شام کے پھیکے رنگ دیکھتی رہی۔ تب ہی فریا چلی آئی، ہاتھ میں چائے کے دو کپ لیے ایک کپ مالا کے نزدیک دھرا اور خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔

"مالا!"

"ہوں۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"اداس ہو؟"

"پتا نہیں۔"

"ایسے کیوں بیٹھی ہو ؟"

"بس ویسے ہی۔"

"تیاری ہو گئی پیپر کی؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"شور بہت آرہا تھا اندر سے۔"

"اس لیے پڑھا نہیں گیا؟"

"ہوں۔"

"تو اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔"

"جا رہی ہوں۔" وہ اٹھی کتاب پکڑی اور اندر کی سمت بڑھ گئی۔

فریا حیرانی سے اسے جاتا دیکھتی رہی، وہ اپنا کپ بھی وہیں چھوڑ گئی تھی۔

"اس بے وقوف لڑکی کو کبھی زندگی انجوائے کرنا نہیں آسکے گا۔" فریا نے تاسف سے خود کلامی کی تھی اور اس کی اپنی بہن کے بارے میں یہ رائے مستقل تھی۔ مالا لاؤنج کے شور شرابے کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی جب طلحہ نے اسے پکارا۔

"مالا! آجاؤ۔ کدھر جا رہی ہو؟" مالا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"آجاؤ بھئی۔ جراسک پارک کے سلسلے کا فورتھ سیکوئیل دیکھ رہے ہیں۔ بہت مزے کا ہے۔" وہ بلند آواز سے بول رہا تھا۔

مالا نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا اور اسے کتاب دکھا دی اشارہ یہ تھا کہ اسے پڑھنا ہے۔

"کبھی ان کی جان چھوڑ بھی دیا کرو۔ ہر وقت بکس پکڑے رہنے سے بندہ ٹاپ نہیں کر لیتا۔" یہ طنز علشبہ کی طرف سے آیا تھا۔

مالا نے بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ دروازہ بند ہوتے ہی شور مدھم پڑ گیا، جیسے بہت سارے چابی سے چلنے والے کھلونوں کو روک دیا جائے۔ رائٹنگ ٹیبل پہ کتاب رکھے چیئر سے سر ٹکائے وہ خلا میں گھور رہی تھی۔

"اگر صبح میرا ایگزام ہے تو تین دن بعد "اس" کا بھی تو ہے۔ مگر حسب معمول اسے کیا ٹینشن؟ کیسے مزے سے مووی انجوائے کر رہا ہے۔" وہ اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی اور یہ تو ہمیشہ ہوتا تھا وہ انتہائی لاپروا تھا اور اس کی یہ لاپرواہی اور شان استغنا ہمیشہ مالا کو یونہی سلگاتی تھی۔ پتا نہیں وہ ایسا کیوں تھا؟ وہ الجھی ہوئی سی کتاب کے اوراق پلٹتی رہی۔

شام کے کھانے پر طلحہ اور شہزاد دونوں غائب تھے اور ڈیڈ کا غصہ عروج پہ تھا۔ وہ کتنی دیر بولتے رہے، وہی گھسے پٹے الفاظ، شہزاد کی غیر سنجیدگی اور لاپروائی پر ان کی کڑھن اور غصہ سب خاموش تھے سوائے ممی کے جو بیچ بیچ میں بول کر انہیں یقین دلا رہی تھیں کہ وہ اپنی اسٹڈیز کو لے کر بالکل سنجیدہ ہے مگر وہ بھی تو اس کے باپ تھے کیسے مان لیتے؟

"بیت الرشید" کا سب سے ضدی، لاپروا، غصہ ور اور حساس بیٹا شہزاد تھا۔ جس میں حقیقتاً" سب کی جان تھی۔

پتا نہیں رات کو وہ کب لوٹا تھا؟ اگلی صبح وہ جلدی جلدی تیار ہو رہی تھی جب فریا اس کے لیے ناشتا لیے چلی آئی۔ مالا اپنے بالوں سے الجھ رہی تھی۔

"ان کا کوئی ہیر اسٹائل ہی بنوا لو مالا!" فریا نے اس کے شانوں سے نیچے آتے خوب سارے جھاڑ جھنکاڑ نما بالوں کو دیکھ کر کہا تھا۔

"ان کا بس ایک ہی اسٹائل بنتا ہے۔" وہ تیز تیز برش کر رہی تھی پھر سب بال سمیٹ کر اونچی سی پونی ٹیل بنالی۔ فریا نے ایک طویل سانس لی۔

"مالا! تم تھکتی نہیں ہو انہیں برش کرتے کرتے؟"

مالا نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اسے حیرانی سے دیکھا۔ "کیوں؟"

"ایسے بال میرے ہوں نا تو میں کٹوا ہی دوں۔" فریا نے مزید کہا۔ انداز اسے چڑانے والا تھا۔

مالا نے کوئی جواب دیے بغیر توجہ ناشتے پہ مرکوز کر دی۔ اب فریا کی توجہ بیڈ پہ پڑے اس کے لیدر کے پینسل باکس پر مرکوز ہو چکی تھی۔

"مالا! اس کی تو جان چھوڑ ہی دو اب۔ دو سال ہو چکے ہیں اس بے چارے باکس کو۔"

"مجھے اچھا لگتا ہے فری! پاپا کتنے پیار سے لائے تھے میرے لیے۔" وہ اطمینان سے بولی تھی البتہ باپ کے ذکر پہ اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ عادل بن طارق اور کلثوم —— کی ڈیڑھ سال پہلے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی تھی۔

فریا نے طویل سانس لی۔ وہ ناکام تھی۔ پتا نہیں مالا کو غصہ کیوں نہیں آتا تھا؟ اسی وقت دروازہ کھول کر طلحہ چلا آیا۔

"مالا! چلیں؟"

"ہاں، بس دو منٹ۔" وہ جلدی جلدی ناشتا ختم کرنے لگی۔

طلحہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا ہو کر پرفیومز اور اسپرے چیک کرنے لگا۔ ایک پرفیوم کو ہلکا سا کلائی پہ چھڑک کر تادیر سونگھا، پھر اس کی طرف مڑا۔

"تمہارا پرفیومز کا کلیکشن کمال ہے مالا۔" وہ کہتے ہوئے فراخدلی سے پرفیوم خود پہ اسپرے کرنے لگا۔

"مال مفت، دل بے رحم۔" فریا نے اس کی فضول خرچی پہ جل کر کہا۔ طلحہ کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

ساتھ چل پڑا۔ مگر جاتے جاتے فریا کی پونی کھینچنا نہ بھولا تھا۔ جواباً" وہ چیختی ہوئی اس کے پیچھے لپکی تھی۔ مگر وہ کہاں ہاتھ آنے والا تھا۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کی نظر ڈائننگ ٹیبل پہ پڑی تھی جہاں ڈیڈ شہزاد کو ڈانٹ رہے تھے اس کا دل تاسف سے بھر گیا۔ وہ شاید کبھی نہیں بدل سکتا تھا۔ ڈیڈ سے ڈانٹ کھاتے ہوئے اس کے تاثرات انتہائی بگڑے ہوئے تھے۔

مالا نظرانداز کرتی باہر کی سمت بڑھ گئی۔ یہ منظر عموماً" دہرایا جاتا تھا اور ہر بار مالا کو نئے سرے سے تکلیف سے دوچار کر جاتا تھا۔ وہ کسی کے لیے بھی نہیں بدل سکتا تھا؟

سنا ہوگا کسی سے درد کی اک حد بھی ہوتی ہے
ملو ہم سے کہ ہم اس حد کے اکثر پار جاتے ہیں

☼ ☼ ☼

سبز اور سنہرے امتزاج کے ماربل سے مزین "بیت الرشید" میں دو خاندان آباد تھے۔ عادل بن طارق اور عدیل بن طارق جن کے بالترتیب تین اور دو بچے تھے۔ مالا عادل' فریا عادل اور طلحہ عادل جبکہ علشبہ عدیل اور شہزاد عدیل' عدیل بن طارق کی آنکھوں کا نور تھے۔

سب بچوں کی اپنی اپنی دلچسپیاں اور رجحانات تھے۔

مالا عادل نفسیات میں بی ایس سی کر رہی تھی۔ اسمارٹ سی مالا جس کی کھلتی ہوئی سنہری رنگت گندم کے خوشوں ایسی تھی اور جس کے جھاڑ جھنکاڑ بال بڑے نمایاں تھے۔ اصل میں اس کے بھورے بال نہ تو پوری طرح گھنگھریالے تھے اور نہ ہی مکمل طور پر سیدھے بلکہ عجیب درمیانی حالت میں آکر رک گئے تھے وہ بنیادی طور پر کم گو اور قدرے سنجیدہ مزاج لڑکی تھی۔

فریا عادل سیکنڈ ایر کی اسٹوڈنٹ تھی' مالا کی نسبت وہ بہت شوخ' چنچل اور دوستانہ مزاج کی حامل تھی۔ کچھ

طلحہ عادل! ایم بی اے پارٹ ون کا اسٹوڈنٹ تھا' بے حد باتونی' اسٹائلش اور ہینڈسم تھا بلا مبالغہ سینکڑوں کے حساب سے دوستیاں تھیں اس کی' چار پانچ لڑکیاں بھی اس لسٹ میں شامل تھیں اور سب سے خاص دوست سارہ تھی جو کہ دن بہ دن زیادہ قریب ہوتی جارہی تھی۔

شہزاد عدیل بی کام کا اسٹوڈنٹ تھا' بے حد متلون مزاج' غصیل' انٹرنیٹ کا شیدائی' ہر چیز اور واقعہ کے لیے Not responding کا بورڈ پیشانی پر آویزاں کیے وہ ـــــ ہر دلعزیز تھا۔ حالانکہ سوائے طلحہ کے کسی اور سے وہ دو سے تین جملے بولنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا مگر سب کی بے پناہ چاہتوں کا حق دار شاید اسی وجہ سے تھا کہ بعض لوگ صرف محبتیں سمیٹنے کے لیے ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں تھا کہ ان بے پناہ محبتوں نے اسے بد مزاج کیا تھا بلکہ وہ شروع ہی سے الگ تھلگ اور تلخ نیچر کا مالک تھا۔

علشبہ عدیل بھی فریا کی کلاس فیلو تھی۔ دونوں کی دلچسپیاں بھی ایک جیسی تھیں۔ عدیل بن طارق کی یہ بیٹی "بیت الرشید" کی سب سے ـــــ منہ پھٹ اور خوش مزاج لڑکی تھی۔ یوں تو تقریباً" سبھی بچے اپنی اپنی فیلڈز میں ٹھیک جارہے تھے مگر ٹینشن پیدا کرنے کے لیے صرف شہزاد عدیل ہی کافی تھا۔ صبح مالا کا دوسرا پیپر تھا جب لاؤنج سے اٹھتی تند و تیز آوازوں نے اسے ٹھٹکا دیا اس نے کتاب بند کردی اور تیزی سے اٹھ کر باہر کی سمت لپکی۔ دروازہ کھولتے ہی اس کی نظر فریا پہ پڑی جو لاؤنج میں ہی تھی۔ اس سے نظر ہٹائی تو ڈیڈ سے جا ٹکرائی۔ ڈیڈ اور شہزاد ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔ ایک طرف طلحہ بھی کھڑا تھا' یقیناً" صورت حال خاصی سنجیدہ تھی۔ کیونکہ اڑے ہوئے حواسوں کے ساتھ ممی بھی لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟" ڈیڈ کی دھاڑ سنائی دی تھی۔

"ہوا کیا ہے؟" ممی نے مداخلت کرتے ہوئے پوچھا۔

"کہتا ہے میں ایگزامز نہیں دوں گا۔" ڈیڈ نے طنزاً" کہا' لہجہ بڑا کاٹ دار تھا۔ ممی کے ساتھ ساتھ مالا کو بھی شدید جھٹکا لگا۔ اسے یاد آیا صبح تو شہزاد کا پہلا پیپر تھا۔

"شہزی! کیا کہہ رہے ہیں تمہارے ڈیڈ؟ کیا واقعی ایسا ہی ہے؟" ممی نے اسے جھنجوڑا۔ شہزاد کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور دلکش شہد رنگ آنکھوں میں نیلی آگ جل رہی تھی۔ ماتھے پہ گہری شکن شدید غصے اور ناراضی کی غماز تھی۔ اس نے ترچھی نظروں سے ماں کو دیکھا تھا۔

"بالکل ایسا ہی ہے۔" وہ بے خوفی سے بولا۔

"تو وجہ بھی بتاؤ۔" ڈیڈ پھر سے پھٹ پڑے۔

"مجھے Banking میں نہیں جانا۔" اس نے بڑے سکون سے وجہ دی۔

"سبحان اللہ! یہ بات تمہیں اب یاد آئی ہے دو سال پڑھنے کے بعد؟" وہ جیسے جل کر بولے تھے۔

"نہیں پہلے بھی یاد تھی۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

"تو پہلے ارشاد کیوں نہیں فرمادیا جناب نے؟" ڈیڈ بمشکل خود پہ قابو پاکر گہرے طنز سے بولے تھے۔

"پہلے ایگزامز بھی تو نہیں تھے۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"دیکھو شہزی! میرے صبر کا امتحان مت لو۔ مجھے صاف صاف بتاؤ یہ سب کیوں کر رہے ہو؟" ڈیڈ وارننگ دے کر کہنے لگے۔

"ڈیڈ! میں بہت زیادہ ڈبل مائنڈڈ ہو چکا ہوں۔ پہلی کلاس میں پروفیسر آتے ہیں۔ اسلامیات پڑھاتے ہیں۔ پینتالیس منٹ کی کلاس وہ ہمیں یہ سمجھانے میں صرف کرتے ہیں کہ سود حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود کسی بھی صورت حلال نہیں رکھا اور جو لوگ سود لیتے ہیں ان کی اللہ اور اس کے رسول سے کھلی جنگ ہے۔ اور دوسری کلاس میں ہمیں Banking کے اصول سمجھائے جاتے ہیں۔ انٹرسٹ کے رولز اینڈ ریگولیشنز پڑھائے جاتے ہیں یہ اتنا زیادہ تضاد کیوں؟ یہ اتنی Inconsistency مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ بس میں نے سوچا ہے مجھے اس فیلڈ میں آگے نہیں جانا۔" اس کا لہجہ مضطرب مگر ہموار تھا۔

ڈیڈ پہلے تو حیران ہی کھڑے رہے مگر پھر خود کو سنبھال کر اس کی طرف بڑھے اور دھیرے سے ہاتھ اس کے شانے پہ رکھ لیا۔

"مگر بیٹا! یہ صرف اسٹڈیز کا ایک سبجیکٹ ہے۔ وہ تمہیں انٹرسٹ پر مجبور نہیں کر رہے۔" انہوں نے سمجھایا۔

"یہی تو خرابی ہے ڈیڈ! اسی سے ہیومن سائیکی بنتی ہے۔ جب میں چار سال مسلسل ایک چیز پہ کنسنٹریٹ کروں گا اسے پڑھوں گا تو لامحالہ وہ میری سائیکی کا حصہ بن جائے گی اور ایک دن میں اسے قبول کرلوں گا۔ پروپیگنڈے کا یہی تو کمال ہے کہ جھوٹ اتنے تواتر سے بولا جاتا ہے کہ لوگ اسے سچ سمجھنا شروع کردیتے ہیں۔" اس نے مضبوطی سے موقف کا دفاع کیا۔

ڈیڈ کی پیشانی پہ شکنیں آگئیں۔

"تمہاری ساری باتیں اپنی جگہ درست ہوں گی۔ مگر میری بات دھیان سے سنو شہزاد! ایگزامز بہرحال تمہیں دینے پڑیں گے۔" ان کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر تیزی سے واپس مڑا اور دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ ڈیڈ کے ساتھ ساتھ ممی نے بھی ایک طویل سانس لیا۔ مگر ان کا یہ اطمینان اگلے ہی منٹ ختم ہو گیا تھا جب انہوں نے شہزاد کو کتابوں کے پلندے کے ساتھ واپس آتے دیکھا۔ وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے آیا اور کتابوں کا ڈھیر سینٹرل ٹیبل پہ لا پٹخا۔

"یہ ہیں بکس ـــ مجھے ایگزامز نہیں دینا ڈیڈ۔" اس کے لہجے میں قطعیت اور چہرے پر سرکشی تھی۔

"شہزاد! اپنی حد میں رہو۔" ڈیڈ دھاڑ اٹھے تھے ان کا رنگ غصہ سے سرخ پڑ گیا تھا۔

"آئم سوری ڈیڈ! مگر پلیز آپ سمجھنے کی کوشش کریں میں ـــ" اس نے وضاحت دینی چاہی مگر ڈیڈ نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم دن بہ دن بدتمیز ہوتے جا رہے ہو... میں تمہاری بے وقوفیوں میں تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں نہ ان سے صرف نظر کر سکتا ہوں۔ اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں تمہیں اپنی من مانی کرنے کی اجازت دے دوں گا تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ ایسا میں کچھ کر رہا ہوں نہ تمہیں اس کی اجازت دے رہا ہوں۔ اٹھاؤ یہ کتابیں اور دفع ہو جاؤ اپنے کمرے میں۔" سرخ چہرے کے ساتھ انگلی اٹھا کر انہوں نے وارننگ دی تھی۔

"آپ مجھے مجبور مت کریں ڈیڈ! میں وہی کروں گا جو میں کرنا چاہتا ہوں... اور میرا فیصلہ یہی ہے کہ مجھے بی کام نہیں کرنا۔" وہ بنا متاثر ہوئے دو ٹوک انداز میں بولا تھا۔

"تو پھر کیا کرنا چاہتے ہو تم؟" اس بار طلحہ نے پوچھا اس کا موڈ شہزاد کی اس حرکت پہ سخت بگڑا ہوا تھا۔

"یہ ابھی میں نے سوچا نہیں۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"واہ! کیا بات ہے۔ محترم شہزاد عدیل صاحب! آپ اپنے گزشتہ دو سالوں کو بھاڑ میں جھونکنے کے بعد کچھ سوچنے کا کشٹ کب فرمائیں گے؟" طلحہ نے مذاق اڑاتے ہوئے طنز کیا۔

"مائنڈ یور لینگویج طلحہ۔" اس نے سخت برا مانا تھا۔

"شٹ اپ۔" طلحہ نے سختی سے ڈانٹا۔

مگر شہزاد کا چہرہ ہنوز اسی موڈ پر سیٹ تھا۔

"تو تم ایگزامز نہیں دو گے؟ ہوں" ڈیڈ نے پر سوچ انداز میں کہا۔ سب خاموشی سے کھڑے رہے۔

شہزی بیٹا! تمہارے ڈیڈ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم یہ ایگزامز تو دو۔ اس کے بعد جو دل چاہے کرنا۔" ممی نے اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ممی پلیز مجھے ٹینس مت کریں۔" اس کا لہجہ تلخ تھا۔ تبھی ڈیڈ بول پڑے۔

"بی کام تمہیں نہیں کرنا' بی ایس سی میں انٹرسٹ نہیں' انجینئرنگ کے نام پہ ہاتھ کانوں کو لگاتے ہو۔ تو باقی تو بس بی اے ہی بچتا ہے۔ سمپل گریجویشن' کیا خیال ہے؟" وہ بڑے سکون سے پوچھ رہے تھے۔

شہزاد کے چہرے پہ قدرے اطمینان جھلکا تھا ان کا اس طرح بات کرنا ظاہر کرتا تھا کہ وہ اس کے فیصلے کو قبول کر چکے تھے۔ وہ ریلیکس محسوس کرتے ہوئے صوفہ کی پشت سے کمر ٹکا کر پھیل کے بیٹھ گیا۔

"ان فیکٹ ڈیڈ! میرا ابھی پڑھنے کا موڈ نہیں۔ سوچ رہا ہوں سافٹ ویئر کا کوئی کورس کر لوں۔" اس نے اپنی پلاننگ بتائی۔

طلحہ اور ڈیڈ دونوں نے نظریں ملائیں اور واپس شہزاد پہ جما دیں۔

"بہت افسوس کی بات ہے شہزی! تمہیں یہ بات اب یاد آ رہی ہے جب تم نے یہ سوچ لیا تھا کہ ایگزامز نہیں دینا تو تمہیں یہ بھی چاہیے تھا کہ کم از کم مجھے تو بتاتے اگر میرے علم میں ہوتا تو ہم لازما" کچھ اور پلان کر لیتے۔ مگر وہی تمہاری لاپروائی... ! تم زندگی کو اتنی لاپروائی سے کیوں لیتے ہو؟" طلحہ کا لہجہ بہت ناراضی بھرا تھا۔

"سوری ڈیڈ... سوری طلحہ! میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔" اس کے چہرے پر شرمندگی تھی اپنی حد سے بڑھی ہوئی حساسیت کی بنا پہ اس نے فورا" ہی غلطی تسلیم کرتے ہوئے معافی مانگ لی تھی۔

"اٹس اوکے یار! مگر مجھے برا لگا... بہت دکھ ہوا۔ تم نے اس طرح بی ہیو کیا۔" طلحہ نے صاف گوئی کی انتہا کر دی۔

"تو تمہارے پیروں کو ہاتھ لگاؤں؟" اس نے بظاہر مسکراتے ہوئے مگر درحقیقت دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

طلحہ کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ثمینہ! چائے بنوائیں۔ اس لڑکے نے تو دماغ ہلا کے رکھ دیا ہے میرا۔" ڈیڈ کہتے ہوئے اٹھ گئے۔

مالا طویل سانس لے کر واپس مڑ گئی۔ حسب معمول شہزاد اک بار پھر اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ بلکہ ایسا ممکن ہی نہ تھا کہ اس کی بات رد کر دی جاتی۔ کتنے سکون سے اس نے کتابیں ڈھیر کر کے کہہ دیا تھا کہ اسے نہیں پڑھنا۔ مالا نے دل میں اٹھتے گہرے تاسف کو دباتے ہوئے ایک نظر سینٹرل ٹیبل پہ ڈھیر کتابوں پر ڈالی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

سب کچھ لاحاصل تھا۔ اس شخص کو کوئی فکر ہی نہ تھی۔ کیسا بے فکر تھا وہ' یہ جانے بہ سمجھے بغیر کہ کوئی اس کے ہر لاپروا اقدام پر کڑھتا تھا۔ کسی کا دل دکھتا تھا۔ کسی کو اس کی کامیابی اور ناکامی سے فرق پڑتا تھا۔

مالا نے کتاب بند کر کے رائٹنگ ٹیبل پہ دھری اور خود بیڈ پہ لیٹ گئی' اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایگزامز ختم ہوئے تو طلحہ نے ایک ٹریٹ مانگ لی۔ "بیت الرشید" کا یہی اصول تھا۔ کسی کے ایگزام آ گئے تو ٹریٹ' کسی کے نمٹ گئے تو ٹریٹ

غرض اس گھر میں بس ٹریٹ لینے کا موقع ڈھونڈا جاتا تھا اور دینے والا دیتا بھی بڑی خوش دلی سے تھا۔

دوسری ڈیمانڈ یہ ہوتی اور ہوتی بھی طلحہ کی طرف سے۔ وہ یہ کہ ٹریٹ میں قطعا" گھر کی بنی ہوئی چیز قبول نہ کی جائے گی۔ جنک فوڈ میں تو طلحہ اور شہزاد کی جان تھی۔

مزے دار بات یہ ہوتی تھی کہ وہ کچھ کھانے کے لیے باہر نہیں جاتے تھے بلکہ طلحہ اور شہزاد مطلوبہ چیزیں گھر ہی لے آتے۔ پچھلے لان میں اور کبھی کبھار گھر کی بڑی سی چھت پہ یہ محفل سجتی اور خوب ہی ہلڑ بازی مچتی... اس بار مالا ان کے ہتھے چڑھی تھی۔ طلحہ نے اس سے کہا تو وہ حسب توقع فورا" ہی مان گئی۔

"ہاں۔ کیوں نہیں' آج شام ہی۔"

وہ سب اس وقت لاؤنج میں جمع تھے۔

"ویسے شہزی! ٹریٹ تو تیری بھی بنتی ہے۔" طلحہ نے اسے بھی گھسیٹا۔

"وہ کس خوشی میں؟" اس نے طلحہ کو گھورا۔

"ایگزامز نہ دینے کی خوشی میں۔" طلحہ نے چوٹ کی۔

علشبہ کا ایک بے اختیار قہقہہ پھوٹا تھا۔

"نہیں اس بات پہ مجھے کوئی خوشی نہیں۔" شہزاد نے کہا۔

"کیوں؟" فریا نے پوچھا۔

"خوشی تو تب ہوتی جب انہیں بھی نہ پڑھنا پڑھتا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے سافٹ ویئر کے ٹاپک سے متعلقہ نوٹس ٹیبل پہ پٹخے۔ یہ وہ کچھ دیر پہلے ہی لایا تھا۔ اس کا انداز خاصا جلا کٹا تھا۔

اس بار سب ہی ہنس پڑے۔

"تو پھر مالا کی ٹریٹ تو فائنل ہے نا؟" طلحہ نے یقین دہانی چاہی تو اس نے فورا" سر ہلا کر تائید کی تھی۔

اگلی شام سب کی تیاریاں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اگرچہ یہ معمولی سی دعوت کسی قطار شمار میں نہ بھی سمجھی جائے مگر سچ یہی تھا کہ وہ سب بڑے اہتمام سے تیار ہوتے' خوب خوشبوئیں چھڑکی جاتیں' آج بھی فریا نے ضد کر کے مالا کے بال کھلے رہنے دیے۔

"فریا! ضد مت کرو۔ پاگل لگوں گی میں۔" وہ جھلا کے بولی تھی۔ مگر فریا نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ اب شاید یہ اس کی کم بختی تھی کہ جیسے ہی وہ اور علشبہ کمرے سے نکلے لاؤنج میں ٹکراؤ شہزاد سے ہو گیا۔

وہ اسے دیکھتے ہی چونکا' مالا کے کھلے بالوں نے پہلے تو اسے حیران کیا اور پھر ہنسنے پہ مجبور کر دیا۔ خوب پھولے پھولے بال اس کے کندھوں سے نیچے تک آتے پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے کا کچھ حصہ چھپ گیا تھا۔

"مالا! پلیز... انہیں..." وہ بمشکل ہنسی روک کر بولنے لگا تھا کہ پھر سے ہنسنے لگا۔ مالا نے خود کو اس لمحے سخت احمق محسوس کیا تھا۔

"پلیز! انہیں باندھ لو۔ یہ کس دشمن نے تمہیں مشورہ دیا تھا کہ ان حسین بالوں کو کھلا چھوڑ دو۔ اتنی عظیم دشمنی! حد ہے بھئی..." وہ جیسے کراہ رہا تھا۔ مالا کا

رنگ یک بیک پھیکا پڑ گیا۔ وہ جھٹکے سے واپس مڑ گئی۔

"شہزی! تمہیں اس طرح فضول بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ کتنا برا لگا ہو گا اسے حد ہوتی ہے۔ میں مانتی ہوں تم آؤٹ اسپوکن ہو مگر پلیز بد تمیز مت بنو۔" علشبہ نے اس کی خاصی کلاس لی تھی۔

اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے مالا نے سنا کہ وہ کوئی وضاحت دے رہا تھا مگر کیا؟ اس نے سنے بغیر ہی دروازہ بند کر دیا۔ اس نے سختی سے بینڈ میں بال جکڑے تھے جب فریا بھی واش روم سے نکل آئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ باز پرس کرتی علشبہ اندر چلی آئی' بات کا رخ بدل گیا۔ کچھ دیر بعد وہ تینوں چھت پہ تھیں۔ ڈیڈ اور ممی اپنے بیڈ روم میں تھے۔

چھت پہ ٹیبل سیٹ کی جا چکی تھی۔ آج چاند کی بارہ تاریخ تھی۔ مگر اس کے باوجود بڑی کھلی کھلی سی چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ ایسے میں چلتی ہلکی ہلکی ہوا نے موڈ بڑی حد تک ٹھیک کر دیا تھا۔

شہزاد اور طلحہ برگر اور پیزا لینے گئے ہوئے تھے۔ فریا برتن سیٹ کرنے لگی جبکہ علشبہ اور مالا چھت پہ ٹہلنے لگیں۔

"ایک بات پوچھوں مالا؟"

"ہوں۔"

"میں جانتی ہوں تم بہت زیادہ پریکٹیکل ہو مگر پھر بھی تم نے کبھی نہ کبھی تو سوچا ہو گا کہ تمہاری شادی کیسے انسان سے ہونی چاہیے۔ آئی مین تمہارا کوئی نہ کوئی آئیڈیل تو ہو گا نا؟" علشبہ نے پوچھا تو مالا کے لبوں پہ ایک مسکراہٹ آ گئی۔

"پتا نہیں علشبہ! لیکن یہ بات تو صاف ہے کہ میرا قطعاً "کوئی آئیڈیل نہیں ہے۔"

"وہ تو میں جانتی ہوں مگر پھر بھی؟" اس نے اصرار کیا۔

"اچھا۔ کیا جاننا چاہتی ہو؟"

"تمہارے خیالات؟"

"کس بارے میں؟"

"یہی کہ اگر تمہاری شادی ایک انڈر میٹرک سے ہو جائے یا ایک بہت پڑھے لکھے شخص سے ہو جائے تو تمہیں کیا لگتا ہے؟ کوئی فرق پڑے گا یا پھر تم ایڈجسٹ کر لو گی؟"

"یہ تو ڈی پینڈ کرتا ہے حالات پر اور پھر اس میں بہت سارے فیکٹرز آ جاتے ہیں۔" مالا نے کہا۔

"مثلاً"؟"

"سب سے پہلی اور لازمی بات تو قسمت ہے۔ دیکھو نا! جہاں قسمت میں لکھا ہے وہاں تو بہر حال شادی ہو ہی جاتی ہے خواہ بظاہر لاکھ رکاوٹیں نظر آ رہی ہوں۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ تم قسمت پہ یقین رکھتی ہو۔ مطلب جہاں شادی ہو گئی تو ٹھیک ہے۔ خواہ وہ امیر ہو غریب ہو' پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ؟ اس سے قطعاً "فرق نہیں پڑتا۔" علشبہ نے مزید کریدا۔ اس دوران فریا بھی کام سمیٹنے کے بعد ان کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی اور خاموشی سے یہ سوال و جواب کا سلسلہ سن رہی تھی۔

"یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔" مالا نے سر جھٹک کر ٹالا تھا۔

"یعنی تمہیں لگتا ہے کہ کہیں بھی شادی ہو یہ قسمت کی بات ہے تو پھر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ تم خوش رہو گی؟" فریا نے الجھ کر پوچھا۔

"گارنٹی۔۔۔ نہیں۔ کوئی گارنٹی نہیں۔ بلکہ گارنٹی تو کسی چیز کی بھی نہیں ہوتی علشبہ! فرض کرو اگر میری شادی ایک پڑھے لکھے' ویل اسٹیبلشڈ آدمی سے ہو جاتی ہے تو اس بات کی گارنٹی کون دے سکتا ہے کہ وہ مجھے خوش بھی رکھے گا؟ میری عزت کرے گا؟ نہیں۔ اس کی گارنٹی کوئی نہیں دے سکتا بالکل اسی طرح جس طرح اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں کہ انسان مزید کتنے لمحے جیے گا؟ اور یہ بھی کوئی معیار نہیں کہ کم پڑھے لکھے لوگ خوش نہیں رہ سکتے یا اپنے ساتھ منسلک لوگوں کو انڈر اسٹینڈ نہیں کر پاتے' بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں' جس میں بالکل ایسے کیسز سامنے آتے ہیں جب ایک پڑھا لکھا جوڑا ناکام ہو جاتا ہے

جبکہ ایک نسبتاً [illegible] گزارتا ہے۔" اس نے تفصیل سے کہا۔

"ویری گڈ۔" علشبہ متاثر ہوئی تھی۔

"تو اس کا کیا مطلب ہے مالا! کہ ہمیں شادی کرنے سے پہلے کچھ نہیں سوچنا چاہیے؟ کچھ نہیں دیکھنا چاہیے۔ بس آنکھیں بند کر کے اپنی ڈور اس انجان شخص کے ہاتھ میں تھما دینی چاہیے اور خود کو قسمت کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا چاہیے؟" فریا نے نیا نکتہ اٹھایا تھا۔

"نہیں۔ میں نے ایسا کب کہا۔ دیکھو ایک کہاوت ہے کہ "زندگی ہمیں گارنٹیز اور وارنٹیز نہیں دیتی بلکہ یہ ہمیں مواقع دیتی ہے۔" بالکل اسی طرح سے اپنی زندگی کے ساتھی کو چنتے ہوئے سب سے اہم فیکٹر ہے "محبت" جس کو کسی صورت نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔"

"واہ مالا! کیا پوائنٹ مارا ہے؟" فریا نے داد دی۔

"سنو نا یار! اصل بات یہ ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے تو پھر اس کی ہر بات صحیح لگتی ہے۔" اس نے اپنا نظریہ درستی سے بتایا۔

"ہاہاہا۔ یہ تو وہ بات ہو گئی مالا! کہ جب ایک شخص کی غلط بات بھی صحیح لگے تو جان لو کہ یہ محبت۔" علشبہ کلائمکس پہ آ کے رک گئی۔

"تو یہ محبت؟" فریا نے الجھ کر پوچھا۔

"تو یہ کہ یہ محبت قطعاً "نہیں ہے بلکہ تمہیں بے عزتی کی عادت ہو گئی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔ مالا بھی مسکرا دی۔

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ اپنے اسٹینڈرڈ کا آدمی ڈھونڈتے ہوئے آپ یہ ضرور دیکھ لیں کہ آپ اس سے محبت بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ ایک قابل ——— شخص تو ڈھونڈ لیں مگر اس ——— سے محبت نہ کر سکیں "محبت" زندگی کی روح ہے یار! اس کے بغیر آپ بلکہ ہم سب کوئی بھی سروائیو نہیں کر سکتا۔" مالا کا لہجہ ہموار تھا۔

"چلو ٹھیک ہے یار۔ ختم کرو اس موضوع کو۔ وہ دیکھو طلحہ کی گاڑی آ گئی۔" فریا نے منڈیر سے جھانکتے ہوئے ان سے کہا تو وہ دونوں بھی متوجہ ہو گئیں۔

اور کچھ دیر بعد ایک دلچسپ اور مزے دار ہنگامہ شروع ہو چکا تھا' ہر ایک کی کوشش یہی تھی کہ جلد از جلد اپنا برگر ختم کر کے دوسرے پہ جھپٹا مارا جائے' اور اس سلسلے میں ہمیشہ کی طرح فریا اور طلحہ سب سے آگے تھے۔ طلحہ کی تو اسپیڈ بھی بہت تیز تھی کھانے کی۔۔۔

کمال بات یہ تھی کہ وہ خود ختم کرنے کے بعد دوسروں کو زچ کرنا شروع کر دیتا جس کی زد میں سب سے پہلے فریا آئی۔

"فری! آخری بائٹ میری۔" وہ فوراً "بڑا بھائی بنتے ہوئے رعب جماتا۔

"جی نہیں۔ برگر اپنا اپنا۔" فریا بے مروت بنتے ہوئے قطعاً "بہنا پا گانٹھنے پہ تیار نہ ہوتی۔

"تم تو ہو ہی کنجوس' سدا کی بھوکی۔" وہ فوراً "ہی طنز پہ اتر آتا۔

"اور خود کیا ہو؟ دوسروں کے حصے پہ نظر رکھنے والے۔" علشبہ نے بھی مقدور بھر حصہ لیا۔ طلحہ برے طریقے سے چونکا۔

"علشبہ بی بی! پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کا نتیجہ جانتی ہیں آپ؟" اس نے بڑے انداز سے دھمکایا۔

"نہیں۔ تم بتا دو۔" وہ کھانا روک کر پوری طرح متوجہ ہو گئی۔

"یہ ہوتا ہے نتیجہ۔" طلحہ نے بڑی مہارت سے برگر کھینچا اور برق رفتاری سے دوڑ گیا۔ چند لمحوں تک تو علشبہ کو سمجھ ہی نہ آئی کہ اس کے ساتھ یہ ہوا کیا تھا۔ سب کے قہقہوں نے اسے ادراک کرایا تو وہ چیختی ہوئی طلحہ کے پیچھے لپکی تھی حالانکہ اب یہ قطعاً "بے سود تھا۔ پوری چھت کا چکر لگانے کے بعد جب وہ

واپس کرسیوں پہ آ کے بیٹھے تو وہ برگر طلحہ کو ہضم بھی ہو چکا تھا۔ مالا سب کو کوک سرو کرنے لگی۔

"چھین کے کھانے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔" طلحہ نے کوک کا لمبا سا گھونٹ لیتے ہوئے علشبہ کو چڑایا۔ جواباً علشبہ نے اس کے بازو پہ زوردار مکا مارا تھا۔

اس سارے منظر نامے میں دو نفوس بالکل خاموش تھے۔ شہزاد اور مالا۔ دونوں کے اندر کیا چل رہا تھا؟ بتانا مشکل تھا۔ مالا سر اٹھائے سفیدے کے طویل درختوں سے جھانکتی چاندنی کو بغور دیکھ رہی تھی اور شہزاد کی نظریں منڈیر کے پار اندھیرے میں کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔ کیا؟ یہ جاننا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ اس کے بند کتاب جیسے چہرے سے کوئی اندازہ لگانا ممکن نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

پیپرز کی ٹینشن اتری تو ایک صبح ڈیڈ نے اس سے پوچھ لیا۔

"مالا بیٹا! چھٹیوں میں کیا پروگرام ہے؟" وہ ناشتا کرتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"سوچ رہی ہوں ڈیڈ کوکنگ کلاسز لے لوں۔" اس نے جوس کے گھونٹ لیتے ہوئے بتایا۔

"یہ تو تم نے میرے دل کی کہی۔" ممی بے حد خوش ہوئی تھیں۔ مالا بھی مسکرا دی۔

یہ حقیقت تھی کہ ممی بابا کی ڈیتھ کے بعد تایا تائی ہی ان کے ماں باپ تھے۔ انہوں نے کبھی فرق نہ کیا تھا کہ طلحہ ان کا بیٹا نہیں تھا یا مالا اور فریا کو علشبہ سے کم اہمیت اور محبت دی ہو۔ ان کی اسی مساوات اور محبت کا نتیجہ ہی تھا کہ مالا نے جسے کوکنگ میں کبھی دلچسپی نہ تھی اب کوکنگ کلاسز جوائن کرنے کا کہہ رہی تھی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ ممی کو خوش کرنا چاہتی تھی۔ آخر وہ گھر کی بڑی بیٹی تھی اور اسی لحاظ سے اس پر ذمہ داری بھی بھاری عائد ہوتی تھی۔ اب بھی ممی کو خوش دیکھ کر اسے کافی تسلی ہوئی تھی۔ کچھ دنوں بعد اس نے سینٹر جوائن کر لیا۔

اس کے بعد تو سب کے ہاتھ ایک نیا موضوع آگیا۔ وہ نت نئی ڈشز ٹرائی کرتی جو کہ کبھی صحیح بن جاتیں اور کبھی کبھار خراب اور سب ہی لمبے لمبے تجزیے، تنقیدی تبصرے اور طنز فرماتے۔ ہاں کبھی — حسب توفیق تعریف بھی کر دی جاتی اور یہ تعریف ہمیشہ ڈیڈ ہی کی طرف سے ہوتی۔

آج وہ چائنیز بنا رہی تھی۔ مسالے دار نوڈلز اور چکن پیچوان۔ دو تین گھنٹے خوب محنت کرنے کے بعد جب وہ ابتر حلیے میں کچن سے برآمد ہوئی تو پورے ——— ٹولے کو اپنا منتظر پایا۔ لنچ ٹائم جو تھا۔ ممی اور ڈیڈ آج کہیں مدعو تھے۔ علشبہ اور فریا نے فوراً "کھانا لگانے کے لیے اپنی خدمات پیش کر دیں وہ شکر مناتی کپڑے چینج کرنے بھاگ گئی۔ فریش ہو کر لوٹی تو سب کو اپنا منتظر پایا۔

"مالا! ان کی شکل تو خاصی خوبصورت ہے۔ کیا سیرت بھی ہوگی؟" شہزاد نے حسب عادت ٹیکنیکل سوال اٹھایا۔

"ٹیسٹ کر کے دیکھ لیتے ہیں۔" طلحہ نے کرسی کھینچتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد وہ سب گویا کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ مالا ہاتھ روکے منتظر ہی رہی کہ ابھی کوئی تعریف کر دے ابھی کسی کے منہ سے بے ساختہ واہ نکلے گا مگر وہ سب تو بے نیاز بس کھانے پہ ہاتھ صاف کرنے میں مگن تھے۔

"طلحہ! کھانا کیسا ہے؟" اس سے صبر نہ ہو سکا تو پوچھ لیا۔

"کھا کے بتاتا ہوں۔" طلحہ اسٹکس کی مدد سے نوڈلز کھاتے ہوئے بمشکل وقت نکال کر بولا تھا۔ مانا کہ وہ خوش خوراک تھا مگر ایسی بھی کیا بے مروتی۔

مالا نے غصے سے کرسی دھکیلی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ طلحہ چونکا۔

"ارے — ارے اتنا غصہ! بیٹھو بھئی! اصل میں میری پیاری بہنا! کھانا اتنا مزے کا اور اچھا ہے کہ میرے پاس وقت ہی نہیں کہ کچھ بول سکوں۔ اس علشبہ کی بچی نے ریس لگائی ہوئی ہے مجھ سے۔ مجھے اپنا حصہ کھا کر اس کا بھی تو ہاتھ بٹانا ہے نا!" وہ مسخرے پن سے بولا تو مالا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"یو آر رائٹ طلحہ! مالا فوڈ از ڈیلشز۔" شہزاد نے بھی تعریف کی۔ مالا کے لبوں پہ ایک بے اختیار مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"اب تم بھی کچھ پھوٹ دو ندیدیو۔" طلحہ نے فریا اور علشبہ کو شرم دلائی تو وہ ڈھٹائی سے ہنس دیں۔

ان کی یہی چھوٹی چھوٹی باتیں تو "بیت الرشید" کی رونق تھیں۔

☼ ☼ ☼

طلحہ یونیورسٹی سے لوٹا تو مالا اس کے لیے چائے بنا کر لے گئی۔ وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو اسے پریشان حال، بال مٹھیوں میں جکڑے بیڈ پہ بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گئی، پھر چائے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر اس کے نزدیک آگئی۔

"طلحہ! کیا بات ہے؟ کس وجہ سے پریشان ہو؟"

"سارہ سے جھگڑا ہوا ہے۔" اس نے کوئی رد و کد کیے بغیر بتا دیا۔ مالا سے اس نے کبھی کچھ نہ چھپایا تھا۔

"کیوں؟"

"کہتی ہے اپنے پیرنٹس کو بھیجو۔"

"تو ٹھیک کہتی ہے۔ جھگڑا کس بات پہ ہوا؟"

"اسی بات پہ۔ ڈونٹ یو انڈر اسٹینڈ مالا! میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ مالا چونک گئی، یہ طلحہ کا لہجہ تو نہیں تھا۔ وہ تو کبھی ایسے بات نہیں کرتا تھا۔

"کیوں نہیں کر سکتے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ صرف میری دوست ہے۔"

"کیا مطلب؟ صرف دوست؟ کہنا کیا چاہتے ہو؟ تم دونوں ایک دوسرے میں اچھے خاصے انوالو ہو اور یہ دوستی سے بہت آگے کی چیز ہے۔" اس نے ناگواری سے کہا۔

"لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں اس سے شادی کر لوں۔" وہ جھلا کر بولا۔

"شٹ اپ طلحہ! پھر اس کا اور کیا مطلب ہے؟" وہ غصے سے کھڑی ہو گئی۔

"ایسے تو میری پتا نہیں کتنی لڑکیوں سے دوستی رہی ہے کیا ان سب سے بھی شادی کر لوں؟" وہ سخت خفا ہو کے بولا تھا۔

"سارہ اس لسٹ میں قطعاً "شامل نہیں ہے سمجھے تم۔"

"پھر بھی مالا! میں —"

"اسٹاپ اٹ طلحہ! تم صرف اپنی Ego بچانا چاہتے ہو ورنہ اس قسم کی بے وقوفانہ باتوں کی توقع بہر حال میں تم سے قطعاً "نہیں کر سکتی۔ وہ صرف تمہاری دوست نہیں ہے وہ بہت اسپیشل ہے طلحہ! تم سمجھتے کیوں نہیں؟ اگر تم ڈیڈ سے بات نہیں کر سکتے تو میں ممی سے کر لیتی ہوں اٹ ڈزنٹ میٹر" مالا نے اس کو سمجھانے میں حل بھی ڈھونڈ نکالا۔

"لیکن میں —" طلحہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ اسی وقت دروازہ کھول کر شہزاد اندر آگیا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" اس نے دونوں کے تنے ہوئے چہروں کا جائزہ لے کر پوچھا۔

"کچھ نہیں بس وہ —" طلحہ نے کہنا چاہا مگر مالا نے ٹوک دیا۔

"کیوں کچھ نہیں۔ شہزاد تو تمہارا سب سے اچھا دوست ہے۔ کم از کم اسے تو بتاؤ۔"

"کون سی بات مالا؟" شہزاد اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ میں نہیں طلحہ بتائے گا تمہیں۔" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی، طلحہ نے بے بسی سے اسے گھورا تھا وہ اسے لاعلمی میں شہزی جیسی 007 نامی بلا کے سپرد کر گئی تھی جو کہ بال کی کھال اتارنے کا فن جانتا تھا۔ جب تک وہ پورا معاملہ نہ جان لیتا اسے سکون نہیں آسکتا تھا۔

"طلحہ! کون سی بات چھپا رہے ہو؟" شہزی نے اسے کڑی نگاہوں سے گھورا تھا۔ وہ طویل سانس لے کر بیڈ پہ بیٹھ گیا۔

"بتاتا ہوں۔"

☼ ☼ ☼

اگست کا مہینہ آیا تو ساتھ میں بارشوں کی سوغات لایا تھا۔ گرمی کا زور بتدریج ٹوٹ رہا تھا۔ البتہ فضا میں حبس بڑھ چکا تھا۔ سترہ اگست کی قدرے خوشگوار صبح تھی جب مالا کو علشبہ اور فریا نے جھنجھوڑ کر جگا دیا' وہ جو ـــ مزے کی نیند سو رہی تھی۔ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"مالا! تمہارا رزلٹ آگیا ہے۔ اٹھو۔" علشبہ چیخ رہی تھی۔ مالا کے سارے حواس یک بیک بے دار ہوگئے۔ اس نے تیزی سے بیڈ سے چھلانگ لگائی۔

"رول نمبر سلپ کہاں ہے تمہاری؟" فریا نے اسے کندھے سے پکڑ کر روکا۔ مالا فوراً" دراز میں سے رول نمبر سلپ ڈھونڈنے لگی تھی۔ چند منٹ بعد اسے مل گئی۔

"چلو شہزی نیٹ آن کر کے بیٹھا ہے۔" علشبہ نے بے تابی سے بتایا۔

اگلے ہی لمحے وہ تینوں کمرے سے باہر تھیں اور کچھ دیر بعد ہی "بیت الرشید" کے درو دیوار سب کی خوشی اور مسرت بھری چیخوں سے گونج رہے تھے۔ مالا فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوگئی تھی۔ طلحہ کو ہنگامی طور پہ کال کر کے بلا لیا گیا وہ جو دوستوں میں انجوائے کر رہا تھا جلتا بھنتا گھر لوٹا تو مالا کے سرپرائز نے اسے خوشی سے پاگل کر دیا۔ شاید پہلی بار اسے بڑا بھائی ہونا یاد آیا تھا تبھی اس نے فوراً" اعلان کر دیا کہ وہ سب اسی وقت باہر گھومنے جا رہے ہیں۔ طلحہ کی گاڑی میں ٹھونس ٹھنسا کر وہ ہنستے ہنساتے چل دیے۔ مستزاد اس خوشی میں مزید چار چاند یکدم شروع ہونے والی بارش نے لگائے تھے۔ "کنگ برگر" کی شاپ پہ وہ سب خوب ہنگامہ مچا رہے تھے۔

طلحہ نے جوش میں آکر کچھ زیادہ ہی کیچپ ڈال لیا تھا جبھی اس وقت برگر کی ایک بائٹ کے ساتھ پیپر کا گھونٹ لیا جا رہا تھا۔ سب ہی اس کی حالت کو انجوائے کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ سب اٹھ کر باہر نکل گئے۔ طلحہ تو کسی صورت بارش مس نہیں کر سکتا تھا۔ اب بھی وہ بڑے مزے سے ریسٹورنٹ کے گراسی لان میں زور زور سے گنگنا رہا تھا اور جھوم رہا تھا جبکہ فریا اور علشبہ شیڈ کے نیچے کھڑی تھیں۔ مالا نے فرنچ فرائز کا ٹکڑا اٹھاتے ہوئے گلاس وال سے باہر نظر آتے خوبصورت منظر کو دیکھا اور کچھ کمی محسوس کرتے ہوئے اندر دیکھا اور ٹھٹک گئی۔ شہزاد بارش کو مس کیے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"تمہیں بارش اچھی نہیں لگتی مالا؟" اس نے پوچھا۔ مالا نے گڑبڑا کر اس کے چہرے کو دیکھا' اس کی شہد رنگ پرشوق آنکھیں مالا سے جواب مانگ رہی تھیں۔ مالا کے چہرے پہ ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ وہ غالباً" جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔

"نہیں۔" اس نے یک لفظی جواب دے کر نظریں باہر جما دیں۔

"کیوں؟" وہ کیا جاننا چاہتا تھا؟ مالا کو الجھن سی ہوئی۔

"بس ویسے ہی۔" اس نے کندھے جھٹکے۔ وہ چند لمحے خاموش رہا۔

"نیکسٹ کیا پلان ہے؟"

"ایم ایس سی کروں گی۔"

"گڈ۔ یونیورسٹی سے؟"

"ڈیڈ تو یہی کہہ رہے تھے۔"

"تمہارا اپنا کیا خیال ہے؟"

"میں نے اس بارے میں زیادہ سوچا نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس ویسے ہی۔ رزلٹ کا انتظار تھا۔"

"تو اب؟"

"شاید کوئی کالج جوائن کرلوں۔"

"یونیورسٹی کیوں نہیں؟"

"یونیورسٹی والا ٹمپرامنٹ نہیں ہے میرا۔" اس نے پھر سے نظریں اندر کے منظر پہ ٹکا دیں۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مالا کو محسوس ہوا جیسے اسے مالا کے اس جواب نے کچھ راحت دی تھی جبھی اس کے لبوں کے گوشوں پہ ایک خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ مالا کو حیرت ہوئی۔ وہ کیوں خوش تھا؟

اس نے سراہا۔ مالا نے صرف سرہلانے پہ اکتفا کیا۔

"اور تم۔ تم نے کچھ سوچا ہے مستقبل کے بارے میں؟" بڑی دقتوں سے وہ خود کو یہ سوال کرنے پہ آمادہ کرپائی تھی۔

"ہوں۔ ڈیڈ کے ساتھ فیکٹری جوائن کر رہا ہوں۔" وہ فرنچ فرائز میں کچھ کھوج رہا تھا۔

"مزید پڑھنے کا موڈ نہیں؟"

"نہیں۔" اس نے بھی یک لفظی جواب دیا اور نظر باہر کے منظر پہ جما دی' بارش کی رفتار میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔

"تم بارش کیوں نہیں انجوائے کر رہے؟"

"اگر میں بھی باہر چلا گیا تو تم اکیلی رہ جاؤ گی۔" اس نے کہا۔ مالا ٹھٹک گئی۔ کتنا جاں فزا احساس تھا۔ اسے مالا کا خیال تھا۔

"تھینکس۔" اس نے بے اختیار کہا۔

"مینشن ناٹ۔" وہ آہستگی سے ہنسا تھا۔

کوئی چیز تھی جو مالا کو اپنی گرفت میں لے رہی تھی۔ شاید یہ خوبصورت اور رومانٹک ماحول یا پھر شہزاد کا ساتھ؟ وہ اندازہ نہیں کرپائی۔ مگر وہ آج اندر سے خوش تھی۔

تمہارا عشق صدی دو صدی تک تو پالیں گے
ابھی اتنی سکت تو ہماری چاہ میں ہے!!!

اس کے اندر بڑی خوبصورت رم جھم جاری تھی۔

☼ ☼ ☼

اگست کی وہ شام بڑی سہانی اور ہنگامہ خیز رہی تھی مگر اس کے بعد زندگی نے بڑا عجیب رنگ اختیار کیا تھا یا شاید وہ سب ہی بہت زیادہ مصروف ہوگئے تھے۔ طلحہ بھی اپنا ایم بی اے مکمل کر کے ڈیڈ کے ساتھ کام کر رہا تھا اور شہزاد تو پہلے سے ہی ان کے ساتھ تھا۔ یوں ایک طرح سے "بیت الرشید" کے دونوں بیٹے عملی زندگی میں قدم رکھ چکے تھے' شہزاد بھی بہت زیادہ بدل گیا تھا' تلون مزاجی میں کافی کمی آئی تھی۔ مالا ایم ایس سی کر رہی تھی جبکہ فریا اور علشبہ گریجویشن کر رہی تھیں۔ اب وہ سب بہت مصروف ہو چکے تھے یا شاید میچورٹی کے احساس نے انہیں ایسا بنا دیا تھا اگرچہ اب بھی وہ ویسے ہی انجوائے کرتے تھے مگر بہت کم۔

جس سال مالا کا ایم ایس سی کمپلیٹ ہوا' اسی سال طلحہ کی انگیجمنٹ سارہ عمیر سے ہوگئی۔ مالا نے شہر کی مشہور سائیکالوجسٹ نبیہہ نقوی کی اسسٹنٹ کے طور پہ کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ سنجیدہ تو وہ پہلے بھی تھی مگر اب تو بالکل ہی نہ بولتی تھی۔ البتہ کتابیں پڑھنے کا شوق وہیں تھا' ایک شام وہ لوٹی تو مریم پھوپھو آئی ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے بڑے بیٹے میجر اسد بھی تھے۔ اسد اب تک غیر شادی شدہ تھے۔ اس نے اندر آکر سب کو سلام کیا اور ہینڈ بیگ اٹھاتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"ممی! میں چینج کرلوں۔ اوکے پھوپھو! میں ابھی آتی ہوں۔" پھوپھو کی آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی صاف پڑھی جاسکتی تھی۔ کیسی من موہنی سی تھی۔ نازک سی اور ایسا دھیما مزاج رکھنے والی۔۔۔ ان کا ذہن کچھ سوچنے لگا۔۔۔ اور بہت زیادہ دن نہیں گزرے تھے جب پھوپھو دست سوال دراز کیے عدیل بن طارق کے پاس آئی تھیں۔

"میں مالا کو اپنے اسد کے لیے مانگنا چاہتی ہوں بھائی جان۔" علشبہ کی سی آئی ڈی نے فوراً" خبر "بیت الرشید" کے در و دیوار میں نشر کر دی تھی۔ لیکن وہ یہ جاننے سے قاصر رہی تھی کہ ڈیڈ نے پھوپھو کو کیا جواب دیا تھا۔

دوسری طرف مالا بالکل ساکت تھی۔ اس کا دل بڑی گہرائی میں جا گرا تھا۔ رات جب وہ لیٹی تو اوائل

سردیوں کی خنک اور رسیلی پہلی پہلی بارش ہونے لگی پتا نہیں وہ کس جذبے کے تحت اٹھی اور کھڑکی کھول کر کھڑی ہوگئی۔

"تو۔۔۔ تم کبھی نہیں جان سکوگے؟ آخر تمہیں ضرورت بھی کیا ہے؟ محبت تو میں نے کی ہے۔ تم نے کب کی ہے؟ میں اتنا آگے آچکی ہوں شہزاد! جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔ تم جاننا چاہتے تھے نا کہ مجھے بارش کیوں اچھی نہیں لگتی؟

"مجھے بارش بالکل پسند نہیں کیوں کہ یہ تمہیں مجھ سے دور لے جاتی ہے۔ یہ میرے اندر کی پیاس کو مزید بڑھا دیتی ہے۔" وہ دھیرے دھیرے سسک رہی تھی۔ بارش کی بوندیں اس کے چہرے کو بھگو رہی تھیں مگر وہ بے نیاز تھی۔

"کیا تم کبھی جان سکوگے کہ مالا عادل نے تمہیں کس قدر چاہا ہے۔" اس کے اندر کوئی تڑپا تھا۔

کبھی بارش برستی ہے
تو مجھ کو یاد آتا ہے
وہ اکثر مجھ سے کہتا تھا
محبت ایک بارش ہے
سبھی پہ جو برستی ہے
مگر پھر بھی نہیں ہوتی
سبھی کے واسطے یکساں
کسی کے واسطے رحمت!
کسی کے واسطے زحمت!
میں اکثر سوچتی ہوں اب
وہ مجھ سے ٹھیک کہتا تھا
محبت ایک بارش ہے
سبھی پہ جو برستی ہے۔۔۔!
مگر میرے لیے یہ بارش
کبھی نہ بن سکی راحت!
یہ راحت کیوں نہیں بنتی؟
کبھی میں خود سے پوچھوں تو!
یہ دل دیتا دہائی ہے
بھی کچے مکانوں کو بھی بارش راس آئی ہے؟؟؟

رات دھندلی اور تاریک تھی بالکل مالا کے دل طرح۔۔۔!

☼ ☼ ☼

اگلے دن رات کی شدید ذہنی ٹینشن کا نتیجہ سا آیا تھا۔ اور مالا کو تیز بخار ہوگیا۔ رات اس نے کتنا تھا کہ وہ ایک بار شہزاد کو بتادے مگر کم بخت دل مانتا نہ تھا۔ اسے جھکنا قطعاً" گوارہ نہ تھا۔ وہ ایک عام مشرقی لڑکی تھی جس کے دل میں صرف چاہے جانے تمنا ہوتی ہے۔ وہ ہر صورت اقرار اپنے ساتھی سے چاہتی ہے۔ البتہ اس نے شہزاد کو بے حد چاہا تھا محبت بہت حد تک شاید یکطرفہ ہی تھی دوسرے اس Womanhood کو قطعاً" گوارہ نہ تھا کہ وہ لڑ ہو کر مرد کے آگے جھک جائے۔ اسی کشمکش نے ا اندرونی طور پہ نڈھال کر ڈالا تھا۔

می اس کے لیے بے حد پریشان تھیں۔ وہ ہی دیر اس کے پاس بیٹھ کر اس کا سر دباتی رہیں۔

"تم جلدی سے ٹھیک ہوجاؤ مالا! پھر مجھے تم بہت ضروری باتیں کرنا ہیں۔" انہوں نے کہا۔ مالا اندر ایک ٹیس اٹھی تھی جو کہ سارے بدن میں ۔ گئی۔ اس نے آنسو چھپانے کی خاطر کروٹ بدل لی۔

مگر اسی شام اس صدی کا سب سے حیرت ا واقعہ ہوا تھا۔ علشبہ جوش کے سبب پھولے سانسو اور سرخ چہرے کے ساتھ اندر آئی تھی۔ مالا ایزی ۔ پہ دراز ہاشم ندیم کی خدا اور محبت پڑھ رہی تھی۔

"مریم پھوپھو کو انکار کردیا گیا تھا مگر وجہ؟" معمول علشبہ کے پاس آدھی خبر تھی۔ فریا تو وا کچکچا کر رہ گئی تھی جبکہ مالا بھی جھلا سی گئی۔ بات ایسی تھی بھلا مریم پھوپھو کو انکار کس بنا پہ کیا گیا ہوگا سوچتی رہی۔ انہیں تو وجہ بھی یقیناً" بڑی مضبوط پڑی ہوگی۔ آخر کیا؟ وہ خود سے الجھتی رہی۔ اگلے د ڈیڈ نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔

"السلام علیکم ڈیڈ! میں آجاؤں۔"
"آؤ بیٹا۔" وہ کاغذات سائیڈ پہ رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ وہ آہستگی سے آگے بڑھ آئی۔
"مالا بیٹے! آپ سے ایک گزارش ہے۔"
"آپ حکم کیجیے ڈیڈ۔" وہ گڑبڑا گئی۔
"مجھے یہ۔ کہنا تھا بیٹا کہ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں چاہتا ہوں کہ آپ اور شہرزاد ایک دوسرے کو زندگی کے ساتھی کے طور پہ چن لیں۔" انہوں نے اس کے سر پہ دھماکا کیا تھا۔
"جی۔!" مالا نے سر اٹھا کر آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

اور یہ منظر "بیت الرشید" کے خوبصورتی سے سجے لان کا تھا۔ اسٹیج پہ پیلے سوٹ میں ملبوس مالا شرمائی سی بیٹھی تھی اور اس کے ساتھ سفید کرتا شلوار میں ڈیسنٹ سا شہرزاد بیٹھا تھا۔

کوئی کا تنی آں روں ماہیا
او اک چنگا توں لگنا ایں
دو جا فیروی توں ماہیا

ڈھولک کی آواز پہ ایک خوبصورت دھن اٹھائی تھی لڑکیوں نے۔ لڑکے کہاں پیچھے رہنے والے تھے جب لیڈ طلحہ کر رہا تھا۔

تکڑی ہل گئی اے
او توڑ نبھاون دی
گل سجناں نوں بل گئی اے

طلحہ نے سیدھا طنز لڑکیوں میں بیٹھی سارہ پہ کیا تھا۔ آخر کتنے ترلے منتیں کی تھیں طلحہ نے اس کی کہ وہ شادی کے لیے مان جائے مگر وہ چونکہ ایم ایس میں ایڈمیشن لے چکی تھی جبھی صفاچٹ انکار کر گئی اب وہ تسلی سے بدلے چکا رہا تھا۔

کہندے نے لوگ سیانے
رکھو سجن پرانے

لڑکیوں کی طرف سے فوراً" جواب آیا تھا۔ جو ایک ہاہا کار مچ گئی تھی۔ بہت سی یادیں اور ہنگامے سمیٹے' یہ خوب صورت اور خوشیوں بھرا دن اپنے اختتام کو پہنچا تھا۔ اگلے دن بارات تھی۔
مالا حیران تھی۔ بے حد حیران! بھلا آج کے دور میں بھی معجزے ہوتے تھے۔ یہ معجزہ ہی تو تھا۔ کل وہ باقاعدہ طور پر شہرزاد کی ہو رہی تھی۔ وہ اتنی خوش تھی کہ اسے لگ رہا تھا کہ وہ پاگل نہ ہو جائے۔ ممی نے اسے بتایا تھا کہ وہ شروع سے ہی ایسا سوچے بیٹھی تھیں اور جب انہوں نے شہرزاد سے بات کی تو وہ فوراً" مان گیا۔ مالا کو ان کی بات پہ یقین نہیں آیا تھا۔
"آخر کس بنا پہ شہرزاد نے اتنا بڑا فیصلہ کیا تھا؟ یہ تو اس کی پوری زندگی کا معاملہ تھا۔ کیا وہ بھی اس سے محبت کرتا تھا؟" مالا نے خود سے یہ سوال کیا تھا اور اس کے اندر ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ اسے شدت سے کل کا انتظار تھا۔
اور یہ ملن رات تھی۔ مالا اس کے کمرے میں اس کے بیڈ پہ موجود تھی۔ یہ خوشبوؤں کا ہالہ تھا اور رنگوں کا گھیرا تھا۔ حجلہ عروسی میں اس نے اپنے اندر ایک جاں فزا احساس کو اترتے محسوس کیا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا تھا مالا نے دیکھا زندگی اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا اس کے برابر آن بیٹھا۔
"مسز مالا عادل! کیسا محسوس ہو رہا ہے؟" وہ بڑے جاندار لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ مالا کا جی چاہا چیخ کر کہے۔
"کاش تم جان پاؤ۔" مگر وہ شرم سے لب سیے خاموش رہی۔
"کیا تم نے کبھی میرے بارے میں سوچا تھا مالا! شہرزاد عدیل کے بارے میں؟" وہ سراپا سوال تھا۔ وہ پھر سے خاموش رہی۔
"خاموش مت رہو مالا! مجھے خاموشیاں اچھی نہیں لگتیں۔ یہ غلط فہمیاں بڑھا دیتی ہیں۔" اس کا لہجہ آنچ دینے لگا۔ مالا نے ہراساں ہو کر سر اٹھایا تھا۔
"میں جاننا چاہتا ہوں مالا۔" اس نے مالا کے شانوں پہ ہاتھ رکھے تھے۔
"میں تم سے محبت کرتی ہوں شہرزاد!" اس کے لبوں سے لفظ موتیوں کی مانند ٹوٹ کے نکلے اور کھنکھناتے ہوئے پھسل گئے۔ شہرزاد گنگ رہ گیا۔
"باوجود اس کے کہ تم نے اپنی اسٹڈیز چھوڑ دیں' اس کے کہ تمہارے اور میرے مزاج میں فرق ہے' اس کے کہ تمہیں میری ایکٹیوٹیز پہ اعتراض ہے۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں شہرزاد! اتنی محبت جتنی اس روئے زمین پہ کوئی بھی ذی نفس دوسرے سے کر سکتا ہے۔" اس کے رو آنسو نکل آئے۔ شہرزاد نے تڑپ کر اسے خود میں بھینچ لیا تھا۔
"میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں مالا! اور کیا یہ چھوٹے چھوٹے اختلافات محبت کے احساس کو دھندلا سکتے ہیں؟ بالکل نہیں۔ میں نے ہمیشہ تم سے محبت کی مالا! تمہاری سادگی سے 'تمہاری خاموشی۔۔۔" وہ کہہ رہا تھا اور
پوری کائنات کی خوشیاں اور راحتیں اس پل' اس کمرے میں سمٹ آئی تھیں۔ کیسا تمر ملا تھا اسے' وہ اپنے رب کی شکر گزار تھی۔
اور اگلی صبح اسی کمرے کے در و دیوار نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ وہ آئینے کے سامنے بیٹھی بال سلجھا رہی تھی۔ جب وہ اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا۔
"مجھے تم سے بہت محبت ہے مالا! باوجود اس کے کہ مجھے تمہارے بال بالکل پسند نہیں۔" وہ مسکراہٹ دبائے اس کو چڑا رہا تھا اور وہ چڑ بھی گئی۔
"مجھے بھی تم سے بہت محبت ہے شہرزاد' باوجود اس کے کہ تم گریجویٹ بھی نہیں ہو۔" اس نے طنز کیا۔ وہ ہنس دیا۔
"اور کچھ؟"
"اور مجھے تمہارا ہر وقت نیٹ سرچنگ کرنا بھی پسند نہیں۔"
"اور کچھ؟" وہ بال بناتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ لہجہ بڑا نارمل تھا۔ اب کی بار وہ کچھ شرما گئی۔
"اور مجھے تمہاری آنکھیں بہت پسند ہیں۔" وہ جھجک کر بولی تھی۔ اس بار شہرزاد نے بے تکلفی سے قہقہہ لگایا۔ اسی وقت بادل گرجے تھے اور ساتھ ہی موٹے موٹے قطرے گرنے لگے۔ مالا جھنجلا کر آگے بڑھی تھی۔
"مجھے بارش بالکل پسند نہیں۔" وہ کھڑکی بند کرنے لگی۔
"مگر مجھے بارش بہت پسند ہے۔" شہرزاد نے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے کھڑکی کھول دی۔ بارش کی بوندیں انہیں بھگونے لگیں۔ شہرزاد نے اسے بازوؤں میں لے لیا۔
"محبت بھی ایک سنہری بارش ہے جو دل سے ہر کثافت دھو ڈالتی ہے اور جس دل میں محبت ہوتی ہے' وہاں پھر اور کوئی چیز نہیں رہتی۔ بارش کی آواز کو سنو مالا! یہ ہم سے ملنے آئی ہے۔ یہ ہمیں مبارک دے رہی ہے۔ آؤ! اس خوشی کو منائیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر باہر لان کی طرف نکل گیا۔
سنہری بارش ان پہ برس رہی تھی اور محبت کے سنہری پروں نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

☼ ☼

دوسرا اور آخری حصہ

زری نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا تھا۔ یہ سب شاید ایسے ہی چلنا ہے اس نے سمجھ لیا تھا۔ کسی پہ کچھ بھی ظاہر کیے بنا وہ خوش باش تھی۔ ماما اور بابا اسے اس طرح خوش دیکھ کر مطمئن تھے۔ البتہ پھوپھو' زری کے لاکھ یقین دلانے کے باوجود اس کے اور ازان کے لیے

مکمل ناول

پریشان رہتی تھیں۔ اس وقت بھی زری' ثنا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ ثنا اسے اپنی شاپنگ دکھانے آئی تھی۔ اس کے ساتھ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ پھوپھو اپنے کمرے میں جاچکی تھیں۔ ثنا اسے اللہ حافظ کہتی اپنی چیزیں سنبھالتی اوپر چلی گئی۔ تائی جان اسے کب سے آوازیں دے رہی تھیں۔ زری بھی کمرے میں چلی آئی۔ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھا ازان کا ٹچ اسکرین مسلسل بج رہا تھا۔ ازان کمرے میں نہیں تھا۔ وہ شاید برابر والے کمرے میں کسی کام وغیرہ میں مصروف تھا۔

شادی کے بعد سے زری ازخود ہی برابر والے کمرے میں سونے لگی تھی۔ جتنی دیر ازان وہاں کمپیوٹر پر یا ویسے ہی اپنا کوئی کام کررہا ہوتا تھا وہ یہاں ٹی وی دیکھ کر اس کا انتظار کرتی اور پھر جیسے ہی وہ فری ہوکر سونے کے لیے آتا وہ برابر والے کمرے میں چلی جاتی۔ وہاں ایک بیڈ نما بڑا سا صوفہ رکھا تھا۔ جس پہ آسانی سے وہ سوجاتی تھی اور ادھر ازان بھی ڈسٹرب نہیں ہوتا تھا۔ کسی کو بھی بتائے بنا یہ سلسلہ بڑی خوبی سے چل رہا تھا۔ یوں بھی وہ دونوں اس کمرے کا باہر لاؤنج میں کھلنے والا دروازہ استعمال نہیں کرتے تھے۔ وہ اندر سے لاک رہتا تھا۔ درمیان والا دروازہ ہی استعمال ہوتا تھا۔ یوں کسی کو پتا نہیں لگتا تھا کہ رات کو درحقیقت دونوں کمرے استعمال ہورہے ہیں۔

وہ وہیں بیٹھ کر اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی اس کا فون بج بج کر خاموش ہوکر اب پھر سے بجنے لگا۔ وہ کتنی ہی دیر دیکھتی رہی کہ یا تو ازان خود ہی فون کی آواز سن کر آجائے یا پھر فون کرنے والا خود ہی تھک کر فون کرنا چھوڑ دے۔ مگر دونوں ہی باتیں نہیں ہوئی تھیں۔ مجبوراً" اسے اٹھنا پڑا اس نے فون ہاتھ میں اٹھایا جہاں نجل کالنگ کے الفاظ فل اسکرین پہ نہایت نمایاں تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ فون لے کر مڑتی کسی نے پیچھے سے اس کے ہاتھ سے فون لے لیا تھا۔ جواب بھی زور و شور سے بج رہا تھا۔

"آپ کا فون کب سے بج رہا تھا اس لیے میں نے

[illegible]

"آئندہ میرا فون چاہے ساری رات ہی کیوں نہ بجتا رہے تم میرا فون نہیں اٹھاؤ گی۔" اذان نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

"مگر میں تو آپ کو۔" وہ کہنا چاہتی تھی کہ میں کال سن نہیں رہی تھی۔ بلکہ فون آپ کو دینے آ رہی تھی۔ لیکن ہمیشہ کی طرح وہ اس کی بات سن نہیں رہا تھا اور یہ عادت اذان کی بہت بری تھی کہ وہ پوری بات نہیں سنتا تھا۔

"بحث کرنے مت کھڑی ہو جایا کرو زروہ پلیز میرے فون کو تو میرا پرسنل رہنے دو یا اس پہ بھی زبردستی حق جتانے کھڑی ہو جاؤ گی۔" اذان نے کہتے ہی فون آن کر کے کان سے لگا لیا اور ٹیرس پر چلا گیا۔ یہ دیکھے بنا کہ جس زری کے آنسو وہ آنکھوں میں جمع ہونے سے پہلے ہی انہیں روکنے کی سعی کرتا تھا وہ کس تیزی سے اس کی پلکوں کی باڑ پھلانگ رہے تھے کس قدر اجنبیت سے اس نے زروہ پکارا تھا۔ وہ اپنی سسکیاں دباتی دوسرے کمرے میں چلی آئی یہ دیکھے بنا کہ اذان نے شیشے کی دیوار کے پار سے اسے بہت غور سے روتے ہوئے دیکھا۔ وہ تمام رات زری نے روتے ہوئے گزاری تھی۔ آنکھوں سے آنسو رک ہی نہیں رہے تھے۔ کس قدر ارزاں ہو گئی تھی اس کی ذات ہمیں کسی پہ زبردستی مسلط کر دیے گئے ہیں یہ احساس ہے کس قدر جان لیوا تھا۔ نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی یوں کہ سوتے میں بھی اس کی پلکیں بھیگی بھیگی سی تھیں۔

☼ ☼ ☼

صبح زری کی آنکھ معمول سے کچھ زیادہ ہی جلدی کھل گئی تھی وہ دروازہ کھول کر اذان کے کمرے میں آئی۔ وہ کمبل اوڑھے ابھی تک بے خبر سو رہا تھا وہ فریش ہو کر آئی وضو کر کے نماز پڑھی اور دھیمے دھیمے قدم اٹھاتی اس کے بیڈ کے پاس چلی آئی۔ سوتے میں وہ کس قدر دلکش لگ رہا تھا اس کی خوابیدہ آنکھیں اس [illegible] تھیں۔ وہ کتنے ہی لمحے وہاں کھڑی اسے دیکھتی رہی وہ نیند میں کسمسایا۔ مگر اٹھا نہیں کروٹ لے کر پھر سو گیا۔ اب زری کی طرف اس کی پشت تھی۔ زری ایک گہری سانس لے کر اسے جگانے کے لیے الارم سیٹ کرتی کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ صبح اٹھنے کا چور تھا جب تک اسے کوئی اٹھائے نہ وہ خود سے نہیں اٹھتا تھا اور یہ عادت اس کی بچپن سے تھی۔

زری ناشتا بنا کر ٹیبل پہ رکھنے کے بعد پھوپھو کو آتے دیکھ کر اذان کو بلانے چلی آئی۔ وہ اٹھ چکا تھا اور تیار بھی ہو چکا تھا اب آئینے کے سامنے کھڑا گلے میں ٹائی باندھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے مخاطب کرتی اس کا فون گنگنایا۔ اس کے آفس سے فون تھا۔ وہ کال سننے لگا اس سے ایک ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ نہیں لگ رہی تھی اور گزرتا ٹائم اسے مسلسل احساس دلا رہا تھا کہ اسے دیر ہو رہی ہے۔ زری کے قدم خود بخود ہی اس کی طرف اٹھ گئے اس نے از خود ہی ہاتھ بڑھا کر اس کے کہے بنا اس کی ٹائی کی ناٹ لگا دی۔ اذان نے اسے دیکھا ضرور مگر کہا کچھ نہیں تھا۔ روکا بھی نہیں بلکہ وہ سہولت سے فون سننے لگا۔ فون اس کے آفس سے تھا۔ اس نے انہیں آدھے گھنٹے میں پہنچنے کا کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ زری ٹائی کی ناٹ لگا چکی تھی۔ وہ کمرے میں کیوں آئی تھی اسے بھول چکا تھا۔ اذان کی ذرا سی قربت اور اس کے پرفیوم کی دلفریب مہک نے اسے بھلا دیا تھا۔

"زری۔" اذان کی آواز سے اس کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"آئی ایم سوری۔ میں رات کو کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔ مجھے تم سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ آئی ایم ویری سوری۔"

رات کو اسے روتے دیکھ کر اذان کو بہت تکلیف ہوئی تھی۔ بالکل ویسے ہی جیسے ہمیشہ ہوتی تھی۔ وہ تمام رات بے چین رہا تھا۔ فون پہ تجل سے بات کرتے ہوئے بھی نہ جانے کیوں اس کا سارا دھیان زری کے آنسوؤں میں ہی اٹک گیا تھا۔ وہ فون پہ بات کر کے اندر آیا تو وہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ وہ وہیں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ کبھی بیڈ پہ بیٹھ جاتا کبھی پھر اٹھ کھڑا ہوتا وہ دروازہ کھول کر زری کے پاس آیا تھا۔ لیکن تب تک وہ سو چکی تھی اور اذان اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ روتے روتے سوئی ہے کیونکہ سوتے میں بھی اس کی پلکوں پہ موتی چمک رہے تھے اور چہرے پہ آنسوؤں کے نشان نمایاں تھے۔ اذان کو ندامت نے گھیر لیا۔ اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ اسے زری سے اتنی سختی سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ کیونکہ اگر زیادتی میرے ساتھ ہوئی ہے تو قصور وار زری نہیں ہے وہ تمام رات ٹھیک سے سو نہیں سکا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہو جاتا ہے ایسا۔ ویسے بھی میں آپ کا فون سن نہیں رہی تھی آپ کو دینے آ رہی تھی تاکہ آپ بات کر سکیں۔" زری نے اسے بتانا ضروری سمجھا تاکہ اس کے دل میں کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ اذان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ناشتا تیار ہے۔ آ جائیں۔ پھوپھو انتظار کر رہی ہیں۔" اچانک ہی زری کو یاد آیا تھا کہ وہ کمرے میں کیوں آئی تھی۔ وہ اذان کو کہتی باہر چلی آئی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ آپ ہی در آئی تھی۔ ناراضی جیسے پل میں ہوا ہوئی تھی۔ اذان بھی اپنا کوٹ اور بیگ اٹھا کر باہر چلا آیا تھا کہ رات کی بے چینی اب ختم ہو چکی تھی۔ پھوپھو ان دونوں کا انتظار کرنے کے ساتھ ساتھ اخبار بھی دیکھ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے ماما۔ بہت فرصت سے بیٹھی ہیں۔" اذان نے انہیں سلام کرنے کے بعد پوچھا۔

"بیٹا جانی تم نے ہی تو کہا تھا کہ ماما اب آپ جاب چھوڑ دیں تو بھلا میں اپنے بیٹے کی کوئی بات کیسے ٹال سکتی ہوں اور اب جب کہ میرا بیٹا مکمل طور پر اپنی جاب میں سیٹ ہو چکا ہے تو بھلا مجھے اب جاب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سو میں نے جاب چھوڑ دی ہے۔"

"رئیلی ماما۔" وہ حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات لیے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"بالکل میری جان تمہاری خوشی سے بڑھ کر میرے لیے کچھ بھی نہیں ہے بیٹا۔ جب میرا بیٹا میری خوشی کے لیے اتنا کچھ کر سکتا ہے تو کیا میں اس کی اتنی چھوٹی سی بات نہیں مان سکتی۔ اب تو خوش ہو نا۔" پھوپھو نے خوشی سے دمکتے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا اتنا خوش انہوں نے اذان کو بہت دنوں بعد دیکھا تھا۔

"بہت خوش ہوں ماما۔ آپ نے میری بات رکھ لی۔ میرا مان رکھا۔ تھینک یو۔ آئی لو یو ماما۔" اذان نے محبت سے ان کے ہاتھ چوم لیے۔

"آئی لو یو ٹو بیٹا۔" وہ اس کی ماں تھیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اس کی کسی بات سے انکار کریں ایسی ماں جو ہمیشہ صرف اس کی خوشی کا خیال رکھتی ہے۔ تو اب ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اس کی کوئی بات ماننے سے انکار کر دیں۔ اذان بے انتہا خوش تھا۔

☼ ☼ ☼

"تجل پلیز تم اس طرح روز روز آفس مت آیا کرو۔ اچھا نہیں لگتا۔" تجل ہر دوسرے دن اس کے آفس آن موجود ہوتی تھی اور اذان نے اسے کبھی نہیں ٹوکا تھا مگر آج نہ جانے کیوں اذان کو اس کا اس طرح اس حلیے میں آنا بہت برا لگا تھا۔ وہ آج بھی سلیولیس پہنے ہوئے تھی اور اذان کو اس لمحے زری یاد آئی کتنے اچھے کپڑے پہنتی ہے وہ فیشن کے مطابق مگر مکمل بلکہ ان کے گھر میں کوئی بھی لڑکی ایسے کپڑے پہننے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"کیوں یہ بھی تمہاری ماما کا حکم ہے کیا۔ ورنہ اس سے پہلے تو تم نے کبھی ایسا نہیں کہا۔" وہ تنک کر غصے سے بولی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے تجل تم بات کو سمجھو اور تم ہمیشہ ہر بات میں ماما کو کیوں بیچ میں لے آتی ہو۔" اذان کو اس کی ان باتوں سے چڑ سی ہونے لگی تھی۔ وہ

ہمیشہ ماما کے بارے میں غلط بولتی رہتی تھی۔

"ٹھیک ہے جا رہی ہوں میں۔ اب تمہیں ملنا ہو تو تم خود ہی آجانا۔ میں آئندہ یہاں نہیں آؤں گی۔" وہ غصے سے اٹھ کر چلی گئی اور ہمیشہ کی طرح اذان نے اسے روکا بھی نہیں تھا اور نہ ہی اس کے پیچھے گیا تھا۔ وہ سر جھٹک کر اپنا کام کرنے لگا تھا کہ کوئی اس کے کیبن کا دروازہ ناک کر کے اس کے یس کہنے پر اندر داخل ہوا۔

"جی کہیے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔" اندر آنے والے کو دیکھ کر اذان نے کہا۔ وہ ان کے بینک کے پرانے اور ریگولر کلائنٹ تھے اور اکثر ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو آپ سے ایک بات کہوں اذان صاحب۔" اس شخص نے اذان سے مصافحہ کرنے کے بعد کہا۔

"جی کہیے۔"

"یہ لڑکی جو ابھی آپ کے کیبن سے نکلی' جان سکتا ہوں کہ یہ کون ہے؟؟" چند لمحے توقف سے وہ شخص بولا۔

"کیوں۔ آپ یہ کیوں جاننا چاہتے ہیں۔" اذان کو برا محسوس ہوا۔ اپنا اور تجل کا رشتہ ظاہر کیے بنا اذان جاننا چاہتا تھا کہ وہ شخص ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔ اس لیے چپ رہا۔

"صرف اس لیے کہ اگر آپ اس کو نہیں جانتے تو یہ بہت اچھی بات ہے اور اگر جانتے ہیں تو میرا آپ کو یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ اس لڑکی سے ذرا بچ کر رہیے گا۔ یہ لڑکی ٹھیک نہیں ہے۔ میرے بہنوئی تنویر ملک شاید آپ نے نام سن رکھا ہو۔ اس اچھے خاصے انسان کو اس لڑکی نے انگلیوں پر نچا رکھا ہے۔ اس کے جوان بچے ہیں' فیملی ہے' خوشگوار زندگی ہے مگر یہ لڑکی پھر بھی اس کے پیچھے پڑی ہے۔ میری بہن آج کل بہت پریشان ہے بیمار رہنے لگی ہے۔" وہ شخص تو جیسے بھرا بیٹھا تھا۔

"لیکن کیوں۔۔۔ اپنی عمر سے دوگنی عمر کے آدمی کے پیچھے پڑنے میں اس کا کیا فائدہ ہے۔" اذان نے یونہی سرسری انداز میں پوچھا تھا۔

"دولت کے لیے جناب اور کیوں۔ بے پناہ دولت کا مالک ہے تنویر ملک اور دولت تو اچھے اچھوں کے دماغ خراب کر دیتی ہے پھر وہ لڑکی کیا ہے۔ اندرون ملک کتنی ہی جائیدادیں ہیں اس کی اور وہ لڑکی صرف اس کی دولت ہتھیانے کے چکر میں ہے اور کچھ نہیں اور وہ ایسا عقل کا اندھا بنا ہوا ہے اس لڑکی کے آگے کہ نہ جانے کتنا کچھ ابھی سے اس کے نام کر چکا ہے۔ عقل تو شاید تب آئے گی جب وہ سب کچھ لوٹ کر چلتی بنے گی۔" وہ شخص تو اسے اپنی طرف سے اچھا مشورہ دے کر چلتا بنا مگر اذان کے لیے الجھن کھڑی کر گیا تھا۔ تجل ایسا کیوں کر رہی ہے۔ ایک طرف میرے لیے اتنی بے تاب رہتی ہے۔ مجھ سے ملنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے اور دوسری طرف تنویر ملک اور وہ بھی دولت کے لیے۔

"یا میرے خدا۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ کتنی ہی دیر خاموشی سے بیٹھا رہا۔ اسے بالکل سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ تجل سے اس بارے میں بات کرے یا نہیں۔ اسے بالکل سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس کا دماغ الجھ رہا تھا۔ مگر کوئی سرا ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔ تجل سے بات کرنے کا فیصلہ کر کے وہ وہاں سے اٹھ آیا۔

☆ ☆ ☆

وہ اب دادو کی طرف جا رہا تھا۔ ویسے بھی ان سے ملے ہوئے کافی دن ہو گئے تھے۔ وہ وہاں پہنچا تو ملازمہ سے پتا چلا کہ تجل گھر پر نہیں ہے۔ وہ کتنی ہی دیر دادو کے پاس بیٹھا رہا۔ وہ اس سے اصرار کر رہی تھیں کہ وہ زری کو ان سے ملانے لائے کہ انہیں لاڈلے پوتے کی بیوی سے ملنے کا بہت شوق تھا اور وہ بس بے دھیانی میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ تقریباً" گھنٹے بعد وہ جانے کے لیے اٹھا جب بڑی تائی کے کمرے کے باہر سے گزرتے ہوئے اس کے قدم اپنا نام سن کر رک گئے اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بڑی تائی کے علاوہ یہ دوسری آواز تجل کی تھی۔ تو کیا تجل گھر پر تھی اور اس نے جھوٹ بول کر مجھ سے ملنے سے منع کر دیا۔ وہ وہاں سے ہل نہیں سکا تھا۔

"بس کر دیں امی۔ اذان۔ اذان یہ نام سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔ اب اس کا پیچھا چھوڑ دیں اور مجھے بھی سکون سے رہنے دیں۔ تنگ آ گئی ہوں میں اس روز کی ڈرامہ بازیوں سے۔" وہ محبت' وہ بے تابیاں ڈرامہ تھیں۔ اذان سن سا اپنی جگہ کھڑا تھا۔

"ہاں تو مجھے کیا پتا تھا کہ سب یوں ہو جائے گا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ اچھا موقع ہے اس عورت سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کا' اسے نیچا دکھانے کا' کس طرح اس نے تمہارے باپ کی اور میری سب کے سامنے بے عزتی کی تھی۔ سوچوں تو آج بھی خون کھول اٹھتا ہے خود شوہر کے مرنے کے بعد۔۔۔ گلچھرے اڑاتی رہی اور بے عزت ہوئے ہم اور اب یہ بیٹا ماں کے گن گاتا پھرتا ہے۔ ماں کی اصلیت جان جائے تو تھوکے بھی نہ ماں پہ۔ مگر وہ چالاک' گھمنڈی عورت اس بار بھی بازی لے گئی اور ہم اس بار بھی دیکھتے ہی رہ گئے۔" یہ اس کی مہذب بڑی تائی تھیں۔ بظاہر پڑھی لکھی' ویل مینرڈ۔

"اور میں تو اس بڑی بی سے بھی بڑی تنگ آ گئی ہوں۔ مرتی ہے نہ جان چھوڑتی ہے۔ ساری جائیداد دبا کر بیٹھی ہے اور ہمارے سسر صاحب کو بھی دیکھو خود تو اللہ کو پیارے ہو گئے اور جاتے جاتے ساری جائیداد کے کاغذات اس بڑی بی کے حوالے کر گئے اور انہوں نے جانے کدھر رکھ دیے اور ہم رہ گئے ویسے کے ویسے۔" بڑی تائی بل کھا رہی تھیں۔ ہاتھ مل رہی تھیں۔

"میں تو کہتی ہوں ممی' کچھ بھی کر کے کاغذات حاصل کر کے انگوٹھا لگوالیں بڑی بی سے اور جان چھڑائیں یا اس اذان کے ساتھ ہی بھیج دیں ویسے بھی بڑا مرتا ہے دادو کے پیچھے۔" تجل کے الفاظ اس کے کانوں میں سیسہ انڈیل گئے تھے۔ اس قدر گھٹیا سوچ تھی اس کی۔

"اور میری بات غور سے سن لیں ممی میں تنویر ملک سے شادی کر رہی ہوں اور آپ یہ بات اچھی طرح ڈیڈی کو سمجھا دیں۔ اذان سے کہیں زیادہ دولت جائیداد ہے اس کے پاس اور کتنا کچھ تو وہ ابھی سے میرے نام کر چکا ہے۔" تجل تو جیسے اتاؤلی ہو رہی تھی۔

"اچھا ذرا صبر کرو بیٹے۔ میں کچھ کرتی ہوں۔ جلد بازی مت کرو۔" بڑی تائی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اذان سے مزید رکا نہیں گیا۔ اس میں مزید کچھ بھی سننے کی تاب نہیں تھی۔ وہ وہاں سے باہر نکل آیا تھا۔

باہر جنوری کی ایک سرد شام اس کی منتظر تھی۔ انتہائی سرد شام ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔ بادل بس برسنے کو تیار تھے۔ وہ گاڑی میں آبیٹھا اور اس نے گاڑی فل اسپیڈ پہ چھوڑ دی۔ کتنی ہی دیر گزر گئی اسے یونہی بلامقصد سڑکوں پہ گاڑی دوڑاتے ہوئے اس نے تھک ہار کر ایک جگہ گاڑی روک دی۔ دروازہ کھول کر اترنا چاہا تو باہر بارش کی بوچھاڑ نے اس کا استقبال کیا۔ سرد ہوا کا جھونکا جسم کو چیر گیا۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھلا چھوڑ کر پیر زمین پہ ٹکا کر اسی طرح بیٹھا رہا۔ ذہن میں ان گنت سوچیں تھیں۔ منفی خیالات کی بھرمار تھی۔ بارش کی بوچھاڑ رفتہ رفتہ اسے بھگو رہی تھی۔ وہ اس وقت صرف کاٹن کی پینٹ شرٹ پہنے ہوئے تھا جیکٹ اتار کر برابر والی سیٹ پہ رکھی تھی لیکن اسے اس وقت موسم کا احساس نہیں تھا۔ ایک سوچ تھی جو سب باتوں پہ حاوی تھی۔

"آخر کیا ہے ماما کے ماضی میں کہ سب انہیں اس قدر برے لفظوں میں یاد کرتے ہیں۔ دادو سے کئی بار پوچھا۔ ماما سے کئی بار پوچھا۔ مگر کوئی بتانے کو تیار نہیں۔ ایسا کیا ہے۔ جو مجھ سے چھپایا جا رہا ہے۔ کیا اس کی ماں کی زندگی کا کوئی ایسا پہلو بھی ہے۔ جو وہ سن نہیں سکے گا اور یہ تجل کس جائیداد کی بات کر رہی تھی ایسی کون سی جائیداد ہے جو میرے نام ہے اور میں جانتا ہی نہیں ہوں اور جس کی وجہ سے تجل کو میرے قریب آنا پڑا۔" ذہن و دل میں ہی کشمکش جاری تھی۔

"کس سے پوچھوں' کون بتائے گا' کیا ماما کو مجھ پر

اعتبار نہیں کیا وہ سمجھتی ہیں کہ میں ان پہ اعتبار نہیں کروں گا۔" اس کے دل میں ناراضی در آئی۔

"یااللہ میری مدد کر۔ اس طرح تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ یااللہ مجھے راستہ دکھا میرے مالک۔ کیا صحیح ہے کیا غلط میں پہچان سکوں میرے اللہ۔" اس کی آنکھوں کی سطح نم ہونے لگی تھی۔ اسے وقت کا کچھ اندازہ نہیں تھا۔ بارش مسلسل ہو رہی تھی اور مسلسل اسے بھگو بھی رہی تھی اور وہ لاتعلق بنا بھیگ رہا تھا۔ تبھی اس کے سیل پہ بیل ہوئی۔ وہ چونک سا گیا۔ سیل پہ ماما کالنگ کے الفاظ بہت واضح تھے۔ وہ کتنے ہی لمحے اسکرین کو گھورتا رہا۔ سیل بج بج کر خاموش ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے اور ابھی تک اذان گھر نہیں آیا تھا۔ پھوپھو اور زری مسلسل اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ پھوپھو ہاتھ میں تسبیح لیے وہیں لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھیں اور زری وہیں لاؤنج کے دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی۔ برستی بارش میں نگاہیں گیٹ پہ جمی تھیں سردی رگوں میں جم رہی تھی۔ دل میں عجیب عجیب سے خیالات آ رہے تھے۔ اذان کا موڈ آج کل پل پل بدلتا رہتا تھا جیسے وہ کسی ذہنی الجھن کا شکار ہو۔ زری کتنی ہی بار اس کا سیل ٹرائی کر چکی تھی۔ وہ مل ہی نہیں رہا تھا۔ شاید موسم کی خرابی کی وجہ سے سگنلز پرابلم تھی۔ بیل جاتی تھی اور پھر کال کٹ جاتی تھی اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا بارہ بجے کے قریب اس کی گاڑی گیٹ سے داخل ہوئی تھی۔ زری کے وجود میں اطمینان کی لہر اتر آئی۔

"آپ آ گئے۔ کہاں چلے گئے تھے۔ خیریت تو تھی نا۔ آپ ٹھیک ہیں۔" وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا زری نے پریشانی سے پوچھا۔ اس کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں اور چہرے سے پریشانی مترشح تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ نرمی سے کہتا آگے بڑھ آیا۔

"اذان کہاں رہ گئے تھے بیٹا۔ بتا کر تو جاتے کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" ماما بھی اٹھ کر اس کے پاس چلی آئیں۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں ماما۔ سوری آپ کو میری وجہ سے پریشانی ہوئی۔ آئندہ خیال رکھوں گا۔ میں تھوڑا تھک گیا ہوں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" وہ ماما کے چہرے پہ نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔

"کیا یہ محبت جھوٹ ہے۔ کیا ایک ماں کی محبت جھوٹ ہو سکتی ہے۔ کیا واقعی میں کبھی ان کی زندگی کی پہلی ترجیح نہیں رہا۔" وہ نرمی سے اپنے بازو سے ان کا ہاتھ ہٹاتا اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ زری اس کے پیچھے ہی آئی تھی۔

"آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔ کیا بات ہے؟" وہ واش روم کی طرف جا ہی رہا تھا کہ زری نے پوچھ لیا۔ وہ بنا کچھ کہے اپنا موبائل گھڑی اور گاڑی کی چابی وغیرہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر پلٹا۔

"آپ کے لیے کھانا لاؤں یا کچھ اور کافی وغیرہ۔" وہ اس کی نگاہوں سے گھبرا کر بولی۔ کیا بعید تھا کہ وہ ابھی زری سے بات کر رہا ہے ابھی چلانا شروع کر دے آج کل اس کا موڈ ایسا ہی دھوپ چھاؤں سا ہو گیا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں مجھے بھوک نہیں ہے اور میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم پریشان نہ ہو اور ماما کو بھی کہہ دو۔" زری سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

اذان نے کھانے کو منع کر دیا تھا۔ وہ اس کے لیے دودھ گرم کر کے کمرے میں لے آئی تھی جہاں وہ چینج کر کے سونے کی تیاری کر رہا تھا اب بھی ماتھے پہ پریشانی کی لکیر نمایاں تھی۔

"یہ دودھ پی لیں۔ آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا اتنی ٹھنڈ میں باہر سے آئے ہیں۔ اچھا لگے گا۔" اس نے دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"تھینک یو۔ رکھ دو پی لوں گا۔"

"زری۔" وہ گلاس رکھ کر جا رہی تھی جب اذان کی پکار پر اسے رکنا پڑا۔ وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس کے قریب چلی آئی۔

"زری پلیز تھوڑی دیر یہاں بیٹھو۔" جانے کیسے یہ بات اذان کے لبوں سے نکلی تھی۔

"کیا بات ہے آپ ٹھیک تو ہیں۔" وہ فوراً ہی اس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ بس تم یہاں بیٹھو میرے پاس میں آج خود کو بہت تنہا محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے ایک دوست کی بہت ضرورت ہے۔ تم میری دوست ہو نا... میری بات کو سمجھتی ہو... مجھے سمجھتی ہو... پلیز یہیں رہو۔ مجھے اکیلا مت چھوڑو۔ میں بہت اکیلا ہو گیا ہوں۔" کس قدر کرب چھپا تھا اس کی آواز میں۔ وہ آنکھیں موندے بیڈ کی بیک سے سر ٹکا گیا۔

"میں یہیں ہوں آپ کے پاس آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ کیا ہوا ہے۔" وہ پریشانی سے اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔ اس نے اذان کا ہاتھ تھام لیا

"آپ کو تو بخار ہے۔" زری کے ہاتھ نے جیسے انگارہ چھو لیا تھا۔ وہ گھبرا گئی۔ اذان ویسے ہی خاموشی سے بیٹھا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ بھی نہیں چھڑایا تھا۔

"میں پھوپھو کو بلاتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی تھی۔

"نہیں پلیز زری۔ میں ٹھیک ہوں۔ بس تھک گیا ہوں۔ سو جاؤں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ماما کو مت بلاؤ۔ وہ خوامخواہ پریشان ہوں گی۔" اذان اس وقت ماں کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سو زری کو روک دیا۔ زری مجبوراً اس کے کہنے پہ رک گئی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ سو جائیں۔ میں یہیں ہوں۔" زری نے اسے دودھ کے ساتھ بخار کی دوا بھی دے دی اور خود وہیں اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اسے اچھی طرح کمبل اوڑھا کر وہ ایک ہاتھ سے اس کا سر دبانے لگی کہ دوسرا ہاتھ ابھی بھی اذان نے تھام رکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح اذان کی آنکھ کھلی تو ماما اس کے سرہانے بیٹھی اس کے اوپر دم کر رہی تھیں۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر مسکرا آئیں۔ اذان نے سر ماں کی گود میں رکھ دیا۔

"کیسی طبیعت ہے اب میری جان کی۔ زری بتا رہی تھی رات کو تمہیں بخار ہو گیا تھا اور تم نے مجھے جگانے سے منع کر دیا تھا۔" ماما نے اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا۔ ماتھا ابھی بھی تپ رہا تھا۔

"اب ٹھیک ہوں ماما۔" وہ ہولے سے بولا۔

ماں کی گود سے پھوٹتی سچے پیار کی مہک کبھی جھوٹی ہو سکتی ہے بھلا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میری ماما کبھی کچھ بھی غلط نہیں کر سکتیں۔ مگر... ! ایک مگر تھا جو اذان کے دل میں گڑ کر رہ گیا تھا۔ پھانس بن کر چبھ رہا تھا اور وہ چاہتے ہوئے بھی اسے نکال نہیں پا رہا تھا۔ وہ ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ زری نایاب کو لے ہی آئی تھی۔ نایاب کو اسپتال جانا تھا۔ سو زری نے سوچا کہ پہلے وہ اذان کو چیک کرتی جائے کیونکہ جانتی تھی کہ اذان ایسے تو مانے گا نہیں ڈاکٹر کو دکھانے پر سو زبردستی ہی سہی۔

"طبیعت کو کیا کر لیا ہے اذان کل تک تو اچھے بھلے تھے۔ ہماری بہن کے ہوش اڑا کر رکھ دیے کہ وہ صبح ہی صبح دوڑی ہوئی آئی ہے۔" زری جھینپ گئی۔ نایاب مسکرا کر اسے چیک کرنے لگی تھی۔

"ٹھنڈ کا اثر ہے کہیں کل کی بارش میں تو نہیں بھیگ گئے تھے۔" کتنا ٹھیک اندازہ تھا نایاب کا۔

"حالانکہ بارش میں بھیگنا مزا دیتا ہے لیکن سردیوں کی بارش کبھی کبھی نقصان بھی دیتی ہے۔ سو احتیاط ضروری ہے۔" اس نے تھرمامیٹر اس کے منہ میں دے دیا۔ وہ خاموشی سے نیم دراز تھا۔

"اس نے ناشتا کیا ہے پھوپھو۔" نایاب نے پھوپھو سے پوچھا۔

"نہیں بیٹا ابھی تک تو نہیں کیا۔"

"بخار خاصا تیز ہے لیکن پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے موسم کا اثر ہے۔" وہ تھرمامیٹر دیکھتے ہوئے بولی۔

"ناشتا نہیں کیا اس لیے انجکشن نہیں دے رہی یہ میڈیسن ہیں زری۔ اسے کچھ کھلا پلا دو پھر یہ دوائیں دے دینا۔ ان شاء اللہ شام تک بخار اتر جائے گا۔ پھر میں رات میں دوبارہ چیک کروں گی ٹھیک ہے اذان۔" نایاب نے زری کے ساتھ ساتھ اذان کو بھی

مخاطب کیا تھا۔ اذان نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ کیونکہ وہ جتنی اچھی بہن تھی ڈاکٹر اتنی ہی سخت تھی۔ وہ اسے اچھی طرح چیک کرنے کے بعد اپنا سامان سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھوپھو بھی نایاب کے ساتھ ہی باہر نکل آئی تھیں۔

"آپ منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جائیں' میں ناشتا لاتی ہوں۔" زری نے کھڑکی کے پردے کھولتے ہوئے اذان کو کہا تھا۔ کل کی بارش کے بعد آج موسم قدرے صاف تھا۔ کمرے میں نرم سی دھوپ پھیل گئی تھی۔ جو بہت بھلی محسوس ہو رہی تھی۔

"کل رات میں نے تمہیں بہت ڈسٹرب کیا نا' تم ساری رات سو نہیں پائیں۔ اپنے ساتھ میں نے تمہیں بھی پریشان کر دیا۔ تم میرا اتنا خیال کیوں رکھتی ہو زری۔" (کیا کبھی سجل نے میرا اس طرح خیال کیا ہے۔ اگر میں کبھی بیمار بھی پڑ جاؤں تو وہ کبھی ایک فون کال تک کر کے نہیں پوچھتی اور باقی دن میں ہزاروں کالز کرے گی اور یہ لڑکی کیا ہے۔ میں نے اسے دل سے قبول نہیں کیا۔ اسے کبھی وہ مان' وہ عزت نہیں دی جو بیوی کا حق ہوتا ہے۔ اس کی طرف دیکھتا نہیں' پھر بھی یہ میرا اس قدر خیال رکھتی ہے کیوں ؟)

"اس میں پریشان کرنے کیا بات ہے اذان! آپ کے ساتھ پریشان ہونا' آپ کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔ ایک بیوی ہونے کے ناتے' ایک دوست ہونے کے ناتے' آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔" اس سے زری کی آنکھوں میں بے پناہ سچائی تھی۔ اذان کو دن کے اجالے میں اس کی پیشانی کا تل بہت چمکتا ہوا محسوس ہوا۔

"کیا فرض کے سہارے ساری زندگی گزاری جا سکتی ہے۔" یہ کیسا سوال تھا جو اذان کے لبوں سے ادا ہوا تھا۔

"اگر فرض میں محبت بھی شامل ہو جائے تو زندگی سہل ہو جاتی ہے۔" سادہ سے سوال کا سادہ سا جواب تھا۔ لیکن اس میں کتنے ہی مطلب پوشیدہ تھے۔ زری شاید ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہ رہی تھی۔ لیکن اس کی بات محمود ماموں اور سفینہ مامی کے آنے سے ادھوری رہ گئی۔ پھر تو جیسے سب اس کے گرد جمع ہوتے گئے۔ سب اس کی بیماری کا سن کر پریشان ہو کر اپنے سب کام چھوڑ کر اس کے پاس اسے دیکھنے چلے آئے تھے۔ یہاں تک کہ تائی بھی۔ پھر اسے پورا دن زری سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اس نے محبت کا ذکر کیوں کیا' کیا اس رشتے میں کہیں بھی شامل ہے؟

☼ ☼ ☼

اذان نے ٹھیک ہو کے آفس جانا شروع کر دیا تھا۔ ان گزرے دنوں میں زری نے اس کا بہت خیال رکھا۔ گھر کی وہی روٹین تھی۔ تائی جان آج کل زور و شور سے ثنا کے لیے رشتہ دیکھ رہی تھیں اور نائبہ چاچی بلال کے لیے' سب ہی اپنی اپنی مصروفیت میں الجھے ہوئے تھے اور ایک زری تھی جو آج کل پھر سے اس احساس کے زیر اثر تھی کہ اذان اس کے ساتھ خوش نہیں ہے۔ وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ اس سے اپنی بات شیئر کرنا پسند نہیں کرتا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اذان آج کل کس ذہنی الجھن کا شکار ہے۔ اس رات کے بعد سے زری نے پھر سے اپنی پرانی جگہ سونا شروع کر دیا تھا اور اذان نے اسے ٹوکا بھی نہیں تھا۔ ہاں لیکن اتنا ضرور ہوا تھا کہ وہ اسے اب پہلے کی طرح اگنور نہیں کرتا تھا۔ کبھی کبھی ضرورت پڑنے پر بات بھی کر لیتا تھا۔ وہ ابھی کافی دیر ماما کے پاس بیٹھ کر آئی تھی۔ رباب آپی آئی ہوئی تھیں اور وہ کافی خوش تھیں کہ اب ان کے شوہر کافی بدلنے لگے ہیں۔ انہیں احساس ہو گیا تھا اور وہ اپنا علاج کروانے پر بھی رضامند ہو گئے تھے۔ وہ بہت خوش تھی اور یہ بات رباب نے صرف ماں کو بتائی تھی۔ کیونکہ وہی ان کے حالات سے واقف تھیں۔ البتہ زری سے صرف گپ شپ لگائی تھی۔

زری' پھوپھو کو ڈھونڈتی ان کے کمرے میں چلی آئی۔ جہاں وہ پرانی تصویریں نکالے بیٹھی تھیں۔ جس میں ان کی شادی کی' ان کے بچپن جوانی اور اذان کے

بچپن کی بہت ساری تصویریں تھیں۔ زری بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔

"پھوپھو یہ اذان کی دادو ہیں نا۔" وہ پھوپھو کی شادی کی ایک تصویر ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔ جس میں اذان کے بابا کی پوری فیملی موجود تھی۔

"ہاں بیٹا۔" پھوپھو نے اسے بتایا تھا۔

"دادو ان سے پیار کرتی ہیں نا۔" زری نے اذان کی ایک بچپن کی تصویر اٹھائی۔ جس میں وہ اپنے دادا اور دادو کے ساتھ تھا اس کی براؤن آنکھیں —— شرارت سے مسکرا رہی تھیں۔

"ہاں بیٹا' بہت پیار کرتی ہیں' ان کا لاڈلا پوتا ہے اذان۔ اس کے دادا' اس کے بابا' سب اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ پتا ہے میں ابھی تمہیں بتانے ہی والی تھی کہ اذان کی دادو کا فون آیا تھا۔ تم سے ملنے کو بہت اصرار کر رہی تھیں۔ بہت شوق ہے انہیں لاڈلے پوتے کی دلہن سے ملنے کا' میں نے وعدہ لیا ہے اذان کے ساتھ تمہیں ان سے ملنے ضرور بھیجوں گی۔ اذان آجائے تو اس سے کہتی ہوں۔ پھر تم دونوں جا کر ان سے مل آنا۔" پھوپھو نے تصویریں سمیٹ کر رکھیں۔ گلاسز اتار کر رکھتے ہوئے اسے بتایا تھا۔

"پھوپھو ایک بات پوچھوں ؟" زری کتنے ہی دنوں سے پھوپھو سے اس بارے میں بات کرنا چاہ رہی تھی۔ پھوپھو نے اسے اجازت دی تھی۔

"آپ وہاں کیوں نہیں جاتیں۔ حالانکہ اذان وہاں کتنا جاتے ہیں اور ہر بار آ کر آپ کو بتاتے ہیں کہ دادو آپ کو کتنا یاد کرتی ہیں۔ آپ خود بتاتی ہیں کہ وہ آپ اور اذان سے کس قدر پیار کرتی ہیں اور آپ بھی تو انہیں اتنا یاد کرتی ہیں اور آپ کبھی ان سے ملنے نہیں گئیں۔ کیوں پھوپھو؟" زری نے ڈرتے ڈرتے پوچھا' کہیں وہ برا نہ مان جائیں۔

"کیونکہ وہ گھر چھوڑتے وقت میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ میں اب کبھی دوبارہ اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گی۔" پھوپھو نے ایک گہری سانس لے کر گویا خود کو اسے بتانے کے لیے تیار کیا تھا۔ زری مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ تھی۔ وہ بنا ٹوکے خاموشی سے ان کی بات سننے لگی تھی۔

"میری اور عظیم کی ارینجڈ میرج تھی۔ ان کے اور میرے بابا دونوں آپس میں گہرے دوست تھے اور ان دونوں کی خواہش پہ یہ رشتہ طے ہوا تھا۔ بہت دھوم دھام سے ہماری شادی ہوئی' کیونکہ میں گھر کی اکلوتی بیٹی تھی۔ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن اور عظیم اپنے ماں' باپ کے لاڈلے بیٹے' سب لوگ بہت خوش تھے۔ خاص کر میں بہت خوش تھی' کیونکہ عظیم بہت اچھے تھے۔ بے انتہا چاہنے والے' عظیم کے بابا کا تعلق ایک گاؤں سے تھا اور ان کی دو شادیاں ہوئی تھیں اور یہ بات مجھے شادی کے بعد پتا چلی۔ ان کی پہلی بیوی سے چار اولادیں تھیں۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں' یعنی اذان کے تایا اور چچا اور دو بیٹیاں جو ان کی بیوی کے خاندان میں ہی بیاہی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی کا تعلق ان کے خاندان سے تھا۔ وہ ان کی قریبی رشتے دار تھیں۔ وٹے سٹے کی شادی تھی۔ اس لیے بابا جان اس عمر تک اس رشتے کو نبھانے پہ مجبور تھے۔ وگرنہ ان کی اپنی پہلی بیوی سے کبھی نہیں بنی تھی۔ وہ ـــ حد درجہ ضدی' گھمنڈی' چالاک اور لالچی خاتون تھیں۔ جبکہ بابا جان ایک پڑھے لکھے نفیس انسان تھے۔ وہ شروع ہی سے شہر میں رہنے کے عادی تھے اور ان کی پہلی بیوی کسی طور بھی اپنے گاؤں کو چھوڑنے پہ رضامند نہ تھیں۔ سو بابا جان کتنے ہی عرصے تک شہر میں اکیلے رہتے رہے اور پھر انہوں نے شہر میں دوسری شادی اماں جان سے کر لی' یعنی اذان کی دادو سے وہ ان کی دوسری بیوی تھیں۔

وہ بابا جان کی پسند اور نفیس طبیعت کے عین مطابق تھیں۔ سلیقہ شعار' سادہ اور پڑھی لکھی' اماں جان سے ان کی دو اولادیں ہوئیں۔ عظیم اور ان کی چھوٹی بہن رافعہ' ان کی شادی ہماری شادی کے بعد ہوئی اور وہ امریکہ چلی گئیں۔ حالانکہ بابا جان کے گاؤں میں دوسری یا تیسری شادی کوئی معیوب بات نہیں تھی۔ لیکن ان کی پہلی بیوی نے کبھی بھی بابا جان کی دوسری

شادی کو قبول نہیں کیا۔ بابا جان کے دونوں بڑے بیٹے ان کے ساتھ شہر میں ہی رہا کرتے تھے۔ وہ انہیں بھی باپ کے خلاف اکساتی رہتی تھیں۔ عظیم کے خلاف ان کے دل میں نفرت بھرتی رہتی تھیں۔ حالانکہ کبھی بھی بابا جان اور اماں نے سگی' سوتیلی اولاد میں فرق نہیں رکھا۔ لیکن نہ جانے ان کے دل کیسے سیاہ تھے۔ اذان کے چچا پھر بھی کچھ بہتر طبیعت کے تھے۔ اپنے بیوی' بچوں' اپنے کاروبار زندگی میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن اذان کے تایا جنہیں سب بڑے بھائی صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ اول درجے کے لالچی' بدنیت اور عیاش انسان تھے۔ وہ کہیں سے بھی بابا جان کے بیٹے نہیں لگتے تھے۔ عجیب عجیب قسم کے لوگوں سے ان کے تعلقات تھے۔ شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی ان کے نہ جانے کتنی عورتوں سے تعلقات تھے۔ کہنے والے تو یہ بھی کہتے تھے کہ انہوں نے کسی ناچنے گانے والی عورت سے دوسری شادی کر رکھی ہے اور ان سے ان کی ایک بیٹی بھی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے منہ سے کبھی قبول نہیں کیا۔ کچھ انہیں بیوی بھی ایسی ہی ملی تھی۔ ان کی سگی ماموں زاد تھیں اور اپنی پھوپھی جیسے ہی خیالات رکھتی تھیں۔

عظیم سے ان دونوں میاں' بیوی کو نہ جانے کیوں اتنا بیر تھا کہ وہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے انہیں مشکل سے برداشت کرتے تھے اور عظیم گو کہ شکل و صورت میں ہو بہو بابا جان کی طرح تھے۔ لیکن عادات و اطوار میں بالکل اماں جیسے تھے۔ ویسے ہی سادہ' کم بولنے والے سب کچھ ہنس کر برداشت کرنے والے اور بس اپنے کام سے کام رکھنے والے اور قسمت ایسی پائی تھی کہ جس کام میں ہاتھ ڈالتے کامیاب ہو جاتے۔ مٹی کو سونا کرنے والے لوگوں میں تھے اور یہی بات ان کے بڑے بھائی سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ پھر ایک سال بعد اذان نے آکر ہماری زندگی کو مکمل کر دیا۔ ہم دونوں ہی اپنی زندگی میں بہت خوش اور مطمئن تھے۔ عظیم کا کاروبار دن رات ترقی کر رہا تھا۔ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔ عظیم کی ایک عادت تھی' وہ جو بھی جائیداد خریدتے یا کوئی بھی کام شروع کرتے وہ اذان کے نام سے کرتے۔ یوں چھوٹی سی عمر میں ہی ان کی ساری جائیداد اذان کے نام تھی۔ وہ اذان سے بہت محبت کرتے تھے۔ اسے اپنی زندگی کہتے تھے۔ اذان ہو بہو اپنے بابا کا عکس ہے۔ بس اس کی آنکھیں میرے جیسی ہیں۔

عظیم کے بڑے بھائی کی گندی اور غلیظ نگاہیں مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تھیں۔ میں نے کتنی ہی بار عظیم سے کہنا چاہا' مگر کہہ نہیں پائی۔ یوں تو گھر کے دو پورشن تھے۔ اوپر کے پورشن میں وہ دونوں بھائی اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ رہتے تھے اور نیچے ہماری فیملی اماں' بابا کے ساتھ' لیکن کوئی قید نہیں تھی۔ اوپر نیچے آنا جانا لگا رہتا تھا۔ یوں کتنے ہی ماہ و سال گزرتے رہے۔

اذان سات سال کا ہو گیا۔ وہ اپنے بابا سے بہت اٹیچ تھا۔ رات کو ان سے لپٹ کر سویا کرتا تھا۔

اس دن ایک صبح روز کی طرح آفس کے لیے نکلے اور پھر...! پورا دن گزر گیا۔ ان کے آفس سے آنے کا ٹائم گزر گیا۔ کتنے گھنٹے گزر گئے' حالانکہ وہ ٹھیک پانچ بجے آجایا کرتے تھے۔ لیکن اس دن وہ نہیں آئے۔ میں انہیں فون کرتی رہی' لیکن وہ فون ہی نہیں اٹھا رہے تھے۔ میرے دل میں عجیب عجیب خیال آرہے تھے۔ مگر میں خاموشی سے ان کا انتظار کرتی رہی اور پھر... اور پھر ہمیں اطلاع ملی کہ ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ موقع پر ہی دم توڑ گئے ہیں۔ کسی کو یقین نہیں آرہا تھا۔ چند گھنٹے قبل وہ معمول کے مطابق گھر سے نکلے تھے اور اب لاش کی صورت ہمارے درمیان تھے۔ کٹھن وقت تھا' اب سوچوں تو دل کانپ اٹھتا ہے۔ اس مشکل کی گھڑی سے ہم سب کیسے گزرے' یہ ہم جانتے ہیں یا ہمارا اللہ۔

یہاں میرے سب گھر والے چاہتے تھے کہ میں یہاں آجاؤں' لیکن میں عدت میں تھی اور یہاں نہیں آسکتی تھی اور میں آنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہاں اماں اور بابا اکیلے تھے اور انہیں چھوڑ کر آنے کو میرا دل نہیں چاہتا تھا اور پھر اذان وہ کسی طور کہیں جانے کو تیار

ہی نہیں ہوتا تھا۔ اسے صرف اس کے بابا چاہیے تھے۔ ایک عجیب سی ضد اور چڑچڑا پن اس میں آگیا تھا۔ حالانکہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ لاڈلا تھا۔ مگر بدتمیز اور ضدی نہیں تھا۔ باپ کو یاد کرتے کرتے وہ بیمار پڑ گیا۔ کتنے ہی دن بخار میں پھنکتا رہا۔ میری تو جیسے جان پہ بن آئی تھی۔ اب وہی تو تھا میری زندگی کا کل سرمایہ۔ میں عدت میں تھی تو مجھے پتا چلا کہ میں ماں بننے والی ہوں۔ اذان کے اتنے عرصہ اکلوتا رہنے پر ہم دونوں کی دلی خواہش تھی کہ ہماری فیملی اور بڑھے' مگر اللہ کی مرضی کے آگے کس کی چلی ہے۔ جب یہ خبر ملی اس وقت تک عظیم ہم سے بہت دور جا چکے تھے۔ میرا غم کچھ اور بڑھ گیا۔

جیسے ہی میری عدت کے ساڑھے چار ماہ ختم ہوئے مجھے حقیقت میں زندگی کی سختیوں اور تلخیوں کا احساس ہوا تھا۔ بھائی صاحب کی حرکتیں اب میرے لیے ناقابل برداشت ہونے لگی تھیں۔ ان کی نگاہوں سے مجھے خوف آتا تھا۔ یہاں میرے گھر والے مجھے واپس لانا چاہتے تھے۔ محمود بھائی کئی بار آچکے تھے مجھے لینے کے لیے۔ لیکن اذان کے دادا اور دادی بیٹے کے بعد اب پوتے کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اور میں بھی ایسے کڑے وقت میں جب انہوں نے جوان بیٹے کی موت کا صدمہ سہا تھا۔ انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ لیکن اس گھر میں رہنا اب مشکل لگ رہا تھا۔ میں نے اپنی پریشانی اماں کو بتائی تو انہوں نے کتنی ہی بار بڑی بھابھی کو ڈھکے چھپے الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ الٹا اماں پر چڑھ دوڑتیں ——— کہ وہ ان کے شوہر پہ الزام لگا رہی ہیں۔" کمرے کے باہر کھڑے اذان کے قدم جیسے زمین پر جم گئے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا تھا۔ وہ ابھی آفس سے آیا تھا اور ماما اور زری اسے دونوں کہیں دکھائی نہ دیے تو وہ ماما کے کمرے کی طرف آگیا اور جیسے چند لفظ سن کر اذان پتھر سا ہو گیا تھا۔

"جس گھر میں ہم رہتے تھے وہ عظیم کے نام تھا اور وہ گھر عظیم نے کب میرے نام کیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی۔ کیونکہ وہ کبھی بھی اپنی کاروباری باتیں گھر میں نہیں کرتے تھے۔ مجھے تو ان کے جانے کے بعد علم ہوا کہ وہ ہمارے لیے کتنا کچھ کر گئے ہیں۔ بھائی صاحب اور ان کی بیوی کی نظر اس گھر پر اور عظیم کے تمام کاروبار اور جائیداد پر تھی۔ شاید اماں کے کہنے پر بڑی بھابھی نے انہیں کچھ سمجھایا ہو کہ انہوں نے پینترا بدل لیا۔ اب وہ مجھ سے ہمدردی جتانے لگے۔ بار بار عظیم کے جانے کا افسوس کرتے۔ اذان کے لاڈ اٹھاتے۔ وہ اذان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتے تھے۔ یہ مجھے بعد میں پتا چلا کہ وہ میرے بیٹے کو مجھ تک پہنچنے کی سیڑھی بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے میرے لیے نکاح کا پیغام دیا تھا۔ انہوں نے اماں اور بابا جان کو اپنی جھوٹی سچی باتوں میں پھنسا لیا تھا کہ ان سے برداشت نہیں ہوتا کہ ان کا بھتیجا یوں یتیم کی زندگی گزارے اور یوں بھی میری عدت پوری ہو چکی تھی اور سب جانتے تھے کہ میں دوبارہ ماں بننے والی ہوں۔

بابا کو اپنے بیٹے سے اس ہمدردی کی امید نہیں تھی۔ لیکن جب ان کی مستقل یہی روش رہی تو انہیں بھی یقین کرنا پڑا کہ شاید اب وہ سدھر گیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے بات کی۔ لیکن میں کسی صورت ماننے کو تیار نہیں تھی۔ پھر ایک دن میں نے ان دونوں میاں' بیوی کی "اتفاقاً" ہی باتیں سن لی تھیں۔ کیونکہ میرا مسلسل انکار ان دونوں کے لیے پریشانی کا سبب بنا ہوا تھا۔ تب مجھے پتا چلا کہ عظیم کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ نہیں ہوا تھا بلکہ ان کی گاڑی کے بریک فیل کر دیے گئے تھے اور یہ کرنے والا کوئی اور نہیں ان کا اپنا بڑا بھائی تھا۔ وہ بھائی جسے عظیم نے ہمیشہ عزت دی۔ باپ کی طرح سمجھا۔ کبھی سوتیلا نہ سمجھا۔ وہ گھر عظیم کے نام تھا اور وہ اسے میرے نام کر چکے تھے۔ جبکہ بھائی صاحب چاہتے تھے کہ یہ گھر ان کے نام ہو جائے۔ مگر عظیم ان کی یہ بات ماننے سے انکاری تھے اور ایسا ہی شاید اور کاروباری تنازعہ بھی تھا۔ جس پر ان دونوں بھائیوں کا جھگڑا ہوا' بجائے اس کو صلح صفائی کے نبٹانے کے انہوں نے یہ انتہائی قدم اٹھا لیا تھا اور اس صفائی سے اٹھایا تھا کہ کسی کو بھی ان پر شک نہ ہو سکا

اور اگر اس دن بھی میں ان کی باتیں نہ سن لیتی تو شاید ساری زندگی مجھے پتا نہ چلتا اور میں بے خبری میں پتا نہیں کیا فیصلہ کرلیتی۔ مگر میرے اللہ نے مجھے بچالیا تھا۔" زری خاموشی سے انہیں سن رہی تھی۔ پھوپھو بولتے بولتے جیسے تھک سی گئیں۔ انہوں نے تھک کر سر بیڈ کی بیک سے ٹکا دیا۔ ان کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔ باہر کھڑے اذان کے اندر آگ بڑھتی جارہی تھی۔ کتنی صفائی سے اسے بے وقوف بنایا گیا۔

"جانے انہیں کیسے پتا چلا کہ میں ان کی ساری باتیں سن چکی ہوں۔ بھائی صاحب نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کردیا۔ انہوں نے ہمدردی کا لبادہ اتار پھینکا تھا اور اپنی پرانی روش پہ آگئے تھے۔ میری راتوں کی نیند اڑ چکی تھی۔ ساری ساری رات میرے کمرے کا دروازہ بجتا رہتا اور میں ڈرتی کانپتی اذان کو لیے بیٹھی رہتی۔ انہوں نے میرے سامنے دو راستے رکھے تھے یا تو میں ان سے شادی کرلوں تو ساری دولت ' جائیداد' کاروبار اذان کے نام ہی رہے گا یا پھر وہ مجھے بے عزت کرکے گھر سے نکال دیں گے اور اذان کو بھی اپنے پاس رکھ لیں گے۔ کیونکہ وہ ان کا خون ہے۔ اس طرح بھتیجے کی پرورش کرکے وہ سب کے سامنے سرخ رو بھی ہوجائیں گے اور ان کا مقصد بھی پورا ہوجائے گا۔ وہ جانتے تھے کہ میں ان سے ڈرتی ہوں اور اب بھی ڈر کے کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ لیکن بات جب اولاد پر آجائے تو ایک ماں دنیا سے ڈرنا چھوڑ دیتی ہے۔ میں نے بابا جان کو سب کچھ بتادیا۔ وہ تو صدمے سے گنگ رہ گئے تھے۔ انہیں اپنے بڑے بیٹے سے اس کمینگی کی امید نہ تھی۔ بابا جان نے انہیں بہت بے عزت کیا اور انہیں پولیس میں دینے کی بات کی۔ تو وہ بوکھلا گئے اور انہوں نے بجائے اپنی غلطی ماننے کے مجھ پہ الزام لگایا کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں اور یہ بھی کہ وہ تو ہمیشہ سے مجھے اپنی بہن' بیٹیوں کی طرح سمجھتے ہیں' لیکن میرے کہنے پر انہوں نے شادی کا پیغام دیا' کیونکہ میں ان سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور یہ بھی کہ میں ان کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔ اس لیے میں ان سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔

بابا جان نے بھی ان کی کسی بات پہ یقین نہیں کیا اور انہیں بے عزت کرکے گھر سے نکال دیا۔ یہ باتیں سننے کے بعد میری حالت ایسی بگڑی کہ میں بے ہوش ہوکر گر پڑی تھی۔ اماں جان اور بابا مجھے اسپتال لے گئے۔ میں کتنی ہی دیر زندگی اور موت کی کشمکش میں رہی۔ وہاں محمود بھائی بھی آگئے تھے۔ بابا نے انہیں بلوالیا تھا اور پھر میری زندگی تو بچ گئی' لیکن میرے پاس بچی عظیم کی آخری نشانی بھی نہ رہی۔ محمود بھائی تو سب سن کر پاگل ہی ہوگئے۔ ان کی اکلوتی بہن کے ساتھ اتنا سب کچھ ہوتا رہا اور وہ بے خبر رہے۔ یوں میں محمود بھائی کے ساتھ یہاں اپنے گھر چلی آئی اور اس سے اگلے ہی دن میرے بابا کا انتقال ہوگیا۔ میں نے ساری دولت' جائیداد سے دستبرداری کا اعلان کردیا تھا۔ کیونکہ میرے لیے میری اصل دولت تو میرا بیٹا تھا اور وہ میرے پاس تھا۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔ لیکن اذان کے دادا نے وہ ساری دولت' جائیداد ایک امانت کی طرح سنبھال کر رکھی اور اب اذان کے اٹھارہ سال کے ہونے کے بعد وہ سب کچھ اذان کے نام ٹرانسفر ہوچکا ہے اور یہ بات صرف محمود بھائی جانتے ہیں' کیونکہ یہ ساری کارروائی اذان کے دادا نے محمود بھائی کے توسط سے اور ان کے سامنے کی تھی۔

محمود بھائی' عظیم کے بڑے بھائی پر کیس کرنا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں منع کردیا۔ گیا وقت اب واپس نہیں آسکتا تھا۔ عظیم اب لوٹ کر نہیں آسکتے۔ وہ اذیت بھرا وقت اب گزر چکا ہے۔ اذان کو یہاں رہنا پسند نہیں تھا۔ میں بھی چاہتی تھی کہ اذان ہمیشہ اپنے بابا کے گھر میں رہے۔ لیکن مجھے مجبوراً" یہ قدم اٹھانا پڑا' کیونکہ وہاں رہتے ہوئے اذان کی جان کو بھی خطرہ ہوسکتا تھا اور میرے لیے اذان سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ میں نے اپنے بیٹے کے لیے جاب کرلی۔ حالانکہ سب نے بہت منع کیا' لیکن میں نہیں چاہتی تھی کہ اسے کبھی بھی کسی بھی قسم کا کوئی احساس ہو کہ وہ اپنے ماموؤں کے گھر میں رہ رہا ہے۔ اسے کسی کمی کا احساس

ہو'میں اس کی زندگی میں کوئی کمی رہنے دینا نہیں چاہتی تھی۔ میرے وہاں سے آنے کے بعد بھائی صاحب اپنی فیملی کے ساتھ پھر سے اس گھر میں آگئے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ میں نے ساری دولت' جائیداد بابا کے نام کردی ہے اور تھا بھی یہی سچ۔ میں نے ہر چیز بابا کے حوالے کردی تھی۔ لیکن وہ امانتا" سنبھالتے رہے۔ میں اس بات سے لاعلم تھی۔ محمود بھائی اس حقیقت سے واقف تھے اور مجھے یہ بات اذان کے اٹھارہ سال کے ہونے کے بھی دو سال بعد پتا چلی۔ اذان وہاں جاتا رہا اور وہ لوگ اسے میرے بارے میں الٹا سیدھا کہتے رہے۔ وہ جب چھوٹا تھا تو وہاں سے آکر مجھ سے بہت سوال کرتا تھا۔ میں کبھی اسے ڈانٹ دیتی تھی' کبھی خاموش ہوجاتی تھی۔ مجھے یہ بھی پتا ہے کہ اب بھی وہ سب لوگ میرے خلاف ہی کرتے ہوں گے اور وہ بھی یہی سمجھتا ہوگا کہ میں اگر وہاں نہیں جاتی اس کے اصرار کے باوجود' اماں کے اتنا یاد کرنے کے باوجود تو یقیناً" اس کے پیچھے کوئی وجہ ہوگی۔ لیکن میں نے اس گھر سے نکلتے وقت خود سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس گھر میں اب دوبارہ قدم نہیں رکھوں گی۔ کیونکہ عورت سب کچھ بھول سکتی' معاف کرسکتی ہے۔ لیکن اپنے سر سے سائبان چھیننے والوں کو اور خود پر لگا بدکرداری کا الزام کبھی معاف نہیں کرسکتی۔

حالانکہ آج بھی وہ گھر میرے نام ہے' چاہوں تو ایک پل میں سب کو نکال باہر کروں۔ مگر میں اتنی کم ظرف نہیں ہوں۔ میری اصل دولت میرا بیٹا میرا پاس ہے' تو مجھے اور کسی چیز کی کیا ضرورت ہے۔ میں جانتی ہوں اذان' اپنی زندگی سے خوش نہیں ہے۔ وہ تجل سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس جلد بازی کے فیصلے پر مجھ سے ناراض ہے۔ مگر میں کیسے اس کے بابا کے قاتل کی بیٹی سے اسے بیاہ دیتی' چلو میں دل بڑا کر بھی لیتی اس کی خاطر' لیکن وہ نہیں جانتا کہ تجل صرف اسے دھوکا دے رہی ہے۔ وہ ہو بہو اپنے باپ کی پرتو ہے۔ خود پسند' ضدی اور بدنیت لڑکی' وہ لوگ صرف مجھے نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ میں بہت پہلے سے جانتی ہوں کہ تجل' اذان کے پیچھے ہے۔ اذان کی دادو سے مجھے پتا چلتا رہتا تھا۔ مگر میں اذان کی خاطر یہ بھی کرلیتی' اسے بہو بنا بھی لیتی۔ لیکن تجل جس کالج میں پڑھتی رہی ہے۔ وہاں کی پرنسپل میری اچھی دوست ہیں اور ان کے ذریعے سے روز اس کی کوئی نہ کوئی بات سننے کو ملتی تھی۔ اس کے افیئرز اور ایسی ایسی باتیں کہ جسے سن کر سر شرم سے جھک جائے اور میں کیا کوئی بھی شریف خاندان اسے بہو بنانا پسند نہ کرے۔ میں جانتے بوجھتے اپنے بیٹے کو آگ میں کیسے دھکیل دیتی۔ کیسے اس کی زندگی برباد کردیتی۔ اس لیے میں نے بنا اس سے پوچھے' اتنی جلد بازی میں یہ فیصلہ لیا' کیونکہ وہ چالاک لڑکی اسے پوری طرح اپنے شیشے میں اتار چکی تھی۔ لیکن میرا بیٹا میری محبت میں انکار نہیں کرسکا اور مجھے فخر ہے اپنے بیٹے پر کہ اس نے میرا مان رکھا۔ اپنی خوشی پہ میری خوشی کو ترجیح دی۔ اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے اور تمہارا انتخاب میں نے اذان کے لیے اس لیے کیا' کیونکہ تم اس کی بچپن کی ساتھی ہو۔ دوست ہو' ایک دوسرے کو سمجھتے ہو اور تمہاری آنکھوں میں' میں نے بارہا اس کے لیے محبت دیکھی ہے' تم خوش ہو نا بیٹا اس کے ساتھ؟" پھوپھو نے تھکے تھکے انداز میں زری سے پوچھا تھا۔

"جی پھوپھو۔" زری نے سر جھکالیا۔ اب وہ انہیں کیا کہتی کہ اگر تجل نہ ہوتی تب بھی اذان اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا' کیونکہ وہ تو اسے اس طرح کبھی دیکھتا ہی نہیں تھا۔ اس کے دل میں اس کے لیے کوئی محسوسات ہے ہی نہیں۔ وہ تو آج بھی اسے صرف ایک دوست اور کزن ہی سمجھتا ہے۔

"میں جانتی ہوں بیٹا تم دونوں میں بہت فاصلے ہیں۔ اذان ابھی تک اس رشتے کو قبول نہیں کرپایا ہے' لیکن بیٹے تم اس کی کسی بات کا برا نہ ماننا۔ وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ جب اسے پتا چلے گا کہ سچی محبت کیا ہوتی ہے۔

کیونکہ وہ اس ساری حقیقت سے واقف نہیں ہے اور میں نے آج تک صرف یہ سوچ کر اسے نہیں بتایا کہ وہ

برداشت نہیں کرپائے گا۔ لاکھ ناراض سہی' لیکن وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ سہہ نہیں پائے گا اور یہ سب سن کر وہ وہاں جانا چھوڑ دے گا اور وہ بوڑھی دادی اس کا انتظار کرتی رہ جائے گی۔ جو آج بھی پوتے میں بیٹے کو تلاش کرتی ہے۔ صرف اس لیے بیٹا میں اتنے سال خاموش رہی۔ بس دل پہ بوجھ اس قدر بڑھا کہ آج تم سے کہہ بیٹھی۔ بس تم اس کا خیال رکھو بیٹے۔ اس سے ایسے ہی محبت کرتی رہنا۔ وہ تم سے جس رشتے میں جڑا ہے۔ وہ بہت مضبوط اور پاکیزہ رشتہ ہے اور اسے کوئی منفی طاقت نہیں توڑ سکتی۔ میں جانتی ہوں بیٹا میں نے تمہارے ساتھ بھی زیادتی کی ہے۔ لیکن تم سے بہتر مجھے اذان کے لیے کوئی اور لگا ہی نہیں۔" پھوپھو نے محبت سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"نہیں پھوپھو' آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔ میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی ہے۔ آپ نے تو مجھے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی دی ہے اور آپ بالکل فکر نہ کریں' سب ٹھیک ہوجائے گا۔ آپ میرے ساتھ ہیں تو مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔" زری نے بے ساختہ ان کے دونوں ہاتھ تھام کر چوم لیے۔ پھوپھو کی باتوں سے اسے حوصلہ ملا تھا۔

"خوش رہو' آباد رہو۔" پھوپھو نے اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا تھا۔ زری کے اندر تک آسودگی اتر آئی۔

☼ ☼ ☼

"اف میرے خدا' یہ میں نے کیا کردیا' یہ جانتے ہوئے بھی کہ میری ماما کبھی غلط نہیں ہوسکتیں' اس کے باوجود بھی میرے دل میں میری ماں کے لیے ذرا بھی شک آیا کیسے؟ میں اس قدر نافرمان' برا بیٹا ہوں کہ اپنی ماں سے بدگمان ہوگیا۔ وہاں مجھے ہمیشہ ان کے بارے میں یہی سب کچھ الٹ کر کے بتایا گیا۔ غلط بتایا گیا اور میں ہمیشہ دوسروں کے کہنے پہ یہ سوچتا رہا کہ انہوں نے میرے بابا کا گھر بلاوجہ ہی چھوڑ دیا اور یہاں چلی آئیں' لیکن یہ کبھی نہیں سوچا کہ کوئی تو وجہ رہی ہوگی نا کہ انہوں نے وہ گھر چھوڑ دیا۔ کوئی بہت بڑی وجہ جو وہ مجھے بتانے سے گریزاں ہیں۔ لازمی بات ہے کوئی بھی ماں اپنے جوان بیٹے کو وہ سب باتیں نہیں کہہ سکتی اور میں انہیں غلط سمجھتا رہا۔ انہوں نے جلد بازی میں میری زندگی برباد کردی' یہ سوچتا رہا' انہوں نے میرے ساتھ غلط کیا یہ سوچتا رہا۔" وہ آڑا ترچھا بیڈ پہ لیٹا تھا۔ اس کا کوٹ اور بیگ بے ترتیبی سے اس کے قریب پڑا تھا۔ اس کی دائیں آنکھ سے پانی کی ایک باریک لکیر بہتی ہوئی اس کی کنپٹی سے بالوں میں جاکر جذب ہورہی تھی۔

"لیکن وہ ہمیشہ میرے ہی بارے میں سوچتی رہیں۔ میں اپنے بابا کے گھر والوں سے بدگمان نہ ہوجاؤں۔ اس لیے انہوں نے مجھے کبھی دادو سے ملنے سے نہیں روکا۔ میں تجل سے ملتا رہا۔ وہ جانتے ہوئے بھی خاموش رہیں۔ صرف اس لیے کہ یہ میری خوشی تھی۔ وہ ہمیشہ میری خوشیوں کو اہمیت دیتی رہیں اور میں ان کی ایک بات مان کر یوں ظاہر کرتا رہا جیسے ان پہ احسان کیا ہے۔" ایک گہری سانس لے کر وہ اٹھ بیٹھا تھا اس کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہورہی تھیں۔ اس کا سر بوجھل ہورہا تھا۔ اس کے دل پہ جمی بدگمانی کی چادر پھٹی تو اس کے دل پہ شرمندگی کا بوجھ بڑھتا جارہا تھا۔ اپنی ماں سے شرمندگی کا دکھ' وہ اب ان سے کیسے نگاہیں ملا پائے گا۔۔۔۔ جانے کتنا وقت بیت گیا۔ اسے اسی طرح بیٹھے ہوئے۔ زری اسے دوبار کھانے کے لیے بلا چکی تھی' سو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور زری وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔ میں جو خود کو اس کا دوست کہتا تھا' پچھلے دنوں کتنا برا سلوک کرتا رہوں میں اس کے ساتھ۔ اسے اس طرح نظر انداز کرتا رہا جیسے وہ میری زندگی میں کہیں ہے ہی نہیں۔ مگر وہ بھی تو یہ شادی کرنا نہیں چاہتی تھی نا' وہ تو شاید۔۔۔" فریش ہوتے ہوئے بھی وہ مسلسل یہی سوچتا رہا تھا۔ دل میں اک پھانس اب بھی چبھی ہوئی تھی۔ وہ فریش ہوکر باہر نکل آیا تھا۔ اس نے مکمل کوشش کی کہ ماما یا زری میں سے کوئی نہ جان سکے کہ وہ ان کی ساری گفتگو سن چکا ہے۔ کیونکہ ماما اگر چاہتی ہیں کہ

اسے یہ سب پتا نہ چلے تو وہ بھی ان پہ کبھی یہ ظاہر نہیں کرے گا کہ وہ سب جان چکا ہے۔ اس رات ان تینوں نے خاموشی سے کھانا کھایا اور خاموشی سے کمرے میں آگیا۔

وہ واش روم میں تھا جب اس نے اپنے سیل فون کی رنگ سنی تھی۔ جانتا تھا اس وقت کس کا فون ہوگا' سو سن کر بھی ان سنی کردی۔ لیکن فون مسلسل بجے ہی جارہا تھا۔ وہ باہر آیا تو زری دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر پلٹ رہی تھی۔ فون بیڈ پہ پڑا تھا اور اسکرین پر روشن ہوتا سجل کا نام دور سے ہی نظر آرہا تھا۔

"زری پلیز دیکھنا کس کا فون ہے' کب سے بجے جارہا ہے۔" پلٹ کر جاتے ہوئے اس نے اذان کی آواز سنی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بالوں میں برش کررہا تھا۔

"آپ خود ہی دیکھ لیں۔ مجھے آپ کی پرسنل چیزوں پہ زبردستی حق جمانے کا کوئی خاص شوق نہیں ہے۔" اذان کے لبوں پہ مدھم سی مسکراہٹ اتر آئی تھی اور دل میں شرمندگی کا احساس بھی ہوا تھا۔

"آئندہ میرا فون چاہے' ساری رات ہی کیوں نہ بجتا رہے۔ تم میرا فون نہیں اٹھاؤ گی' کم از کم میرے فون کو تو میرا پرسنل رہنے دو یا اب اس پہ بھی زبردستی حق جتانے کھڑی ہو جاؤ گی۔" یہ بات ہرگز بھی اتنی پرانی نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی بھول جاتی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اذان کے باور کرانے کا مقصد یہی تھا کہ وہ سجل کی کال اٹینڈ نہ کرے۔ تو پھر اب کیوں' ایک تو ویسے ہی سجل کی کال دیکھ کر اس کا دل برا ہو رہا تھا۔ اوپر سے اذان کا اس طرح کہنا' اس کی آنکھیں جھلملا سی گئیں۔ وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اذان نے کال پک کرلی تھی۔

"کہاں ہو اذان' کب سے فون کررہی ہوں' اٹھاتے کیوں نہیں ہو' ناراض ہو کیا؟" دوسری طرف سجل کا وہی انداز تھا۔ نثار ہونے والا۔ مگر آج اذان کو اس کے لہجے کی بناوٹ صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"کیوں تمہیں کوئی کام تھا۔"

"یہ بتاؤ کیا سوچا تم نے ہماری شادی کے بارے میں۔" سجل اب بھی یہ باتیں کررہی ہے' اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کیوں۔

"سجل تم نے ہماری شادی کے لیے جو شرط رکھی ہے' وہ میں پوری نہیں کرسکتا۔ آئی ایم سوری' میں اپنی ماں کو دکھ نہیں پہنچا سکتا۔" اذان سننا چاہتا تھا کہ وہ کیا جواب دیتی ہے۔

"ایک تو اس عورت کے ڈرامے ختم نہیں ہوتے۔" جواب میں سجل کی بڑبڑاہٹ اذان نے واضح طور پر سنی تھی اور پھر جیسے اذان کے اندر کی ہچکچاہٹ ایک لمحے میں ختم ہوئی تھی۔ ایک لمحے میں فیصلہ ہوگیا تھا۔

"مگر تمہیں تو مجھ سے محبت ہے نا اذان۔"

"کس محبت کی بات کرتی ہو سجل تم۔ مجھے تو تم سے کبھی محبت تھی ہی نہیں۔ وہ ایک وقتی بھنور تھا جس میں' میں پھنس گیا تھا۔ آج سوچوں تو شرمندگی ہوتی ہے کہ میں تمہارے ساتھ تھا ہی کیوں۔ میں نے تو تم سے کبھی نہیں کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ میں نے تم سے کبھی نہیں کہا کہ میں تم سے شادی کروں گا۔ تم ہی ہمیشہ میرے پاس آئیں' تم نے ہی ہمیشہ مجھے یقین دلانے کی کوشش کی کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے اور تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو اور اس میں بھی تمہارا خلوص نہیں تمہاری غرض چھپی تھی۔ جو تمہیں میرے پاس لے کر آئی' اپنے لالچی ماں' باپ کے کہنے پر تم میرے پاس آئیں۔ میری ماں کو نیچا دکھانے کے لیے تم نے مجھ سے محبت کا جھوٹا ڈھونگ رچایا اور میں اگر کبھی تمہاری طرف بڑھا بھی تھا تو بالکل بے غرض ہو کر۔ مگر تم نے کیا کیا۔ میرا مذاق بنایا' میرے خلوص کا' میری بے غرضی کا اور میں اس قدر بے وقوف کہ اتنے پرخلوص لوگ' اتنی محبتیں چھوڑ کر تمہارے جال میں پھنسنے لگا۔ وہ تو اللہ کا شکر ہوا کہ اس نے مجھے بچالیا اور میری ماں کی دعاؤں نے مجھے بھٹکنے سے روک لیا۔" اذان کا دل چاہا کہ اگر وہ لڑکی اس کے سامنے ہوتی تو وہ اس کا منہ تھپڑوں سے سرخ کردیتا۔ اپنے اتنا

بے عزت کرتا کہ وہ کبھی کسی کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش نہ کرتی۔

"تو یوں کہو نا کہ تمہیں اپنی اس سو کالڈ بیوی سے محبت ہوگئی ہے۔ جس کی تم کل تک میرے سامنے برائیاں کرتے تھے۔ میرے سامنے بیٹھ کر روتے تھے کہ تمہاری ماں نے تمہاری زندگی برباد کردی ہے۔ اب اپنا دل بھر گیا ہے تو مجھے الزام کیوں دے رہے ہو۔" سجل بپھر ہی تو گئی تھی۔ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا تھا۔ بازی الٹ گئی تھی۔ بپھرنا تو لازمی تھا۔

"ہاں ہوگئی ہے مجھے اس سے محبت اور کیوں نہ ہو۔ وہ لڑکی ہے اس قابل کہ میں اس سے محبت کروں۔ وہ تمہاری طرح خود غرض نہیں ہے۔ تمہیں جو میری ماں ڈرامے باز لگتی ہے' وہ لڑکی میری ماں کے معمولی سردرد پر ساری رات اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر دبانے میں گزار دیتی ہے' جو میرے بنا کہے میری ہر ضرورت کو ہر بات کو سمجھ جاتی ہے' تم ایسا کرسکتی ہو کبھی نہیں۔ میں اس کی طرف دیکھتا نہیں۔ اس سے بات تک نہیں کرتا' پھر بھی وہ بنا کسی غرض کہ اتنا کچھ کیے جارہی ہے' میں تم سے کیوں محبت کروں' اس سے کیوں نہ کروں' جو یہ حق رکھتی ہے۔ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔ تمہیں صرف میری دولت سے محبت ہے۔ اگر تنویر ملک کی دولت تمہیں کم لگنے لگے نا تو مجھے بتا دینا۔ میں اپنی ساری دولت' جائیداد بنا کسی غرض کے تمہارے نام کردوں گا' کیونکہ میرے نزدیک زندگی میں سچے رشتوں اور پرخلوص محبتوں کی زیادہ اہمیت ہے۔ مگر آئندہ مجھے فون کرنے کی یا مجھ سے ملنے کی کبھی کوشش مت کرنا۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا' کیونکہ سچائی کیا ہے' یہ تم بھی جانتی ہو اور اب میں بھی جان چکا ہوں۔ اس لیے میں نہیں چاہتا کہ میں نفرت میں حد سے گزر جاؤں' کیونکہ میرے اندر آگ لگی ہے۔" اذان کے دل کی تمام تر بھڑاس نکل چکی تھی۔

اس نے فیصلہ کرلیا تھا۔ زری اگر اپنے متعلق اس کی باتیں' اس کے خیالات جان لیتی تو شاید اپنی خوش نصیبی پہ رشک کرتی۔ لیکن وہ تو بہتے آنسوؤں کے ساتھ دل میں ہزاروں شکوے لیے پھوپھو کے پہلو میں لیٹی تھی۔ سجل نے بنا کچھ کہے فون رکھ دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس سے معافی بھی نہیں مانگی تھی اور اذان جانتا تھا کہ اب وہ کبھی بھی اس کے سامنے آئے گی' کیونکہ اسے اپنی منزل تنویر ملک کی صورت میں مل چکی تھی۔ جو اذان سے کہیں زیادہ دولت مند بھی تھا اور اس کے اشارے پر چلنے کو تیار بھی۔ بس اس کے ماں' باپ کی اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے والی خواہش ادھوری رہ گئی جو وہ پھوپھو سے اذان کی صورت میں لینا چاہتے تھے۔ مگر سچ ہے اللہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے بے عزت کردے۔

☼ ☼ ☼

اذان آج آفس سے کچھ جلدی اٹھ آیا تھا۔ کل ایک بہت اہم میٹنگ تھی اور اسے اس کی تیاری کرنی تھی۔ وہ گھر آیا تو ماما تو کہیں دکھائی نہ دیں شاید اپنے کمرے میں تھیں۔ البتہ زری اور ثنا لاؤنج میں بیٹھی کوئی ڈرامہ دیکھ رہی تھیں اور ساتھ ساتھ اس کی اسٹوری بھی ڈسکس کررہی تھیں۔ وہ ان دونوں کے سلام کا جواب دیتا ہوا کمرے میں آگیا۔ چینج کرکے باہر آیا تو وہاں نائبہ چاچی اور ماما بیٹھی ہوئی تھیں۔ شاید وہ دونوں کہیں گئی ہوئی تھیں اور ابھی آئی تھیں وہ بھی وہیں آکر بیٹھ گیا۔

"دیکھو بیٹا۔ اب تم ہی کچھ مشورہ دو۔ میں تو لڑکیاں دیکھ دیکھ کر تھک گئی ہوں۔ ماشاءاللہ سب بچیاں اتنی پیاری ہیں کہ سمجھ نہیں آرہا کہ کسے پسند کروں اور کسے ناپسند۔" نائبہ چاچی نے بیگ سے چند تصویریں نکال کر زری کو دیں جسے دیکھ کر ثنا کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے۔ اذان کو سمجھ آگئی کہ وہ کس سلسلے میں اور کہاں گئی تھیں۔

"لگتا ہے نائبہ چاچی کی قریب کی نگاہ کمزور ہوگئی ہے۔" ثنا تصویریں لیے زری کے کان میں گھسی تھی۔ زری نے حیرانی سے اسے دیکھا جیسے مطلب پوچھ رہی ہو۔

"تم واقعی سیریس ہو۔ میرا مطلب ہے ابھی تک۔" زری نے دھیمے سے پوچھا تھا۔

"تو کیا تمہیں کوئی شک ہے۔ خود تو شادی کر کے بیٹھ گئی ہو اور سہیلی کا کوئی خیال ہی نہیں ہے۔" ثنا نے آنکھیں دکھائیں۔

"میں کم از کم اس سچویشن میں یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔ تم ہی کرتی رہو اپنے بلال بھائی کے لیے لڑکیاں پسند۔ میں جا رہی ہوں۔" وہ دانت پیستے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔ زری کو آج اندازہ ہوا کہ وہ واقعی بلال کے لیے اس حد تک سنجیدہ ہے اور اس سے پہلے اپنے لیے آنے والے دو تین پرپوزل بھی ٹھکرا چکی تھی اور تائی جان حقیقتاً "اس کے لیے پریشان ہیں۔

"چاچی ایک بات کہوں؟" زری نے کچھ سوچتے ہوئے تصویریں ٹیبل پہ رکھ دیں۔ چاچی اور پھوپھو دونوں ہی اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اذان بھی بظاہر ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ مگر اس کا بھی سارا دھیان زری پر ہی تھا۔

"آپ بلال بھائی کے لیے تائی جان سے کیوں نہیں بات کرتیں۔ میرا مطلب ثنا سے ہے۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی تھی کہ پتا نہیں چاچی کو یہ بات کیسی لگے اور اسے کہنا بھی چاہیے یا نہیں۔

"ہاں بھابھی۔ واقعی زری ٹھیک کہہ رہی ہے جب گھر میں لڑکی موجود ہے ہمیں پہلے اس کے بارے میں سوچنا چاہیے۔" پھوپھو نے بھی اس کی تائید کی تھی۔

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا۔ یہ خیال میرے دل میں بھی کئی بار آچکا ہے۔ بس اس خیال سے چپ ہو جاتی ہوں کہ جانے بڑی بھابھی کیا جواب دیں گی۔ پتا نہیں وہ بلال کے بارے میں کیا سوچتی ہیں۔" نائبہ چاچی' تائی کی نیچر سے خائف تھیں کیونکہ بلال ان کا اپنا بیٹا تو تھا نہیں۔ وگرنہ ان کے دل میں یہ خیال بہت بار آیا تھا۔

"تو چاچی بات کرنے میں کیا حرج ہے۔ آپ بات کر کے دیکھ لیں۔ پھر تائی جان انکار کریں یا اقرار ان کی مرضی ہے آپ کوئی زبردستی تھوڑی کریں گی۔"

"ٹھیک ہے بیٹا میں بلال سے پوچھ لوں۔ پھر بات کرتی ہوں۔" زری کی بات نائبہ چاچی کے دل کو لگی۔ ان کی ہمت بڑھی تھی۔ وہ حقیقت میں دل سے ایسا ہی چاہتی تھیں بس ایک بار بلال سے پوچھنا چاہتی تھیں۔

اذان کتنے ہی لمحے زری کو دیکھتا رہا تو کیا جو میں سمجھتا رہا وہ غلط تھا کیونکہ اگر کبھی بھی ایسی کوئی بات بلال اور زری کے درمیان ہوتی تو وہ یوں خلوص سے نائبہ چاچی کو کبھی ثنا کے لیے بات کرنے کو نہ کہتی۔ اللہ کرے کہ یہی سچ ہو کیونکہ اب یہ دل بے اختیار اس کی طرف کھنچتا ہی جا رہا ہے۔ نکاح کے بول اپنا اثر دکھا رہے تھے۔ زری اٹھ کر سب کے لیے چائے بنانے لگی اور اذان کتنے ہی لمحے کچن کے دروازے سے نظر آتے اس کے لہراتے آنچل کو دیکھتا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆
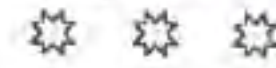
آج سنڈے تھا۔ چھٹی کا دن تھا سو اذان گھر پر ہی تھا۔ اسے ایک بک چاہیے تھی اور وہ اسے مل نہیں رہی تھی۔ اسٹڈی ٹیبل پہ ڈھونڈنے کے بعد وہ کمپیوٹر ٹیبل کی طرف آگیا اس کی سب درازیں اچھی طرح دیکھ لیں مگر وہ بک اسے نہ ملی۔ وہ اپنی وارڈ روب کی طرف آگیا۔ اس کی وارڈ روب چار پورشن پر مشتمل تھی جس کے دو حصے اس کے پاس تھے اور دو حصے اب شادی کے بعد زری کے تصرف میں تھے۔ زیادہ تر وہ ایک سائیڈ استعمال کرتی تھی اور اس کی سائیڈ کا دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ نہ جانے اذان کے دل میں کیا سمائی کہ اس نے مکمل پٹ کھول دیا سامنے ہی اس کے خوبصورت اور اسٹائلش ملبوسات لٹکے تھے۔ نیچے والی دراز میں شاید ایک دوپٹہ تھا جس کا پلو ذرا سا نیچے کو لٹک رہا تھا۔ ورنہ تو ساری ہی وارڈ روب میں ترتیب نمایاں تھی۔ اس نے یونہی ہاتھ بڑھا کر دوپٹے کو ٹھیک سے رکھا کہ وہ دوبارہ سے پھسل کر نیچے گر پڑا۔ اذان نے دوبارہ سے اسے رکھنا چاہا تو اس کا ہاتھ دوپٹے کے نیچے دبی کسی سخت چیز سے ٹکرایا وہ ایک

گفٹ پیک تھا۔ خوبصورتی سے ریپ کیا ہوا اس کے اوپر ایک اور گفٹ پیک تھا جو پہلے والے سے سائز میں نسبتاً" چھوٹا تھا۔ تیسرا گفٹ پیک اس سے بھی چھوٹے سائز کا تھا اور اذان کو حیرت اس بات پہ ہوئی تھی کہ ان تینوں پر ہی اذان کا نام لکھا تھا اور نیچے کونے میں زری کا نام تھا۔ تو گویا وہ گفٹس اس کے لیے تھے۔

مگر زری نے اسے دیے نہیں تھے کیوں ان پیکٹس کے ساتھ ہی ایک ڈائری بھی رکھی تھی۔ اذان نے وہ پیکٹس چھوڑ کر وہ ڈائری اٹھالی۔ زری پہلے کبھی کبھار ڈائری لکھتی تھی۔ یہ بات اسے معلوم تھی لیکن اذان نے اسے شادی کے بعد کبھی ڈائری لکھتے ہوئے نہیں دیکھا تھا مگر وہ یہ ڈائری دیکھنا چاہتا تھا اس نے ڈائری کھول لی تھی جس کے پہلے صفحے پر "زروہ محمود" لکھا تھا اور پھر اس کے ساتھ ہی ذرا فاصلے پر "زروہ اذان" لکھا تھا اور اذان' زروہ سے قدرے فاصلے پہ لکھا تھا۔ گویا وہ ڈائری شادی سے پہلے کی تھی اور بعد میں زری نے اس پہ اپنے نام کے ساتھ اذان کا نام لکھا تھا۔ تھی تو یہ غیر اخلاقی حرکت کہ آپ کسی کی بھی پرسنل چیز کو اس طرح بنا اجازت کے دیکھیں۔ خواہ وہ آپ کی بیوی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر پھر اذان نے یہ حرکت کی تھی اور جیسے جیسے وہ یہ ڈائری پڑھتا جا رہا تھا۔ اسے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی۔

اس ڈائری میں چھوٹی چھوٹی کئی باتیں تحریر تھیں۔ لیکن خاص خاص اور اس میں جس کا سب سے زیادہ ذکر تھا وہ خود اذان کا تھا۔

"میں بہت خوش ہوں آج' پھوپھو کی باتیں سن کر مجھے بہت اچھا لگا۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ خواہش برسوں سے میرے دل میں بھی دبی تھی۔" زری کے الفاظ تھے یہ اس نے لکھے تھے۔ اپنے دل کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس ڈائری میں' زری کے لفظوں میں صرف اذان ہی اذان تھا۔ بلال تو کہیں نہیں تھا۔

"تو کیا زری شروع ہی سے مجھ سے۔۔۔؟" اذان کی آنکھوں میں جیسے خوشی اتر آئی۔ اس کے دل میں زری کے لیے محبت کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ اس میں اذان کے سرد رویے کا بھی کئی جگہ ذکر تھا اسے معیز کی وروہ کے لیے بے چینی دیکھ کر اذان کے سرد رویے کا شدت کا احساس ہوتا تھا۔

اذان کو یہ سب پڑھتے ہوئے بہت برا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ان دونوں خود میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ وہ کسی اور کے بارے میں سوچ ہی نہیں پا رہا تھا۔ زری کے کیا احساسات ہیں' کیا جذبات ہیں وہ کبھی سمجھ ہی نہیں پایا تھا اور شاید اس وقت وہ سمجھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

"وروہ کی مہندی والے دن سب نے میری اتنی تعریف کی تھی مگر جس کی تعریف کی میں منتظر تھی اس نے تعریف کرنا تو دور میری طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا میں ان کے لیے محسوس کرتی ہوں۔ ویسا وہ نہیں کرتے۔ وہ خوش نہیں ہیں قطعی نہیں ہیں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ جب وہ خوش ہوتے ہیں تو ان کی آنکھیں بھی مسکرانے لگتی ہیں۔"

"میں خوش ہوں زری بے حد خوش ہوں۔ میں بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنی تم کرتی ہو۔ بالکل ویسا ہی تمہارے لیے محسوس کرتا ہوں جیسا تم محسوس کرتی ہوں۔" اور اس بار اذان یہ سب کچھ بالکل سچ کہہ رہا تھا۔ اور جب اس دن وہ لڑکھڑا کر گرنے کو تھی تو بلال نے اسے بڑھ کر تھاما تھا اور اسے کیا کہا تھا یہ بھی لکھا تھا زری نے۔ انہوں نے مجھے کہا۔

"خیال سے بہنا' ایک ہفتے بعد تمہاری بھی شادی ہے۔ موچ ووچ آگئی تو ہم اذان کو کیا جواب دیں گے۔" اس لیے زری مسکرائی تھی اور میں اس قدر شاکی ہو رہا تھا اس وقت کہ میں نے سوچا کہ وہ بلال کی کسی پیار بھری سرگوشی پہ مسکرائی ہے۔ اگر کبھی بلال کے دل میں ایسی کوئی بات تھی بھی تو یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں تھی۔ میرے دل میں بھی تو نجل کے لیے محبت نہ سہی پسندیدگی تو تھی ہی اور پھر زری کے دل میں تو ایسا کبھی کچھ تھا ہی نہیں اور نہ میں نے اپنی شادی

کے بعد بلال کے انداز میں ایسی کوئی بات دیکھی۔ اگر اب بھی ایسی کوئی بات ہوتی تو بلال، ثنا کے لیے اتنی خوشی سے کبھی ہاں نہ کرتا۔

اس رات اس نے جو دو سائے محمود ماموں کے گھر کی پچھلی طرف دیکھے تھے۔ جنہیں وہ زری اور بلال سمجھا تھا اور دل میں ہزاروں شکوک پال لیے تھے۔ وہ زری اور بلال نہیں بلکہ معیز اور وردہ تھے۔

"معیز بھائی، وردہ کو مایوں کے جوڑے میں دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کا نکاح تو ہو چکا تھا۔ پھر بھی اتنے سارے مہمانوں کے بیچ اور سب گھر والوں کی موجودگی میں ایسا ممکن نہیں تھا۔ معیز بھائی نے نایاب آپی کی اتنی منتیں کی تھیں اور تب کہیں جا کر نایاب مانی تھیں اور پھر جب تک وہ دونوں باہر بیٹھے تھے نایاب آپی اندر کھڑی رہی تھیں کہ کوئی آنہ جائے کیونکہ وردہ بہت ڈری ہوئی تھی اور وہ جانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ لیکن معیز بھائی کی ضد کے آگے اس نے ہار مان لی تھی۔ تبھی میرے دل میں بھی یہ خواہش ابھری تھی کہ کیا اذان کا دل نہیں چاہتا مجھ سے ملنے کو ان خوب صورت لمحوں کو انجوائے کرنے کو میں کتنی ہی دیر چپکے چپکے روتی رہی تھی۔ میرے دل کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔" یہ الفاظ اذان کے دل کو بہت تکلیف پہنچا گئے تھے۔ وہ ان دنوں زری سے بات تو کرنا چاہتا تھا مگر صرف اس ـــــ لیے کہ وہ اس شادی سے انکار کر دے۔ اس طرح بات نہیں کرنا چاہتا تھا جس طرح زری چاہتی تھی۔ واقعی اس نے تو ان خوبصورت لمحوں کو ضائع کر دیا تھا۔ وہ تو ایک لمحہ، ایک پل بھی انجوائے نہیں کر پایا تھا۔

اس نے کئی جگہ تجل کا بھی ذکر کیا تھا۔ اسے تجل کو اذان کے ساتھ دیکھ کر کتنا برا لگتا تھا۔ اذان کو تجل سے فون پہ بات کرتا دیکھ کر اسے کیسا لگتا تھا یہ بھی تو لکھا تھا۔ وہ اذان کی بے رخی پہ کس قدر دکھی ہوئی تھی یہ سبھی کچھ تو لکھا تھا اسے جھیل سیف الملوک بہت پسند تھی۔ اسے اذان کے ساتھ وہاں جانے کا شوق تھا۔ اسے وہاں اترتی پریوں کو اذان کے سنگ دیکھنا تھا۔ زری کو یہ بہت برا لگتا تھا کہ اسے اذان کی زندگی میں زبردستی شامل کر دیا گیا ہے اور وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ خوش نہیں ہے۔

"میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں زری، تمہاری سوچوں سے بھی کہیں زیادہ۔ میں نے کتنے خوبصورت لمحوں کو اپنی بے کار کی ضد میں آکر ضائع کر دیا ہے۔ میں نے اس لڑکی کا دل دکھایا ہے جو شاید دنیا میں مجھے سب سے زیادہ چاہتی ہے اور بنا کسی صلے کے چاہے جا رہی ہے۔ مگر اب میری باری ہے تمہیں وہ تمام خوشیاں دینے کی جس کی تمام حق دار ہو۔ میری ماں کا فیصلہ میرے لیے بہترین فیصلہ ہے اور آج میں اسے پورے دل سے تسلیم کرتا ہوں۔" اتنے دنوں میں آج پہلی بار اذان پورے دل سے مسکرایا تھا۔ اس کے لبوں پہ بہت دلکش مسکراہٹ پھیلی تھی۔ تمام کثافتوں، کدورتوں سے پاک سچی مسکراہٹ۔ اس کے دل سے تمام تر کثافتیں، کدورتیں مٹ چکی تھیں۔ وہ اب ایک نئی بھرپور زندگی گزارنے کو مکمل تیار تھا۔ جہاں ایک پرخلوص چاہنے والا ہم سفر اس کا منتظر تھا۔

☼ ☼ ☼

اذان کب سے تیار ہو کر لاؤنج میں اس کے آنے کا انتظار کر رہا تھا اور بار بار گھڑی کی طرف بھی دیکھ رہا تھا گزرتا وقت اسے احساس دلا رہا تھا کہ اب انہیں نکلنا چاہیے اور زری تھی کہ باہر آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ وہ اندر چلا یا آیا۔ جہاں وہ مکمل تیار کھڑی شیشے میں اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ وہی بلیک ڈریس پہنے وہ بالکل ویسی ہی لگ رہی تھی جیسا اس نے سوچا تھا! پھر اس سے بھی زیادہ حسین۔ لیکن پھر بھی جانے کیوں وہ اپنی تیاری سے مطمئن نہیں لگ رہی تھی۔ اذان بس بے خود سا اسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے دونوں کانوں میں الگ الگ ڈیزائن کے ایئر رنگ پہن رکھے تھے اور فیصلہ نہیں کر رہی تھی کہ کون سے زیادہ سوٹ کر رہے ہیں۔ اذان مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھ آیا۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔ اب چلیں۔ دیر ہو جائے گی۔" اذان نے اس کے دائیں کان میں پہنا دوسرا ایئر رنگ ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھا کر دیتے ہوئے اس کے عقب سے سرگوشی کی۔ زری نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"پلیز یہ زیادہ سوٹ کر رہے ہیں اور مجھے اچھے بھی لگ رہے ہیں۔" اذان نے چند لمحے انتظار کے بعد خود ہی وہ ایئر رنگ اس کے بائیں کان میں پہنا دیا تھا۔ زری کی تو ساری جان جیسے کان کی لو میں سمٹ آئی تھی۔ پھر اذان نے خود ہی پرفیوم بھی اٹھا کر اس پہ اسپرے کیا تھا۔ وہ بس ساکت سی کھڑی تھی۔ پہلو میں دھڑکتے دل کا شور تھا اور سامنے وہ دشمن جان۔

"اب چلیں۔ ویسے تم تیاری میں بہت دیر لگاتی ہو زری۔ یہ مجھے آج پتا لگا ہے۔" اس کا بیگ اٹھا کر اسے پکڑاتے ہوئے وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"چلیں۔" اذان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"پلیز۔" وہ جیسے نیند سے جاگی تھی اور ایک دم سے اس سے ہاتھ چھڑا لیا اور پھر اس سے پہلے ہی کمرے سے باہر بھی نکل آئی تھی۔ جب دل راضی نہ ہو تو یہ دکھاوے کی محبت اسے نہیں چاہیے تھی۔ اذان بھی حیران سا اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔ وہ جتنا اس کے قریب جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ ان میں فاصلہ اور بھی بڑھ رہا ہے۔ اول روز سے بھی کہیں زیادہ۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں جب دادو کے یہاں پہنچے تو پورے گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جیسے گھر میں کوئی نہ ہو۔ بس ملازمین تھے جو ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ اذان نے کسی سے بھی پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی وہ سیدھا دادو کے کمرے کی طرف آ گیا۔ زری یہاں پہلی دفعہ آئی تھی اس نے اذان کے بابا کا گھر پہلی دفعہ دیکھا تھا شاید بچپن میں کبھی دیکھا ہو مگر اسے یاد نہ تھا۔ وہ اذان کی ہمراہی میں دادو کے کمرے میں آ گئی جہاں وہ بستر پہ نیم دراز نگاہیں دروازے پر ہی جمائے ہوئے تھیں۔ جیسے ان دونوں کا ہی انتظار کر رہی تھیں۔ دادو ان دونوں کو دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئیں۔ کتنی ہی دیر تک زری کو خود سے لپٹائے دعائیں دیتی رہیں۔ اذان کو کتنی ہی دفعہ پیار کیا۔ دیر تک سینے سے لگائے رکھا۔ زری کو دادو اپنی دادو سے یکسر مختلف لگی تھیں۔ ان کے ہر انداز سے محبت جھلک رہی تھی جس کو اس کی دادو نے کبھی زندگی میں انہیں دل سے پیار نہیں کیا تھا۔ ہاں جب انہیں اپنی زیادتی کا احساس ہوا تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

"آپ کیسی ہیں دادو۔ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا۔" اذان ان کے ساتھ بیڈ پہ ان کے گرد بازو پھیلائے بیٹھا تھا جبکہ زری ان کے سامنے ہی بیڈ پہ بیٹھی تھی۔

"ٹھیک ہوں بیٹا۔ بڑھاپا ہے تو طبیعت اوپر نیچے ہوتی رہتی ہے۔ ورنہ اللہ کا بڑا کرم ہے اور اب تم آ گئے ہو تو پھر سے جی اٹھی ہوں۔" انہوں نے پھر سے اذان کی پیشانی چوم لی۔ ملازمہ چائے لے آئی تھی۔ یہ ملازمہ خاص طور پہ دادو کی دیکھ بھال کے لیے چھوٹے چچا نے رکھی تھی۔ وہ پھر بھی کچھ بہتر طبیعت کے تھے۔ دادو کا زیادہ نہیں مگر پھر بھی خیال رکھتے تھے۔

"آپ جائیں میں بنا لوں گی۔" زری نے ملازمہ کے ہاتھ سے ٹرے لے لی تھی۔

"ارے بیٹا۔ تم چھوڑو۔ رضیہ بنا دے گی۔" دادو نے اسے ٹوکا

"کوئی بات نہیں دادو میں بنا دوں گی۔" زری مسکرا کر چائے بنانے لگی تھی۔

"بنانے دیجیے دادو۔ زری چائے بہت اچھی بناتی ہے۔" اذان نے مسکرا کر دادو کو بتایا۔ زری نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سے چائے بنانے لگی۔ ملازمہ ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

"تم جاؤ رضیہ کوئی کام ہوگا تو میں بلالوں گی۔" دادو نے اسے اشارہ کیا۔ وہ جانے لگی تو اذان نے بنا گنے کتنے ہی نوٹ والٹ سے نکال کر اسے تھمادیے تھے۔ اذان جب بھی آتا تھا ایسے ہی اس کی مدد کردیا کرتا تھا اور اسے خاص تاکید کرتا تھا کہ وہ دادو کا خاص خیال رکھے۔

"اللہ آپ کو خوش رکھے صاحب۔ لمبی حیاتی عطا کرے۔ خوشیاں دے اللہ جوڑی سلامت رکھے۔" وہ دعائیں دیتی چلی گئی۔ دادو نے تو آمین کہا ہی تھا۔ لیکن اذان کے لبوں کی مدھم آمین بھی زری کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ اذان نے کس بات پہ کہا تھا۔ نگاہیں ملنے پہ وہ مسکرادیا تھا۔

"اذان تیری دلہن بہت اچھی ہے۔ بہت پیاری۔ اس کا خیال رکھنا کہ ایسی محبت کرنے والی بیوی اللہ نے تجھے دی ہے ہمیشہ اس کی قدر کرنا اس سے محبت کرنا۔" دادو کو زری بہت پسند آئی تھی۔

"آپ کو کیسے پتا لگا دادو یہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔" اذان کے لبوں پہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں شرارت اتر آئی۔

"اس کی آنکھوں میں صاف دکھ رہا ہے ایسا روشن چہرہ صاف آنکھیں کم ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں میری نظر ہی نہ لگ جائے کہیں اللہ دونوں کو نظر بد سے بچائے۔" دادو نے اپنے ہاتھ میں پہنے ہوئے کڑے اتار کر زری کو پہنادیے تھے۔

"دادو پلیز یہ کیا کررہی ہیں آپ۔ اپنے ہاتھوں سے کیوں اتار کردے رہی ہیں۔" زری نے انہیں ایسا کرنے سے روکا تھا۔

"ہش چپ۔ بڑوں کے آگے نہیں بولتے۔ وہ جو دیں خوشی سے لے لیتے ہیں۔"

زری نے محبت سے سب چیزیں سنبھال لیں۔

"اچھا ہوا آج گھر پہ کوئی نہیں ہے۔ ورنہ مجھے تم لوگوں کے ساتھ اتنی دیر بیٹھنے کا موقع نہ ملتا۔"

"کہاں گئے ہیں دادو سب لوگ آپ کو یوں اکیلا چھوڑ کر۔" زری نے کچھ دیر انتظار کیا تھا کہ شاید اذان پوچھ لے مگر وہ چپ رہا تو زری نے پوچھ لیا تھا۔

"سجل کو رخصت کرنے گئے ہیں سب۔" دادو نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ جیسے سوچ رہی ہوں کہ انہیں بتائیں یا نہ بتائیں۔

"ہاں نکاح تو اس نے کب کا کسی کو بتائے بغیر کرلیا تھا۔ یونہی تو اس آدمی نے اتنی ساری جائیداد اس کے نام نہیں کردی۔ مگر کسی کو پتا ہی نہیں چلا تھا پھر ایک دن اس آدمی کے بیوی بچوں نے گھر پہ آکر بہت شور مچایا تو سب کو پتا چل گیا۔ مگر دیر ہوچکی تھی وہ تو کتنے ہی دن اس آدمی کے ساتھ گزار آئی تھی۔ پھر وہ آدمی بھی اس کو طلاق دینے پر راضی نہ تھا۔ طلاق دیتا تو شاید ساری جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑتے۔ یوں آج سب اسے باقاعدہ رخصت کرنے گئے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں اللہ نے میرے اذان کو اس کے چنگل سے بچالیا۔ تمہاری ماں کو میں نے ہی تمہاری جلد شادی کا مشورہ دیا تھا اور دیکھو تمہاری ماں نے کیسی ہیرا لڑکی تمہارے لیے ڈھونڈی ہے۔ میرا تو دل ہولتا رہتا تھا جب وہ تمہارے آس پاس منڈلاتی تھی۔ کبھی ویسے تو اسے میرا حال پوچھنے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی اور جب تم آتے تھے تو گھڑی بھر کو تمہیں میرے پاس بیٹھنے نہ دیتی تھی مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تمہاری جان چھوٹی۔ تمہاری ماں نے اس گھر میں کون سے سکھ دیکھے ہیں جو یہ لڑکی تمہیں دیتی۔" دادو کی بات سن کر اذان کے ماتھے کی رگیں تن گئیں اس کی آنکھوں میں غصے کی سرخی لہرائی تھی۔ اسے سجل سے بے انتہا گھن محسوس ہورہی تھی۔

"ہاں البتہ صبوحہ شاید اوپر اپنے کمرے میں ہے۔ سجل کی بڑی بہن ہے صبوحہ تم تو نہیں جانتی ہوگی اسے، اس کے شوہر نے جانے کیوں کس وجہ سے طلاق دے کر دوسری شادی کرلی ہے۔ وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتی ہے۔ اسے کہتے ہیں مکافات عمل۔" دادو نے زری کو بتایا۔ جس کی نظریں اذان پہ تھیں۔ غصے سے اس کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں یا دکھ سے، زری سمجھ نہیں پائی۔ اذان نے بات پلٹ دی تھی۔ اسے اب سجل سے یا پھر اس گھر کے کسی بھی اور فرد سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مگر دادو کی باتوں نے ماما کی باتوں پر مہر لگادی تھی۔ کافی دیر دادو کے پاس بیٹھنے کے بعد وہ دونوں وہاں سے اٹھ آئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"ایک بات پوچھوں آپ سے۔" خاموش گاڑی ڈرائیو کرتے اذان کو زری نے مخاطب کیا۔ دادو کے گھر سے نکلنے سے لے کر اب تک وہ مسلسل خاموش تھا اور اس کی یہی خاموشی زری کو کئی باتیں کہہ رہی تھی۔

"بالکل پوچھو، اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔" اذان نے گیئر بدلتے ہوئے کہا۔ اس کا موڈ بالکل نارمل نظر آرہا تھا۔

"آپ کو سجل کی شادی کا سن کر دکھ ہوا؟"

"کیوں مجھے کیوں دکھ ہوگا۔" اسے زری سے اس احمقانہ سوال کی امید نہیں تھی۔

"کیونکہ آپ اسے پسند کرتے تھے یا پھر محبت تھی آپ کو اس سے۔" زری نے بہت غور سے اسے دیکھا۔ شاید اس کے تاثرات دیکھنا چاہ رہی تھی کہ اگر وہ جھوٹ بھی بولے تو پتا چل جائے۔

"ہاں بہت دکھ ہوا۔ پتا ہے میں تو آج یہ سوچ کر گیا تھا کہ سجل سے مل کر مستقبل کی پلاننگ کروں گا۔ شادی کی ڈیٹ بھی فکس کروں گا۔ مگر افسوس سجل نے جلد بازی کی۔ کاش وہ تھوڑا انتظار کرلیتی۔" اذان نے کہتے ہوئے کن انکھیوں سے زری کو دیکھا۔ حالانکہ ایسا کچھ نہیں تھا جیسا زری سمجھ رہی تھی۔ اسے دادو کی بات سن کر دکھ ہوا تھا۔ مگر اس بات پر نہیں کہ وہ سجل کو پسند کرتا تھا اور اس کی اس سے شادی نہ ہوسکی۔ یہ بات تو اب اس کے دل میں دور دور تک کہیں تھی ہی نہیں، بلکہ اس بات پہ ہوا تھا کہ وہ کس قدر خود پسند اور لالچی لڑکی ہے کہ اس نے ایک بسے بسائے گھر کو برباد کردیا اور دوسری طرف اسے بھی ویسے ہی بے وقوف بنانے کی کوشش کررہی تھی۔

"دیر اس نے نہیں آپ نے کردی۔ اگر آپ سے اتنی ہی محبت تھی تو آپ کو بہت پہلے اس سے شادی کرلینی چاہیے تھی، تاکہ یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔" زری کے دل کو تکلیف ہوئی تھی۔ مگر پھر بھی وہ ضبط کرگئی۔ وہ کبھی اس کا نہیں ہوسکتا۔ یہ اس نے جان لیا تھا۔ اسی پل سگنل پہ گاڑی رکی تھی۔

"صاحب گجرے لے لو صاحب، بالکل تازہ ہیں۔" ایک بارہ، تیرہ سال کے بچے نے گاڑی کا شیشہ بجایا تھا۔ اذان نے زری کی طرف دیکھا، تاکہ اس سے پوچھ سکے کہ اسے گجرے چاہئیں یا نہیں۔ مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ لڑکا مسلسل شیشہ بجا رہا تھا، اذان نے شیشہ نیچے کرلیا تھا۔

"صاحب بالکل تازہ گجرے ہیں۔ بی بی جی کے لیے لے لونا صاحب۔" اس بچے نے خود ہی دو گلاب اور موتیے کے پھولوں سے بنے گجرے اسٹک سے اتار کر اسے پکڑا دیے تھے۔ اذان نے اسے پیسے دیے اور واپس شیشہ چڑھا دیا۔ زری اب اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ لیکن اس نے گجرے لینے کو ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ اسی پل سگنل کھلا تھا تو اذان نے گجرے ڈیش بورڈ پہ ڈال دیے۔ اور گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ زری کی آنکھیں جھلملانے لگیں، پہلے تو اس کی بات ہی دل کو اس قدر دکھی کرگئی تھی اور اب یہ گجرے پہنانا تو دور کیا ہوجاتا اگر ہاتھ میں دے دیتے۔

"کیا ہوا زری، تم ٹھیک ہو۔" اسی پل اذان کی نگاہ پاس بیٹھی زری پر پڑی تھی۔ درمیان میں اتنا فاصلہ تو نہ تھا، مگر پھر بھی بہت فاصلہ تھا۔

"زری تم رو رہی ہو کیا ہوا ہے؟" زری کے جواب نہ دینے پر وہ بے چین ہوا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں، کچھ نہیں ہوا ہے، آپ گھر

چلیں۔" اس سے پہلے کہ وہ گاڑی روکتا' زری نے کہہ دیا تھا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ مگر پھر بھی چند آنسو اس کی گود میں رکھے ہاتھوں پہ گرے تھے۔

"زری پلیز مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔ میری کوئی بات بری لگی ہے تو آئی ایم سوری' ویری سوری' پلیز بتاؤ مجھے۔" مصیبت یہ تھی کہ وہ مین روڈ پر تھا اور اب گاڑی روک بھی نہیں سکتا تھا۔ ورنہ دل کر رہا تھا کہ اس کے آنسو پوروں پہ چن لے۔ وہ از حد بے چینی محسوس کر رہا تھا اور زری تھی کہ کچھ بتا ہی نہیں رہی تھی۔

"میں نے کہا نا میں ٹھیک ہوں اور آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کیوں مجھ سے معافی مانگ رہے ہیں۔ کس بات کی معافی مانگ رہے ہیں۔ معافی تو مجھے آپ سے مانگنی چاہیے کہ میری وجہ سے آپ کی زندگی خراب ہو گئی۔ آپ کی محبت آپ کو نہ مل سکی۔ خدا کی قسم اگر مجھے پتا ہوتا کہ آپ اس شادی سے خوش نہیں ہیں تو کبھی بھی اس شادی کے لیے ہاں نہ کرتی۔ میں نے تو بس بڑوں کی مرضی پہ اپنی دل کی رضا سے سر جھکا دیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ ہمیشہ کی طرح میں یہاں بھی ان چاہی ہی رہی ہوں گی' جیسے ہمیشہ رہی ہوں۔" وہ اپنا ضبط کھو چکی تھی۔ آنسو قطار در قطار اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ تکلیف حد سے زیادہ تھی۔

"کیا ہو گیا ہے زری' میں تو مذاق۔۔۔"

"بس کریں' پلیز مت بہلائیں۔ بچی نہیں ہوں میں۔ سب جانتی ہوں' سمجھتی ہوں۔" زری نے درمیان سے اس کی بات کاٹ دی۔ یہ دکھاوا' یہ بے قراری اور بے چینی کس کام کی جب دل میں کوئی اور ہو اور پہلو میں کسی اور کو بٹھا رکھا۔

"تم میری بات بھی سنو گی یا نہیں' میں کیا کہنا چاہتا ہوں' تم وہ بھی تو سنو نا۔" اذان نے گاڑی سائیڈ پر روک دی تھی اور مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"کیا سنوں میں' بہت برے لگتے ہیں مجھے ایسے لوگ جو دل میں کسی اور کو لیے پھرتے ہیں اور شادی کسی اور سے کرتے ہیں۔ میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ میرا ہم سفر ایک ایسا انسان ہوگا جس کے دل میں بھی اور گھر میں بھی ہر طرف میں ہوں گی۔ مگر میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور مجھے ایک ایسے انسان کی رفاقت ملی جو میرا من چاہا ہے۔ مگر میں اس پر کسی ناپسندیدہ چیز کی طرح مسلط کر دی گئی ہوں اور یہ مسلط کر دینے کی تکلیف بہت اذیت دیتی ہے۔ آپ جس سے محبت کرتے ہیں' دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں۔ وہ آپ کو دیکھنا بھی پسند نہ کرے تو کیا تکلیف نہیں ہو گی۔ میں نے ہمیشہ یہ تکلیف سہی ہے۔ اپنے ماں' باپ کی زندگی میں چوتھی بیٹی بن کر آئی' یہ بھی میرا قصور تھا۔ میرا بھائی میرے ساتھ پیدا ہوا۔ مگر جی نہ سکا' یہ بھی میرا قصور تھا۔ میرے ماں باپ کے یہاں میرے بعد کوئی اور اولاد نہ ہوئی' یہ بھی میرا قصور تھا۔ آپ کی زندگی میں زبردستی شامل کر دی گئی یہ بھی میرا قصور ہے' تو اب اور کیا سنوں' کب تک برداشت کروں۔"

نہ جانے کیوں وہ اس قدر جذباتی ہو رہی تھی۔ اس نے دونوں ہتھیلیوں سے آنسو پونچھے تھے۔ وہ کچھ بھی سننے سمجھنے کو تیار نہیں تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک وہ بالکل ٹھیک تھی۔ نہ جانے اسے کیا بات بری لگی تھی۔ اذان سمجھ نہیں پایا تھا' تو کیا عورت کے کوئی جذبات نہیں ہوتے' کوئی احساسات نہیں ہوتے' جب چاہا اسے پاس بلا لیا' محبت کر لی اور جب چاہا اسے کسی بے کار چیز کی طرح پرے پھینک دیا۔

"زری پلیز تم ایک بار میری بات سنو' میرا وہ مطلب نہیں تھا کہنے کا جو تم سمجھ رہی ہو' میں تو ایسے ہی مذاق کر رہا تھا' تم غلط سمجھ رہی ہو۔" اذان کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیسے سمجھائے۔ اذان سے اس کی تکلیف دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

"میں اس وقت کچھ سننا نہیں چاہتی' مجھے بس گھر جانا ہے۔" زری نے گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کیا۔ سخت لہجے میں کہہ کر رخ موڑ لیا تھا۔

"زری ایک بار۔۔۔" اذان نے گود میں دھرے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھنا چاہا تھا۔ زری نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھوں کو پرے کیا تھا۔ اذان سن سا بیٹھا رہ گیا۔

"اس قدر بد گمانی۔۔۔ ——— یہ تو میری بات سننے کو تیار ہی نہیں ہے۔" ان دونوں میں فاصلہ گھٹنے کی بجائے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ مگر جتنے دور تھے اتنے ہی پاس بھی تھے۔ وہ رخ موڑے بیٹھی تھی۔ اب رو نہیں رہی تھی۔ مگر کچھ تو ایسا تھا اس کے انداز میں کہ اذان نے اسے دوبارہ مخاطب نہیں کیا تھا۔ گاڑی لا کر سیدھی گھر کے پورچ میں روک دی۔ جیسے ہی گاڑی رکی' زری اس سے پہلے ہی اتر کر اندر چلی گئی تھی۔ اس کے وہ سارے گفٹس بھی گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ دھرے تھے جو دادو نے اسے دیے تھے اور وہ گجرے بھی ڈیش بورڈ پہ پڑے تھے۔ اذان کتنے ہی لمحے گاڑی میں بیٹھا رہا۔ زری کی ناراضی اپنی جگہ درست تھی۔ لیکن کم از کم وہ اذان کی بات تو سنے' اسے کچھ کہنے کا موقع تو دے۔ لیکن وہ کچھ بھی سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔ وہ یہی سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

تائی جان نے ثنا کے لیے بلال کا رشتہ قبول کر لیا تھا۔ گھر میں سب ہی بے انتہا خوش تھے۔ کیونکہ کسی کو بھی اس بات کی امید نہیں تھی کہ تائی جان مان جائیں گی۔ لیکن تائی جان نے شاید جان لیا تھا کہ ان کی بیٹی کی خوشیاں بلال سے جڑی ہیں اور شاید اس سے پہلے ٹھکرائے گئے رشتوں کا سبب بھی بلال ہی کی ذات ہے۔ کیونکہ اب ثنا کی آنکھوں میں سچی خوشی انہیں واضح نظر آئی تھی۔ دونوں کی بات طے کر کے شادی کی تاریخ ایک ماہ بعد کی طے کر دی گئی تھی۔ گھر میں شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ بازاروں کے چکر لگ رہے تھے۔ کارڈز سلیکٹ ہو رہے تھے۔ مہمانوں کی لسٹ بن رہی تھی۔ غرض سب ہی مصروف تھے۔ ایسے میں ایک دن باتھ روم میں پھسلنے سے تائی جان کے پیر میں موچ آ گئی۔ چوٹ گو کہ زیادہ نہیں تھی۔ صرف موچ ہی آئی تھی۔ پھر بھی ڈاکٹر نے انہیں دس دن کا بیڈ ریسٹ بتایا تھا اور ایسے میں جب شادی میں بس کچھ ہی دن رہ گئے تھے۔ وہ کس طرح بیڈ ریسٹ کر سکتی تھیں۔ جبکہ گھر میں کوئی اور ساری تیاریاں دیکھنے والا بھی نہیں تھا۔ بڑی بہو آ تو گئی تھیں' لیکن اس بار بھی انہوں نے سسرال میں ٹھہرنے کی بجائے میکے میں ٹھہرنے کو ترجیح دی تھی اور احمر کو بھی وہیں روک لیا تھا۔ ورنہ کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ زیادہ بھاگ دوڑ کر سکتی تو ایسے میں تائی جان کا پریشان ہونا لازمی تھا۔ ایسے میں انہیں زری نے تسلی دی تھی۔

"تائی جان' آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ ہم سب ہیں نا' سب سنبھال لیں گے' میں ہوں' نایاب آپی ہیں' رباب آپی بھی آ جاتی ہیں اور ورہ بھی جتنا ہو سکتا ہے ہیلپ کروا دیتی ہے۔ ماما' پھوپھو ہیں' ہم سب کر لیں گے۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ جو کرنا ہے مجھے بتائیں' آپ آرام کریں' تاکہ شادی کے دن تک مکمل ٹھیک ہو جائیں۔" تائی جان کی آنکھوں میں مارے تشکر کے آنسو آ گئے۔ جن لوگوں کو ہمیشہ غلط سمجھتی رہیں' مشکل وقت میں ان لوگوں نے ہی انہیں ہمیشہ سنبھالا تھا۔

☼ ☼ ☼

زری آج کل مکمل گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ نائبہ چاچی کا تو کوئی کام اس کے بغیر ہوتا ہی نہیں تھا۔ اب تو تائی جان نے بھی مکمل ذمہ داری اس کے اوپر ڈال دی تھی۔ ثنا کا کوئی کام اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا تھا۔ ایسے میں اذان کو اس سے بات کرنے کا بالکل بھی موقع نہیں مل رہا تھا۔ یا وہ شاید موقع دینا بھی نہیں چاہ رہی تھی۔ زری کی برتھ ڈے آ رہی تھی اور وہ اس سے پہلے ہر حال میں اسے منا لینا چاہتا تھا۔ اس کی تمام ناراضی دور کرنا چاہتا تھا۔ اسے بتا دینا چاہتا تھا کہ وہ جیسا سمجھ رہی ہے' ویسا نہیں ہے' اس کے دل میں اول دن سے

صرف اس کا ہی بسیرا ہے اور وہ اس بات کو سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنے کمپیوٹر پہ آفس کا کچھ کام کرتا یہی باتیں سوچ رہا تھا۔ زری ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی وہ کمپیوٹر شٹ ڈاون کرکے اپنے بیڈ روم میں آگیا۔ جہاں زری بیڈ پہ نیم دراز سی شاید اس کا انتظار کرتے کرتے سوگئی تھی کہ اذان کمرے سے باہر آئے تو وہ وہاں جاکر سوسکے۔ وہ بہت تھک گئی تھی شاید۔ ورنہ اس طرح کبھی بھی اس کے بیڈ پہ نہیں سوتی تھی۔

شادی کی رات کے بعد یہ دوسرا موقع تھا۔ جب وہ بیڈ پہ سو رہی تھی۔ اذان کتنے ہی لمحے وہاں کھڑا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ لائٹ گرین کلر کے سوٹ میں وہ اسے کمزور سی لگی۔ اس کی پیشانی کا تل آج بھی بالکل ویسے ہی چمک رہا تھا جیسے ہمیشہ چمکتا تھا۔ اذان کو اپنا دل کھنچتا محسوس ہوا۔ اس کے قدم اس کی طرف بڑھ آئے۔ وہ اس کے بالکل پاس آکر کھڑا ہوگیا تھا۔ جانے کتنے ہی پل یوں ہی بیت گئے تھے۔ وہ پتا نہیں واقعی اتنی گہری نیند سو رہی تھی یا یوں ہی آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ اذان سمجھ نہیں سکا۔ مارچ شروع ہوچکا تھا۔ سردی کی شدت میں کافی حد تک کمی آچکی تھی۔ مگر راتیں اب بھی سرد تھیں اور اس وقت بھی کمرے کی کھڑکی کھلی ہونے کی وجہ سے کمرے میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جھوم جھوم کر آرہے تھے۔ جس کے سبب کمرے میں خاصی ٹھنڈک تھی۔ اذان نے جھک کر کمبل اس پر ڈال دیا۔ بالوں کی اک لٹ اس کے چہرے پہ در آئی تھی۔ اذان کا دل چاہا اسے اپنے ہاتھوں سے سنوار دے۔ جانے یہ اس کی قربت کا احساس تھا یا پھر اس کی گرم سانسیں زری کے چہرے سے ٹکرائی تھیں۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور اذان کو اپنے قریب پایا تھا۔

"لیٹی رہو، مت اٹھو پلیز، بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔" اذان نے اسے کندھوں سے تھام کر اٹھنے سے روکا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں، بس انتظار کررہی تھی کہ آپ اپنا کام ختم کرکے آئیں تو جاکر سوؤں۔ جانے کیسے آنکھ لگ گئی۔" وہ شرمندہ سی تھی۔

اس رات اس نے اذان سے بہت بدتمیزی کی تھی۔ اس بات کا زری کو شدت سے احساس تھا۔ اس طرح سے کبھی بھی کسی سے بات نہیں کرتی اور خاص کر اذان سے تو کبھی نہیں، مگر اس دن پتا نہیں اسے کیا ہوگیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

"کوئی بات نہیں، تم یہیں سوجاؤ۔" اذان کو بہت برا لگ رہا تھا کہ وہ آرام سے اتنی سردی کے دنوں میں بیڈ پہ یہاں سوتا رہا ہے اور وہ وہاں بے آرامی سے کیسے سوتی ہوگی۔ حالانکہ اچھی طرح جانتا تھا کہ زری کبھی بے آرامی سے نہیں سوسکتی۔ اسے کبھی اپنے بستر کے بغیر نیند نہیں آتی۔

"آپ کو پرابلم ہوگی، میں وہیں ٹھیک ہوں۔" وہ بیڈ سے اٹھنے لگی۔

"نہیں مجھے کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔ مجھے پرابلم اس وقت ہوگی اگر تم وہاں جاکر بے آرامی سے سوؤ گی۔ میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں۔ پلیز مجھے اور شرمندہ مت کرو، مجھے اتنا برا لگ رہا ہے کہ میں یہاں آرام سے سوتا رہا اور تم کیسے وہاں اتنی بے آرام..... آئی ایم سوری زری، مجھے کبھی خیال ہی نہیں آیا۔" محبت کا احساس جاگا تو تمام احساسات جاگ اٹھے تھے۔

"تم سوجاؤ پلیز، ہاں اگر تمہیں کمفرٹیبل نہ لگے تو میں وہاں سوجاؤں گا، تم یہاں آرام سے سوجاؤ۔"

"نہیں پلیز، آپ بھی سوجائیں یہیں۔ آپ وہاں سوئیں گے تو مجھے اچھا نہیں لگے گا۔" اس کے اٹھتے قدموں کو زری کی آواز نے روک لیا۔ جب اسے خود ہی احساس تھا تو وہ اسے مزید کیا کہتی، پچھلے کئی دنوں سے اذان بالکل پہلے جیسا ہی ہوگیا تھا۔ بالکل ویسے ہی اس کا خیال رکھنے لگا تھا۔ جیسے ہمیشہ رکھتا تھا، بلکہ اب تو اس کا سایہ بن گیا تھا۔ زری کو لگ رہا تھا کہ وہ بدل رہا ہے یا بدلنے لگا ہے۔ وہ زری کے کہنے پر اثبات میں سر ہلا کر بیڈ کی دوسری سائیڈ آ بیٹھا تھا۔ زری ابھی تک الجھی ہوئی تھی۔ گویا سوچ رہی تھی کہ یہاں سوجائے یا اٹھ کر جائے۔

اذان نے اس لمحے دل سے دعا کی تھی کہ وہ اٹھ کر نہ جائے۔ وہ خاموشی سے اپنی طرف کا لیمپ آف کرکے سونے کے لیے لیٹ گیا۔ دوسرا کمبل کھول کر سینے تک تان لیا تھا۔ وہ کروٹ کے بل لیٹا تھا اور زری کی طرف اس کی پشت تھی۔ جانے کتنے لمحے ایسے بیتے تھے۔ وہ ابھی بھی جاگ رہا تھا۔ اسے اپنے قریب آہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس نے ذرا سی گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ کروٹ کے بل سر تک کمبل تانے لیٹی تھی اور ایک تکیہ ان دونوں کے بیچ رکھا تھا۔ گویا وہ آہٹ تکیہ رکھنے کی تھی۔ اذان کے لبوں پہ مسکراہٹ امڈ آئی تھی۔ وہ اٹھ کر نہیں گئی تھی۔ اذان کے لیے یہ خوش آئند بات تھی۔ وہ سچ میں اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ اس رشتے کو دل سے ماننے لگا تھا۔ وہ ساری رات زری نے اسی کروٹ پہ لیٹے لیٹے ہی گزار دی تھی۔

☆ ☆ ☆

اذان نے زری کے برتھ ڈے کے لیے ایک سرپرائز ڈنر پلان کیا تھا۔ مگر اسے اپنا پلان اس وقت ڈراپ کرنا پڑا جب اسے پتا چلا کہ اسے بارہ تاریخ کو ایک میٹنگ اٹینڈ کرنے اسلام آباد جانا ہوگا، تو وہ دل مسوس کر رہ گیا۔

"تیرا دماغ خراب ہے۔ میری شادی میں اتنے کم دن رہ گئے ہیں اور تجھے سیر سپاٹے سوجھ رہے ہیں۔ اتنے سارے کام کرنے ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں بھی جانے کی۔" بلال نے سنتے ہی اسے لتاڑا تھا۔ وہ سب اس وقت تائبہ چاچی کی طرف جمع تھے۔ جب اذان نے انہیں بتایا کہ کل وہ دو دن کے لیے اسلام آباد جارہا ہے۔

"یار مجھے احساس ہے، مگر میں گھومنے نہیں جارہا۔ ایک بہت ضروری میٹنگ ہے، جسے پہلے میرے کولیگ نے اٹینڈ کرنا تھی۔ مگر ان کے گھر میں کوئی ایمرجنسی ہوگئی ہے، سو اب ان کی جگہ مجھے جانا پڑ رہا ہے۔ میں خود بالکل نہیں جانا چاہ رہا تھا۔" اذان نے بلال کو بتایا۔ اسے خود بہت برا لگ رہا تھا۔ اس کے سارے پلان کا ستیاناس ہوگیا تھا۔ مگر وہ کیا کرسکتا ہے۔ جانا تو تھا۔

"تو تم بھی کہہ دو نا کہ تم نہیں آسکتے۔ تمہارے گھر میں بھی کام ہیں۔ زری تم ہی سمجھاؤ نا یار اسے۔" بلال نے پاس بیٹھی زری کو پکارا تھا۔

"میں کیا سمجھاؤں۔" زری لاپروائی سے کہہ کر پھر سے تائبہ چاچی کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"تم منع کروگی تو یہ نہیں جائے گا نا۔ تمہارا حق بنتا ہے اسے روکنے کا اور اس کا فرض ہے تمہاری بات ماننے کا۔" معیز نے بھی فوراً ہی بلال کی ہمنوائی کی تھی۔

"مجھے زبردستی کے حق جتانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" وہاں سے اٹھتے ہوئے زری کی سرگوشی اتنی مدھم ہرگز نہیں تھی کہ اذان سن نہ پاتا۔ اذان کے لبوں پہ مدھم مسکراہٹ بکھر گئی۔

"بلال کیا ہوگیا ہے بیٹا۔ ضروری کام ہے تو جانا تو پڑے گا نا۔ دو دن کی تو بات ہے۔ مت ٹوکو بار بار، خیر سے جائے، خیر سے لوٹے۔" تائبہ چاچی کے ٹوکنے پہ پھر بلال نے اسے کچھ نہیں کہا تھا۔ پھر جاتے سمے وہ پھوپھو کے کہنے پر اسے گاڑی تک چھوڑنے آئی تھی۔ اذان بالکل اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"میں نے اپنی ذات کے تمام حقوق بخوشی تمہارے نام کردیے ہیں۔ اپنے دل کی تمام تر رضامندی کے ساتھ ہمیشہ کے لیے، دوبارہ ایسی بات نہ کرنا دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ اتنی بھی بدگمانی اچھی نہیں ہوتی اور ہاں اپنا بہت خیال رکھنا، میں دیکھ رہا ہوں کہ کام میں لگ کر اور کچھ مجھ سے ناراضی کے سبب غصے میں آکر تم اپنا بالکل خیال نہیں رکھ رہی ہو اور یہ اچھی بات نہیں ہے زری! تمہارے دل میں میرے لیے جتنی بھی شکایتیں ہیں، جتنے بھی گلے شکوے ہیں، سب جمع کرلو، بہت جلد دور کردوں گا، بس تھوڑا سا انتظار۔" اذان

نے سامنے کھڑی زری کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ وہ ساکت ہی تو ہو گئی تھی۔ بس دل کے دھڑکنے کی آواز تھی جو بہت واضح تھی۔

"دیر ہو رہی ہے' چلتا ہوں' ورنہ دل تو چاہتا ہے کہ ساری عمر یہیں گزار دوں۔ مگر مجبوری ہے جانا ہے' فون کروں گا' اپنا خیال رکھنا۔" پیشانی پہ محبت کا وہ لمس اسے دہکا گیا تھا۔

اذان گاڑی میں بیٹھ کر جا چکا تھا اور زری کتنے ہی لمحے وہاں کھڑی رہی تھی۔ وجود میں جیسے روشنی سی بھر گئی تھی۔ آنکھوں میں' لبوں پہ ستارے اتر آئے تھے۔ دل الگ جشن پہ آمادہ تھا۔ اس کے چاروں کونوں میں محبت رقص کر رہی تھی۔ وہ میرا ہے' وہ دل سے میرا ہے' یہ احساس ہی دل نشین تھا۔ شادی کے بعد آج پہلی بار اسے اذان کے انداز میں' لب و لہجے میں' اس کی آنکھوں میں خوشی نظر آئی تھی' دل کی آمادگی نظر آئی تھی۔ اس کی پیشانی کا تل مسکرا رہا تھا کہ اسے محبت بخشی گئی۔ وہ امر ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

انہیں ثنا کا برائیڈل ڈریس خریدنا تھا۔ سو زری' ثنا اور نائبہ چاچی کے ساتھ بازار چلی آئی تھی۔ اب دو گھنٹے ہو چکے تھے اور ثنا کو کوئی ڈریس پسند ہی نہیں آ رہا تھا۔ کتنی ہی دکانیں وہ لوگ دیکھ چکی تھیں۔ ثنا اور نائبہ چاچی تو بالکل فریش تھیں۔ البتہ زری اب بے زار ہونے لگی تھی۔ کیونکہ اس کا برتھ ڈے تھا اور اس کا سارا دھیان اپنے سیل فون میں اٹکا تھا۔ جو وہ گھر بھول آئی تھی۔ سب نے اسے رات کو ہی وش کر دیا تھا' لیکن اذان کی کال نہیں آئی تھی۔ اسے ایک دن بعد واپس آنا تھا اور زری کو پورا یقین تھا کہ وہ اس کا برتھ ڈے ضرور یاد رکھے گا اور اسے فون بھی کرے گا۔ کیونکہ جانے سے پہلے اس نے کہا تھا کہ وہ کال کرے گا۔ لیکن اب جلدی جلدی میں وہ اپنا فون گھر پہ بھول آئی تھی اور اب پتا نہیں یہاں اور کتنی دیر لگنی تھی۔

"زری کہاں گم ہو یار' دیکھو یہ کیسا لگ رہا ہے۔"

اپنے ہی خیالوں میں گم زری کو ثنا نے مخاطب کیا تھا۔ زری چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ جو ایک برائیڈل ڈریس کا دوپٹہ خود سے لگائے کھڑی تھی۔

"ہاں بہت پیارا لگ رہا ہے۔ تم پر سوٹ کرے گا۔" زری تمام خیالوں کو جھٹک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ واقعی شاکنگ پنک کلر اس کی رنگت پہ کھل رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اذان کب سے اس کے سیل پہ ٹرائی کر رہا تھا۔ اس کا فون مسلسل بند مل رہا تھا۔ وہ رات کو ہی اسے فون کرنے والا تھا۔ لیکن فلائٹ لیٹ تھی' سو اس وجہ سے وہ ہوٹل لیٹ پہنچا۔ کچھ وہ ہوٹل بھی ایئر پورٹ سے کافی دور تھا۔ جہاں اس کے ٹھہرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ سو جب وہ کھانا وغیرہ کھانے کے بعد کمرے میں تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ یعنی بارہ بجنے میں ایک گھنٹہ ابھی باقی تھا۔ وہ بیڈ پر نیم دراز اپنے لیپ ٹاپ پہ کل کی میٹنگ کی تیاری کرنے لگا۔ بارہ بجنے میں بیس منٹ تھے۔ جب اس نے لیپ ٹاپ بند کر کے رکھا اور یوں ہی ذرا ستانے کو آنکھیں بند کی تھیں کہ چند لمحوں میں تھکن اس کی پلکوں پر اتر آئی اور وہ منٹوں میں غافل ہو گیا تھا۔

رات کے تین بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تھی۔ گھڑی میں ٹائم دیکھ کر اسے افسوس نے گھیر لیا۔ کیا تھا اگر وہ بیس منٹ مزید لیپ ٹاپ آف نہ کرتا۔ کام کرتا رہتا تو نیند تو نہ آتی اور پھر باقی کی ساری رات اس کی بے چینی کی نذر ہوئی تھی۔ وہ زری کو بہت مس کر رہا تھا۔ اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ لیکن رات اس قدر گہری ہو چکی تھی' سو اس کی ڈسٹربنس کے خیال سے اسے کال نہیں کی۔ اتنے سے دنوں میں اپنے بیڈ پہ بھلے فاصلے پہ ہی سہی' مگر اس کو ساتھ دیکھنے کی عادت پڑ گئی تھی اور آج اسے ہوٹل کا یہ کمرہ سے زیادہ تاریک اور تنہا لگ رہا تھا' اب صبح سے جب تک اس کی میٹنگ شروع نہیں ہوئی تھی وہ وقفے وقفے سے اس کے سیل پہ ٹرائی کر رہا تھا۔ مگر اس کا مسلسل بند تھا۔ بالآخر اذان نے گھر کے نمبر پہ کال

تھی۔

"ماما زری کہاں ہے' کب سے اس کے سیل پہ ٹرائی کر رہا ہوں' مسلسل سوئچ آف ہے۔" اذان نے تھوڑی دیر ماما سے بات کرنے کے بعد پوچھا تھا۔ میٹنگ ختم ہوتے ہی اس نے پہلا کام اسے کال کرنے کا کیا تھا۔

"بیٹا وہ تو ثنا اور نائبہ بھابھی کے ساتھ بازار گئی ہے۔ ثنا کو اپنی شادی کا جوڑا لینا تھا۔ سیل کے شاید سگنلز نہ آ رہے ہوں' کیوں خیریت ہے۔" پھوپھو کو اچھا لگا تھا اس کا اس طرح زری کے لیے پوچھنا۔ کچھ دنوں سے وہ اذان کو بدلا بدلا سا دیکھ رہی تھیں۔ وہ بالکل ویسے ہی زری سے بات کرنے لگا تھا۔ جیسے پہلے کرتا تھا۔ اس کی آنکھیں بہت کچھ عیاں کرتی تھیں اور پھوپھو کو یہ بدلاؤ اچھا لگ رہا تھا۔

"جی ماما خیریت ہے۔ بس کچھ بات کرنی تھی' ٹھیک ہے' میں بعد میں کال کر لوں گا۔" اذان کو مایوسی ہوئی تھی سن کر اور سیل فون کے بارے میں وہ جانتا تھا' زری ایسی ہی لاپروا ہے۔

"ٹھیک ہے بیٹا جیسے تمہاری مرضی' اذان کب آ رہے ہو جانی۔ سب بہت مس کر رہے ہیں تمہیں۔"

"مجھے بھی سب بہت یاد آ رہے ہیں ماما' ان شاء اللہ کل تک آ جاؤں گا۔" اذان نے یقین دہانی کے ساتھ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فون رکھ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن شام سات بجے کی فلائٹ سے وہ واپس آیا تھا اور وہ اس قدر تھکا ہوا تھا چائے پیتے ہی وہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ زری کا دل چاہا کہ اس کے پیچھے جائے' مگر دل مسوس کر بیٹھی رہی۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کل اس نے فون کیوں نہیں کیا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اذان اس کا برتھ ڈے بھول گیا تھا اور اسے وش بھی نہیں کیا تھا۔ کل جیسے تیسے وہ شاپنگ نبٹا کر آئی تو

گھر آتے ہی اس نے سب سے پہلے اپنا فون تلاش کیا تھا۔ جو اسے اپنے بیڈ روم میں ڈریسنگ ٹیبل پہ ملا تھا۔ اسے آن کیا۔ حسب معمول بیٹری ڈاؤن تھی۔ چارج پہ لگایا' مگر کوئی میسج نہیں تھا۔ وہ کتنی دیر انتظار کرتی رہی۔ کوئی ایس ایم ایس' کوئی کال نہیں آئی۔ وہ غصے سے سیل فون آف کر کے دراز میں رکھ آئی تھی۔ دل میں بدگمانی پھر سے ابھر آئی تھی۔ زری کی عجیب حالت تھی۔ وہ سامنے تھا تو اسے نظر انداز کرتی تھی۔ اس سے بات نہیں کرتی تھی اور جب وہ دور تھا تو دل اس کے ساتھ کا تمنائی تھا۔ اس کی آواز سننا چاہتا تھا۔ اس سے بات کرنے کو مچل رہا تھا۔

وہ کافی دیر وہاں لاؤنج میں بیٹھی رہی تھی۔ پھوپھو اٹھ کر گئیں تو وہ دل کی آواز پہ لبیک کہتی اٹھ کر کمرے میں چلی آئی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلتے ہی اس کے پرفیوم کی مخصوص خوشبو نے چھو کر یہ احساس دلایا تھا کہ اس کا مکین لوٹ آیا ہے۔ کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی تھی اور وہ بیڈ پہ اوندھے منہ پڑا بے ترتیب سا لیٹا تھا۔ سانسوں کا ارتعاش بتا رہا تھا کہ وہ گہری نیند میں ہے۔ زری دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کی طرف آئی تھی۔ کمبل کا کونا ذرا سا بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا۔ اس نے جھک کر ٹھیک سے کمبل اس پر ڈالا تھا۔ کمبل ڈال کر سیدھی ہوئی تو نگاہ جس طرف وہ سوتی تھی اس طرف کی سائیڈ ٹیبل پہ پڑی تھی۔ وہاں ایک خوب صورت ریپر میں ریپ ہوا گفٹ رکھا تھا۔ جس کے اوپر ایک ادھ کھلی گلاب کی کلی رکھی تھی اور ______ کارڈ بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ یقیناً اس کا برتھ ڈے گفٹ تھا اور کمرے میں آتے ہوئے اس نے زری کو مبہم سا اشارہ کیا تھا۔ کمرے میں آنے کے لیے' لیکن شاید وہ سمجھ نہیں پائی تھی اور وہیں بیٹھی رہی۔ اذان کتنی ہی دیر اس کا انتظار کرتا رہا اور جب وہ کافی دیر نہیں آئی تو اس کی آنکھ لگ گئی۔ اذان نے وہ گفٹ سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔

"تو گویا اسے میرا برتھ ڈے یاد تھا اور بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ میرا برتھ ڈے بھول جائے۔" خوب

صورت مسکراہٹ نے تیزی سے اس کے چہرے کا حصار کیا۔

"تھینک یو اذان' تھینک یو سو مچ' لیکن میں یہ گفٹ ایسے نہیں لوں گی' یہ میں تب لوں گی جب آپ اپنے ہاتھوں سے مجھے دیں گے' تب مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔" وہ گفٹ اٹھائے بغیر کمرے سے نکل آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

پورا گھر میوزک سے گونج رہا تھا۔ درانی ہاؤس رنگ و خوشبو سے مہک رہا تھا۔ نائبہ چاچی اور احمد چاچو کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بلال کے والدین' اس کے بہن بھائی' کزنز سب ہی اس کی شادی میں شرکت کے لیے آچکے تھے۔ پورا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ زری کچن میں مہمانوں کے لیے رات کے کھانے کی تیاری دیکھ رہی تھی۔ ساتھ ہی وہاں موجود ماما سے باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ جب ہی عمر نے اسے ایک شاپنگ بیگ لا کر تھمایا۔

"کہاں ہو یار تم' پورے گھر میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں تمہیں' یہ لو پکڑو۔" عمر نے بیگ اسے پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا ہے؟" زری نے بیگ تھامتے ہوئے پوچھا تھا اور ذرا کی ذرا اس میں جھانکا بھی تھا۔

"مجھے نہیں معلوم اس میں کیا ہے۔ اذان بھائی نے دیا ہے تمہارے لیے' تم خود دیکھ لو۔" عمر عجلت میں احمد چاچو کی آواز پہ باہر نکل گیا تھا۔

زری وہ بیگ لیے کچن سے باہر آگئی۔ اس میں ایک نہایت خوب صورت گرین کلر کا ڈریس تھا۔ لائٹ گرین سوٹ' جس کی آستینیں ریڈ شفون کی چنری پرنٹ کی تھیں اور ویسا ہی ریڈ چنری کا دوپٹہ تھا۔ گلے اور قمیص کے دامن پر خوب صورت کام بنا تھا۔ ریڈ سلور خوب صورت combination کی کڑھائی میں کہیں کہیں ڈارک گرین نگینوں کا بھی استعمال کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی میچنگ جیولری بھی تھی اور میچنگ کھسے بھی۔ بلاشبہ یہ مہندی کی تقریب میں پہننے کے لیے آئیڈیل سوٹ تھا۔ زری کو یہ جوڑا بہت پسند تھا۔ لیکن اس کا پہننے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ بیگ اٹھا کر اس نے الماری میں رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

آج "درانی ہاؤس" کے خوب صورت لان میں بلال اور ثنا کی مہندی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ابھی تقریب شروع ہونے میں ٹائم تھا۔ نائبہ چاچی کے پورشن کی سیڑھیاں جو سفید پورشن میں جاتی تھیں' ان کی ریلنگ میں جو لائٹیں لگائی گئی تھیں' وہ ٹھیک سے کام نہیں کر رہی تھیں۔ اذان ایک آدمی کو لے کر احمد چاچو کے کہنے پر انہیں ٹھیک کروانے آیا تھا۔ کیونکہ معیز کی اپنی بہن کی شادی تھی تو لازمی بات ہے۔ اسے سب کچھ دیکھنا تھا اور احمد چاچو اور بلال نے تمام تر ذمہ داری اذان پہ ڈال دی تھی۔ حالانکہ بلال کی تمام بہن بھائی' کزنز وغیرہ سب ہی آئے ہوئے تھے۔ جتنا فرینک وہ اذان اور معیز سے تھا اتنا ان لوگوں سے نہیں تھا۔ سو وہ بھی اپنے ہر چھوٹے بڑے کام کے لیے اذان کو ہی پکار رہا تھا۔ لائٹیں ٹھیک ہو چکی تھیں۔ وہ سیڑھیوں کے درمیان کھڑا تھا۔ جب اس کی نظر اندر لاؤنج میں کارپٹ پہ مہندی کی پلیٹیں سجاتی زری پہ پڑی' اور بھی دو' تین لڑکیاں اس کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

"زری بیٹا۔ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں' جلدی کرو بیٹا' مہمان آنے والے ہیں۔ سب تیار ہو چکے ہیں۔"

سفینہ نے اسے یوں بیٹھے دیکھ کر کہا۔

"جی ماما' بس پانچ منٹ' ابھی جاتی ہوں۔" اس نے چہرے پہ بکھرے بالوں کو بمشکل پرے کیا۔ کیونکہ پلیٹیں سیٹ کرتے ہوئے اس کے ہاتھوں پہ جابجا مہندی اور ڈسکو وغیرہ لگ گئی تھی۔ سفینہ اسے جلدی کام ختم کرنے کی تاکید کرتی چلی گئیں۔ اسے اپنے لائے ہوئے لباس میں دیکھنے کا تصور ہی دل کش تھا۔ اذان کو وہ منظر اس قدر دلکش لگا تھا کہ وہ وہیں ٹھہر گیا۔ سوا سٹیپس میں کٹے بال کیچر میں جکڑے ہونے کے باوجود بار بار اس کے چہرے پہ آجاتے تھے۔ اذان نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تھی۔ اک پل کو اس کا دل چاہا کہ وہ جائے اور اس کی لٹوں کو سنوار دے۔ لیکن آس پاس بہت سے لوگ تھے۔ مناسب نہیں لگتا تھا۔ دفعتاً" اس کی نگاہ سامنے دیوار میں لگے چھوٹے سے پیڈسٹل فین پہ پڑی۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے آن کر دیا تھا اور اس کا رخ زری کی طرف کر دیا تھا۔ لٹیں ہوا سے اڑنے لگیں۔ اس نے نگاہ اٹھا کر ہوا کا مرکز تلاش کیا تھا۔ سامنے ہی اذان گرل سے ٹیک لگائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ بلیک شلوار قمیص میں گلے میں چنری کا دوپٹہ ڈالے تقریب کے لیے مکمل تیار' بہت دل کش لگ رہا تھا۔ وہ مسکرائی اور پھر اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"تھینک یو۔" دھیمے سے کہتے ہوئے اس نے شرارت سے اپنے مہندی بھرے ہاتھوں کی انگلیاں لحہ بھر کو اس کے گال پہ رکھی تھیں۔ ذرا سی مہندی اس کے گال پہ لگ گئی۔ اذان نے اس کی شرارت کو بہت انجوائے کیا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ خوشی سے' شرارت سے اس کے اتنا قریب آئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کے ہاتھوں کو تھام لیتا' وہ مسکراتے ہوئے دور ہٹ گئی۔ وہ اس کے پیچھے لپکا تھا۔ لیکن بھلا ہو نائبہ چاچی کا وہ زری کو پکارتی ہوئی آرہی تھیں۔ سو اذان کو وہیں رکنا پڑا تھا گال سے مہندی چھڑاتا وہ نیچے لان میں چلا آیا۔

☼ ☼ ☼

تقریب کا آغاز ہو چکا تھا۔ ثنا کو رسم کے لیے لایا جا چکا تھا۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے اذان کی نگاہوں نے اس حصے میں زری کو تلاشا تھا۔ جہاں خواتین جمع تھیں۔ گرین ڈریس میں کھلے بالوں کے ساتھ گلابوں کے کنج کے پاس کھڑی وہ زری ہی تھی۔ اذان کے قدم بے ساختہ ہی اس طرف اٹھے تھے۔

"تم ہمیشہ سے اتنی خوب صورت ہو یا پھر مجھ سے شادی کے بعد ہو گئی ہو' یا پھر میری محبت کا اعجاز ہے۔" اپنے کانوں میں مدھم سرگوشی نے زری کو پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ بے شک سامنے وہی تھا۔ وہ رسم کرنے کے بعد یہاں آکھڑی ہوئی تھی۔ مگر یہ کیا اس نے ڈریس تو گرین کلر کا ہی پہن رکھا تھا۔ لیکن وہ یہ ڈریس ہرگز نہیں تھا جو اذان اس کے لیے لایا تھا اور اذان کو دور سے دیکھنے پر محسوس ہوا کہ — یہ وہی ڈریس ہے۔ اذان اس کا ہاتھ تھام کر شور سے دور لے آیا۔

"تم نے وہ ڈریس کیوں نہیں پہنا۔ جو میں تمہارے لیے لایا تھا۔" آنکھوں میں خفگی کا تاثر نمایاں تھا۔

"کون سا ڈریس۔" زری نے انجان پن سے پوچھا تھا۔

"وہی جو میں تمہارے لیے لایا تھا اور میں نے عمر کے ہاتھ بھیجا تھا۔" بے شک وہ اس وقت اس قدر خوب صورت لگ رہی تھی کہ اذان چاہتے ہوئے بھی اپنی نگاہیں اس پر سے ہٹا نہیں رہا تھا۔

"اچھا وہ' عمر کے ہاتھ بھیجا تھا نا' جب خود لائے تھے تو خود دے بھی دیتے تو شاید میں پہن بھی لیتی۔ لیکن عمر کے ہاتھ بھیجی ہوئی چیز میں کیوں استعمال کروں۔" زری نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا تھا جو ابھی تک اذان نے تھام رکھا تھا۔ واقعی زری کو بہت برا لگا تھا اس کا اس طرح عمر کے ہاتھ بھیجنا' کیا اس کے پاس اتنا بھی ٹائم نہیں تھا کہ وہ لمحوں کو اس کے پاس آکر وہ ڈریس دے دیتا تو اسے بہت اچھا لگتا' خوشی ہوتی۔

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہاں اگر تم یہ کہو کہ تم پہننا نہیں چاہتی تھیں تو وہ اور بات ہے' باقی جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ خفگی سے کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ زری خاموشی سے اسے وہاں سے جاتا ہوا دیکھتی رہی تھی۔

"فرق پڑتا ہے اذان' بہت فرق پڑتا ہے۔ مجھے بہت فرق پڑتا ہے۔ میرے لیے وہ جوڑا اہم ہے' کیونکہ وہ آپ میرے لیے لائے تھے۔ لیکن وہ تب زیادہ اہم ہو جاتا جب آپ اپنے ہاتھوں سے مجھے دیتے۔ میرے لیے اہمیت تحفوں کی نہیں آپ کی ہے۔"

☆ ☆ ☆

تقریب ختم ہو چکی تھی۔ سب مہمان آہستہ آہستہ کرکے جا رہے تھے اور جو رہ گئے تھے۔ انہیں یہیں رہنا تھا۔ کھانا وغیرہ کھانے کے بعد سب لوگ وہیں لان میں اکٹھے بیٹھ گئے تھے۔ کیونکہ کل کا دن فری تھا اور شادی پرسوں تھی۔ سو آج کی رات کم از کم فی الحال کسی کا سونے کا ارادہ نہیں تھا اور اس وقت سوائے شاء اور شاید چند لوگوں کے باقی سب ہی لوگ یہاں موجود تھے۔ چائے کافی کا دور چل رہا تھا۔

"پھوپھو یہ اذان کدھر ہے۔ کافی دیر سے دکھائی نہیں دیا۔" معیذ کو فوراً" اس کی کمی محسوس ہوئی تھی۔

"ہاں واقعی' زری دیکھنا بیٹا' کہاں ہے' کہیں اپنے کمرے میں جاکر سو نہ گیا ہو' پھر بھی جاکر دیکھ لو بیٹا۔" پھوپھو نے فوراً" ہی زری کو کہا تھا۔

"جی پھوپھو' میں دیکھتی ہوں۔" وہ اٹھ کر اندر کی طرف آگئی تھی۔

لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر آئی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنے بیڈ روم کی طرف چلی آئی جانتی تھی اذان اس کی بات سے ہرٹ ہوا ہے اور اب یقیناً" اس کا موڈ خراب ہوگا اور وہ اپنے کمرے میں ہی ہوگا۔ لیکن کمرے میں مکمل اندھیرا تھا اسے پہلے تو کچھ دکھائی ہی نہیں دیا تھا اس نے فوراً" ہی لائٹ آن کی تھی پورا کمرا روشنی میں نہا گیا۔

"کیا بات ہے آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں باہر سب لوگ آپ کو پوچھ رہے ہیں۔" وہ کھڑکی میں کھڑے اذان کے پاس چلی آئی جس نے لائٹ آن ہونے پر بھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

"اذان میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔" وہ اس کے جواب نہ دینے پہ اس کے قریب چلی آئی تھی۔

"تم جاؤ۔ میں آرہا ہوں۔" وہ اب بھی پلٹے بنا ہی بولا تھا۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں۔" زری نے دھیرے سے اس کے بازو پہ ہاتھ رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ کی ترنماہٹ اذان کے بازو میں اتر آئی تھی پھر بھی وہ ویسے ہی کھڑا رہا تھا۔ زری نے اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔

"کیا مجھے ایسا کوئی حق ہے۔ کیا میری' میری باتوں کی' میری ناراضی کی' میری لائی ہوئی چیزوں کی تمہاری زندگی میں کوئی اہمیت ہے۔" اذان نے اسے دیکھتے ہوئے الٹا سوال پوچھا تھا۔

"بالکل ہے اور بہت پہلے سے ہے۔ مگر میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ میں آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتی ۔ مجھے وہ سوٹ بہت اچھا لگا تھا اور میں اسے پہننا بھی چاہتی تھی۔ لیکن میرے نزدیک چیزوں سے زیادہ آپ کی اہمیت ہے۔ مجھے برا یہ لگا کہ کیا آپ کے پاس کچھ منٹ بھی نہیں تھے کہ آپ میرے پاس آتے اور خود مجھے وہ گفٹ دیتے اور بہت حق سے مجھے کہتے کہ تم کل اسے ہی پہنو گی اور پھر اگر میں نہ پہنتی تو آپ ناراض ہو جاتے۔ کیونکہ جب ہم کسی کے لیے تحفہ خریدتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کی پروا کرتے ہیں اور جب ہم اس انسان کو وہ تحفہ مان اور عزت کے ساتھ دیتے ہیں تو اس کا بھی مان بڑھ جاتا ہے اور اسے ہماری محبت کا احساس ہوتا ہے۔ محبت کا احساس دلانا بہت ضروری ہوتا ہے اذان ورنہ محبت بس ایک بھولی بسری یاد بن کر رہ جاتی ہے۔

"میں آپ کی بیوی ہوں اور آپ سے مان' محبت اور ضد سے تحفے وصول کرنا میرا حق ہے۔ یہ نہیں کہ گجرے لے کر ڈیش بورڈ پہ ڈال دیئے اور بریتھ ڈے تحفہ لاکر سائیڈ ٹیبل پہ سجا دیا اور آج اتنا اچھا جوڑا امی کے ہاتھ بھجوا دیا جیسے فرض ادا کر رہے ہوں زبردستی دے رہے ہوں۔" وہ اب بھی اس کا بازو تھامے ہوئے تھی۔ اذان مسکرا دیا۔ ناراضی جیسے پل میں ہوا ہو گئی تھی۔

"تو یہ سب کچھ پہلے نہیں بتا سکتی تھیں خوا مخواہ میرا موڈ خراب ہوا۔" اذان نے بے ساختہ ہی اس کی سرخ ناک کو چھوا تھا بالکل ویسے ہی جیسے کیا کرتا تھا اور آج اتنے عرصے بعد زری کو اس کا اس طرح کرنا بہت اچھا لگا تھا۔

"سب کچھ میں ہی بتاؤں' خود کچھ نہیں سمجھ سکتے اور ہاں آپ نے کہا تھا نا کہ سارے شکوے شکایات جمع کرلوں تو جو جمع کیے تھے ان میں سے چند یہ ہیں ابھی اور لمبی لسٹ ہے۔ جس میں ابھی مزید ایڈیشن ہونا ہے سو وہ کبھی فرصت سے بتاؤں گی ابھی چلیں باہر سب لوگ آپ کو بلا رہے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی اور جانے کو قدم بڑھائے تھے۔ اذان کا ہاتھ ابھی تک اس نے تھام رکھا تھا۔ مگر اذان نے قدم بڑھانے کی بجائے اس کا ہاتھ تھام کر اسے واپس اپنی طرف کھینچ لیا وہ توازن قائم نہ رکھتے ہوئے اس کے سینے سے آلگی اور پھر یکدم ہی دور ہٹی تھی لیکن گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ بمشکل چند انچ کا فاصلہ ہی قائم رکھ پائی تھی۔

"اور وہ فرصت کب ملے گی آپ کو۔ میں شدت سے اس لمحے کا منتظر ہوں زری۔" اذان نے دوسرے ہاتھ سے ــــ اس کا چہرہ اوپر کیا تھا۔ اس کی لرزتی پلکیں' سرخ رنگت بتا رہی تھی کہ اس وقت اس کے دل کی دھڑکن کس قدر تیز ہو گئی ہے۔ زری سے بولنا دوبھر ہو گیا تھا۔ ایسی قربت پہلے بھلا کب اسے ملی تھی۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" وہ اب بھی منتظر تھا۔

"پتا نہیں۔۔۔ یا شاید بہت جلد۔" بمشکل وہ بولی۔ اس کی گردن کا تل شرما رہا تھا چھپ رہا تھا جیسے بادل کی بدلی میں چاند چھپ جاتا ہے۔ وہ ویسے ہی وہ اس سے دور ہٹ گئی تھی۔ اذان اس کا ہاتھ تھام کر باہر آگیا تھا جہاں سب ان کے منتظر تھے۔ زری اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔ وہاں سب باتیں کر رہے تھے۔ گانے گا رہے تھے ساتھ ساتھ بلال کو چھیڑ بھی رہے تھے اور وہ بھی ان کا بھرپور جواب دے رہا تھا۔ رات کے دوسرے پہر ٹھنڈک خاصی بڑھ گئی تھی۔ اذان نے ایک نگاہ زری کو دیکھا تھا اسے شاید سردی لگ رہی تھی اذان نے اپنے کندھوں پر پڑی شال اس پر بھی پھیلا دی تھی۔ زری نے چونک کر اسے دیکھا تھا اور پھر اس کا بازو تھام کر اس کے مزید قریب ہو گئی اس خوبصورت منظر کو وردہ نے کیمرے میں ہمیشہ کے لیے مقید کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کا کھانا کھانے کے بعد سب احمد چاچو کی طرف جمع تھے۔ کل کے فنکشن کے بارے میں ہی ڈسکشن ہو رہا تھا۔ زری ماما سے اپنے کل کے فنکشن میں پہننے والے کپڑوں کے بارے میں ڈسکس کر رہی تھی۔

"زری بیٹے تمہاری مہندی کا کلر کتنا خوبصورت آیا ہے۔" ماما نے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ واقعی اس کے ہاتھوں پہ بہت ڈارک کلر آیا تھا۔ شادی کے بعد اس نے پہلی بار مہندی لگائی تھی۔ وہ ماما سے باتیں کر رہی تھی جب پنکی نے آکر اسے کہا کہ اسے اذان بلا رہا ہے۔ وہ ماما سے اجازت لے کر اٹھ کھڑی ہوئی

"کہاں ہو یار کب سے بلا رہا ہوں۔" وہ اسے آتے دیکھ کر ہی اس کے پاس چلا آیا۔

"ہاں ابھی پنکی نے بتایا۔" وہ مسکرا کر اسے بتانے لگی۔

"اچھا چھوڑو سب باتیں تم میرے ساتھ آؤ۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر
اسے ساتھ لیے بیڈ روم کی طرف آگیا۔

"اب آنکھیں بند کرو اور میرے ساتھ آؤ۔" اس نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"اوکے۔" وہ آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔ اذان نے اس کا حنائی ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ اسے اندر بیڈ روم میں لے آیا تھا۔ اذان نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی تھی۔ پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا۔ وہ خاموشی سے آنکھیں بند کیے کھڑی تھی ملتی جلتی کتنی ہی خوشبوئیں

اس کی سانسوں سے ٹکرا رہی تھیں لیکن وہ سمجھنے سے قاصر تھی اور بنا اجازت کے وہ آنکھیں کھول نہیں سکتی تھی۔

"اب آنکھیں کھول لو زری۔" اجازت ملتے ہی اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

مگر یہ کیا آنکھیں بند کرنے سے پہلے وہ کسی اور جہان میں تھی اور اب آنکھیں کھولنے کے بعد وہ کسی اور ہی جہان میں پہنچ چکی تھی۔ یہ وہ کمرہ تو نہیں تھا جو وہ صبح چھوڑ کر گئی تھی یہ تو کوئی اور ہی کمرہ تھا کمرے میں بہت اعلا سجاوٹ نہایت کم وقت میں کی گئی تھی۔

کمرے کی چاروں دیواروں پر جا بجا گلاب کی کلیاں لگی تھیں۔ چاروں کونوں میں بڑے بڑے گلے رکھے تھے۔ بیڈ کور کو مکمل گلاب کی پتیوں نے چھپا رکھا تھا وہ حیرت سے دیکھ رہی تھی اسے یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اذان اس کا ہاتھ تھام کر اسے سینٹرل ٹیبل کے پاس لے آیا تھا جہاں پھولوں کے بیچ میں ایک کیک رکھا تھا۔

"کیک کاٹو زری۔" اذان نے اسے خاموش کھڑا دیکھ کر کہا۔

"یہ تمہارا برتھ ڈے کیک ہے۔ تھوڑا لیٹ ہو گیا ہے مگر کوئی بات نہیں جب ہم ساتھ ہوں گے برتھ ڈے بھی کبھی منائیں گے نا۔ پتا ہے یہ میں نے تمہارے برتھ ڈے پہ پلان کیا تھا لیکن افسوس میٹنگ کی وجہ سے وہ پلان ڈراپ کرنا پڑا اور ابھی شاید میں ایک دو دن اور انتظار کر لیتا لیکن تمہاری بدگمانیوں کو دور کرنے کے لیے یہ ضروری تھا سو میں نے انتظار کرنا مناسب نہیں سمجھا کیسا لگا تمہیں یہ سب۔" وہ نگاہوں میں محبت بھرے اسے دیکھ رہا تھا وہ کیا کہتی اتنی محبت پا کر تو اس کے لفظ ہی جیسے گم ہو گئے تھے۔ سرشاری اس کے وجود میں اتر رہی تھی۔

"کیا ہوا اچھا نہیں لگا۔" وہ تھوڑا کنفیوز ہوا۔

"نہیں بہت اچھا لگا۔" وہ دھیمے سے بولی۔ اذان نے خود ہی اس کا ہاتھ تھام کر ذرا سا کیک کاٹ دیا۔

"ہیپی برتھ ڈے زری۔ تھوڑا لیٹ ہو گیا لیکن کوئی بات نہیں چلے گا۔" اذان نے ذرا سا کیک اٹھا کر اسے کھلایا تھا۔

"اور ہاں یہ تمہارا برتھ ڈے گفٹ اس سے پہلا کہ پھر سے تمہیں برا لگ جائے اور ہاں اس دن جب میں اسلام آباد سے آیا تھا' میں نے بلایا تھا روم میں گفٹ دینے کے لیے لیکن تم نے سمجھا ہی نہیں اور میں سمجھا شاید تم جان کر نہیں آئی سو میں نے وہ گفٹ سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔ پتا ہوتا کہ تمہیں اتنا برا لگے گا تو ماما کے سامنے ہی آ کر تمہیں دے دیتا۔" اس نے وہی گفٹ اسے تھما دیا تھا۔

"تھینک یو۔ تھینک یو سو مچ۔" اتنی محبت پا کر زری کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے تھے۔ اذان نے فوراً ہی وہ قیمتی موتی اپنی پوروں پر چن لیے تھے۔

"زری میری ایک فرمائش ہے پوری کرو گی۔" اذان نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ زری نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"میرے لیے پھر سے دلہن بنو گی۔ بالکل ویسے ہی جیسے ہماری شادی پہ بنی تھیں۔ میں ان لمحوں کو واپس تو نہیں لا سکتا لیکن ان کا ازالہ تو کر سکتا ہوں نا۔" محبت نے دھیرے سے اس کے ماتھے کو چھوا تھا۔

"ضد اور ناراضی میں یا اپنی محبت میں تب تو آپ کو اپنی محبت کے آگے کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔" زری نے خفگی سے کہا۔

"وہ محبت نہیں تھی زری۔ وہ ایک وقتی احساس تھا جس نے چند دنوں کو مجھے گھیر لیا تھا اب اگر میں سوچوں تو مجھے اس میں محبت کہیں نظر نہیں آتی۔ مجھے کبھی اس سے محبت تھی ہی نہیں۔ میں نے کبھی اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہاں میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ہمیشہ خود ہی میرے پاس آتی تھی۔ دادو سے ملنے جاتا تھا تو وہ وہاں آ کر بیٹھ جاتی تھی اس نے خود ہی ہمیشہ مجھے احساس دلایا کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے تو میں نے بھی سوچا کہ ٹھیک ہے کسی نہ کسی سے تو شادی کرنی ہے نا تو وہی سہی لیکن میں غلط تھا وہ محبت نہیں تھی وہ اس کی غرض تھی جس میں وہ مجھے جکڑ لینا چاہتی تھی قید کر لینا چاہتی تھی لیکن میری ماں کے ایک بروقت فیصلے نے مجھے قید ہونے سے بچا لیا اور پھر مجھے تمہاری محبت نے جکڑ لیا اور اس طرح جکڑا کہ اب میں بھی اس قید سے اس جکڑ سے آزاد نہیں ہونا چاہتا.... محبت تو یہ ہے زری اصل اور سچی محبت بنا کسی غرض کے بالکل شفاف پانی جیسی تم نے ہر لمحہ' ہر پل میرا ساتھ دیا ہے۔ میرے ہر اچھے برے رویے کو برداشت کیا ہے اب کبھی یہ مت کہنا کہ تم ان چاہی ہو تم یہاں میرے دل میں بہت خاص مقام پہ رہتی ہو۔ آج میں برملا کہتا ہوں کہ ہاں مجھے تم سے محبت ہے اور بس میں ہمیشہ صرف تم سے ہی محبت کرنا چاہتا ہوں تم کرو گی مجھ سے محبت؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ بلیک جینز اور ڈارک براؤن ــــــ شرٹ پہنے وہ اس لمحے اس کے دل میں اتر رہا تھا وہ بھلا اس کی کسی بات سے کیسے انکار کر سکتی تھی۔

"مجھے تو ہمیشہ سے ہی آپ سے محبت ہے۔ یہ کوئی آج کی بات تو نہیں یہ تو صدیوں پرانا قصہ ہے۔ میں تو خود نہیں جانتی کہ کب سے آپ کی محبت نے میرے دل میں بسیرا کر رکھا ہے۔ ہاں جب سے محبت کا مفہوم سمجھ آیا ہے تب سے خود کو آپ کی محبت میں ہی گرفتار پایا ہے۔" مقابل بھی جب محبت کا اظہار کرے تو محبت کا اعتبار بڑھ جاتا ہے جیسے اس پل زری کا بڑھ گیا تھا۔

"تو پھر کرو گی میری فرمائش پوری؟ میں آج کی رات کو اپنی زندگی کی یادگار رات بنانا چاہتا ہوں جسے ہم ہمیشہ یاد رکھیں۔" اذان نے پھر پوچھا۔

"بالکل کروں گی۔"

"تو پھر ڈریسنگ روم میں جاؤ اور تیار ہو کر آؤ۔ وہاں تمہاری تیاری کی ساری چیزیں رکھی ہیں' میں انتظار کر رہا ہوں۔" اذان نے اسے ڈریسنگ روم کی طرف دھکیلا تھا۔

وہ ڈریسنگ روم میں چلی آئی۔ وہاں سامنے ہی ایک انتہائی خوبصورت ریڈ کلر کا ڈریس ہینگر میں لٹکا تھا۔

اس کے ساتھ کی میچنگ جیولری بھی سامنے ہی پڑی تھی جیولری میں جھومر ٹیکا سب ہی کچھ تو تھا وہ مسکراتے ہوئے تیار ہونے لگی تھی اور جب مکمل تیار ہو کر خود کو آئینے میں دیکھا تو خود کو پہچان ہی نہیں پائی تھی۔ من چاہا ہونے کا احساس اس وقت زری کو مزید خوبصورت بنا رہا تھا۔ وہ تیار تو ہو گئی تھی مگر باہر جاتے ہوئے اسے جھجک محسوس ہو رہی تھی وہ اذان کا سامنا کیسے کرے گی وہ اس کی بولتی نگاہوں میں کیسے دیکھ پائے گی۔ وہ کتنے ہی پل یہی سوچتی رہی تھی۔

"زری اب آ جاؤ یار۔" تبھی اذان نے اسے آواز

دی تھی تو اسے باہر آنا ہی پڑا۔ جہاں وہ شدت سے اس کا منتظر تھا ــــــــــــــ جب وہ سامنے آئی تو جیسے ہر چیز تھم سی گئی تھی ' ہر چیز اس کے آگے ماند پڑ گئی تھی۔ ریڈ ڈریس میں ملکے میک اپ کے ساتھ میچنگ جیولری پہنے وہ اتنی ہی مکمل اتنی ہی حسین لگ رہی تھی اس کے منتخب کردہ لباس میں وہ سیدھی اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ وہ کتنے ہی پل مبہوت سا کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر اس کے پاس چلا آیا تھا وہ نگاہیں جھکائے کھڑی تھی۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" وہ اس پر نگاہیں ٹکائے پوچھ رہا تھا۔

"کون سی بات۔" زری نے بے ساختہ ہی نگاہیں اٹھائی تھیں۔

"تم ہمیشہ سے ہی اتنی خوبصورت ہو یا مجھ سے شادی کے بعد ہو گئی ہو۔" وہ اس کے اس قدر قریب جھکا کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا کہ اس کی سانسوں کی گرمی سے زری کو اپنے چہرے پہ تپش کا احساس ہونے لگا۔

"پتا نہیں۔" وہ ہولے سے کہتی رخ موڑ گئی۔ ڈرتی تھی کہیں اس کی نگاہوں سے پگھل نہ جائے۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"یہ ماما نے تمہارے لیے دیا تھا شاید تمہیں یاد ہو مگر میرے خیال میں آج اس کے دینے کا صحیح وقت ہے۔" اس نے دھیرے سے وہ کنگن اس کی نرم کلائیوں میں پہنا دیے

"اور یہ میری طرف سے۔" اب وہ اسے چین پہنا رہا تھا۔ زری نے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پہ نگاہ کی تھی گولڈ کی چین میں ایک لاکٹ تھا جس میں گولڈ کے ساتھ سفید نگینوں سے بہت واضح زروہ اذان لکھا تھا کہیں میرون نگ بھی جڑے تھے اسے وہ لاکٹ بہت پسند آیا تھا۔

"اب تو مجھ سے ناراض نہیں ہو نا۔" وہ اس کے ہاتھوں میں گجرے پہناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"دیکھو میں نے آج گجرے بھی ادھر ادھر ڈالنے کی بجائے تمہیں خود پہنائے ہیں۔"

"اپنی زندگی سے بھی کبھی بھلا کوئی ناراض ہوتا ہے ہاں بس آپ سے کچھ شکایتیں تھیں جو آپ نے دور کر دیں ۔ آپ نے میرے لیے اتنا سب کچھ کر کے میرا مان بڑھا دیا ہے میرے دل میں آپ کے لیے محبت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ آپ سے بھلا کیسے ناراض ہو سکتی ہوں۔ آپ ہی تو ہیں جس نے شروع سے لے کر آج تک مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ ہاں میں بھی محبت کے قابل ہوں۔" زری نے اس کے ہاتھوں کو اپنے حنائی ہاتھوں میں جکڑ لیا۔

"اور تمہاری وہ لمبی فہرست۔" اذان نے اس کے حنائی ہاتھوں کو لبوں سے لگا لیا۔ ان کی بھینی بھینی خوشبو اس کی سانسوں میں اتر رہی تھی۔

"وہ تو میں ایسے ہی کہہ رہی تھی۔ کوئی لمبی فہرست نہیں تھی۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ کتنی آسودہ مسکراہٹ تھی اس کی اس لمحے وہ پور پور بچی اذان کے دل میں اتر رہی تھی۔ قدم قدم دور نہیں گہرائی میں۔ اس کے حواسوں پہ چھا رہی تھی۔ اذان نے بے ساختہ اس کی پیشانی کے تل کو چھوا تھا۔ وہ پھر سے اپنی قسمت پہ نازاں ہوا تھا۔

"سنو۔ میں نے تمہیں اتنے سارے گفٹس دیے تم مجھے کچھ نہیں دو گی کم از کم وہ گفٹس ہی دے دو جو میرے لیے خرید کر بھی چھپا کر الماری میں رکھے ہوئے ہیں۔" اذان کے لبوں پہ شرارتی مسکراہٹ تھی۔

"کون سے گفٹ اور آپ نے کب دیکھے۔" وہ حیرت سے بولی تھی اور شک سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ سب کچھ تو میں نے بہت پہلے دیکھ لیا تھا۔" وہ مزے سے بولا تھا۔

"آہ۔ وہ میری پرسنل ڈائری تھی۔" وہ بے ساختہ چلائی تھی۔

"کوئی بات نہیں تم بھی تو میری پرسنل ہو اور ہاں اگلے ہفتے ہم جھیل سیف الملوک جا رہے ہیں۔" اذان نے بے ساختہ اسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا وہ اس کے سینے سے آ لگی تھی۔

"بہت بری بات ہے اذان۔" اس نے اس کے سینے پہ ہاتھ رکھ کر فاصلہ پیدا کیا تھا۔

"اور جیسے یہ تو بہت اچھی بات ہے نا۔" اذان کا اشارہ سینے پہ رکھے ہاتھ کی طرف تھا۔ وہ پشیمانی تھی۔

"اور جو تم رات کو سوتے وقت بیچ میں تکیہ رکھ کر سوتی ہو جیسے وہ بہت اچھی بات ہے نا۔"

"اور جو تم روز صبح مجھے خود اٹھانے کی بجائے الارم سیٹ کر کے رکھتی ہو وہ بہت اچھی بات ہے نا۔"

"میں جب بھی تمہارے پاس آنے لگتا ہوں تم دور بھاگتی ہو جیسے یہ بہت اچھی بات ہے نا۔"

"اور یہ جو تم اتنی خوبصورت لگ رہی ہو کہ میرے ہوش کھونے لگے ہیں یہ بہت اچھی بات ہے نا۔" یہ سرگوشیاں زری کی جان نکال رہی تھیں۔

اور زری ان لمحوں کی خوبصورتی کو پورے دل سے محسوس کر رہی تھی۔ وہ دھیرے سے بہت مان سے اس مان بھری محبت کی باہوں میں سما گئی تھی اور محبت نے اسے اپنے مضبوط حصار میں جکڑ لیا تھا۔

غرض ' حسد ' نفرت اور لالچ ان چیزوں کا دنیا میں وجود تو ہے لیکن دائمی نہیں۔ وہ جتنی تیزی سے اپنا اثر دکھاتی ہیں پھر اتنی ہی تیزی سے اپنا اثر کھو بھی دیتی ہیں۔ کوئی چیز دیرپا ہے تو وہ سچی اور بے غرض محبت ہے غرض ' حسد اور لالچ سے مبرا اور ان دونوں کی محبت ایسی ہی تھی جسے چند ۔ لمحوں کو ان چیزوں نے جکڑا ضرور تھا۔ مگر جلد ہی دامن چھڑا بھی لیا تھا۔ ایک ماں کی ممتا اور سچائی ' سچی محبت اور چاہت ان سب چیزوں پہ اس طرح حاوی آگئی کہ وہ سب جھوٹی محبتیں منہ چھپانے لگیں اور جیت سچی ـــــ اور پاکیزہ محبت کی ہوئی۔ سچائی کی ہوئی۔ ایک بیٹی کی ہوئی۔ ایک ماں کی ہوئی۔ زروہ اذان کی ہوئی۔ جس نے محبتوں سے دور اپنا سفر شروع کیا تھا۔ مگر اب محبت ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گی اذان کی صورت۔

☆ ☆

نیلم رضا

"ممما مجھے بھوک لگی ہے۔" ابھی میری آنکھ لگی ہی تھی کہ دعا نے مجھے اٹھادیا۔ وہ اسکول سے آئی تو کچھ ست سی ہو رہی تھی۔ ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا اور سو گئی۔ میں نے بھی سونے دیا کہ ہو سکتا ہے کہ نیند لینے کے بعد طبیعت بہتر ہو جائے۔ اب وہ جاگی تھی، میں نے گھڑی دیکھی پانچ بجنے والے تھے۔

"کیا کھاؤ گی جان؟" میں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"مجھے سینڈوچ بنادیں، کیچپ کے ساتھ۔"

میرے اثبات میں سر ہلانے پر اس نے فرمائش کی، میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ سامنے ہی لاؤنج میں میری ساس میرے کمرے کی طرف رخ کیے لیٹی تھیں۔ اس طرح کہ میں پوری طرح ان کی نظروں کے حصار میں تھی۔ حالانکہ ان کے ہاتھ میں اخبار تھا۔ جسے وہ بظاہر پڑھ رہی تھیں۔ مگر ان کی پوری توجہ میری جانب تھی اور مجھے معلوم تھا کہ جیسے ہی میں کچن میں جاؤں گی وہ فوراً" میرے پیچھے آئیں گی۔

ابھی میں نے سینڈوچ میکر کا پلگ لگایا ہی تھا کہ اپنے پیچھے آہٹ محسوس ہوئی، میں نے مڑ کر دیکھا تو حسب توقع وہی تھیں۔ میرے جسم میں غصہ اور نفرت کی لہر دوڑ گئی۔

"کچھ چاہیے آپ کو۔" میں نے جل کر پوچھا۔

"پانی پینے آئی ہوں، سارا گلا سوکھ گیا، کیسی گرمی ہو رہی ہے۔" انہوں نے بولتے ہوئے فریج سے بوتل نکالی۔ تو میں نے بمشکل اپنے آپ کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھتے ہوئے اپنی توجہ سینڈوچ کی طرف لگالی اور وہ پانی پی کر کچن سے ملحقہ کمرے میں چلی گئیں اور اب انہیں اس وقت تک وہیں رہنا تھا جب تک میں اپنا کام مکمل کرکے کچن سے دوبارہ اپنے کمرے میں نہ چلی جاتی۔ اب وہ اپنے آپ کو مصروف ظاہر کرنے کی کوشش میں مختلف درازیں کھول بند کر رہی تھیں اور جب انہوں نے مجھے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ خود بھی کمرے سے نکل آئیں اور دوبارہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گئیں۔

مجھے اس گھر میں بیاہ کر آئے ہوئے سات سال ہونے کو آئے، وہ پہلے دن سے میری اسی طرح نگرانی کر رہی تھیں۔ ان کی نظریں ہمہ وقت میرا احاطہ کیے رہتیں، میں گھر کے کس حصے میں ہوں، کیا کر رہی ہوں۔ یا پھر میری نند کو مجھ پر نظر رکھنے کے لیے کہتیں۔ اب تو وہ بھی اس فن میں طاق ہو گئی تھی۔ اس کی بھی پتلیاں میرے آگے پیچھے گردش کرتی رہتیں۔ بلکہ بسا اوقات تو میں نے اپنے خلوت کے اوقات میں بھی اپنی ساس کو اپنے بیڈ روم کی واحد کھڑکی جو لاؤنج میں کھلتی ہے کے اطراف منڈلاتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ کمرے میں اندھیرا اور لاؤنج میں روشنی ہو تو سایہ سا ادھر ادھر ڈولتا ہوا صاف نظر آتا تھا جو ان کے سوا اور کس کا ہوتا تھا، جب بھی کبھی میں نے آصف کی توجہ اس طرح مبذول کروائی تو انہوں نے لاپروائی سے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ تمہارا وہم ہو گا۔ پھر میں نے بھی نوٹس لینا چھوڑ دیا تھا۔ میری بلا سے وہ کرتی ہیں میری نگرانی تو کرتی رہیں۔ میں نے پروا کرنی چھوڑ دی تھی۔

آج سات سال گزرنے کے بعد بھی میں اتنی ہی بے وقعت اور بے حیثیت تھی جتنا کہ پہلے تھی، معلوم نہیں کیوں انہوں نے مجھے پہلے دن ہی سے قبول نہیں کیا تھا۔ عام روایتی ساس، بہو کی طرح ہمارے تعلقات بھی کبھی خوشگوار نہیں رہے تھے۔ پہلے دن سے ہی وہ محاورتاً" نہیں بلکہ حقیقتاً" میرے پیچھے لٹھ لے کر پڑ گئی تھیں۔ مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے مجھ سے کبھی شفقت یا نرم دلی سے بات کی ہو، حالانکہ ان کے اپنے آگے بھی بیٹی تھی، مگر ان کو کبھی خوف خدا یا مکافات عمل کا خیال نہیں آیا تھا۔

اب تو خیر پھر بھی میں نے خود تھوڑا بہت دل مضبوط کر لیا تھا۔ مگر شروع شروع میں کسی بھی بات پر میں گھنٹوں روتی رہتی تھی۔ جب میری شادی کو شاید مہینہ بھر ہی ہوا تھا۔ میں کچن میں روٹیاں ڈال رہی تھی کہ مجھے ڈور بیل کی آواز سنائی دی تھی۔

"تمہارا بھائی آیا ہے۔" کچھ لمحوں بعد مجھے اماں کی آواز سنائی دی۔ "اچھا یہ روٹی اتار لوں، پھر آتی ہوں، ورنہ یہ توے پر جل جائے گی۔" میں نے جلدی سے دست پناہ ہاتھ میں اٹھایا۔

"پہلے دروازہ تو کھول دو۔" انہوں نے پھر کہا تو میں ششدر رہ گئی۔

"کیا مطلب۔ آپ نے ابھی تک دروازہ کھول کے

انہیں اندر نہیں بٹھایا۔" میں حیرت اور غم کے مارے ہکلا کر رہ گئی۔

"بھئی میں وضو کیے ہوئے ہوں ظہر کے لیے اب کہاں کنڈی دروازے چھوتی رہوں۔" وہ لاپروائی سے کہتے ہوئے مڑیں تو میں گویا ہوش میں آکر بھاگتی ہوئی گیٹ کی طرف دوڑی تھی۔ بھائی گاڑی سے ٹیک لگا کے کھڑے تھے۔

"آئیں بھائی۔" میں نے پکارا تو وہ اندر داخل ہوئے۔ بھائی نے شاید بہت سبکی محسوس کی تھی۔ ان کے چہرے سے لگ رہا تھا میں ان کا ہاتھ تھام کر سسک اٹھی۔ تو وہ میرا ہاتھ تھام کر میرے کمرے تک آگئے۔

"میں سمجھ گیا تمہاری ساس کی فطرت' انسان ایک پل میں خود کو ظاہر کردیتا ہے۔ وہ بھی ان ہزاروں انسانوں میں شامل ہیں جو سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے کسی فعل سے دوسرے بندے کو بے عزت کردیا ہے۔ حالانکہ وہ خود اسی طرح اپنی عزت گنواتے ہیں۔" بھائی نے مجھے روتے دیکھ کر ہولے سے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ "بھائی میری وجہ سے آپ کی اتنی بے عزتی ہوئی۔ آپ کو اتنی دیر تک دروازے پر کھڑے رہنا پڑا اور انہوں نے دروازہ جان بوجھ کر نہ کھولا۔" میں نے کہا۔

"گڑیا' معلوم ہے بیٹی پیدا ہوتے ہی اس کے باپ' بھائیوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں ہمارے معاشرے میں۔ بیٹیاں سب کو پیاری ہوتی ہیں' بس اس کے نصیب سے ڈر لگتا ہے۔ اگر اچھا نصیب لے کر دنیا میں آئیں تو پوری زندگی سہل اور اگر ذرا سا بھی کھوٹا نصیب ہوا تو ساری عمر خود بھی روتی ہیں اور اپنے ساتھ ساتھ اپنے پیاروں کو بھی رلاتی ہیں۔" میری افسردگی دیکھ کر وہ مجھے دھیرے دھیرے تسلی دے رہے تھے۔

اور ابھی تو تمہاری شادی کو صرف مہینہ بھر ہی ہوا ہے' مجھے لگتا ہے کہ تمہیں بڑا طویل سفر طے کرنا ہے' خدا تم کو ہمت و حوصلہ دے۔ ان کی بات پر میں نے انہیں سر اٹھا کر دیکھا تو ان کی پر تفکر نظریں اماں جی کے اوپر تھیں جو کہ اپنی من پسند جگہ یعنی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی تھیں جہاں سے انہیں میں اور بھائی صاف نظر آرہے تھے۔

"بھائی میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔" میں نے پھرتی سے آنسو صاف کیے۔

"نہیں' نہیں میں تو لنچ بریک میں آفس سے اٹھ گیا تھا۔ واپس جا کر لنچ کروں گا۔ اصل میں ابو نے شام کو تم دونوں کو ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے۔ فون پر کہنا کچھ مناسب نہ لگا' اس لیے خود چلا آیا۔ اب ان شاء اللہ شام کو ملاقات ہوگی گھر پر۔" وہ نرمی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"السلام علیکم خالہ۔" گیٹ تک جانے کے لیے لامحالہ لاؤنج سے گزرنا پڑتا تھا۔ جہاں اماں جی بیٹھی ہوئی تھیں۔ سلام کا جواب دینے کے لیے انہوں نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ میں بھائی کو گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی' جب بھائی کی گاڑی آگے بڑھی تو میں گیٹ بند کرکے واپس ہوئی۔

شام کو آصف آفس سے واپس آکر حسب معمول پہلے اماں جی کے پاس ہی گئے تھے۔ سلام کرنے کے بعد وہ کمرے میں آکر ہاتھ' منہ دھو کر کپڑے تبدیل کرتے۔ ان کے آجانے پر میں الماری کھول کر کھڑی ہو گئی کہ جب آدھ پون گھنٹے بعد اماں جی انہیں اجازت دیں گی اپنے پاس سے اٹھنے کی تو جب تک کپڑے وغیرہ ہی استری کرلوں' تاکہ پھر امی کے گھر دعوت میں جانے میں دیر نہ ہو کہ اچانک اماں جی کے باآواز بلند چلانے کی آوازیں آنے لگیں' میں نے گھبرا کر الماری بند کردی۔

"سمیرا' سمیرا۔" آصف مجھے آواز دے رہے تھے۔ میں دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ باہر نکلی۔

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"اس سے پوچھ کہ یہ اور کس کس طرح ہمیں بدنام کرے گی۔ کیا ظلم ہوا تھا جو یہ اپنے بھائی کے سامنے ٹسوے بہا رہی تھی اور مجھے دیکھتے ہی آنسو پونچھ لیے اور وہ اتنا بڑا مردوا' اس کو اس کی ماں نے یہ تک نہ سکھایا کسی بڑے کو سلام کرتے ہیں' اس کے گھر میں آتے ہیں تو۔" اماں کے کمزور وجود سے اس قدر بھاری اور بلند آواز کا برآمد ہونا حیرت کی بات تھی۔

"جواب دو بولتی کیوں نہیں۔" آصف خشمگیں نگاہوں سے مجھے گھور رہے تھے۔

"اماں انہوں نے آپ کو سلام کیا تھا۔" بمشکل میرے حلق سے آواز نکلی۔

"ہاں جاتے وقت اسے میری شکل نظر آگئی تو اس نے لٹھ دے مارا۔" اماں نے ہاتھ ہوا میں لہرایا۔

"مجھے تیرے گھر والوں سے عزت کی طلب نہیں ہے' لوگ مجھے جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔" ان کی گردن تنی ہوئی اور آواز بلند تھی اور لہجہ بے انتہا حقارت آمیز تھا۔

"یاد رکھو جو میرے گھر والوں کی اور میری عزت نہیں کرے گا میں اس کی عزت نہیں کروں گا۔" آصف نے انگلی اٹھا کر مجھے دھمکی دی۔ میری بات سنے بغیر انہوں نے فیصلہ سنایا اور کمرے سے نکل گئے۔ جب میں باہر نکلی تو ثمرین صوفے پر بیٹھی جگمگاتی نظروں اور مسکراتے لبوں سے مجھے ہی دیکھ رہی تھی' گویا جو کچھ بھی ہوا وہ اس سے بہت محظوظ ہوئی تھی اور وہ ساری شام میری روتے ہوئے ہی گزری تھی۔ شام ڈھلے فون کی بیل بجتے ہی میں سمجھ گئی کہ یہ گھر سے ہی آیا ہوگا۔

"معاف کیجیے گا آج تو مجھے کسی بہت ضروری کام سے جانا ہے' آج تو میں کسی قیمت پر نہیں آسکتا۔" آصف کا کورا سا جواب میرے کانوں سے ٹکرایا تھا اور احساس بے وقعتی سے مجھے اپنا چہرہ گرم ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا اور اس کے بعد کے ایسے کتنے واقعات سے میری سات سالہ شادی شدہ زندگی بھری پڑی ہے۔

مجھے وہ دن بھی اچھی طرح یاد تھا۔ آصف نے شادی کے بعد جو پندرہ دن کی چھٹیاں لی تھیں وہ ختم ہو گئیں۔ وہ آفس چلے گئے تو میں صبح معمول کے کاموں سے فارغ ہو کر اماں کے کمرے میں چلی آئی۔ میرا ہاتھ کھیر میں ایک ہفتے بعد ہی لگا دیا گیا تھا۔ کام تھا ہی کتنا' چار آدمیوں کا۔ ثمرین بیٹھی ہوئی کوئی ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی۔ میری کمرے میں آمد پر اس نے کچھ اچنبھے سے مجھے دیکھا تھا۔ اصل میں ان پندرہ دنوں میں پہلی مرتبہ ان کے کمرے میں آکر بیٹھی تھی۔ وگرنہ تو آصف کی موجودگی میں لاؤنج ہی میں محفل جمتی تھی۔ صرف دوپہر میں آرام کرنے اور رات سونے کی غرض سے اپنے اپنے کمروں میں جایا کرتے۔ اماں مجھے دیکھ کر پاندان کھول کر کچھ ٹٹولنے لگیں' جبکہ ثمرین نے مجھے دیکھ کر کچھ خاص نوٹس نہ لیا اور بدستور ڈائجسٹ پڑھنے میں مشغول رہی۔ دو چار ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد میں بددل ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"توبہ' پورے کمرے میں نظریں گھما رہی تھی کہ کون سی چیز کہاں رکھی ہے اور کیسی ہے۔" ابھی میں کمرے سے پوری طرح نکلنے بھی نہ پائی تھی کہ اماں کی تیز سرگوشی میرے کانوں میں ٹکرائی۔

"ہاں ڈریسنگ پر میرے میک اپ کے سامان سے تو نظر نہ ہٹ رہی تھی۔" یہ ثمرین تھی۔

"ہے بھی تو اس قدر تھوک کے حساب سے' نگوڑ ماری سامنے ہی سجائے رکھتی ہے کون کون جانے کس نظر سے دیکھے۔" اماں نے ثمرین کو لتاڑا۔

"ہاں تو میرے بھائی کی کمائی پر مجھ سے زیادہ حق کس کا ہے۔ میں ان سے جو بھی منگواؤں یا ان سے پیسے لے کر خریدوں میری مرضی۔" دونوں — والیوم کی پروا کیے بغیر مجھ پر تبصرہ میں مگن تھیں اور میرا یہ حال کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں' ٹانگوں نے جسم کا بوجھ سہارنے سے انکار کردیا۔ میں بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی کیا سمجھ رہی تھیں۔ یہ دونوں مجھ کو کوئی چور' اچکا' اٹھائی گیرا' میں کیوں ان کی چیزوں پر نظر رکھنے لگی' یہ سب چیزیں تو رلتی پھرتی تھیں — امی کے گھر چھوٹی خالہ امریکا رہتی تھیں جو کہ میری چچی بھی ہوتی ہیں۔ ہر آئے گئے کے ہاتھ وہ اور چچا سوٹ کیس بھر بھر کے کاسمیٹکس اور دیگر اشیا بھجوایا کرتے۔ خود میرے جہیز کی کتنی ہی کٹ اور پرفیوم ایسے تھے جن کے کھلنے تک کی نوبت ابھی تک نہ آئی تھی۔ اس کے بعد تو ظاہر ہے کہ میری ان کے کمرے میں جانے کی ہمت نہ پڑی مجھے اگر کچھ پوچھنا ہوتا تو دروازہ پر رک کر ہی پوچھا کرتی اس کے بعد انہوں نے یہ خود کرنا شروع کردیا کہ جب ثمرین کالج چلی جاتی تو ماسی سے صفائی کروا کے وہ کمرہ بند کرکے لاؤنج میں اپنی پسندیدہ جگہ پر اس زاویے سے بیٹھ جاتیں کہ میں ان کی نگاہوں کے حصار میں رہتی اور میرا یہ حال کہ وہ نگاہیں مجھے اپنے جسم کو چھیدتی محسوس ہوتیں۔ بس نہیں چلتا کہ کہاں بھاگ جاؤں۔

جب دعا کی خوش خبری ملی ایسا لگا کہ جیسے زندان میں کوئی تازہ ہوا کا جھونکا آیا ہو مگر انہوں نے وہ چند مہینے بھی میرے لیے عذاب بنا دیے۔ "طاقت کی دوائیں کھانے پر اعتراض، دودھ پینے پر اعتراض، بائیک پر بیٹھ کر امی کے گھر جانے پر انہیں اعتراض" ان نو مہینوں میں بمشکل دوبار امی کے گھر جا سکی اور ہر بار واپسی پر انہوں نے وہ فیل مچایا کہ آصف کو دوبارہ مجھے لے کر جانے سے توبہ کرنی پڑی۔ وہاں والے خود آتے ہوئے اپنی متوقع بے عزتی سے کتراتے تھے۔ لے دے کے ایک فون پر ہی رابطہ رہ گیا تھا۔ سوا مہینہ کے بعد جب دعا کو لے کر امی کے گھر گئی تو ضبط کی تمام طنابیں ٹوٹ گئیں حالانکہ خود سے لاکھ تہیہ کیا تھا کہ امی کو کچھ بھی بتا کر پریشان نہیں کرنا مگر وہ ماں تھیں بغیر کچھ کہے ہی جان گئیں۔

"دیکھ بیٹا! زندگی خراج مانگتی ہے۔ قدم قدم پر کانٹوں پر چلنا پڑتا ہے جب کہیں جا کر گھر بنتا ہے۔ اب تو تمہاری اپنی بیٹی بھی ہے اس کی خاطر تمہیں ہر اچھا برا سہنا ہے تاکہ یہ باپ کے سائے میں پروان چڑھے۔" ایک رات جب میں ان کی گود میں سر رکھ کر سسک رہی تھی تو انہوں نے میرے بالوں کو سہلاتے ہوئے میرا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔

"مگر امی اب تو وہ کھلم کھلا کہنے لگی ہیں کہ مجھ سے شادی ان کا سب سے بڑا غلط فیصلہ تھا۔ آصف مجھے چھوڑ دیں وہ کہیں اور ان کی شادی کر دیں گی رہ گئی دعا تو اولاد تو ہمیشہ باپ کی ہوتی ہے۔"

"اور آصف کیا کہتے ہیں۔" امی کا لہجہ پر تفکر تھا۔

"کچھ بھی نہیں خاموش رہتے ہیں۔" میں حد درجہ مایوس تھی۔

"دیکھو بیٹا آصف سمجھ دار لڑکا ہے اسے اگر تمہیں چھوڑنا ہوتا تو وہ ایک سال پہلے ہی چھوڑ دیتا۔ بس تم اپنے آپ کو مصروف رکھا کرو تاکہ ان کی باتیں تم پر اثر انداز نہ ہوں اور اب تو یہ ننھا سا کھلونا تمہارے پاس ہے تمہارا دل بہلا رہے گا۔ بس اب تم اظہر کی شادی کے بعد ہی جانا۔" انہوں نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا تو میرا دل تھوڑا بہت ٹھہر گیا۔ پھر ان کی گود میں ہی سر رکھے رکھے کب سو گئی مجھے پتا نہ چلا۔

بھائی کی شادی میں چند روز ہی رہ گئے تھے۔ میری وجہ سے اتنی آگے کی تاریخ رکھی تھی کہ میں اس میں آسانی سے شرکت کر سکوں۔ امی نے نجانے کس طرح آصف کو منا لیا تھا کہ وہ مجھے شادی تک امی کے گھر پر چھوڑ دیں اور وہ نا صرف مان گئے تھے بلکہ فون پر کافی خوش گوار انداز میں مجھ سے بات بھی کی تھی۔ جس سے میری فکریں کافی حد تک دور ہو گئیں اور میں ہنسی خوشی شادی کی تقریبات میں حصہ لے رہی تھی۔ بجو اور اپیا دونوں اپنے بچوں سمیت آ چکی تھیں۔ گھر میں خوب رونق لگی ہوئی تھی۔

آج بارات تھی بھائی نے تینوں بہنوں کے لیے خوب صورت بنارسی ساڑھیاں بنائی تھیں بارات میں پہننے کے لیے۔ امی نے علیحدہ سے تینوں بہنوں، بہنوئیوں اور ان کے بچوں کے کپڑے بنائے تھے۔ بجو نے مجھے ایک ہاتھ میں سوٹ کی میچنگ سرخ کانچ کی چوڑیاں پہنتے دیکھ کر ٹوکا۔ "دیکھو میں نے اور اپیا نے دونوں ہاتھوں میں سونے کی ہی چوڑیاں پہنی ہیں۔ تمہارے پاس بھی تو ہیں نا پھر یہ کانچ کی کیوں؟" انہوں نے دونوں ہاتھ میرے سامنے کیے جن میں چھ چھ سونے کی چوڑیاں لشکارے مار رہی تھیں۔ اتفاق سے ہم تینوں بہنوں کو جہیز میں بھی چھ چوڑیاں ملی تھیں سونے کی اور بری میں بھی چھ آئی تھیں۔ اس طرح ہم تینوں کے پاس درجن بھر سونے کی چوڑیاں تھیں جن کی وجہ سے ہم کانچ کی چوڑیاں نہیں پہنتے تھے۔ جب بجو نے مجھے ٹوکا تو میں انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے؟" انہوں نے کھوجنے والے انداز میں مجھے دیکھا۔

"کچھ نہیں!" میں سر جھکا کر رہ گئی۔

"کچھ تو ہے۔" انہوں نے اصرار کیا۔

"اصل میں بجو! بری کی چوڑیاں تو شادی کے چند ماہ بعد ہی میری ساس نے اپنے پاس لے کر رکھ لی تھیں۔" میں بتاتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

"اور تم اتنی معصوم کہ فوراً" دے دیں منع کر دیتیں تمہاری چیز تھی۔" حسب عادت بجو فوراً" جلال میں آ گئیں۔

انہوں نے آصف سے کہلوایا تھا۔" میں یوں شرمندہ ہو رہی تھی۔ جیسے میری ہی کوئی خطا ہو۔

"کیا؟" بجو کا غصہ ذرا مشکل سے ہی اترتا تھا۔

"انہوں نے آصف سے کہا کہ میں تو پھوہڑ اور بد سلیقہ ہوں کہیں کھو نہ دوں سونے کے زیورات، چنانچہ میرے پاس رکھو اور جب بھی پہننا ہو مجھ سے لے لیا کرنا' آصف نے مجھ سے ان الفاظ میں تو نہ کہا کہ امی کے پاس رکھوا دو میں چپ چاپ دے آئی اور کیا کرتی۔" میں نے اپنی صفائی پیش کی۔

"اچھا تو اب آصف کو فون کر دو' وہ آ تو رہا ہے ناں' آتے ہوئے تمہاری چوڑیاں لیتا آئے گا۔" صلح پسند اپیا نے فوراً" حل پیش کیا۔

"بے کار ہے اپیا!" میں نے گردن ہلائی۔

"ایک بار پہلے بھی میں ان سے مانگ چکی ہوں' آصف کے دوست کی شادی پر' مگر انہوں نے وہ واویلا مچایا کہہ دیا کہ لاکر میں ہیں۔"

"تو آصف نے کیا کہا۔" "کچھ نہیں اگر آصف کچھ کہتے تو میں ان حالوں کو نہیں پہنچتی۔" میرا لہجہ افسردہ ہو گیا۔

"اچھا چلو چھوڑو تم اداس مت ہو۔ کبھی تو خدا کی لاٹھی حرکت میں آئے گی۔" بجو کا غصہ آسانی سے کب اترتا تھا۔

"اپنے آگے بیٹی رکھ کر پرائی بیٹی کو بے جا ستا رہی ہیں۔ کچھ خوف خدا نہیں ہے اس عمر میں۔" بجو کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔ میں دعا کو لے کر باہر لاؤنج میں آ گئی سب بارات جانے کے لیے بالکل تیار تھی بس آصف کا ہی انتظار تھا۔

"آصف کو فون کرو' اور کتنی دیر ہے آنے میں۔" ابو نے مجھ سے کہا تو میں فون کی طرف بڑھی' مسلسل بیل جا رہی تھی مگر کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔

"اس نے کہا تو تھا نا آنے کے لیے۔" بھائی نے مجھ سے پوچھا۔

"جی۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر کوشش کرو۔" ان کے کہنے پر میں نے دوبارہ کوشش کی مگر کوئی فون ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"آپ لوگ نہیں جانتے اماں کبھی بھی مجھے خوش نہیں دیکھ سکتیں۔ انہوں نے آصف کو روک لیا ہوگا۔ اب C.L.I پر نمبر دیکھ کر فون نہیں اٹھا رہیں۔" میرے آنسو بہہ نکلے۔

"اچھا تم روؤ تو مت۔" دولہا بنے بھائی نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"اب تو اتنا ٹائم ہی نہیں ہے کہ اسے لے کر آ جاتے۔" ابو نے مشورہ طلب نگاہوں سے بھائی کو دیکھا۔

"یوں کرتے ہیں کہ میں اور عقیل دونوں آصف کو لے کر وہیں ہال میں پہنچتے ہیں۔ آپ لوگ بارات کے ساتھ جائیں۔" میرے بڑے بہنوئی نے چھوٹے دولہا بھائی سے مشورہ کر کے تجویز دی۔

"میرے خیال میں تو اسے آنا ہوتا تو وہ خود ہی آ جاتا اور اگر اسے نہیں آنا تو وہ کسی قیمت پر نہیں آئے گا وہاں جا کر محض اپنی بے عزتی کروانا ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا سمیرا؟" بھائی نے اپنے گزشتہ تجربات کی بنا پر گہری سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا تو میرے رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔

"ہاں بھائی' آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" میں نے سر ہلایا۔

"چلو تو پھر نکلو' جو آپ کی خوشی میں خوش نہیں اس کے پیچھے اپنی خوشی کیا برباد کرنا۔" ابو اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ لوگ جائیں میں نہیں جاؤں گی۔" میں نے کہا پھر سب کے لاکھ زور دینے پر بھی میری نہ' ہاں میں نہ بدلی۔

"آپ نہیں سمجھتے بھائی۔ ساری عمر کے لیے طعنہ بن جائے گا کہ بنا شوہر کے شادیوں میں گلچھرے اڑاتی رہی۔" میں نے بھائی کے اصرار پر کہا تو سب ہی خاموش ہو کر رہ گئے اور پھر دردناک شاموں میں ایک شام کا مزید اضافہ ہو گیا جو میں نے آنکھوں سے لہو بہا کر گزاری تھی۔ کس قدر ارمان تھا ہمیں اپنے بھائی کی شادی کا اور کیا کیا پروگرام بنائے تھے ہم نے انجوائے کرنے کے لیے اور اب بھائی کی بارات چلی گئی بہن کے بغیر' کیا ملا اس عورت

کو اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر کس طرح لوگ دوسروں کی خوشی کو مٹی میں ملا کر چین سے رہ لیتے ہیں انہیں ان کا ضمیر کس طرح سکون کا سانس لینے دیتا ہے اور آصف جن مردوں میں صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنے کی تمیز اور حوصلہ نہیں ہوتا وہ آخر شادی کرتے کیوں ہیں؟ جواب دہ ہیں وہ آخرت میں اس ہستی کے بارے میں جو اپنا گھر بار، بہن بھائی چھوڑ کر ان کے آسرے پر پرائے گھر میں چلی آتی ہے اور وہ ان کے حقوق کی پاس داری نہیں کرپاتے۔

ایسی ہی سوچوں میں میرا ذہن پراگندہ رہا جب تک بارات دلہن سمیت واپس نہ آگئی۔ سب لوگ ہنستے مسکراتے واپس آئے تھے۔ مگر میرا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر سب ہی بجھ سے گئے تھے۔

"تم کیوں اس قدر اثر لے رہی ہو بیمار نہ پڑ جانا۔" بھائی اور بھابھی کی رسمیں ہو رہی تھیں ڈرائنگ روم میں جب امی میرے پاس آئی تھیں مجھ میں اب ضبط کی ہمت نہ رہی تھی پھوٹ پھوٹ کر آواز کے ساتھ رونے لگی۔

"کیا تھا اگر آصف کو آنے دیتیں؟ تم دیکھنا سمیرا اللہ انہیں ضرور دکھائے گا۔ بندے بے رحم ہوتے ہیں اللہ نہیں۔ ایک نہ ایک دن تمہارا بھی اچھا وقت آئے گا۔ بس ذرا انتظار اور حوصلے سے کام لو اب تو تمہاری بیٹی ہے تمہیں ہر قیمت پر سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا اولاد قربانی مانگتی ہے بیٹا۔" وہ کافی دیر تک مجھے سمجھاتی رہیں۔

اور بھائی کا کہا بالکل سچ ثابت ہو رہا تھا کہ تمہیں بڑا طویل سفر ننگے پاؤں طے کرنا ہے حوصلہ رکھنا اور میں بس دعا کی خاطر ہر قربانی دیے جا رہی تھی کہ اس کے سر سے باپ کا سایہ نہ چھنے یہ محروم زندگی نہ گزارے۔ میرا کیا ہے آدھی زندگی گزر گئی اور گزر جائے گی۔ اس معصوم نے تو ابھی سفر کی شروعات ہی کی ہے اسے کیوں کڑی دھوپ میں لے آؤں' میرے ساتھ تو لاکھ برے سہی بیٹی کو تو بہت چاہتے ہیں۔ ہر ضرورت بلا کہے ہی پوری ہو جاتی ہے۔ ورنہ ماں کے گھر تو ہر ضرورت کے لیے بھائیوں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ وہ اذیت اس اذیت سے کئی گنا زیادہ ہوگی جب بھائی اور بھابھیوں کے منہ بنیں گے کسی چیز کے طلب کرنے پر۔ بس اس طرح زندگی مجھے گزارے جا رہی تھی۔

انہی دنوں گھر میں ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ جانے اماں اور ثمرین کہاں تھیں۔ مگر جب مستقل دستک پر بھی یہ دونوں دروازے تک نہ گئیں تو میں نے دروازہ کھولا پڑوس میں ایک نئی فیملی آئی تھی ان کی امی تھیں۔ ایک بار پہلے بھی آچکی تھیں مگر میری ملاقات ان سے نہ ہو سکی تھی۔ میں نے سلام کر کے اندر آنے کا راستہ دیا۔ تب ہی اماں کی آواز سنائی دی۔

"آیئے بہن۔" ساتھ ہی انہوں نے سخت نظروں سے مجھے گھورا تھا۔

"اب کیا ہو گیا؟" اب تو بجائے گھبرانے کے میں کوفت اور غصے میں مبتلا ہو جاتی تھی کبھی کبھی جواب بھی دے دیا کرتی یہ اور بات کہ اس کے بعد مجھے ایک ہزار باتیں مزید سننا پڑتی تھیں۔

"تمہیں کس نے کہا تھا ان آنٹی کے سامنے آنے کو۔" شام کو آصف کے آتے ہی میری کلاس لگی۔ "میں ان کے سامنے نہیں آئی تھی صرف گیٹ کھولنے گئی تھی۔" میں حسب عادت صفائیوں پر اتر گئی۔

"ارے اس کو اپنی نمائش کا شوق ہے میری بچی کی خوشیاں تو یہ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ پہلے دن سے اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہے۔" حسب عادت اماں اپنی زبان کے جوہر دکھلانے لگیں۔

"مگر یہاں ثمرین کا کیا ذکر اس کا کیا بگاڑ دیا میں نے۔" میری سمجھ میں بات نہ آئی —— "وہ ثمرین کا رشتہ لے کر آئی تھیں مگر تمہیں دیکھ کر ان کا ارادہ بدل گیا۔ وہ امی سے کہہ کر گئی ہیں کہ اگر دلہن کی کوئی چھوٹی بہن ہو تو اس سے رشتہ لگوا دیں۔ تمہیں آخر ان کے سامنے آنے کی کیا ضرورت تھی؟" آصف کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ مجھے کچا ہی چبا جائیں۔

"اوہ!" مجھے کمینی سی خوشی ہوئی۔ اپنی معمولی شکل وصورت کا تو ثمرین کو پہلے ہی بہت احساس تھا مگر آج تو جیسے کمال ہی ہو گیا۔ اتنے سالوں کی بیاہتا تھی میں مگر آج بھی اللہ کے فضل سے ایسی تھی کہ اماں کی "حور پری" کی میری وجہ سے شکست ہوئی۔ اب اماں کی زبان نے رات کے کھانے تک چلنا تھا۔ میں چپ چاپ اٹھ کر کچن میں آگئی۔

☆ ☆ ☆

"امی پانی پی لیں۔" بھابھی نے ٹھنڈے پانی سے بھرا گلاس امی کو تھمایا۔

"جیتی رہو' خوش رہو' سدا سہاگن رہو" امی نے دعا دے کر گلاس تھاما۔ بھابھی مسکراتے ہوئے کچن میں لوٹ گئیں۔

"ماشاء اللہ بڑی نیک بچی ہے۔ ہر آدھے گھنٹے کے بعد پانی کا گلاس لیے موجود ہے سارا گھر سنبھال لیا ہے۔ یہی چھوٹی چھوٹی باتیں دل میں گھر کرتی ہیں تم بھی لگی رہا کرو اپنی ساس کے ساتھ کہ اماں پانی پی لیں لائیں سر میں تیل لگا دوں۔"

آج کافی دنوں کے بعد امی کے گھر آنا ہوا تھا تو امی مجھے اپنی دانست میں مفید مشوروں سے نوازنے لگیں۔

"آپ کیا سمجھتی ہیں امی میں نے کچھ نہیں کیا ہوگا ابھی جس طرح آپ نے بھابھی کو دعائیں دیں ناں اس پر مجھے بھابھی کی قسمت پر رشک آیا۔ آپ کو پتا ہے جب پہلی بار میں اس طرح گلاس میں پانی لے کر گئی تو اماں جی نے کیا کہا تھا؟" میں نے امی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"انہوں نے کہا تھا کہ کیا ملا کر لائی ہو؟" امی گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ جو جیسا خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسرے کو سمجھتا ہے۔ کوئی اگر تمہیں برا کہہ رہا ہے تو وہ اپنی اصلیت بتا رہا ہے کہ وہ خود اصل میں کیا ہے۔ پس تمہارے پاس صبر کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔"

"ہاں امی! صبر تو کر ہی لیا ہے۔" میں نے گہری سانس لی۔

"ثمرین کے رشتے کا کیا ہوا؟"

"ہاں لڑکا ٹھیک ٹھاک لگا ہے آصف کو' ایک دو دن میں ہاں میں جواب دے دیں گے۔"

"چلو ایک طرف سے تو تمہاری فکر کم ہو گئی۔" امی کی تسلی پر میں مسکرا دی اور یوں اللہ اللہ کر کے ثمرین کی شادی ہو گئی۔ شادی پر جو کہانیاں بنیں وہ الگ۔ لیکن بہرحال میں نے تھوڑا سکھ کا سانس لیا۔ بات طے ہونے کے بعد ثمرین کا رویہ بھی کچھ بہتر ہو گیا تھا۔ اب اماں کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ باتھ روم میں بھی نجانے کس دل سے جاتی تھیں مجھے یوں اکیلا چھوڑ کر۔ اکثر نماز کی نیت بندھی ہوتی اور اچانک گردن موڑ کر ایک نظر مجھ پر ضرور ڈالتیں مجھے ہنسی آجاتی کہ ایسا کیا ہے جو میں لے لوں گی۔ زیورات ان کے کمرے میں ہیں حتیٰ کہ گھریلو استعمال کی اشیاء بھی اپنے بیڈ کے نیچے رکھے صندوق میں رکھتی تھیں اور ہر چیز کے لیے ان سے اجازت لینی پڑتی اور اپنا کمرہ باہر نکلتے وقت لاک کر دیتیں پھر کس بات کی بے چینی ہے میری سمجھ میں نہ آتا۔

ادھر ثمرین کے لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے اس قدر زبان دراز بہو کو کون برداشت کرتا ہے اوپر سے کام چور' مجھے نہیں یاد کہ میری شادی کے بعد اس نے ہل کر پانی بھی پیا ہوگا۔ ہر دوسرے تیسرے ہفتے ناراض ہو کر گھر میں آن بیٹھتی وہ تو اس کا میاں شریف آدمی تھا جو ہر بار لینے کے لیے پہنچ جاتا۔ مگر اس مرتبہ مہینہ بھر ہو گیا تھا وہ نہ آیا اور جب اس کی ساس آئی تو نہایت روکھے لہجے میں انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ ندیم یعنی ثمرین کے شوہر نے کہلوایا ہے کہ اگر اسے آنا ہے تو امی کے ساتھ آجائے ورنہ وہ کاغذ بھجوانے والا ہے۔ امی تو ابھی بھی بھیجنے کے لیے تیار نہ تھیں لیکن آصف کے سخت رویے نے ثمرین کو اپنی ساس کے ساتھ جانے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے اپنی ماں کو اکیلے میں بتایا تھا کہ کل اتفاق سے مارکیٹ میں اسے ندیم نظر آیا تھا لیکن دیکھ لینے کے باوجود آصف کو نظر انداز کر دیا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دبنے والا نہیں ہے اور کچھ بھی کر سکتا ہے۔ مجھے یک گونا سکون ملا یہی آصف تھے جو جی بھر کے میرے بھائی کی بے عزتی کیا کرتے تھے آج خود کو اس مرحلے سے گزرنا پڑا تو سارے کس بل نکل گئے۔ ثمرین مارے باندھے اپنی ساس کے ساتھ چلی گئی تو میں نے سکھ کا سانس لیا۔

میں نے سنا تھا کہ بزرگوں کا زیادہ تر ٹائم مصلے پر گزرتا ہے مگر میری ساس کی دوپہر میگزین پڑھنے میں گزرتی تھی اور ساری کی ساری شام ٹی وی کے آگے اور اکثر ان کی بحث چھ سالہ دعا سے ہوتی وہ کارٹون دیکھنے کے لیے ضد

کرتی جبکہ وہ اپنے پسندیدہ پروگراموں پر زور دیتیں۔ وہ بچی ناسمجھ تھی ضد کرتی تو وہ اس سے ریموٹ جھپٹ لیتیں میں کچھ بول نہ پاتی کہ آصف کے آتے ہی ان کے کان بھرنے شروع ہو جائیں گی اور پھر آصف کے طعنے ہوں گے میں اس کو سمجھانے کی کوشش کرتی تو وہ اور بھی بپھر جاتی۔

"میری سہیلیوں کی دادی ان سے کتنا پیار کرتی ہیں' ان کی ہر بات مانتی ہیں۔ وہ بسورتی تو مجھے ہنسی آجاتی۔

اماں کی طبیعت آج کل کچھ خراب چل رہی تھی۔ بخار ایک ہفتے سے تھا۔ آصف کا خیال تھا کہ آج یا کل ٹیسٹ وغیرہ کروالیں کہیں کسی میعادی بخار کا خدشہ نہ ہو۔ دوا وغیرہ وہ آصف کے ہاتھ سے ہی لیا کرتیں۔ ساں کی طبیعت کی خرابی کا سن کر ثمرین آئی تھی۔ اب اس کا کافی دنوں میں آنا ہوتا تھا' اس کا شوہر اس کو دروازے پر ہی چھوڑ گیا تھا اور یہ کہہ گیا تھا کہ شام کو اپنے بھائی کے ساتھ آجانا۔

"اماں گھر ہے یا جہنم' صبح سے شام تک گدھوں کی طرح کام میں لگے رہو پھر بھی اگر ذرا سی کوتاہی ہو جائے تو سب کے منہ کھل جاتے ہیں۔" وہ ماں سے دکھڑا رو رہی تھی۔

"سسرال میں رہنا آسان نہیں ہوتا بی بی ناک چنے چبانے پڑتے ہیں۔" میں دل ہی دل میں مسکرا دی ابھی تو شروعات ہے میں اٹھ کر کچن میں آگئی۔

"اماں یہ سب ہمارے برے سلوک کا نتیجہ ہے' ہم نے کبھی بھابھی کو سکھ کا سانس نہ لینے دیا' ان کو بھائی کی نظروں سے گرادیا' جھوٹ' غیبتیں' چغلیاں کیا کیا نہ کرتی تھیں آپ اور مجھ سے بھی کرواتی تھیں۔ یہ سب اسی کا نتیجہ ہے جو مجھے صبح و شام بے بات گالیاں پڑتی ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"اے شی' آہستہ وہ سن لے گی۔" اماں نے ٹوکا۔

"سنتی ہیں تو سن لیں' شاید معاف کردیں' براہ راست تو معافی مانگنے کی ہمت نہیں ہے۔ بندہ ایک ہاتھ دے اور ایک ہاتھ لے۔ اماں میں ناسمجھ اور کم عمر تھی آپ تو کم عمر نہ تھیں۔ ساری عمر گزاری آپ نے پھر بھی بجائے مجھ کو عقل سکھانے کے آپ نے مجھے غلط راہ دکھائی۔ جس کا خمیازہ میں جانے کب تک بھگتوں گی۔" اس کے ساتھ اس کی سسرال میں جانے کیا ہوا تھا۔ جو وہ اس قدر بھری بیٹھی تھی۔

"پرائے گھر میں جگہ بنانا بے انتہا مشکل ہوتا ہے۔ خاص طور پر جب گھر والوں کے دل بڑے نہ ہوں وہ اپنانے کو تیار ہی نہ ہوں۔ دن رات مجھے دھمکیاں ملتی ہیں کہ طلاق دلوادوں گی' چھوڑ دوں گا' یوں لگتا ہے کہ اس گھر میں سمیرا بھابھی میں ہوں اور میرے اور آپ کے روپ میں اور لوگ۔" وہ روئے جا رہی تھی۔

"مگر بھابھی کے پاس تو دعا جیسی بڑی پیاری بیٹی ہے اور میں تو اب تک اس نعمت سے بھی خالی ہوں۔ اماں ہو نہ ہو یہ سب ہمارے کرموں کا پھل ہے۔ یاد ہے جب دعا ہونے والی تھی تو ہم نے بھابھی کو کتنا پریشان کیا تھا۔ آپ جان بوجھ کر بھاری بھاری کام ان سے کروایا کرتی تھیں اور وہ نہایت بے بسی سے آنکھوں میں آنسو بھر کر آپ اور مجھے دیکھا کرتی تھیں۔ وہ آنسو بھری آنکھیں رہ رہ کر یاد آتی ہیں۔ اماں حقوق اللہ سے زیادہ حقوق العباد ہوتے ہیں۔ اگر ایک دفعہ کسی کا دل دکھایا تو اللہ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا۔ جب تک وہ بندہ معاف نہ کرے۔" وہ دل گیر لہجے میں بولے گئی۔

"نگوڑی ماری مجھے ہی برا کہے جا رہی ہے' کیا کردیا ہم نے اس کے ساتھ' عیش کے ساتھ رہ رہی ہے آٹھ سال ہوگئے۔ کھا رہی ہے پہن رہی ہے۔ اور کیا چاہیے۔" اماں کو جلال آگیا۔

"آپ سمجھ ہی نہیں سکتیں اماں! صرف کھانا پینا اور پہننا اوڑھنا ہی زندگی نہیں ہوتا' سب سے ضروری چیز محبت ہوتی ہے اور اس سے بھی پہلے عزت نفس اور یہ دونوں چیزیں' ہم بھابھی کو دینے میں ناکام رہے ہیں۔" ثمرین کا لہجہ پست تھا۔

"بہرحال اب اللہ مجھے معاف کرے۔ ہماری انا ہمیں جھکنے بھی تو نہیں دیتی ورنہ میں ان سے معافی مانگ لیتی۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری تھی' میں کھانے کی ٹرے اٹھا کر اندر آئی اور انجان بن کر دستر خوان پر کھانا چننے لگی۔ کھانا خاموشی سے کھایا گیا۔ شام کو آصف ثمرین کو اس کے گھر چھوڑ آئے واپس آکر انہوں نے اماں کو بتایا کہ ندیم دروازے پر ہی کھڑا تھا اس نے وہیں سے سلام دعا

کی۔ جھوٹے منہ بھی اندر آنے کو نہیں کہا۔ دونوں ماں بیٹے ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس صورت حال پر خوش ہوں یا اداس پچھلے آٹھ سالوں سے وہ یہی میرے بھائی کے ساتھ کرتے چلے آرہے تھے لیکن شوہر ہونے کے ناتے ان کی عزت میری عزت تھی چنانچہ ندیم کا یہ رویہ مجھے برا لگا۔ "آصف بیٹا' آج میرا جی بہت گھبرا رہا ہے۔ تم آج یہیں سو جاؤ۔ چادر بچھا کر۔" رات کا کھانا کھا کر اماں جی نے فرمائش کی۔ میں ان کی چادر اور تکیہ اماں کے کمرے میں بچھا کر دعا کو لے کر اپنے بیڈ پر چلی آئی۔ رات کافی دیر کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد نیند آئی۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا جب آصف نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔

"سمیرا' سمیرا اٹھو۔" میں ہڑبڑا کر اٹھی۔

"کیا ہوا؟" آصف کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"اماں جی باتھ روم سے آرہی تھیں کہ گر پڑیں اب کچھ بول نہیں رہیں تم اٹھو میں گاڑی نکال رہا ہوں اسپتال لے چلتے ہیں۔" وہ باہر بھاگے اور گاڑی نکال کر اماں کو بازوؤں میں لے کر باہر نکلے تو میں بھی دعا کو کاندھے سے لگائے گاڑی میں آن بیٹھی۔ ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق اماں جی پر فالج کا اثر ہو گیا تھا۔ ایک ڈیڑھ ہفتہ اسپتال میں رکھنے کے بعد انہوں نے ضروری ہدایات کے ساتھ چھٹی دے دی تھی اماں جی کا جسم مفلوج ہو گیا۔ ثمرین آئی تھی اپنی ساس کے ساتھ' میرے امی ابو بھی عیادت کے لیے پہنچے تھے۔ خلاف توقع آصف کافی خندہ پیشانی سے ملے تو میں نے سکون کا سانس لیا ورنہ میں تو تناؤ میں مبتلا ہو گئی تھی کہ نجانے امی ابو کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

دو تین دن رکنے کے بعد ثمرین اپنے گھر چلی گئی تھی اور آصف کو بھی سمجھا بجھا کر آفس روانہ کیا۔ کتنے دن کی چھٹی لیتے۔ کوئی سرکاری نوکری تو تھی نہیں۔ آصف آفس چلے گئے اور دعا اسکول تو پورے گھر میں سناٹا بولنے لگا تھا کچھ نہیں تو اماں ٹی وی ہی لگائے رکھتی تھیں کچھ زندگی کا احساس تو ہوتا رہتا تھا۔ گھر کے کام کاج سے نمٹ کر میں اماں کے پاس آن بیٹھی۔ ساری عمر بڑے طمطراق اور کروفر سے بتانے والی خاتون کو اس طرح بے بس پڑا دیکھ کر دل کو کچھ ہو رہا تھا۔ حالانکہ انہوں نے مجھے سوائے نفرت کے کچھ نہیں دیا تھا لیکن میرا دل پھر بھی دکھ رہا تھا۔ میرا دل تھا ہی ایسا۔

"اچھا اماں اب میں کچن میں جا رہی ہوں' روٹیاں ڈال دوں دعا آنے والی ہوگی۔" میں نے اماں سے کہا تو مجھے ان کی آنکھوں میں حیرت کی جھلک نظر آئی گویا پوچھ رہی ہوں کہ مجھے کیوں بتا رہی ہو۔

"اصل میں آپ ہر وقت میرا دھیان رکھا کرتی تھیں ناں کہ میں کب کیا کر رہی ہوں تو اب کیونکہ آپ اٹھ نہیں سکتیں اس لیے میں خود آپ کو بتا رہی ہوں۔" پتا نہیں وہ کون سا جذبہ تھا جس نے مجھ سے یہ الفاظ کہلوائے۔ اماں نے پلکیں موند لیں۔ شام کو آصف آفس سے جلد ہی اٹھ آئے تھے۔ اس وقت میں اماں کا کمرہ دھو رہی تھی۔ ظاہر ہے بستر پر سے تو وہ اٹھ نہیں سکتی تھیں میں نے آصف سے کہہ کر ان کا کارپٹ اٹھوا دیا تھا تاکہ دھونے دھلانے میں آسانی رہے۔ گیلے تولیے سے ان کے ہاتھ منہ صاف کیے کپڑے میں پہلے ہی بدلوا چکی تھی۔

دعا نے باپ کی دستک پہچان کر دوڑ کر دروازہ کھولا تھا۔

"کیسی ہے اماں کی طبیعت؟" کمرہ کا فرش گیلا ہونے کے باعث وہ باہر ہی ٹھہر گئے۔

"ویسی ہی ہے۔" کمرہ دھونے کے بعد میں ائیر فریشنر کا اسپرے چاروں طرف کر کے باہر آگئی۔

"سو رہی ہیں ابھی۔" میں نے بتایا۔ صاف ستھری اماں اور ان کا کمرہ آصف پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے تشکرانہ نظروں سے میری طرف دیکھا مگر میں نے نظریں چرالیں۔ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی۔ میں جو کچھ کر رہی تھی وہ میرا فرض تھا۔ کر بھلا ہو بھلا آج میں کسی کو سکھ دوں گی کل کوئی میری بیٹی کو سکھ دے گا میرے پیش نظر صرف اور صرف میری بیٹی تھی اللہ اسے خوش رکھے اسے قدر دان شوہر اور سسرال ملے زندگی چین سے گزرے۔ میری امی نے اپنی زندگی خود ہی آسان کی تھی اپنے لیے۔ انہوں نے بیٹی جیسا پیار اور عزت دی اپنی بہو کو تو انہوں نے حقیقت میں بیٹی بن کر دکھایا تھا۔

تین چار دن مزید اسی طرح گزر گئے جب دروازے پر بیل ہوئی۔
"آئیں امی آپ۔" دروازہ کھولنے پر مجھے خوش گوار حیرت ہوئی تقریباً" چھ سال بعد امی نے میرے گھر میں قدم رکھا تھا۔ "آئیے ناں۔" میں نے راستہ دیا۔
"تمہارے ابو بھی کہہ رہے تھے آنے کے لیے۔ مگر انہیں اچانک کوئی کام پڑ گیا۔ مگر وہ کہہ رہے تھے کہ واپسی پر آئیں گے۔" مجھ کو بتا کر امی' اماں جی کی طرف مڑیں۔
"اور بہن کیسی ہیں آپ؟" امی نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔
"اچھا اماں' اب میں امی کے لیے شربت بنانے جا رہی ہوں۔" میں نے اٹھنے سے پہلے اماں جی کو ہر بار کی طرح بتایا تو انہوں نے بڑی خاموش نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا۔
"کیا مطلب! اماں کو کیوں بتا رہی ہو۔" امی کی سمجھ میں نہ آیا تو وہ حیران رہ گئیں۔
"دراصل میں امی' اماں ہر وقت میری آگے پیچھے پھر کر میری نگرانی کیا کرتی تھیں کہ میں کہاں ہوں کیا کر رہی ہوں۔ تو اب وہ کیونکہ بستر سے اٹھ نہیں سکتیں اس لیے میں خود ہی انہیں بتا دیا کرتی ہوں۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔ سمیرا۔" امی کی آنکھوں میں حیرت اور لہجے میں بے یقینی تھی۔
"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ تم ہو' کہاں میری تربیت میں کمی رہ گئی تم بہنوں کو یہ تو تعلیم نہیں دی تھی میں نے' یہ بدلہ' یہ انتقام کہاں سے سیکھا تم نے۔" امی کے لہجے میں تاسف تھا۔ "وہ بھی ایسی خاتون کے لیے جس کو خدا نے تمہارے رحم و کرم پر ڈالا ہے اور جس کے بارے میں روز آخرت تم سے سوال ہوگا۔ امی مجھے سمجھا رہی تھیں اور میں شرمندہ ہو رہی تھی۔ میرا تو کتنے دن سے یہی معمول تھا۔
"مگر امی' میں بھی تو ان کی ذمہ داری تھی' دست نگر تھی انہوں نے آٹھ سال تک میرا قطرہ قطرہ خون پیا ہے۔" غصے' ندامت' شرمندگی سے میرے آنسو نکل آئے۔ "اپنے کیے کی ذمہ دار وہ خود ہیں' اس کا جواب بھی وہ خود ہی دیں گے۔ تم کہاں سے بدلہ لینے پہ تل گئیں'

ہو گئیں۔ پھر تم میں اور ان میں فرق کیا رہ گیا' چھوڑو تم نے تو مجھے مایوس کر دیا ہے۔ سمیرا اب میں چلتی ہوں۔" امی یکدم اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"ارے امی بیٹھیے تو سہی' امی میں خود بھی یہ سب نہیں کرنا چاہتی' میرے دل کو بھی سکون نہیں ہے مگر انسانی فطرت تو اللہ نے بنائی ہے۔ انتقامی جذبہ تو اسی نے ہی ڈالا ہے ناں انسان کے اندر مگر اب میں ایسا نہیں کروں گی۔" میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔
جب میں اس کو اپنے آصف سے بیاہ کر لائی تھی تو یہ بمشکل سترہ اٹھارہ سال کی تھی بالکل ایسے جیسے کھلتا ہوا پھول' گالوں پہ گلال بکھرا رہتا۔ اس کی ماں نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ لڑکی کو کھانا پکانا کچھ خاص نہیں آتا' سوچا ہی نہیں تھا کہ اس قدر جلد اس کی شادی کر دیں گے۔ آپ سال دو سال انتظار کر لیں مگر میں نے کہا کہ نہیں میں خود ہی سکھا دوں گی بس آپ مجھے تاریخ دے دیں۔
آصف تو جیسے سمیرا کو پا کر اس کا دیوانہ ہی ہو گیا تھا۔ ہمہ وقت اس کی نظریں سمیرا کا طواف کرتیں اور وہ سرخ ہو ہو جاتی۔ مجھے اپنا مستقبل خطرے میں نظر آنے لگا۔ بیوی کا جادو اگر اس قدر سر چڑھ جائے تو بیوہ ماں اور یتیم بہن کا کیا ہوگا؟ سوالیہ نشان میرے چاروں طرف گھومنے لگا۔ کل کو اگر اس نے کہا کہ مجھے علیحدہ رہنا ہے تو میں اور میری بچی کہاں جائیں گے۔ میں نے حکمت عملی واضح کر لی اس کو آصف کی نظروں سے گرانے اور اس کے دل سے اتارنے کے لیے کوشش شروع کر دی۔ بھری ٹیبل پر بیٹھ کر اس کے پکائے ہوئے کھانے میں نقص نکالتی اس کے پھوہڑپن کی داستان بڑھا چڑھا کر آصف کو سنایا کرتی۔
پتھر پر بھی مسلسل قطرہ گرتا رہے تو اس میں سوراخ ہو جاتا ہے یہ تو پھر میری اولاد تھی۔ میری گود کی پلی ہوئی۔ بڑی ناگواری سے سمیرا کو دیکھتا گویا کہہ رہا ہو کہ کوئی گن ہے بھی یا نہیں۔ اس کے گالوں کے گلال مدھم پڑنے لگے۔ ہر بار آنکھوں میں آنسو بھر لاتی اور خاموشی سے مجھے دیکھا کرتی۔ میرے اندر اور باہر ٹھنڈ پڑ جاتی میری بقا اسی میں ہے کہ جتنا زیادہ اس کو دبا کر رکھا جائے۔ آصف کا آنا جانا اپنی سسرال میں بہت کم ہو گیا تھا۔ چھٹی والے دن دونوں

صبح اور شام کے وقت نکل جاتے۔ میں تلملا کر رہ جاتی۔ ہر ہفتے میکے کے چکر لگ رہے ہیں اس کے منہ سے نکلا اور وہ لے جانے کو تیار۔ نجانے کیا کیا کان بھرتے ہوں گے وہ لوگ۔
"کچھ اپنی عزت و وقار کی بھی پروا ہے تمہیں یا نہیں؟" رات واپسی پر حسب معمول آصف میرے پاس آ کر بیٹھا تھا جبکہ وہ کپڑے وغیرہ بدلنے سیدھی کمرے میں گئی تھی۔ "کیا مطلب؟" آصف کچھ حیران ہوا۔
"جب دیکھو سسرال بھاگے جا رہے ہو' وہ بھی بغیر بلائے' ارے داماد کی عزت کی جاتی ہے اسے کھانے کی دعوت دی جاتی ہے باقاعدہ گھر آ کر بلایا جاتا ہے تب داماد ایک وقت آنے کی ہامی بھرتا ہے۔ تم ہر ہفتے بھاگے چلے جاتے ہو۔" آصف خاموش رہا مگر نتیجہ میری توقع کے عین مطابق نکلا۔ آصف نے اسے میکے لے جانا بہت کم کر دیا۔ ایک بار تقریباً" ڈیڑھ مہینہ ہو گیا تھا اسے گئے ہوئے صبح اٹھی تو اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ رات بھر کمرے کے باہر بحث کی آوازیں آتی رہی تھیں۔ میں نے دروازے سے کان لگا کر سنا بھی مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ صبح ساری بات کھل گئی۔
"صبح اس کا بھائی اسے لینے آئے گا جانے دینا۔" آصف نے بتایا۔ "اور واپسی؟" میں نے پوچھا۔
"شام کو خود ہی چھوڑ جائے گا اس کا بھائی۔" اور اس کے بعد یہ ہی معمول بن گیا۔ دس پندرہ دن کے بعد اس کا بھائی صبح اسے لینے آ جاتا وہ تیار رہتی ساتھ ہی دعا کو بھی تیار رکھتی۔ جیسے ہی اپنے بھائی کی گاڑی کا مانوس ہارن سنائی دیتا وہ مجھے اللہ حافظ کہہ کر باہر نکل جاتی۔ نہ وہ اپنے بھائی کو اندر بلاتی نہ ہی وہ آتا اور رات کو دروازے پر اتار کر گاڑی بڑھا لے جاتا میں تو چاہتی ہی نہیں تھی کہ وہ واپس آئے مارے باندھے میں اسے طلاق بھجواتی۔
مجھے اس وقت بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ عورت کس مٹی کی بنی ہوئی ہے اور آج بھی سمجھ میں نہ آتا کہ کس مٹی سے اللہ نے اس کو بنایا ہے۔ کیا کیا نہ کیا میں نے اس کے ساتھ۔ پھر یہ کیوں دن رات میری خدمت میں جتی رہتی ہے۔ صاف ستھرا کمرہ لشکاتے رہتا ہے۔ سفید

براق چادر میرے بستر پر بچھی رہتی ہے۔ ہمہ وقت تازہ سوپ اور ابلا ہوا پانی میرے سرہانے رہتا ہے۔ لیکن انسانی فطرت سے مجبور ہے نا میرے کام کرنے کے بعد جن نظروں سے مجھے دیکھتی ہے ان میں صاف لکھا ہوا ہوتا ہے۔
"دیکھا میں ۔ آپ کے ساتھ کیا کر رہی ہوں جبکہ آپ نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔" تب میرا دل چاہتا ہے کہ زمین پھٹے اور میں اس کے اندر سما جاؤں۔ کل جب اس کی ماں اس کو سمجھا بجھا کر چلی گئی تو یہ کافی دیر میرے پاس خاموش بیٹھی رہی۔ پھر اٹھی اور دو چمچے پانی میرے منہ میں ڈال کر مجھے دیکھے گئی۔
"اماں جی' آپ نے میری دنیا بھی برباد کر دی اور آخرت بھی۔" گلاس رکھ کر وہ دوبارہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
"پچھلے آٹھ سالوں آپ نے مجھے خون کے آنسو رلایا ہے۔ میری شادی شدہ زندگی میں کبھی سکھ نہ آنے دیا اور اب بستر پر پڑی میری آخرت بھی خراب کی میں بے لوث خدمت کرنا چاہتی ہوں آپ کی مگر یہ نفس مجھے بہکاتا رہتا ہے۔ مجھے نہیں پتا میں اپنی ذمہ داری ٹھیک طریقے سے نبھا رہی ہوں یا نہیں۔ بہرحال اگر کبھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔" وہ آنسو پونچھ کر اٹھ گئی ہے اور اب میں سوچ رہی ہوں کہ وہ معافی کی طلب گار ہو کر اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہو گئی۔ میں اور ثمرین بھی اس وقت اپنا دل بڑا کر لیتے تو شاید ان حالوں کو نہ پہنچتے۔ میں نے جبر اور طاقت کے ذریعے اس پر حکومت کرنا چاہی تھی مگر میں بھول گئی تھی کہ سب سے بڑی طاقت اور حکومت اللہ کی ہے۔ جن سونے کے زیورات اور گھر کے استعمال کی اشیا کی میں جان سے زیادہ حفاظت کرتی تھی وہ میرے کسی کام کی نہ رہیں اور میں نے سفر آخرت کی راہ پر پہلا قدم رکھ دیا ہے۔
سچ ہے کہ سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ اگر میں محبت اور اعلا ظرفی سے کام لیتی تو اس کے چہرے پر بھی بجائے طنز کے محبت کا نرم احساس ہوتا جو اس سفر میں زاد راہ ہوتا' مگر اب تو وقت گزر چکا یہ احساس ندامت اور پشیمانی اب میرے ساتھ جائے گا۔ دعا کریں کہ اللہ مجھ پر رحم کرے۔

☆ ☆

"پھپھو آپ پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کریں آپ نے تو مجھے پالا ہے پڑھایا ہے۔ لمحہ لمحہ پل پل مجھے دیکھا ہے میرے مزاج میرے اخلاق کی پرورش کی ہے۔ کیا آپ بھی سوچ سکتی ہیں کہ میرا فیصلہ غلط ہو گا میری سوچ میچور نہیں ہے" ولیجہ آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی اور وہ خاموش نگاہوں سے اس کی شدت کو پرکھ رہی تھی۔

"کون کہتا ہے میری بچی کی سوچ غلط ہے فیصلہ غلط ہے لیکن ونی جلدی مت کرو آرام سے تحمل سے اسے دیکھو اسے پرکھو تو سہی کچھ وقت گزرنے تو دو میری

ناولٹ

جان گزرتا وقت سارے فیصلے خود ہی کر دیتا ہے ساری گتھیاں سلجھا دیتا ہے۔" تسخیر ہاتھوں میں اس کی موہنی سی صورت کو بھرے دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔

"لیکن پھپھو میرے پپا کہتے ہیں تم بچی ہو ابھی تمہیں کیا خبر صحیح کیا ہے غلط کیا ہے اور۔۔۔" اور وہ کہہ رہے تھے تم کبھی بھی یہ مت سوچنا کہ ہم تمہیں تمہاری پھپھو کی طرح من مانی کرنے دیں گے۔ رو رہی ہے نا آج پچھتا رہی ہے نا وہ اکیلی اور اس نے تمہاری تربیت کیا کی' یہی من مانی' ضد بازی اور خود سری سکھائی تمہیں۔"

ولیجہ نے بولتے ہوئے محسوس کیا تسخیر کے ہاتھوں کی گرفت اس کے ہاتھ پہ سخت ہو گئی تھی وہ بری طرح سے تڑپی تھی پھر اسے ہٹا کر اٹھ گئی سست قدموں سے چلتی کھڑکی میں آ رکی باہر دیکھتے ہوئے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی جب ولیجہ دوبارہ سے بولنے لگی۔

"پھپھو! وہ اظہر اور وقاص پپا سے کہہ رہے تھے آپ اسے واپس گھر بلا لیں کوئی اپنی بیٹی بھی کسی کو دیتا ہے وہ بھی انہیں جنہوں نے خود آپ کی عزت کا خیال نہ کیا۔"

تسخیر کانپ کر رہ گئی اس کے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہونے لگی وہ بمشکل بیڈ کا سہارا لے کر بیٹھ گئی آج کتنے ہی عرصے کے بعد اس کی آنکھوں کی سطح نم ہونے لگی دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے وہ بمشکل بولی۔

"ونی روؤ نہیں میری جان تم جاؤ ہم شام کو اس بارے میں بات کریں گے۔"

"لیکن پھوپھو آپ۔۔۔"

"ونی تم جاؤ پلیز۔" تسخیر نے ضبط سے کہا تو وہ اٹھ گئی اور دروازے میں رک کر اسے دیکھنے لگی پھر بھیگے لہجے میں بولی۔

"میں نے سب کی باتیں بتا کر آپ کو دکھی کر دیا نا۔ لیکن آپ ہی کہتی ہیں ہمیں پتا ہونا چاہیے کون ہمارے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ پھپھو آپ روئیں گی تو مجھے بہت دکھ ہو گا۔"

وہ کہہ کر جا چکی تھی مگر تسخیر دروازے پہ نگاہیں ٹکائے ساکت سی بیٹھی رہ گئی آنکھوں میں آیا پانی ٹھہر گیا وہ سوچ رہی تھی جب سے ولیجہ تھوڑی سی بڑی ہوئی تھی تسخیر نے رونا چھوڑ دیا تھا وہ کبھی رونے ہی نہ

دیتی اپنے ننھے سے ہاتھوں سے اس کی آنکھیں صاف کردیتی اور اس کے گالوں پہ اپنے گلابی ہونٹ رکھ کر کہتی۔

"بس اب تو درد نہیں ہو رہانا ۔" اور تسخیر ہنسنے لگتی اسے سختی سے بانہوں میں بھینچ لیتی تو سچ مچ درد کی شدت کم ہونے لگتی اس ننھی سی جان نے اس کی تنہائیوں کو بانٹ لیا تھا اس کی ذات کے گرد اتنی گہری کالی رات میں رونق اور روشنی سی بھردی تھی وہ ہی تو تھی جس نے تسخیر کو آج تک زندہ رکھا تھا۔

تسخیر نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا اور آنکھوں سے یادوں کو بہنے کی اجازت دے دی۔

تسخیر عباس عباس کاظمی کی لاڈلی بیٹی تھی تین بھائیوں کے بعد پیدا ہوئی تو سارے گھر میں خوشی کی لہر سی دوڑ گئی تھی۔ بھائی اس کو اٹھائے اٹھائے پھرتے تھے سو رہی ہوتی تو اس کے سرخ رخساروں کو چھو چھو کر دیکھتے رہتے تسخیر جیسے جیسے بڑی ہو رہی تھی اسے اس بات کا یقین ہوتا جارہا تھا کہ وہ بہت اہم ہے گھر میں کوئی بھی اس کی بات ٹال ہی نہیں سکتا۔ وہ میٹرک کی طالبہ تھی جب بڑے بھیا کی شادی ہوئی یوں لگتا خوشیوں نے ان کے گھر کا رستہ دیکھ لیا ہے وہ بہت چنچل اور شوخ تھی شاید سب کی شدید محبتیں ہر دم اسے اڑائے پھرتی رہتیں لیکن پھر یوں ہوا کہ بڑے بھیا اور بڑی بھابھی کو چند ہی دنوں میں گھر چھوٹا لگنے لگا۔ تسخیر نے خود سنا بھابھی کہہ رہی تھیں۔

"ہیشم عباس تمہارا گھر تو چڑیا گھر لگتا ہے۔ جس میں سارے جانور بے وجہ دندناتے پھرتے رہتے ہیں حیرت ہے تہذیب ہی نہیں جس کے کمرے میں چاہو بلا اجازت چلے جاؤ۔"

تسخیر کا خیال تھا اس بات پہ بھیا چیخیں گے چلائیں گے لیکن اس کے کانوں نے کچھ اور ہی سنا۔

"تم فکر نہ کرو جانو! میں بہت جلد انتظام کرتا ہوں ہم دونوں کو خاموشی اور تنہائی کی ضرورت ہے میں سمجھ سکتا ہوں تمہارے احساسات۔"

تسخیر نے بھاگ کر ماں کو بتایا تو وہ پتھر کی طرح ساکت ہو کر رہ گئیں تسخیر ان کے گلے لگ کر رودی تبھی منجھلے ضیغم بھیا اور چھوٹے انصرام نے بھی سب سن لیا وہ بھی ماں کے اردگرد آبیٹھے دکھ نے سب کو گنگ کر کے رکھ دیا تھا۔

"ممی جان ہم بھی تو بڑے بھیا سے بہت محبت کرتے ہیں وہ ہمارے احساسات کیوں نہیں سمجھتے کیا ہماری محبت انہیں ہم سے دور خوش رہنے دے گی" تسخیر نے نمناک لہجے میں کہا تو ممی جان نے واقعی بڑے ضبط سے اس تلخی کو نگل لیا اور بہت تحمل سے ان تینوں کو سمجھایا پھر آنکھوں کو آنچل سے صاف کر کے اسٹڈی میں عباس کاظمی کے پاس چلی آئیں۔ وہ مطالعے میں مصروف تھے رفعت بانو یونہی کتابوں کو ادھر ادھر کرنے لگیں تو عباس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

"کچھ کہنا ہے۔"

"ہاں۔" وہ قریب چلی آئیں اور مسکرانے کی کوشش کی۔

"رفعت تمہیں تمہید باندھنے کی ضرورت کب سے پڑ گئی۔" عباس فکر مند سے ہو کر بولے تو وہ انہیں دیکھنے لگیں پھر بولیں۔

"عباس یوں کرتے ہیں ہیشم اور دلہن کو فلیٹ کی چابی دے دیتے ہیں وہ کچھ عرصہ رہیں وہاں اپنی نئی زندگی کو انجوائے کریں اور ایسے ان کو ابھی سے اپنی ذمہ داریاں بھی سنبھالنی آجائیں گی۔" وہ جلدی جلدی کہہ کر ان کی طرف دیکھنے لگیں عباس حیران نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے لیکن جانتے تھے اس کے پیچھے ضرور کوئی وجہ ہوگی رفعت ہمیشہ سے ایسی تھیں ہمیشہ طوفان آنے سے پہلے بند باندھ لیتی تھیں وہ گہری سوچ میں کھوئے ہوئے تھے تبھی رفعت نے جانے کے لیے رخ پھیرا پھر رک کر بولیں۔

"آپ اس بارے میں ضرور سوچیں پھر فیصلہ کر کے ہم سب کو سنا دیجیے گا۔ اور یاد رکھیں عباس تنجر نے بوجھ کر ادھر ادھر ہی پھیلنا ہوتا ہے اسے باندھ کر نہیں رکھا جاسکتا اور یونہی پھیلتے ہوئے بڑھتے ہوئے وہ اپنے تنے سے وابستہ بھی رہتا ہے باندھ دینے سے تو اس کا دم گھٹ جائے گا وہ بغاوت کرے گا اور شاید ـــ"

وہ اپنی آنکھیں صاف کرنے کو رکیں اور پھر چلی گئیں عباس کاظمی بہت کامیاب وکیل تھے لیکن گھر کے معاملات میں وہ ہمیشہ رفعت بانو کی صلاحیتوں کے معترف رہے تھے۔ وہ دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے۔

صبح ناشتے پر ہیشم نے غیر معمولی سی خاموشی نوٹ کی لیکن اپنے لہجے کو شگفتہ بنا کر ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے پھر بولے۔

"بابا جان مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"مجھے بھی آپ دونوں سے کچھ کہنا ہے۔" عباس کاظمی نے نہایت تحمل سے بیٹے اور بہو کو دیکھ کر کہا سب نے چونک کر انہیں دیکھا اور ہیشم عباس تو حیران رہ گئے بابا کا لہجہ بالکل مختلف سا لگا تھا وہ بے اختیار ہی کہہ گئے۔

"پھر پہلے آپ کہیں۔"

چند لمحے سکوت چھا گیا اور اس سکوت کو بابا جان کی آواز نے ہی توڑا۔

"ہیشم میں نے سوچا ہے تم اور بہو فلیٹ میں شفٹ ہو جاؤ ایک دوسرے کے ساتھ رہو' ایک دوسرے کو سمجھو اور اپنی مرضی کے مطابق اپنی زندگی گزارو" بابا جان کہہ کر اٹھ گئے ان میں اپنے بچوں کی نظروں کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا ان کے صحت مند جسم کا بہت ہی اہم حصہ بے کار ہو گیا ہو وہ بہت افسردہ سے اپنے کمرے میں آبیٹھے۔

بابا جان کا فیصلہ اتنا اٹل اور اچانک تھا کہ ہیشم شرمندہ سے ہو کر رہ گئے اور پھر سب کو روتے چھوڑ کر سر جھکائے گھر سے نکل آئے۔ لیکن بھابھی بہت خوش تھیں اور انہیں یقین تھا وہ ہیشم کے دل سے سارے خدشے' شرمندگی دور کرلیں گی۔

حالات دھیرے دھیرے معمول پر آرہے تھے بھائی اور بھابھی کبھی کبھار ملنے چلے آتے تھے۔ تسخیر نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا وہ بہت ذہین تھی اور اسے شوق بھی بہت تھا پڑھنے اور جلد از جلد ڈاکٹر بن جانے کا وہ کبھی کبھی مستقبل کی پلاننگ کرنے بیٹھ جاتی کہ میں ڈاکٹر بن کر یہ کروں گی وہ کروں گی تو ضیغم بھائی اسے چھیڑتے اور ہمیشہ کہتے مجھے پتا ہے تم ڈاکٹر بن کر کیا کرو گی" اور وہ ـــ معصومیت سے پوچھتی۔

"کیا۔"

"تم ڈاکٹر بن کر شادی کرلو گی بس۔"

"ممی جان دیکھیں ذرا۔" وہ چیختی اور ممی جان اسے محبت سے ساتھ لگا لیتیں۔

رفعت بیگم کو ضیغم کی شادی کی فکر ہو رہی تھی وہ ان کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں۔

"ضیغم مجھے سمجھ نہیں آتی تمہارے ساتھ کیسی لڑکی سوٹ کرے گی پلیز جانو میری یہ مشکل حل کردو اگر کوئی پسند ہے تو بتادو" ممی جان الجھی ہوئی سی ضیغم کے کمرے میں چلی آئیں وہ کتابیں اردگرد پھیلائے بیٹھا تھا ماں کو دیکھ کر سیدھا ہو بیٹھا اور ماں کو بازو سے

پکڑ کر پاس بٹھالیا۔
"ممی جان مجھے ابھی شادی نہیں کرنی ابھی مجھے تقریباً" دو سال تک شادی کی ضرورت نہیں ہے میں اپنا بزنس سیٹ کرنا چاہتا ہوں اور۔۔۔"
وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گیا اور رفعت بیگم نے چونک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا انہیں پہلی بار اپنی بے خبری پہ افسوس ہوا۔ وہ تو خود کو بہت اچھی ماں سمجھتی تھیں پھر ضیغم کی آنکھوں میں اترتا درد انہیں کیوں نظر نہ آیا۔
"اور کیا بولو۔" انہوں نے بیٹے کے ہاتھ تھام لیے وہ سر جھکائے بیٹھا رہا۔
"وہ کون ہے۔" وہ بے چین ہونے لگیں۔
"ممی جان وہ بہت اچھی ہے۔ مجھے بہت پسند بھی ہے وہ آپ کی بہو بنتی تو آپ کو بہت خوش رکھتی اور سب کو ملا دیتی اسے بہت شوق ہے ممی جان بڑی سی فیملی میں بہت سے لوگوں کے ساتھ رہنے کا لیکن۔۔۔"
"تو اس میں اتنا دکھی ہونے کی کیا ضرورت ہے وہ ہی ہمارے گھر بہو بن کر آئے گی۔" رفعت بیگم نے محبت سے بیٹے کے بال بگاڑے تو ضیغم کی آنکھوں سے اشک بہہ نکلے اس نے آنسوؤں کو بہنے دیا اور پھر بہت ضبط سے بولا۔
"ممی جان اس کے پاس وقت نہیں ہے۔ وہ اس دنیا میں صرف کچھ ہی مہینوں کی مہمان ہے۔" رفعت بیگم تڑپ کر رہ گئیں بیٹے کو ساتھ لگائے دیر تک بیٹھی رہیں ضیغم کو بھی بہت سکون ملا ماں سے اپنا دکھ شیئر کر کے پھر ممی نے اسے خود سے الگ کر دیا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئیں دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔
"اس کے گھر میں اور کون کون ہے۔"
"صرف اس کے پپا۔"
"ان سے ابھی بات کرو کہ شادی کی تیاریاں کریں ایک ہفتے کے اندر اندر اسے بہو بن کر ہمارے گھر آنا ہے اور ہاں میں سب کو فون پر انوائیٹ کر لیتی ہوں تم جلدی اٹھو۔ فون پہ ان سے بات کرنے کے بعد باہر آؤ۔ بھئی آخر شادی والا گھر ہے ڈھیروں کام پڑے ہیں۔" وہ بھرپور انداز میں مسکرائیں ضیغم ابھی تک حیرت زدہ تھا رفعت بیگم نے اسے ساتھ لگا کر سر چوما اور بہت محبت سے بولیں۔
"ہمارا ابھی تو دل چاہتا ہے ہماری کوئی بہو بہت ہی اچھی ہو اور ویسے بھی زندگی کا بھروسہ کسے ہے، جب جس سے اور جتنی خوشیاں ملتی ہیں سمیٹ لینی چاہئیں۔"
یہ کہہ کر وہ رکی نہیں تیزی سے کمرے سے نکل گئیں اور پھر چند لمحوں میں ہی گھر میں ہلچل کا سماں ہو گیا ہر کوئی حیران تھا اور خوش بھی ممی جان نے سب کو کہہ دیا وہ بہت دنوں سے لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں انہوں نے خود ہی سب کچھ طے کر لیا ہے۔
لیکن رات کو انہیں جب شوہر کی عدالت میں حاضر ہونا پڑا تو ضبط چھوٹ گیا وہ دیر تک روتی رہیں سب کچھ انہیں سچ سچ بتا دیا وہ بھی بہت ملول سے ہو گئے لیکن بیوی کو تسلی دینے کی ہر کوشش کر ڈالی۔
"چلو وہ ہمارے ضیغم کی محبت تو ہے نا!۔"
وہ بمشکل مسکرا کر بولے تھے۔
اور پھر رفعت بیگم نے بیٹے سے کیا ہوا عہد نبھا دیا۔ بڑے زور و شور سے وہ بیین کو بہو بنا کر لے آئیں۔
بیین واقعی بہت اچھی تھی پڑھی لکھی اور خوب صورت اور وہ ان سب کی محبتوں پہ حیران ہو رہی تھی اس کے تو واہمے میں بھی قدرت کے اس اتنے بڑے خواب جیسے انعام کا گزر نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ممی جان کے گلے لگی دیر تک روتی رہی۔
"ممی جان کاش میں زیادہ جی سکتی آپ کی محبتوں کے سائے میں رہ سکتی لیکن اب۔۔۔"
"اب تم اس دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہو جس نے اپنی محبت بغیر کسی ظالم سماج کے حاصل کر لی ہے لہٰذا کچھ بھی سوچے بغیر اس خوب صورت زندگی کو انجوائے کرو۔" ممی جان نے اس کا ماتھا چوم کر کہا تو وہ بھی مسکرا دی شاید پہلی بار موت سے بے فکر ہو کر مسکرائی تھی۔

تسخیر اور انصرام کو بھی نئی بھابھی بہت اچھی لگی تھیں اور ابھی وہ دونوں پوری طرح اس خوشی کو انجوائے بھی نہ کر سکے تھے کہ ضیغم بھیا اور بھابھی نے لندن جانے کے بارے میں بتایا۔ وہ دونوں پریشان تھے خوب شور بھی کیا لیکن انہیں ممی اور پپا کے اطمینان پہ حیرت تھی۔
"مجھے لگتا ہے ممی اور بابا جان بڑے بھیا کے بعد چھوٹے بھیا کے گھر سے جانے پر پہلے سے ہی ذہنی طور پر تیار تھے۔" تسخیر نے کہا تو انصرام بھی سر ہلا کر رہ گیا۔
ضیغم بھائی نے ڈاکٹرز سے مشورہ کیا تھا اور سب کے مایوس کرنے کے باوجود وہ قسمت آزمانا چاہتے تھے۔ تبھی بیین کو لے کر لندن چلے گئے کہ شاید وہ محبت کی اس راہ گزر پر زیادہ دیر تک ساتھ ساتھ چل سکیں۔ لیکن ان کی قسمت میں بیین کا بہت لمبا ساتھ نہیں لکھا تھا۔ وہ لندن سے مسلسل گھر والوں سے رابطہ کرتے رہے تھے ممی جان اور بابا کو پل پل کی خبر دیتے رہے تھے تسخیر اور انصرام کو بھی پتہ چل گیا کہ بھابھی کو برین ٹیومر ہے۔ ان دونوں نے بھی ڈھیروں دعائیں مانگی تھیں لیکن ساری دعائیں شرف قبولیت نہیں پا سکتیں اور یہ دعائیں بھی مستجاب نہ ہو سکیں بھیا نے فون پہ بیین کی موت کی اطلاع دی اور ساتھ ہی اپنے کبھی نہ لوٹنے کی خبر بھی دے دی۔ ممی اور تسخیر زار و قطار رو رہی تھیں بہت سے دن گزرتے گئے لیکن افسردگی ہنوز تھی یوں لگتا اب کبھی اس گھر میں کوئی بے ساختہ نہ ہنس سکے گا ایسے میں انصرام بہن کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے ماحول خوشگوار کرنے کی کوشش کرتا۔
پپا کو جب شدید ہارٹ اٹیک ہوا تو انصرام دوستوں کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی سیر کو گیا ہوا تھا گھر میں ممی اور تسخیر تھیں دونوں بہت گھبرائیں انہیں لے کر ہاسپٹل پہنچیں پھر پپا کو ایڈمٹ کرنا پڑا تسخیر نے بھائیوں کو اطلاع کر دی اور وہ حیران رہ گئی ایک لمبے عرصے کے بعد تینوں بھائی گھر میں اکٹھے ہو کر بیٹھے اور اس سے پہلے کہ وہ ان خوشیوں کو محسوس کر سکتی پپا کا

دل صدمات کا بوجھ سہنے سے جواب دے گیا۔
گھر میں صف ماتم بچھی تھی وہ بھائیوں کے گلے لگی روتی رہی ممی کے ہاتھ آنکھوں سے لگائے سسکتی رہی۔ لیکن ممی نے بھی بس چپ سادھ لی۔ اتنے برسوں کی رفاقت کیا ٹوٹی اندر سناٹا ہی چھا گیا۔ بیٹے واپس اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے ضیغم کی اجاڑ زندگی نے ممی کا درد اور بڑھا دیا۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھیں لیکن وہ چالیسویں کے بعد خاموشی سے لوٹ گیا۔ تو وہ تسخیر کو گلے لگا کر بہت روئیں اور بس آنسو بھی خشک ہو گئے اندر باہر ہر طرف سناٹا چھا گیا۔
زندگی نے پھر سب کو اپنے معمول کی طرف کھینچ لیا۔ تسخیر کا کالج اور انصرام کی کمپیوٹر کلاسز پھر شروع ہو گئیں وہ سب بے دلی سے زندگی کی دوڑ میں شامل ہو گئے۔
تسخیر کے مزاج میں پے در پے صدمات کے باعث ٹھہراؤ سا آ گیا تھا عام لڑکیوں کی طرح ہنسی مذاق اور شرارتیں اس سے کی ہی نہیں جاتیں وہ بڑی سنجیدگی سے اپنی میڈیکل کی مشکل ترین پڑھائی میں مصروف تھی جب اسے محسوس ہوا کوئی مسلسل اسے نظروں میں رکھتا ہے اپنے وجود میں گڑی دو آنکھیں وہ ڈھونڈتی رہ جاتی اور پھر اس نے وہ دو آنکھیں کھوج نکالیں جو اس کے اچانک دیکھ لینے پہ گڑبڑا سی گئیں جانے کیوں مسکراہٹ تسخیر کے لبوں کو چھو گئی سادہ سے سفید شلوار قمیص میں وہ جو کوئی بھی تھا غضب کا خوب صورت اور پرکشش تھا بال نفاست سے جمائے دو کتابیں ہاتھ میں پکڑے وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا تسخیر اپنی ویگن میں سوار ہو گئی لیکن وہ دو آنکھیں اب جیسے ذہن میں آنکھوں میں نقش ہو گئیں وہ انہیں جھٹک ہی نہ پا رہی تھی وہ اکثر سوچتی وہ ایسے مرد سے شادی کرے گی جس کی بہت بڑی فیملی ہو اور وہ اچھی بہو ثابت ہو گی بڑی سی فیملی کا حصہ بن کر رہے گی۔ یا پھر کبھی وہ بہت ٹینشن میں ہوتی بڑے بھائی منجھلے بھیا کے کمرے صاف کرواتی ان کی چیزیں چھوتے ہوئے وہ سوچتی وہ کسی اکلوتے سے شادی کرے گی جس کے ساتھ ممی اور مجھ جیسی دکھ محسوس کرنے والی ہستیاں منسلک ہی نہ ہوں بس وہ شروع سے آخر تک صرف میرا ہی ہو۔

☼ ☼ ☼

بہت دنوں تک سب کچھ ایک معمول کی طرح چلتا رہا۔ وہ بہت محنت سے پڑھ رہی تھی لیکن اس کے دھیان میں کوئی نیا گیان ہونے لگا تھا۔ وہ جو بھائیوں کے بدل کر دینے والے رویوں کے باعث مرد ذات سے ہی خائف سی تھی اس کے اندر کہیں کچھ بدلنے لگا تھا۔ وہ ان خاموش سی دو آنکھوں کی باتیں سننے کی متمنی ہو رہی تھی نجانے کیوں وہ پڑھتے پڑھتے کام کرتے اٹھتے بیٹھتے اس کے بارے میں سوچنے لگی تھی اور پھر وہ دو آنکھیں غائب ہو گئیں وہ اپنے پوائنٹ پہ کھڑی ادھر ادھر دیکھتی بعض اوقات تو اسے اپنے آپ پہ حیرت ہوتی کہ وہ کسے تلاش کر رہی ہے جسے جانتی ہی نہیں پھر اس کی نیند اڑنے لگی وہ سوتے سوتے اٹھ کر بیٹھ جاتی۔
"وہ کون تھا؟ وہ مجھے اتنی لگن سے کیوں دیکھتا تھا؟ وہ کہاں چلا گیا؟ میں اسے کیوں ڈھونڈ رہی ہوں؟"
"نہیں نہیں میں کیوں ڈھونڈوں گی بھلا' مجھے کسی کی تلاش نہیں اور نہ ضرورت ہے۔" وہ خود کو ڈانٹتی اور تکیے میں منہ چھپا لیتی۔

☼ ☼ ☼

"ڈاکٹر صاحبہ آج کل کچھ ڈسٹرب لگ رہی ہیں کیوں۔"
انصرام تیل ہاتھ میں پکڑے اس کے پاس آ بیٹھا بوتل اسے پکڑا کر اشارے سے تیل لگانے کو کہا وہ کتابیں ایک طرف ہٹا کر اس کے سر میں تیل لگانے لگی۔
"نہیں ڈسٹرب تو نہیں ہوں بس بھائی دکھی ہوں۔" وہ معصومیت سے بولی آنسو بھی گالوں پہ پھسل آئے تو انصرام اس کے ہاتھ ہٹا کر اس کی طرف مڑا اور محبت سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں دکھ تو ہمارے گھر میں آ بیٹھے ہیں دیکھو تو سب چلے گئے بس یہ دکھ پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئے ہیں لیکن پگلی تم فکر نہ کرو میں ان دکھوں کو اپنے گھر میں بیٹھنے نہیں دوں گا۔ آج کل لڑکی ڈھونڈ رہا ہوں تمہیں اچھی سی بھابھی لا کر دوں گا جو اپنی ہنسی سے اپنے شور شرابے سے ہمارے گھر کی ساری خاموشی دور کر دے گی۔"
"نہیں نہیں بھائی مجھے مزید کسی بھابھی کی ضرورت نہیں ہے جو آپ کو بھی لے اڑے مجھ میں بالکل بھی ہمت نہیں آپ کو کھونے کی۔" انصرام ہنسنے لگا تبھی ممی بھی چائے لیے چلی آئیں تو وہ لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔
"ممی جی پلیز ایک کام کیجیے گا۔"
"کیا۔"
"یہ راہی بھیا کو بھی شادی کی سوجھ رہی ہے اگر یہ سنجیدگی سے کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو ایک فیصلہ آپ بھی کر لینا کسی بھی بونگے شونگے کے ساتھ پہلے مجھے وداع کر دیجیے گا تاکہ میری آنکھیں تیسری بھابھی کے سکھ نہ دیکھ سکیں۔"
ممی اور انصرام اس کی بات پہ ہنسنے لگے تو وہ اسے گھور کر بولی "سچ کہہ رہی ہوں۔" ممی نے اسے ساتھ لگا کر اس کا ماتھا چوم لیا۔
"ہاں انصرام کی شادی سے پہلے اپنی بیٹی کو وداع کرنے کا سوچ رکھا ہے اور ہو نگا کیوں' میری اکلوتی لاڈلی کے لیے کوئی شہزادہ آئے گا۔" امی نے کہا تبھی اس کی آنکھوں میں وہ اتر آیا وہ سادہ سے کپڑوں میں اکثر بڑھی شیو کے ساتھ کتابیں ہاتھ میں پکڑے حددرجہ سنجیدہ سی صورت اور کالی گہری آنکھیں لیے' وہ بے چین ہو اٹھی۔
"وہ آخر کہاں چلا گیا۔" وہ سوچ کر رہ گئی ممی اب ضیغم بھائی کی باتیں کر رہی تھیں وہ انہیں واپس بلانا چاہتی تھیں تسخیر اپنا کپ اٹھا کر اپنی کتابیں لیے کمرے میں چلی آئی۔
"میں کیسے عام لڑکیوں کی طرح دن بھر ایک لڑکے کے بارے میں سوچنے لگی ہوں اف کتنی فضول حرکت ہے میڈم۔"
اس نے کتابیں بیڈ پہ پٹخ کر اپنے سر پہ چپت لگائی۔

☼ ☼ ☼

وہ کتنی دیر سے اپنی وین کے انتظار میں کھڑی تھی یا پھر اس کا دھیان وین کی طرف تھا ہی نہیں تبھی تو اسے سامنے سے دوسری گزرتی وین کا بھی پتا نہیں چلا تھا۔
"آپ مجھے ڈھونڈ رہی ہیں۔" کوئی بہت قریب سے بولا تو وہ بری طرح چونکی اور پھر اسے اپنے بالکل ساتھ کھڑے دیکھ کر دنگ رہ گئی لیکن سنبھلتے ہوئے بولی "جی نہیں آپ کون" پھر انجان بن کر سڑک کی طرف دیکھنے لگی وہ مسکرایا تو اسے لگا جیسے بڑی کوشش سے مسکرایا ہو۔
"میں زمران بخاری پچھلے دنوں PCS کے پیپرز دے رہا تھا اس لیے مسلسل ادھر سے جانا ہوتا تھا آپ جانے کیوں میری توجہ کھینچ لیتی تھیں کہ مجھے کہیں کچھ اور دیکھنے کا ہوش ہی نہ رہتا پیپرز میرے بہت ہی اچھے ہوئے کیونکہ روز صبح آپ کو جو دیکھ لیتا تھا اور پھر پیپرز ختم ہو گئے۔ میں نے سمجھا آپ سے بس عارضی سی انسیت تھی کہ آپ کی شکل دیکھ کر پیپر اچھا ہوتا ہے میں اس لیے دیکھتا رہا لیکن چند دن گھر۔۔۔"
وہ بہت گھبرا رہی تھی بار بار بال کانوں کے پیچھے کرتی دوپٹہ درست کرتی وہ اسے بولتا ہی چھوڑ کر سامنے سے آتی وین میں بیٹھ گئی تھی اور وہ دیکھتا ہی رہ گیا پھر مسکرا کر واپس مڑا۔
"لیکن مجھے خود پہ پورا یقین ہے کہ میں تم سے بے اندازہ محبت کرنے لگا ہوں ہر انجام سے بے خبر' تمہارے کسی بھی طرح کے رویے سے بالاتر ہو کر میں محبت مانگنے نہیں آیا تھا بس مجھے یقین تھا تم مجھے ڈھونڈتی ہو گی اور میں نے تمہاری آنکھوں میں اپنی محبت کی تڑپ دیکھی ہے۔" وہ آج کل یونہی خود کلامیوں میں گھرا ہوا تھا یہ اس کی فطرت کا جنون تھا یوں جیسے اس کی سوئی کسی نقطے پہ اٹک گئی تو پھر بس وہ گھنٹوں اس پہ دلائل دے کر خود کو درست ثابت کر

سکتا تھا۔

تو یہ کوئی ایسا بے جھجک بھی ہو سکتا ہے آج تک کسی لو اسٹوری کا ہیرو ایسا خوش فہم نہ ہو گا" "کسے ڈھونڈ رہی ہیں مجھے۔" ہونہہ میں بھلا تمہیں کیوں ڈھونڈوں گی۔" وہ سخت جھنجلائی ہوئی تھی کچھ بھی کرتے ہوئے اس کے بے ساختہ سے فقرے وہ غیر ارادی طور پر بڑبڑا رہی تھی "میں زمران بخاری" وہ منہ بنا کر بولی اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"واؤ کیا زبردست نام ہے زمران بخاری ہوں PCS کے پیپرز یعنی بندہ قابل ہے اور فیوچر برائٹ۔" وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔

"ہائے کسے بتاؤں ساری باتیں کون مشورہ دے کیا کروں اور میری یہ کیفیت کیا معنی رکھتی ہے میں کیوں مسلسل اسے سوچ رہی ہوں۔" وہ سر جھٹک کر بولی اور پھر کتابیں پھیلا کر پورے انہماک سے پڑھنے لگی لیکن کچھ تھا جو بار بار اس کا انہماک ٹوٹ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اور پھر ضیغم بھائی آ گئے اپنی میم بیوی کے ہمراہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ صحتمند اور سنجیدہ سے ہو گئے تھے لیکن کافی مطمئن اور خوش تھے ممی، تسخیر اور انصرام نے محبت سے ان کا استقبال کیا۔ گھر میں چہل پہل سی ہو گئی تھی تسخیر چوری چوری بھائی کو دیکھ رہی تھی وہ ان کی شدید محبت میں بین بھابھی کے دکھ کی پرچھائیں ڈھونڈ رہی تھی وہ آج کل ہر کسی کی محبت جانچتی رہتی بھائی کو خوش دیکھ کر خوش تھی لیکن ان کا سکون اور پھر گزرتے دنوں کے ساتھ اس کی نظروں سے گزرتی بیوی کی ناز برداریوں نے اس کے اندر پنپتی محبت کے لبوں پر انگلی رکھ دی اسے خاموش کر دیا اسے لگا کوئی محبت سچی اور دیرپا ہوتی ہی نہیں تبھی تو وہ اسے دیکھ ہی نہ پاتی روز محسوس کرتی وہ ویسی ہی چاہ سے دیکھتا قریب آ رکتا تھا لیکن اس کی چپ محسوس کر گیا تھا شاید تسخیر کو ایک پل میں لگا وہ اسے بہت جانتا ہے وہ اس کے مزاج کے سارے موسموں کو سمجھ سکتا ہے اس دن وہ اس کی مسکراہٹ سے شہہ پا کے بہت بولا تھا اب روز ہوتا لیکن کچھ نہ کہتا وہ خود کو یقین دلاتی کہ وہ اس سے گریز کرتی رہے گی تو وہ تھک ہار کر لوٹ جائے گا۔ لیکن گزرتا ہر دن اس کا یقین کمزور کر رہا وہ ہر روز ہوتا بس پوری توجہ سے صرف اسے دیکھتا اور جیسے ہی وہ اپنی وین پہ سوار ہوتی وہ واپس لوٹ جاتا "اسے کوئی کام نہیں ہے؟" وہ سوچ کر رہ جاتی۔

☼ ☼ ☼

"تم اتنی پیاری ہو تمہاری آنکھیں تو خاص طور پر زبردست ہیں لیکن ان میں ٹھہرا مسلسل درد یہ بداعتمادی دن بدن ان کی خوبصورتی کم کر رہا ہے۔ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنے دل کے بہت قریب محسوس کیا ہے اس لیے آپ وغیرہ کا تکلف نہیں کیا۔" وہ چپ ہوا تو وہ اس کی طرف مڑی اور ایک لمحے کے لیے بغور اسے دیکھا اور شاید یہی وہ کمزور لمحہ تھا جس کے اندر وہ جہاں کا یقین بسا تھا جسے لفظوں کی ضرورت ہی نہ تھی تم کی اس نے نظریں جھکا لیں۔

"میرے پاس ان فضولیات کے لیے وقت نہیں ہے میرا میڈیکل کا لاسٹ ایئر ہے اور میری زندگی کی ترجیحات میں کہیں بھی یہ سڑک چھاپ محبت نہیں ہے کہیں بھی نہیں۔"

وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تو وہ اسے حیران نظروں سے دیکھتا آج اس کی وین آنے سے پہلے لوٹ گیا۔ تسخیر کے قدم بے ساختہ بڑھے وہ اس کو روکنا چاہتی تھی کیوں۔

وہ سوچ کر رہ گئی اور وہ چلا گیا بہت دور اس کی نظر کی پہنچ سے دور، تسخیر کی آنکھوں کے کنارے بھیگ رہے تھے اس نے انگلی کی پور پر آنسو کو محسوس کیا اور پھر اپنی منزل کی طرف چل پڑی۔

پھر وہ روز منزل کی طرف بھاگتی لیکن اسے لگتا اس کی توانائیاں کم ہونے لگی ہیں کبھی کبھی تو اسے دن بھر کچھ کھانا پینا یاد نہ رہتا اور کبھی کبھی وہ سب میں بیٹھی کچھ بھی سن نہ پاتی۔ اس نے ممی سے کہا کہ انصرام سے موٹر سائیکل پہ چھوڑ کر آیا کرے وہ وین سے نہیں جائے گی لیکن اس سے بھی کیا فرق پڑتا روڈ تو وہی رہتا جہاں قدم قدم پہ اسے وہ آنکھیں بے چین کرتی تھیں اور کبھی لہجہ کبھی وہ پورا گم صم خاموش سا۔

"ہونہہ دل کے بہت قریب محسوس کرتا ہوں اس لیے آپ کا تکلف نہیں کیا۔"

"اگر ایسا ہی قریب محسوس کیا تھا تو ذرا سی بات پر غائب کیوں ہو گئے۔" وہ رو دی وہ خود کو بہلاتے خود سے جھوٹ بولتے بولتے تھک گئی تھی اور پھر اسے اپنا فقرہ یاد آ گیا۔

"سڑک چھاپ۔"

"اوہ تو کتنی بری ہوں میں وہ میرے لیے اپنے دل میں کتنے اچھے خیالات رکھتا تھا۔ میری شکل دیکھ کر پیپر دینے جاتا تھا اور میں نے اس کے سارے جذبوں کو سڑک چھاپ کہہ دیا ہائے کتنا دکھ ہوا ہو گا اسے لیکن وہ کہاں گیا کیا مجھے بھول گیا جیسے ضیغم بھائی بین بھابھی کو" وہ آج فرصت سے اسے سوچ رہی تھی ساتھ ہی ساتھ آنسو بھی بہا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ضیغم گھر میں آئے تو بڑے بھیا کو بھی اپنے حصے کی فکر ہونے لگی انہوں نے ممی کو فون کیا کہ وہ بھی اپنے بیٹے اور بیوی کے ساتھ گھر لوٹنا چاہتے ہیں ممی تو بے حد خوش ہو گئیں۔ لیکن تسخیر نے انصرام کی طرف دیکھا وہ بھی وہی سوچ رہا تھا جو تسخیر نے سوچا۔

"واہ رے زندگی کیسے دھیرے دھیرے ساری محبتیں اغراض میں بدل کر رہ جاتی ہیں کچھ بھی خالص نہیں رہتا کہاں تو بڑی بھابھی اکیلی تھیں اور گھر چھوٹا پڑ رہا تھا اور کہاں اب انہیں سب ٹھیک نظر آ رہا تھا۔" تسخیر کے اندر عجب توڑ پھوڑ ہو رہی تھی ممی خوش خوش بیٹے بہو کے لیے پورشن سیٹ کروا رہی تھیں اور وہ خود کو ٹٹول کر دیکھ رہی تھی اندر کہیں بھی بڑے بھیا کی آمد کی خوشی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

"بھیا رکیں پلیز۔" تسخیر نے ایک دم موٹر بائیک چلاتے انصرام کو روکا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے گڑیا۔"

"چلیں آپ مجھے یہاں چھوڑ دیں۔ میں پہلے بھی یہیں سے وین لیتی تھی کچھ چیزیں لینی ہیں پھر میں خود ہی چلی جاؤں گی۔"

وہ عجلت سے کہہ کر اتر گئی تو انصرام سر ہلا کر تیزی سے بائیک آگے بڑھا لے گیا۔

تسخیر کو وہ نظر آ گیا تھا جسے وہ پچھلے کتنے ہی مہینوں سے ڈھونڈ کر پاگل ہونے لگی تھی اور اب تو جیسے صبر آنے لگا تھا کہ وہ پھر سامنے آ گیا وہ تیز قدموں سے چلتی سامنے والی دکان کی طرف بڑھ رہی تھی تبھی اس نے مڑ کر دیکھا اور اس سے پہلے اس کے قریب آ گیا۔

"ہیلو۔" وہ دھیرے سے بولا تو تسخیر اسے گھورنے لگی اور تشو سے چہرہ رگڑتی ہوئی بے ساختہ بولی۔

"تم نے کیا سمجھا میں تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو جاؤں گی یا پھر مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ میں مر جاؤں گی تمہارے ہجر میں، تم آخر خود کو سمجھتے کیا ہو مطلب کیا تھا تمہارا یوں غائب ہو جانے سے۔"

وہ بولتے بولتے ہانپنے لگی پھر اسے ہنستے دیکھ کر ٹھٹکی تو اپنے ہی لفظوں پہ غور کر کے شرمندہ سی ہو گئی تبھی اسے اردگرد غور سے دیکھتے لوگوں کا احساس ہوا۔ زمران نے اسے بازو سے پکڑ کر سائے میں کر لیا۔ اب وہ دوکان کی اوٹ میں تھے اور وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ زمران گہری آنکھوں سے اسے ہی تک رہا تھا پھر گمبھیر سے لہجے میں بولا۔

"تو وہ محبت تھی جسے میں کوئی نام نہ دے پا رہا تھا اور تم نے سمجھ لی محسوس بھی کر لی لیکن تمہاری زندگی میں تو یہ سڑک چھاپ محبت نہیں تھی کہیں بھی نہیں۔" وہ اسی کے لہجے میں بولا تو تسخیر کو لگا اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی ہو وہ تڑپ گئی۔

"زمران مجھے نہیں پتہ کہ یہ کیا ہے لیکن وہ ساری محبتیں تھیں جن کو میں نے رنگ بدلتے معنی بدلتے دیکھا ہے یوں سمجھو انہوں نے میرا محبت پہ اعتبار ہی

ختم کردیا میں نے سوچ رکھا تھا اب کبھی محبت کو دل میں جگہ نہیں بنانے دوں گی کہ یہ سوائے درد کے دل کے اندر کچھ چھوڑتی ہی نہیں ہے۔" وہ رو دی اور زمران کو لگا جیسے ساری کائنات جل تھل ہو گئی ہو اس نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"تم نے' تمہارے دل نے میری محبت کو جس تڑپ سے محسوس کیا ہے نا' دل میں جگہ نہ ہونے کے باوجود میری محبت کے ہاتھوں بے بسی محسوس کی ہے نا' تو میں لوٹاؤں گا تمہارا اعتبار۔ ہاں میں ثابت کر کے دکھا سکتا ہوں کہ میرے اندر باہر صرف تم ہی تم ہو۔ میں نے گزرے ڈھیر سارے دنوں میں زندگی کو صرف تمہارے' لیے صرف تمہارے ساتھ دیکھا ہے ورنہ نہیں۔ آج میں یہی فیصلہ کرنے یہاں آیا تھا کہ مجھے جینا ہے یا نہیں۔"

وہ اسے ایک جذب سے بولتے دیکھ رہی تھی اور اس کی آخری بات پہ وہ دہل کر رہ گئی اسے اس قدر شدت کا تو اندازہ ہی نہ تھا وہ مسکرائی۔

"تم بالکل پاگل ہو۔"

"تو اپنے پاگل کی یہ بات ذہن نشین کر لو کہ یہ زندگی اب صرف تمہارے ساتھ ہے جہاں مجھے لگا تمہاری محبت کم پڑ گئی ہے یا کمزور میں زندگی ہارنے میں ایک پل بھی نہیں لگاؤں گا۔"

تسخیر حیران نگاہیں اس کے چہرے پہ گاڑے کسی معمول کی طرح سر ہلا کر رہ گئی اور پھر چند باتوں کے بعد وہ اپنی وین سے چلی گئی لیکن آج ہر چیز بدل گئی تھی اسے سخت گرمی میں بھی اپنے اندر ہریالی سی محسوس ہو رہی تھی وہ بار بار سوچتی "اپنے کیسے پرائے ہوتے جاتے ہیں اور کبھی کوئی پرایا بالکل اجنبی اچانک۔ بہت ہی اپنا ہو جاتا ہے ایسا اپنا کہ زندگی ہی بدل کر رہ جاتی ہے۔"

اس نے میرے جیون کی ترتیب بدل ڈالی
جس کو میں نے دل کے اک کونے میں رکھا تھا

وہ مسکرائی اور پھر وہ روز صبح اسے نظر آنے لگا پہلے کی طرح اسے ایک نظر دیکھتا ہاں فرق یہ تھا کہ اب مسکراتا اور لوٹ جاتا۔

بہت دنوں بعد وہ کالج کے باہر کھڑا تھا واپسی پہ وہ اس کے ساتھ چلی آئی پھر ہوٹل میں بیٹھ کر آئس کریم کھاتے انہوں نے زندگی کی بہت ساری پلاننگ کی زمران نے اسے بتایا کہ وہ روز صبح اسے اس لیے دیکھتا ہے کہ وہ اب اپنی زندگی کی ہر صبح کا آغاز اسے دیکھ کر کرنا چاہتا ہے اور اگر کسی دن نہ دیکھ پائے تو وقت چلنے لگتا ہے دن بھر سب کچھ برا ہی برا ہوتا ہے۔ وہ ہنستی چلی گئی زمران نے اسے بتایا کہ وہ دنیا میں بالکل اکیلا ہے ماں دو سال پہلے مر گئی اور ابا بہت عرصہ پہلے چل بسے تھے۔

اپنا چھوٹا سا گھر ہے اور ابا کی کرائے پر دی ہوئی دکانوں کا کرایہ زمران کی زندگی کو بمشکل چلا پاتا لیکن اس کے خواب بہت روشن تھے اس میں آگے جانے کی خوب لگن تھی۔ تسخیر نے اسے ساتھ چلنے اور زندگی کو ایک ساتھ رہ کر گزارنے کا حوصلہ دیا۔ تسخیر کو تو صرف محبت کی ضرورت تھی باقی زندگی کے ہر معاملے میں مسلسل جدوجہد پر یقین رکھتی تھی۔

☼ ☼ ☼
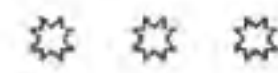
تسخیر ممی کی طرف سے بہت متفکر تھی بڑے اور منجھلے بھیا کی طرح اب انصرام کی بھی مصروفیات بڑھ گئی تھیں اسے ممی پر توجہ دینا' کبھی کبھار انہیں ڈاکٹر کے پاس لے جانا بہت مشکل لگنے لگا تھا ممی نے بھی پپا کی جدائی کو دل سے لگا لیا تھا اور پھر گھر کی حالت بھی تو بدل کر رہ گئی تھی گھر تین حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا تھا پچھلے حصے میں کچھ کمرے نئے بنے تھے بہت تبدیلیاں ہو گئیں بڑی اور منجھلی بھابھی اپنے اپنے حصوں میں مصروف رہتیں تسخیر اور ممی انصرام کے ساتھ تھیں کبھی کبھی تسخیر کو لگتا اس کا اور ممی کا وجود انصرام کے حصے میں بالکل فالتو ہے جیسے انصرام بھی نہ چاہتا ہو کہ وہ اپنے حصے کو اپنی مرضی سے سیٹ کرے جب وہ اپنے ایگزامز سے فارغ ہو کر ممی کو مکمل

وقت دے رہی تھی تبھی اس نے ایک دن ممی کو زمران بخاری کے بارے میں بتا دیا اس کی شخصیت اس کی معاشی حالت اس کی شدید ترین محبت اور اس کے روشن مستقبل کی امیدوں سمیت' ممی ناخوش نہیں تھیں لیکن جانے کیوں اندر سے پریشان سی ہو گئیں زمران کے مستقبل کی امیدیں اندیشوں کی صورت انہیں ستانے لگیں لیکن تسخیر کو خوش اور مطمئن دیکھ کر انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ وہ بیٹوں سے بات کریں گی۔

ممی کے بات کرنے کی دیر تھی کہ تینوں بھائی جیسے حرکت میں آ گئے۔ ممی کے کمرے میں میٹنگ ہو رہی تھی اور جو کچھ ممی نے بتایا زمران بخاری کے بارے میں وہ تینوں بھائیوں میں سے کسی کو بھی مطمئن نہ کر رہا تھا وہ بار بار اس کے اسٹیٹس پہ آ کر اٹک جاتے اور پھر دو ڈھائی گھنٹے کی بحث کے بعد بڑے بھیا نے فیصلہ سنا دیا کہ جاب لیس اور مڈل کلاس زمران بخاری کسی طرح بھی ان کا بہنوئی بننے کے قابل نہیں ہے باری باری سب اٹھ کر چلے گئے رفعت بیگم بے بسی سے رو دیں اور باہر تسخیر زمین پر بیٹھتی چلی گئی اسے اس فیصلے کی توقع ہی نہ تھی وہ سمجھ رہی تھی بھائیوں کے لیے اس کی کچھ خاص اہمیت نہیں ہے وہ یقیناً" کسی بھی طرح اس فرض کو اتار دینے میں دیر نہ کریں گے لیکن یہاں تو سب کچھ الٹ ہو گیا اور پھر روتے روتے اسے ایک خوش کن احساس نے گھیر لیا وہ بھاگتی ہوئی اندر چلی آئی اور ممی کے ہاتھ تھام کر چھلکتی آنکھوں سے بولی۔

"آپ نے دیکھا ممی جی تینوں بھائی مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں انہیں کتنی فکر ہے میری۔" رفعت بیگم کے گالوں پہ آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے لیکن تسخیر اٹھ کر چلی گئی۔

پھر بہت دن گزر گئے وہ گھر میں بند ہو کر رہ گئی زمران کا فون تک اٹینڈ نہ کیا۔ اس کے رگ و پے میں سناٹا دن بہ دن گہرا ہو رہا تھا لیکن وہ بھائیوں کی محبت کے بدلے اپنے طور پر تو اپنی محبت کو ہار ہی بیٹھی تھی اگر بڑی بھابھی کے فقرے اس کے کانوں میں نہ پڑتے وہ بھائی سے کہہ رہی تھیں۔

"کتنا پیسہ لگایا تسخیر کو ڈاکٹر بنانے میں اور ڈاکٹر صاحبہ کا ٹیسٹ دیکھو بے کار' آوارہ مڈل کلاسیا۔"

تسخیر کے کان بھائی کی آواز کے منتظر تھے اور پھر ان کی آواز نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔

"سچ پوچھو تو میں تو اس کے اتنا پڑھنے کے حق میں ہی نہیں تھا میرے خیال میں تو لڑکیوں کی زیادہ سے زیادہ گریجویشن کے بعد ایسے گھرانوں میں شادی کر دینا چاہیے جو ہمارے ہم پلہ یا ذرا زیادہ ہی ہوں جن سے کچھ عزت' کچھ اسٹیٹس بڑھے تا کہ خاک میں مل جائے اور یہ لڑکی دیکھو محبت وحبت کے چکر میں برسوں کی بنی بنائی عزت برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے۔"

"آپ کے منع کرنے سے کیا ہو گا وہ تو مسلسل اس سے مل رہی ہے اور گھنٹوں فون پہ باتیں ہوتی ہیں۔"

بھابھی کی آواز نے اس کا ضبط توڑ ڈالا وہ سیدھی اندر چلی آئی بھیا اور بھابھی اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"بھائی میں سمجھی آپ نے رشتے سے انکار اپنی بہن کی محبت میں کیا ہے آپ کو اپنی بہن کی وجہ سے اس کے مستقبل کی فکر میں زمران گوارا نہیں لیکن آپ کو تو اپنے سوشل سیٹ اپ کی فکر ہے میں نے تو یہ سوچا ہی نہیں کہ جن بھائیوں نے پپا کے بعد ایک بار بھی میرے سر پہ ہاتھ نہیں رکھا مجھے ایک لمحہ بھی بلا کر اپنے بازو کے حصار میں نہیں لیا مجھ سے میرے مسئلے میرے دکھ نہیں پوچھے انہیں میری فکر کیوں ہو گی میں نے تو خاموشی سے اپنی محبت ہار دی۔ بھائی میرا خدا گواہ ہے میں نے اس دن سے زمران کو دیکھا تک نہیں میرے کانوں نے اس کی آواز نہیں سنی میں تو اس وہم میں تھی کہ زمران کی محبت کے صدقے میرے بھائیوں کی محبت لوٹ آئی مجھے تو یہ سودا ذرا بھی مہنگا نہیں لگا تھا لیکن میں غلط تھی' میں ایک بار پھر غلط ثابت ہو گئی میرے بھائیوں کو بھلا مجھ سے میرے مستقبل سے کیا سروکار۔" وہ روتے روتے بولتی جا

رہی تھی۔ دھندلی آنکھوں سے اس نے دیکھا بھائی شرمندہ سے کھڑے تھے اور بھابھی اس کی طرف بڑھیں لیکن وہ ہذیانی کیفیت میں دور ہٹی۔

"مائنڈ یو میرے ڈاکٹر بننے میں سارا پیسہ میرے پپا کا تھا اور ان کے پیسے پہ میرا بھی اتنا ہی حق تھا جتنا آپ کے شوہر کا اور ہاں غلط سمجھا آپ نے کہ زمران سے میری محبت روز ملنے یا فون پہ گھنٹوں بات کرنے کی محتاج ہے وہ آپ لوگوں کی طرح خود غرض اور لالچی بالکل بھی نہیں اور اگر ہوا تو میری قسمت لیکن میں اس کی محبت کو ضرور آزماؤں گی اگر ہار گئی تو یاد رکھیے گا کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گی کبھی نہیں۔"

وہ قطعیت سے کہہ کر لوٹ گئی اس کے ہر انداز میں مضبوطی تھی فیصلہ کر لینے کی مضبوطی۔ وہ ممی کے پاس چلی گئی اور ایک ایک بات ان سے کہہ ڈالی ان کی گود میں سر رکھ کر دیر تک روتی رہی اور پھر فیصلہ کرتی ہوئی اٹھ گئی ممی بھی خاموشی سے انھیں شاید سب کچھ یوں ہی ہونا تھا انہوں نے الماری سے زیور کے چند ڈبے نکالے اور تسخیر کے ہاتھوں میں تھما دیے۔

"یہ تمہارا حصہ اور ماں کی ڈھیروں ڈھیر دعائیں۔" انہوں نے آنچل سے آنکھیں صاف کیں زیورات اس نے بیگ میں رکھ لیے کچھ میں اپنی ڈگریاں اور چند جوڑے رکھ کر ماں کے گلے لگی کھڑی رہی آنسو خاموشی سے بہتے رہے اس کے باہر نکلنے تک تینوں بھائی اور بھابھیاں آچکی تھیں وہ اسے روکنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ گیٹ کی طرف بڑھتی چلی گئی اس کے کانوں میں انصرام کی آواز آئی تھی۔

"بہت پچھتاؤ گی تم اور ہاں سنتی جاؤ اس گھر کے دروازے تمہارے لیے پھر کبھی نہیں کھلیں گے۔" وہ باہر نکل آئی ٹیکسی روک کر بیٹھی اور چند لمحوں میں وہ زمران کے دروازے کے آگے تھی اس کے قدم دروازے پہ جم کر رہ گئے ایک بار زمران اسے لے کر آیا تھا لیکن وہ اندر نہیں گئی تھی زمران نے یہیں کھڑے کھڑے اسے بتایا تھا۔

"میں نے سارا گھر وائٹ واش کروا دیا ہے اور ہاں بیڈ روم کو روز تھوڑا تھوڑا سجاتا ہوں تمہارے آنے تک تو وہ پورا تاج محل بن جائے گا۔" اور وہ ہنس گئی پھر مذاق اڑانے والے انداز میں بولی۔

"ہاں اکیسویں صدی کا ایک کمرے کا تاج محل" اور آج وہ خود چل کر آئی تھی اپنا ایک کمرے کا محل دیکھنے۔

اس نے دروازے کو ہاتھ لگایا تو وہ کھلا تھا وہ اندر آ گئی اپنا سوٹ کیس پکڑے آگے بڑھی لیکن خلاف اندھیرا تھا کسی انجانے خوف نے اس کے قدم روک دیے تو وہ پوری قوت سے چلائی "زمران" اور پھر جیسے اس کی آواز کی گونج نے سارے درودیوار میں جان ڈال دی زمران پاگلوں کی طرح اس کی طرف بڑھا تھا پر جوش سے وہ لائٹیں جلانے لگا اور اسے سوٹ کیس پکڑے کھڑے دیکھ کر جیسے سب سمجھ گیا اس کے قریب چلا آیا۔

"تم ان کی محبت میں مجھے ہار دینا چاہتی تھیں تو پھر کیا۔" تسخیر نے نظر اٹھا کر اسے بغور دیکھا وہ بہت کمزور ہو رہا تھا آنکھوں کے نیچے سیاہ گہرے حلقے اور سیاہی مائل ہونٹ اسموکنگ کی نشاندہی کر رہے تھے داڑھی خاصی بڑھ گئی تھی تسخیر نے سوٹ کیس رکھ دیا اور ہاتھ تھام کر بولی "میں نے تمہاری محبت میں سب کچھ ہار دیا۔"

زمران نے اسے بانہوں سے پکڑ کر بٹھا دیا پھر اس کے سامنے بیٹھ کر بولا۔

"تمہاری محبت میرے خون میں شامل ہو گئی ہے میں نے ہزار بار خود کو چھو کر دیکھا جب بھی مجھے لگتا میں زندہ ہوں میرے اندر تمہاری محبت کا یقین اور گہرا ہو جاتا میں تمہاری محبت کے سہارے ہی زندہ تھا بس جب کبھی اندیشے گھیر لیتے بہت خون جلتا اپنا آپ بہت فالتو بہت بے کار لگتا، مجھے لگتا میں تمہاری محبت کے قابل ہی نہیں تھا میرا وجود بے معنی سا ہونے لگتا میرا یقین ڈولنے لگتا لیکن تم ہر لحظہ میرے یقین کو مضبوط کرتی آئی ہو مجھے تمہاری یہ روشن آنکھیں، تمہاری پاکیزگی تمہاری زندگی سے بھرپور آواز سہارا دیتی کہ میں لوٹ

آؤں گی اور میں پھر جینے لگتا، دیکھ لو میرا یقین جیت گیا میری محبت سچی تھی تبھی تو میرا دل اور گھر دونوں آباد ہو گئے۔"

وہ مغرور سی ہونے لگی ایسی سچی اور پرخلوص محبت اس کا بخت بن گئی تھی وہ جتنا فخر کرتی کم ہوتا۔

زمران کے اندر باہر زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی وہ اٹھ کر چلا گیا اور وہ خاموشی سے بیٹھی اسے ادھر ادھر بھاگتے دیکھتی رہی اس نے اپنے چند دوستوں کو فون کیے ان کے ذمے نکاح کے انتظامات کیے ساتھ والے گھر سے اسد کی دادی جان کو لے آیا انہیں سب کچھ سمجھاتے ہوئے تسخیر کے پاس چھوڑا اور خود کہیں چلا گیا وہ اٹھی ہاتھ منہ دھویا چل پھر کر گھر کا جائزہ لیا۔ دو کمرے تھے اس کے آگے برآمدے پہ گرل لگی ہوئی تھی کچن، باتھ روم چھوٹا سا صحن چھوٹا سا خوب صورت گھر اب اس کا اپنا گھر تھا اسے ایک ایک چیز پہ پیار آرہا تھا اس نے ادھر ادھر پھیلی چیزیں سمیٹیں پھر کچن کا جائزہ لیا کچھ گندے برتن پڑے تھے وہ دھو کے کچن صاف کیا تبھی وہ لدا پھندا چلا آیا۔

"ارے تم کن کاموں میں لگ گئی ہو چلو یہ سب سنبھالو اور پیاری سی دلہن بن کر بیٹھو تمہیں اپنے تاج محل میں لے جانے کے سارے انتظام مکمل کر آیا ہوں۔" زمران نے بند کمرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ شرما گئی دل میں کہیں درد سا اٹھا تھا شاید اپنی سفید ہتھیلیاں دیکھ کر لیکن تسخیر نے اسے سختی سے دبا دیا وہ ایک ایک چیز نکالنے لگا۔

"ارے تم تو خاصے سگھڑ ہو۔" وہ مسکرا کر بولی تو اس نے فرضی کالر جھاڑے اور جب مہندی کی کون نکال کر وہ اس کے قریب آیا تو وہ اس کے ہاتھوں پہ سر رکھے رو دی "کیسے وہ میری سوچ تک رسائی رکھتا ہے" اس نے محبت سے سوچا اور وہ خوشی سے نہال بولتا جا رہا تھا ساتھ ساتھ اس کے ہاتھوں پہ اوٹ پٹانگ مہندی لگا رہا تھا۔ وہ روتے روتے ہنس دی۔

"تم تو ہر فن مولا ہو۔"

"جی، ابھی ساتھ رہیں گی تو دیکھئے گا کیسے کیسے جوہر کھلتے ہیں۔" وہ اترایا۔

"آئندہ کبھی یہ رونے دھونے والا کام نہ کرنا پلیز۔" وہ ہنسی۔

"بار بار دکھی ہونے کی ضرورت نہیں میں کبھی تمہاری سہیلی بن کر مہندی لگاؤں گا کبھی اپنوں کی ساری محبتیں نچھاور کروں گا اور کبھی ممی جی کی طرح گود میں سر رکھنے کی اجازت بھی دوں گا گود میں سر رکھ کر بے شک رو لینا لیکن کبھی کبھی۔"

"زمران تھینکس بہت کم ہو گا تمہاری اتنی ڈھیر ساری محبتوں کے لیے۔"

"تو مت کرو کم سے میری تسلی نہیں ہو گی جو کرنا زیادہ کرنا۔" وہ شوخ ہوا۔ تو وہ گھور کر رہ گئی اور پھر چند لمحوں میں زمران کے دوست ان کی بیویاں اور بہنیں آ گئیں اسے دلہن بنا کر بٹھا دیا گیا اور وہ چند لمحوں میں ہی تسخیر زمران بخاری بن گئی۔

☼ ☼ ☼

تسخیر نے شادی کے بعد زندگی کا نیا ہی روپ دیکھا تھا زمران کی محبتوں میں دیوانگی سی تھی وہ باتیں کرتے تھکتا ہی نہ تھا اور تسخیر کے اندر ہمیشہ سے بیٹھا خوف سر اٹھانے لگتا اسے شدتوں سے ڈر لگتا تھا اسے محسوس ہوتا جو لوگ ہر کام میں انتہا پسند ہوتے ہیں جلد اوب جاتے ہیں۔ خاص طور پر مرد جیسے اس کے بڑے، منجھلے اور چھوٹے بھیا۔ زمران جب سو رہا ہوتا تو وہ باہر آ بیٹھتی اور گھٹنوں پہ سر رکھے گھنٹوں بیٹھی اپنوں کے بارے میں سوچتی رہتی کبھی اس کی نظر بے ساختہ ہی دروازے کی طرف اٹھ جاتی اسے لگتا اس کے بھائی ضرور آئیں گے اور اسے سینے سے لگا کر اندر سے شانت کر دیں گے اس کی ممی جی اسے اور زمران کو ایک ساتھ دیکھ کر دعائیں دیں گی تو وہ مکمل ہو جائے گی اور پھر زمران کی شدید محبتوں کو انجوائے کر سکے گی۔ لیکن گزرتا وقت اسے زمران کی محبت اور محبت کے بل بوتے پہ زندگی کے اس نئے موڑ سے ڈھیروں خوشیاں دے رہا تھا اور وہ دامن پھیلائے سمیٹتی جا رہی

تھی لیکن صرف محبت ہی تو زندگی کے لیے کافی نہیں ہوتی محبت میں جب وصل مل جاتا ہے تو بس کچھ سمے تو طلسم سر چڑھ کر بولتا ہے اپنے وجود کی سدھ بدھ بھی نہیں رہتی لیکن پھر دھیرے دھیرے غم جاناں پہ غم دوراں غالب آنے لگتا ہے پیٹ کی فکریں' زندگی کے تسلسل کی فکریں آنگن میں دھوپ لے آتی ہیں۔ آنکھیں محبت کے طلسم سے وا ہونے لگتی ہیں۔ ضرورتیں اپنا آپ دکھاتی ہیں تو بندہ خود بخود محبت کے علاوہ بھی سوچنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ لیکن زمران کو تو جیسے اب اس طلسم سے نکلنا ہی نہ تھا وہ تو دن رات تسخیر کی سنگیت میں کھویا رہتا کم ہی گھر سے بھی نکلتا لیکن مہینوں یونہی گزرنے کے بعد تسخیر کے پرس میں پیسے ختم ہونے لگے تھے اکاؤنٹ بھی تقریباً" خالی ہو رہا تھا اور زیورات کی تعداد کم سے کم ہوتی جا رہی تھی جب ضرورت پڑتی وہ زمران کو پہلے کیش چیک دے کر اپنے اکاؤنٹ سے پیسے نکلواتی رہی اور پھر گھر کی چھوٹی موٹی چیزیں منگوانے کے لیے زمران کو جھنجھوڑ کر اٹھاتی اور کوئی زیور تھما دیتی وہ سستی سے اسے لے جاتا اور بیچ کر سودا سلف لے آتا۔ بعض اوقات تسخیر کا دل چاہتا وہ سختی سے انکار کر دے اسے ڈانٹے کہ وہ اپنے زیور کیوں بیچ رہی ہے۔

تسخیر نے اسے بارہا کہا کہ وہ اپنی دوکان پہ جائے اسے ہی سنبھالے لیکن اس کے خواب بہت اونچے تھے اور خیالات بہت مضبوط وہ گھنٹوں دلائل دے کر اسے سمجھاتا کہ وہ اپنے مستقبل کا آغاز اتنے چھوٹے قدم سے نہیں کر سکتا تسخیر کا دل نہیں مانتا تھا مگر وہ چپ ضرور ہو جاتی اسے لمحہ بہ لمحہ محسوس ہو رہا تھا کہ ان کی سوچ' زندگی کے بارے میں ان کے خیالات قطعاً" ہم آہنگ نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اپنی محبت سے زمران کو بدل سکتی ہے لیکن زمران کی محبت ہنوز تھی جو اسے دنیا کی ہر چیز ہر بات پر اختلاف سے نکال لیتی۔

"زمران میں پریکٹس شروع کرنا چاہتی ہوں زندگی بالکل بے معنی سی ہو کر رہ گئی ہے۔" تسخیر بہت دنوں سے سوچ رہی تھی آخر ہمت کر کے کہہ ہی ڈالا لیکن وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور اسے شانوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھما ڈالا۔

"تسخیر اتنی جلدی تم میری محبت سے تنگ آ گئی ہو تمہیں دنیاداریاں اٹریکٹ کرنے لگیں اور میں' میرا گھر سب بے معنی لگنے لگا۔" تسخیر نے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور ایک ہی پل میں پانیوں سے بھر گئیں تو وہ تڑپ کر رہ گئی اس کے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھ کر بہت تحمل سے بولی۔

"زمران تم اور تمہارا گھر تو میری جنت ہے' میری زندگی لیکن زندگی کے تسلسل کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے حرکت سے ہی برکت ہوتی ہے نا' سوچو ہم یوں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے تو ہمارا کیا ہو گا کل ہم دو ہیں کل تین۔"

"ارے ہاں ابھی تو ہم تین ہوں گے پھر چار اور پھر بس تسخیر مجھے چھوٹی سی فیملی ہی پسند ہے۔" وہ ایک دم سے چہک کر بولا تو تسخیر کو اس کی دماغی حالت مشکوک سی لگی وہ اکثر یونہی پل پل میں موڈ بدلتا تھا۔

"لیکن چھوٹی سی فیملی کے لیے بھی زندگی کی ضرورتیں تو بہم پہنچانا ہوں گی۔" وہ واپس اپنی بات پہ آئی تو وہ ہنسنے لگا اور پھر حسب عادت اسے اپنی محبت سے بہلا لیا۔ وہ باتیں ہی ایسی کرتا کہ خواب نگر سج جاتا اور وہ تہہ دل سے اس کے خوابوں کی تکمیل کی دعائیں مانگنے لگتی۔ لیکن یہ دعائیں مستجاب نہ ہو رہی تھیں۔ زمران کی آنکھیں ہی نہ کھل رہی تھیں اس کا PCS کا رزلٹ شاندار آیا تھا دونوں بہت خوش تھے۔ بہت مزے سے اس خوشی کو سیلیبریٹ بھی کیا گیا۔ لیکن زمران نے اس کے بعد بھی کچھ نہ کیا تو وہ جیسے خود ہمت کرنے پر مجبور ہو گئی ڈگریوں پہ لاکھوں روپیہ لگا تھا اور پھر اس کے پپا ممی جی کا خواب تھا کہ وہ ڈاکٹر بنے اور اب وہ ڈاکٹر بن کر بھی بے کار پڑی غربت کے دن گزار رہی تھی اس نے پیار سے' ضد سے زمران کو سمجھایا اور پھر خود میدان عمل میں اتر آئی۔ جلد ہی اسے ایک پرائیویٹ ہاسپٹل میں جاب مل گئی تنخواہ خاصی معقول تھی وہ بہت خوش تھی اور زمران نے بھی کچھ زیادہ برا

نہ منایا بلکہ اس کی خوشی کو خوب خوشی سے منایا تو جیسے زمران کی کمزور پڑتی محبت کا یقین اس کے دل میں پھر بحال ہو گیا وہ زیادہ محنت اور بھاگ دوڑ کے باوجود کچھ مطمئن سی ہو گئی اس نے دو تین بار ممی جی کو فون بھی کیا۔ ایک بار بڑے بھائی نے اٹھایا تو اس نے ڈر کر بند کر دیا اور پھر اس کی ممی جی سے بات ہوئی اس نے انہیں ہر طرح اپنی زندگی سے مطمئن کر دیا کہ وہ زمران کے ساتھ بہت خوش ہے۔

☼ ☼ ☼
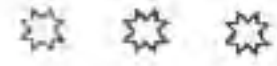
"زمران پلیز تنگ نہ کرو بہت تھک گئی ہوں میں۔" وہ کندھوں کو اپنے ہاتھوں سے دباتی ہوئے بولی مگر زمران کی شوخیاں جاری رہیں تو وہ بے دلی سے اٹھ کر باہر چلی آئی اور جب وہ نہا کر ذرا فریش ہوئی تو کچن میں چلی آئی کچن کی حالت دیکھ کر تو دماغ گھوم ہی گیا۔ جگہ جگہ چائے گری ہوئی تھی انڈے کی پلیٹ اوندھی گری ہوئی تھی اس نے سیدھی کی تو جلا ہوا انڈا تھا چولہے پہ جمی ہوئی چائے اور ادھر ادھر منڈلاتی مکھیاں۔

"اوہ نو۔" وہ سر تھام کر رہ گئی اور پھر بالوں کے نیچے سے تولیہ نکال کر باہر کرسی پہ رکھا اور کام میں جت گئی گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی محنت کے بعد وہ کچن کی صفائی کر سکی پھر چائے بنا کر اندر چلی آئی۔ زمران اوندھا پڑا تھا۔ اس نے مسکرا کر دیکھا اور چائے رکھ کر اس کے قریب چلی آئی اور اسے جھنجھوڑنے لگی۔

"تھکتے ہی نہیں ہو سو سو کر' لو چائے پیو اور اتنی سگھڑ بیوی کو دعائیں دو۔" وہ شوخ ہوئی تو وہ جل کر بولا۔

"ہاں دن بھر دعائیں ہی تو دیتا ہوں اس کے علاوہ کس قابل ہوں۔"

"نہیں نہیں اس کے علاوہ بھی جناب بڑے کام کر سکتے ہیں مثلاً" کچن کو غلیظ ترین کرنا پورے گھر میں جگہ جگہ کپڑے اور یہ دیکھیں بیڈ کی چادر ساری نیچے لٹکائے آپ مزے سے سو رہے ہیں۔"

"تو میں گھر کی صفائیاں کیا کروں تمہارے آنے سے پہلے برتن دھو کر کھانا پکا کر رکھا کروں۔"

"ویسے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔" اس کے غصے کے باوجود وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"لیکن تم یہ سب نہیں کر سکتے تو گھر سے نکلا کرو لوگوں سے ملا کرو اور ہاں مجھے لینے ہی آ جایا کرو کبھی کبھی۔

کھا کھا کر اور سو سو کر توند نکل رہی ہے کیا منہ دکھاؤں گی لوگوں کو کہ یہ ہیں ڈاکٹر تسخیر بخاری کے۔۔۔"

"بدصورت' بے کار اور بدبخت شوہر۔" زمران نے گہری سرخ ہوتی آنکھوں سے اس کا فقرہ مکمل کیا تو وہ اس کے لہجے پہ ششدر سی رہ گئی۔

"میں ایسا کیسے سوچ سکتی ہوں۔" وہ اس پہ نگاہ ٹکائے خود کلامی کے انداز میں بولی تو وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا اس کے پاس سے اٹھ گیا اور کھڑکیوں سے پردے ہٹاتے ہوئے منہ پھیرے کہہ رہا تھا۔

"تم سمجھتی ہو مجھے بے کار رہنے کا شوق ہے لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہے میں خود گھر بیٹھے بیٹھے تنگ آ چکا ہوں لیکن میں کیا کروں نوکریاں میرے انتظار میں گھر سے باہر کھڑی ہیں کیا؟ اور لوگ سوال کرتی نظروں سے دیکھتے ہیں مجھے کہ میں بیوی کی کمائی پہ عیش کر رہا ہوں خود سے کچھ کرنا نہیں چاہتا۔" وہ ملول ہوا تو تسخیر اس کے پاس چلی آئی اور سامنے آ کر بولی۔

"صرف دکھی ہونے سے کچھ نہیں بدلے گا۔ بھاگ دوڑ کرو گے تو جاب ملے گی اور یہ تمہیں لوگوں کی فکریں کب سے ستانے لگیں یہ تو خالصتاً" تمہارا اور تمہاری خوب صورت سی بیوی کا معاملہ ہے۔" وہ ادا سے مسکرائی تو وہ بھی بے ساختہ ہنسا۔

مگر یہ ٹینشن ختم نہیں ہوئی دھیرے دھیرے روز کا معمول بنتی گئی تسخیر وقت بے وقت آتی پھر گھر کے کام مزید اس کے اعصاب بوجھل کر دیتے اس سب کے باوجود زمران روز بروز چڑچڑا ہوتا جا رہا تھا شکوے شکایتیں کرتے کرتے وہ چیخنے چلانے پہ اتر آتا۔ کبھی کمرے سے اور کبھی گھر سے ہی نکل جاتا رات گئے

تک سڑکوں پہ گھومتا رہتا لوٹتا تو پہلے سے زیادہ مضطرب ہوتا تسخیر کو نیند سے جگا کر بٹھا لیتا اور نجانے کون کون سے حساب کتاب کھول بیٹھتا تسخیر اس کے نئے نئے روپ دیکھ کر حیران تھی دن بھر کی تھکن اور زمران سے الجھتے الجھتے وہ بیمار سی رہنے لگی۔

"تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو تو مجھے چھوڑ دو یوں ڈرامے کر کے دنیا کو کیوں دکھاتی ہو۔" وہ اسے لیٹے دیکھ کر بولا تو وہ رو دی وہ زمران کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کر چکی تھی لیکن اب اسے لگتا وہ یہ محبت بھی ہار گئی ہے تبھی تو اسے چپ سی لگ گئی تھی زمران طرح طرح کے طعنے دیتا اور کبھی کبھی تو وہ انتہا ہی کر دیتا کہ بہت ضبط کے باوجود وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ان کی شادی کو ایک سال پانچ ماہ ہو گئے تھے اور زمران کی شدید ترین محبت نے اتنے سے عرصے میں کتنے ہی رنگ بدل ڈالے تھے۔ تسخیر کو کبھی کبھی لگتا وہ بالکل کنگال ہو گئی ہے۔ زمران نے اس کے دامن میں سوائے پچھتاووں کے کچھ بھی نہیں ڈالا وہ اسے اس کی محبت یاد دلانے کی کوشش کرتی تو وہ اور زیادہ بد لحاظ ہو جاتا۔ "کھوٹ مجھ میں نہیں ہے میں نے تو بہت چاہا ہے تمہیں لیکن تم اس قابل ہی نہیں ہو۔" وہ اکثر کہتا و تسخیر بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ جاتی۔

"اس قدر بن ٹھن کے جانے کی کیا ضرورت ہے کسے دکھانے کے لیے خود پہ اتنی محنت کی جا رہی ہے۔" وہ ہاسپٹل جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی جب وہ تنتناتا اس کے سامنے آگیا تو وہ بڑے تحمل سے بولی۔

"آج ڈاکٹر شانزہ اپنی شادی کی خوشی میں سب کو ٹریٹ دے رہی ہے۔"

"وہ شادی کی خوشی میں تم اسے بتاتیں کہ تم شادی کر کے کس قدر دکھی ہو۔" وہ استہزا سے بولا اور اس کے خوب صورت نازک سے ہونٹوں پہ سلیقے سے لگی پ اسٹک کو ہاتھ سے بگاڑ کر ہنسنے لگا تسخیر کی آنکھوں بں پانی بھر گیا۔

"تو تمہارا حسن بھی میک اپ کا محتاج ہو گیا ہے ول۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا تو

تسخیر نے منہ موڑ لیا اور لرزتے ہاتھوں سے ٹشو چہرہ صاف کرنے لگی۔ تبھی باہر سے گاڑی کی آواز آئی تو وہ پرس اٹھا کر باہر کی طرف بڑھی زور زور سے چیخ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

تسخیر اب وضاحتیں پیش کرتی — تھکنے لگی زمران نے کبھی بھی خود پہ غور نہ کیا اگر وہ کوشش کسی نہ کسی پرائیویٹ فرم میں اچھی پوسٹ پا لیکن اسے گھر بیٹھے بٹھائے قسمت کی دیوی کے ہونے کا یقین تھا تبھی تو وہ سکون سے بیٹھا انتظار تھا۔ وہ اپنے طرز گفتگو اور رویوں سے بہت عام ثابت ہوا تھا تسخیر بالکل ٹوٹ کر رہ گئی تھی بس دنیا سامنے بھرم نبھانا مقصود تھا ورنہ ان کے بیچ محبت کی رخصت ہو چکی تھی۔ اسے اپنے بھائیوں سامنے شرمندہ ہونے سے خوف آتا تھا۔

اور ممی جی وہ تو اس کا دکھ شاید برداشت ہی نہ پاتیں وہ اب بھی کبھی کبھی بات کر کے انہیں مطمئن دیتی تھی اور پھر ہتھیلی کی پشت سے اپنے گیلے ہو گال صاف کرنے لگتی۔

"بیٹیاں زیادہ تو نہیں کھا لیتیں بس ان کے نصیب سے ڈر لگتا ہے۔"

آج اسے تنخواہ ملی تو وہ گھر کا بہت سارا سامان خرید لائی تھی اب اِدھر اُدھر چیزیں رکھتے اسے ممی فقرہ بار بار یاد آ رہا تھا آنکھیں بار بار بھیگ رہی تبھی جانے کب سے اسے دیکھتے زمران نے اپنی اندازی ضروری سمجھی۔

"ملکہ جذبات کچھ کھانے کو ملے گا یا صرف تمہاری نحوست سے پیٹ بھر لوں۔"

"زمران میں تمہارے لیے منحوس ہوں میں نے تمہیں۔۔۔۔"

"زندہ رکھا ہوا ہے۔" وہ چیخ کر بولا تو وہ سہم کر پیچھے ہٹی لیکن زمران نے سختی سے اس کا بازو اپنی گرفت میں لیا۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو بڑی چیز ہو تم میں زندہ ہوں تو بس تمہارے سہارے سچ کہوں تو تم نے میری زندگی کو عذاب بنا دیا ہے بڑے بزرگوں کا کہنا ہے رزق عورت کی قسمت کا ہوتا ہے تمہاری قسمت میں شوہر کی محبت تھی نہ کمائی سو سب ختم ہونا ہی تھا۔" تسخیر نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑوا لیا اور اسے گھورتی ہوئی بولی۔

"تم وہی ہو ناں جو روز سڑک کے کنارے اس لیے کھڑے ہوتے تھے کہ میں تمہارے لیے اچھے دن کا شگن تھی اور آج میری نحوست نے سب کچھ ختم کر دیا یا تمہاری غیر ذمہ دار فطرت اور سستی نے اوہ نو! زمران بخاری کس قدر گھٹیا نکلے تم مجھے مان دیا نہ عزت دی' محبت دی اور نہ ہی میرے شکر گزار ہوئے کہ میں اپنے ساتھ اپنی قسمت کا کیا کچھ لائی تم تو خدا بن بیٹھے ہو تقدیر کے فیصلے کرنے والے' بہت برا کیا تم نے زمران بہت ہی غلط کوئی بھرم تو رہنے دیتے بالکل ہی میرا دامن خالی کر دیا میرے اندر کی دنیا ہی اجاڑ دی۔"

"زیادہ ڈائیلاگ بازی کی ضرورت نہیں ہے تم جیسی بدزبان عورتیں ہی مردوں کو گھر سے نکلنے پر مجبور کرتی ہیں اب میں سمجھ رہا ہوں کہ تمہارے بھائی تمہارے اور تمہاری ماں کے انہی لچھنوں کی وجہ سے چھوڑ کر چلے گئے ہوں گے۔ ہونہہ تم جیسی عورتیں مظلوم بننے کے ڈرامے کر کے دوسروں کی زندگی بھی عذاب بنا دیتی ہیں۔" زمران نے انتہا کر دی تھی۔

"وہ دوسرے تم ہو' میں نے تمہاری زندگی عذاب بنائی ہے یا تم نے' میں تو پاگل تھی جو تمہیں پر خلوص اور مضبوط پناہ گاہ سمجھ بیٹھی تم نے تو مجھے ننگے سر سڑک پر لا کھڑا کیا ہے مجھے میری ہی نظر میں گرا دیا میں خود سے بہت شرمندہ ہوں زمران بہت جو میں نے تم سے محبت کی' تمہارا یقین کیا۔"

"اوہ تو تم نے آخر مان ہی لیا کہ تم مجھ سے محبت کر کے پچھتا رہی ہو اور یہ سارے حالات اس لیے پیدا کر رہی ہو کہ میں تمہیں چھوڑ دوں اور تم عیش کرو تو لو میڈم میں ابھی اسی وقت تمہاری زندگی سے نکل [illegible] ہوں۔"

"زمران۔" وہ پوری قوت سے چیخی تو وہ مڑا۔

"میں کبھی تمہیں طلاق نہیں دوں گا تمہاری [illegible] یہی ہے کہ تم ہمیشہ تسخیر بخاری رہو۔" وہ تیز تیز [illegible] اٹھاتا باہر نکل گیا اور تسخیر زمین پہ ڈھے سی گئی آج [illegible] کے سارے بند ٹوٹ گئے وہ لمحہ جس سے وہ ڈر رہی [illegible] خود کو بچا رہی تھی آخر آ ہی گیا محبت کے ساتھ سا[illegible] بھرم بھی ٹوٹ گیا لیکن یہ محض تسخیر کا خیال تھا تقد[illegible] میں کچھ اور ہی لکھا تھا بھرم ٹوٹنے سے بڑا دکھ اس ذا[illegible] پاک نے اسے دنیا کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا[illegible] تھا لیکن۔۔۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے لوگوں کی بانہوں [illegible] زمران کی لاش کو دیکھ رہی تھی زمران کی خون میں نہا[illegible] ہوئی لاش وہ شاید باہر جاتے ہی کسی گاڑی سے ٹکرایا اور موقع پر ہی دم توڑ گیا۔ تسخیر اس کے پاؤں پہ [illegible] رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی وہ اس کا واحد سہا[illegible] تھا اس کی محبت سبھی رشتے ایک اسی کی ذات سے [illegible] منسوب تھے جو دنیا چھوڑنے سے پہلے ہی اسے چھوڑ [illegible] جا چکا تھا۔ مگر یہ تو صرف تسخیر جانتی تھی یہ دکھ [illegible] شکست تو اس کی اپنی ذات کی شکست تھی جسے وہ [illegible] سے بھی شیئر نہیں کر سکتی تھی اس نے نگاہ اٹھا کر او[illegible] دیکھا۔

"واہ پروردگار تو کیسے ہم کمزور انسانوں کے راز رکھ[illegible] ہے؟ کیسے ہم پہ آزمائشیں ڈالتا ہے۔ اور اب مجھے ہمت دے میرے پاک پروردگار اس آزمائش پہ پورا اترنے کی۔" وہ بہت روئی یوں لگتا تھا یہ آنسو اب [illegible] ختم ہی نہ ہوں گے وہ سر جھکائے روتی رہی آج اس نے دروازے کی طرف بھی امید سے نہ دیکھا تھا [illegible] اب دکھ اکیلے ہی سہنا سیکھ چکی تھی لیکن اس کے [illegible] اس کے ماں جائے آج اس دروازے تک آ ہی گئے جب زمران کو رخصت ہو جانا تھا وہ ان کے سینے [illegible] لگ کر نہ رو سکی۔

"کاش یہ لوگ پہلے آتے تو زمران کی نظر میں میرا

عزت میرا مقام بڑھ جاتا بھائی تو بہنوں کا مان ہوتے ہیں اور اگر ان کا ہاتھ سر پہ نہ ہو تو بہنیں خود اپنی ذات میں جتنی بھی بڑی شخصیت ہوں گلی کا ککھ بن کر رہ جاتی ہیں۔"

لیکن ممی جی کو دیکھ کر وہ صبر و ضبط سب چھوڑ بیٹھی ان کے سینے سے لگی دھاڑیں مار مار کر رو دی۔

☼ ☼ ☼

تسخیر کا تاج محل اجڑ گیا اسے زمران یہاں وہاں ہر جگہ نظر آتا کبھی بے پناہ محبتیں لٹاتا اور کبھی بے وجہ الجھتا چیختا ہوا۔

"زمران اتنا سا تو وقت تھا تمہارے پاس کاش تم نے مجھے صرف محبت دی ہوتی تو آج میں اندر سے اس قدر خالی نہ ہوتی میں پوری ایمانداری سے صرف تمہاری جدائی پہ رو سکتی لیکن مجھے تو تمہارے دیے دکھ بھی رلاتے ہیں زمران جو تم نے جاتے جاتے۔۔۔"

اس کے خیالوں کے تسلسل کو بڑے بھیا نے توڑا تھا وہ اسے اپنے ساتھ گھر لے جانا چاہتے تھے۔ وہ اس چھوٹے سے گھر میں تسخیر کو دیکھ کر کڑھ رہے تھے کہ کیسے اس نے اتنا وقت یہاں گزار لیا۔ سب اپنی اپنی غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتے تھے لیکن وہ کیسے اب کسی کا یقین کر لیتی اور کیوں وہ اپنا گھر چھوڑ کر جاتی زمران نے یہ گھر تو اسے دیا ہی تھا اس کا اپنا گھر آخری سے بھی وہ خود گھر چھوڑ کر گیا تھا اس نے اسے اپنے گھر کا مان تو دیا تھا پھر وہ کیوں دوسروں کے سہارے ڈھونڈتی اس نے بہت سہولت سے بھائیوں کو انکار کر دیا اور ممی جی کو ساتھ رکھنے کی منت کی تو ایک بار پھر سب اس کی ضد کے آگے ہار گئے اور یوں ممی جی اور ان کی لاڈلی پوتی ولیجہ جو انصرام کی بیٹی تھی ابھی صرف ڈیڑھ سال کی تھی اس کے ساتھ ہی رہ گئیں اور وقت پھر سے اپنی مرضی اور رفتار سے چلنے لگا۔

اسے ولیجہ کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے کرتے صبر آنے لگا اور اس کی عادت بھی ہونے لگی وہ اسے بانہوں میں بھینچ کر سلاتی تو اپنی سونی گود کا ملال بھی اندر کہیں سر اٹھانے لگتا تبھی اس نے بھائی بھابھی کے سامنے جھولی پھیلا دی اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انصرام کی بیوی نے اسے گلے لگا کر کہا۔

"مجھے یقین ہے تم ولیجہ کی زیادہ اچھی ماں ثابت ہو سکتی ہو۔" وہ بے یقینی سے انہیں دیکھتے ہوئے رو دی اسے اپنے کانوں پہ یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ کوئی ماں اتنی خوشی اور محبت سے اپنا بچہ کسی کو دے سکتی ہے تسخیر بھابھی کی بجائے انصرام سے مخاطب ہوئی۔

"تو تم ہمارے گھر کے لیے مثالی بہو ڈھونڈ ہی لائے تمہیں یاد ہے بھیا ہم کتنا روتے تھے کتنی دعائیں کرتے تھے کہ کوئی بہو تو ہمارے گھر کو جوڑنے والی محبتیں بانٹنے والی ملے اور ہماری یہ دعا تو پوری ہو گئی۔۔۔"

"لیکن میں خالصتاً" ممی جی کی پسند ہوں۔" فرح نے اترا کر کہا اور ممی جی کے ہاتھ چوم لیے تو جانے کیوں تسخیر کے اندر سکون سا اتر گیا کچھ عرصہ بھائی آتے جاتے رہے اور پھر سب اپنی زندگیوں میں مصروف ہو گئے تسخیر کے لیے زندگی بالکل بے رنگ سی ہو کر رہ گئی تھی۔ ہاسپٹل' ولیجہ کے چھوٹے موٹے کام' زمران کی یادیں اور ممی جی کی محبت وہ گود جو اسے پھر سے میسر آ گئی تھی جو ہمیشہ سے اس کا سہارا رہی تھی۔

تسخیر کا دل چاہتا ولیجہ اسے مما کہے لیکن اسے اس کے معصوم سے پھپھو کہنے پہ بھی ٹوٹ کے پیار آتا تبھی اس نے اسے پھپھو مما کہنا سکھا دیا اور پھر وہ اس کی واحد مصروفیت اور محبت اس کی پوری توجہ کا مرکز بن کر رہ گئی وہ کبھی اسے رونے ہی نہ دیتی ذرا سی اس کی آنکھیں بھیگتیں اور وہ گود میں چڑھ کر چومنے لگتی۔

جب ولیجہ اسکول جانے لگی تو ممی جی بھی ساتھ چھوڑ گئیں تسخیر بالکل تنہا ہو کر رہ گئی زمران کی جدائی کے دکھ کو ممی جی نے سنبھالا تھا اور اب۔۔۔ اس کی ذمہ داریاں بڑھتی جا رہی تھیں اور ہمتیں پست ہوتی جا رہی تھیں بہت سے ہاتھ سہارا دینے کو بڑھے بہت سے لوگ زندگی کی مشکلوں کے لیے کسی ساتھی کی افادیت سمجھاتے مگر جیسے زندگی کو اس نے دیکھا تھا اس

میں تجربے کرنے کی ہمت کہاں رہی تھی اس کا سہارا تو بس ولیجہ تھی اس کی پیاری سی بیٹی۔

☼ ☼ ☼

ولیجہ نے بی ایس سی فرسٹ ڈویژن میں کیا اور آگے پڑھنے سے صاف انکار کر دیا۔

"پھپھو جانو! مجھے جاب واب نہیں کرنا۔" وہ لاڈ سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی تو اس نے اسے بازو سے کھینچ کر قریب بٹھا لیا اور زندگی کی اونچ نیچ سمجھانے لگی مگر وہ مسلسل نفی میں سر ہلاتی رہی۔

"چلو پھر یہاں سے تو اٹھو مجھے کیا ہے بیٹھو گھر میں موٹی ہو جاؤ گی تو کوئی شادی بھی نہیں کرے گا۔" تسخیر نے خفگی سے گھور کر کہا تو وہ ہنستی چلی گئی اور پھر اس نے واقعی اپنی ضد پوری کی دو ماہ تک تو خوب ریسٹ کیا دن بھر سوتی یا ٹی وی دیکھتی رہتی اور جب گھر میں رہتے رہتے بور ہو گئی تو بیوٹیشن بننے کی سوجھی تسخیر نے اسے اپنی ایک دوست کے بیوٹی پارلر میں چھوڑ دیا اس کے بعد اس نے کوکنگ کلاسز جوائن کر لیں اور یونہی آتے جاتے اپنی دوست حرا کے بھائی سے محبت کر بیٹھی تسخیر نے فوراً" جانچ لیا اور اسے اعتماد میں لے کر سب پوچھا پھر اسے بہت پیار سے سمجھایا اور محبت کی اونچ نیچ سمجھاتے وہ کڑے امتحان سے گزری تھی ایک ایک لمحہ خون کے آنسو رلا گیا تھا اور پھر نجانے کیسے ولیجہ کے بھائیوں کو خبر ہو گئی انہوں نے اسے گھر بلا کر خوب ڈانٹا' ڈرایا' دھمکایا اور ولیجہ کو سب سے زیادہ دکھ تو اس بات کا تھا کہ انہوں نے پھپھو کو برا بھلا کہا تھا۔ دکھ تو اسے بھی تھا لیکن وہ بڑے ضبط سے بھائیوں کے پاس گئی اور انصرام کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"میں نے بہت محبت سے ونی کی پرورش کی ہے وہ میرا واحد سہارا ہے۔ میں اس کا دکھ نہیں دیکھ سکتی بھائی پلیز تم ایک بار ان لوگوں سے مل تو لو۔ لڑکے کو دیکھو اس کی فیملی سے ملو ہمیں ونی کی شادی تو کرنی ہے ناں شاید اس کی پسند تم سب کو پسند آ جائے پلیز اس کو تنہا نہ چھوڑو۔"

"آپ اسے واپس بھیج دیں وہ ہماری عزت ہے ہم جو چاہیں اس کے بارے میں فیصلہ کریں آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا ہمیں نسل در نسل بے عزت کرنے کا۔" عاصم نے کہا اس کی بدتہذیبی پہ وہ حیرت زدہ سی اٹھ کھڑی ہوئی اور بالکل خاموشی سے گیٹ کی طرف بڑھنے لگی فرح بھابھی دوڑ کر اس کے پیچھے آئی تھیں اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر روکا اور پھر بہت محبت سے اس کے ہاتھ دبا کر بولیں۔

"ہم تمہاری بیٹی کو تنہا نہیں کریں گے جو تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا میں اور انصرام تمہارے ساتھ ہیں اور ہاں یہ تصویریں تم ونی کو دکھانا تو سہی شاید وہ مان جائے اور اگر نہ مانے تو ہم اس کی بات مان لیں گے او کے۔" تسخیر نے مشکور نگاہوں سے بھابھی کو دیکھا تصویریں پکڑ کر بیگ میں ڈال لیں اور سر جھکا کر دھیرے سے بولی۔

"باپ اور بھائیوں کا ساتھ بیٹیوں کی قدر بڑھاتا ہے انہیں سسرال میں سرخرو رکھتا ہے آپ ان لڑکوں کو بھی ضرور سمجھانا کہ میری ونی کو اکیلا نہ کریں۔" اتنا کہہ کر وہ نکل گئی۔

"ونی میں تمہارے لیے لڑتے لڑتے تھک گئی ہوں پلیز تم ہی مجھ پہ رحم کھاؤ یہ تصویر دیکھ لو اور ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو میں کبھی بھی تمہیں تنہا فیصلہ نہیں کرنے دوں گی مجھے شرمندہ نہ کرو پلیز۔" تسخیر نے بے بسی سے کہا اور تصویر اس کے سامنے رکھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی رگ رگ میں صدیوں کی تھکن اتر آئی تھی۔

"رکیں پھپھو' میں آپ کو شرمندہ نہیں ہونے دوں گی۔ ٹھیک ہے میں راضی ہوں جہاں آپ لوگ چاہ رہے ہیں میری شادی کر دیں۔" ولیجہ نے روتے ہوئے کہا اور تصویر اٹھا کر واپس کرنے لگی اور پھر ایک دم سے چیخی "پھپھو۔۔۔ پھوپھو" تسخیر گھبرا کر اس کے قریب چلی آئی وہ تصویر کو بغور دیکھ رہی تھی اور ساتھ ساتھ بھیگے لہجے میں بولتی جا رہی تھی۔

"یہ وہی تو ہے۔" تسخیر تقدیر کی اس مہربانی پہ گنگ کھڑی تھی جب ولیجہ نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"پھپھو یہی تو ہے یاسر کاظمی یہ وہ ہی تو ہے۔" وہ بے ربط سے فقرے بولتی ہوئی اس کے سینے سے لگ گئی تو دونوں شدت سے رو دیں یوں جیسے سارے آنسو ہی ختم کر دینا چاہتی ہوں۔

"میں بھابھی کو ابھی فون کرتی ہوں کہ ولیجہ راضی ہے اسے آپ کی پسند پہ کوئی اعتراض نہیں۔" تسخیر نے کہا تو ولیجہ بے ساختہ ہنس دی آج عرصے بعد وہ سکون سے ہنس سکی تھی۔

تسخیر نے پھر اسے ساتھ لگایا اور اس کا ماتھا چوم لیا۔ تسخیر کی نم ہوتی آنکھیں دیکھ کر ونی نے انگلی اٹھا کر اسے روک دیا۔

"بس اب کوئی جذباتی سین نہیں ہو گا۔"

"لیکن تمہاری جدائی میں جذباتی تو ہونا پڑے گا۔"

"جدا کون ہو رہا ہے' میں نے یاسر سے کہہ دیا ہے کہ میں اپنی پھپھو کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی اس لیے ہم۔۔۔"

اس سے پہلے کہ اس کا فقرہ مکمل ہوتا تسخیر نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروایا۔

"میری تنہائیاں میرا نصیب ہیں اور پھر تمہیں وداع کر کے تو میں سرخرو ہو جاؤں گی میری پہلی مکمل جیت ہو گی۔" تسخیر نے اسے پیار سے اپنے پاس بٹھا لیا اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی۔

"بیٹیوں کی غیر ذمہ داریاں' من مانیاں اور شوخیاں ماں باپ کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہیں دوسرا گھر اصل میں عورت کی تربیت کا امتحان ہوتا ہے اور میں امید کرتی ہوں تم مجھے کبھی شرمندہ نہیں کرواؤ گی کبھی بھی میری ممتا کو امتحان میں نہیں ڈالو گی مجھے صرف تمہاری خوشی خوش رکھے گی تمہارا آباد گھر سکون دے گا میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ تم یاسر کو اس کے والدین سے چھین کر لے آؤ مرد کی محبت کو اس سے جڑے رشتے مضبوط بناتے ہیں میرا تجربہ ہے اکیلا مرد اندر سے کھوکھلا اور بے صبرا ہو جاتا ہے وہ زندگی کو شائستگی کے ساتھ نہیں گزار سکتا۔"

ایسی ہی بہت سی باتیں ولیجہ کو سمجھانے کے بعد وہ اسے سونے کی تاکید کر کے خود اوپر چلی آئی ٹیرس کے سامنے چاند مسکرا رہا تھا تسخیر اپنی چیئر پہ بیٹھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"زمران۔" وہ ہر رات بس چاند کو دیکھ کر زمران کا نام ہی لیتی اسے سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ زمران کی محبت پہ زیادہ خوش ہے یا اس کے دیے دکھوں پہ دکھی مگر زمران کی محبت اس کی رگ رگ میں لہو کی مانند گردش کرتی تھی وہ بہت مضطرب ہوتی تو قرآن پاک پڑھ پڑھ کر اس کی بخشش کی دعا مانگتی۔

محبت کا یہ فلسفہ ہمیشہ سے یونہی الجھا ہوا ہے اگر ذرا سا بھی سمجھنے لگو تو دوسری کوئی نازک سی تار الجھنے لگتی ہے اور بندہ بے بسی سے ان تاروں کے ٹوٹنے کے ڈر سے محبت کی الجھنوں سے ہی سمجھوتا کر لیتا ہے کہ چلو کچھ تو رخت سفر ہے۔

☼ ☼

مکمل ناول

عورت کبھی بھی میری کمزوری نہیں رہی اور یہ مجھے صرف ایک ہی رشتہ میں اچھی لگتی ہے اور وہ ہے "ماں" کا رشتہ باقی اس سے وابستہ سارے رشتے فضول اور بے کار ہیں خاص طور پر بیوی کا رشتہ اور ازدواجی تعلقات یہ ہی وجہ تھی کہ میں نے اماں کو ہمیشہ شادی سے منع کیا پھر بھی جانے کیوں انہوں نے میری شادی کردی۔" کسی خوب صورت جملے کی منتظر نبیہو نے ایک دم ہی سر اٹھا کر اپنے سامنے موجود شخص پر نظر ڈالی جو اس کے وجود سے یکسر بے نیاز بڑے ہی ظالمانہ انداز میں اپنا تجزیہ پیش کر رہا تھا۔

"تم یہ مت سمجھنا کہ اپنی خوب صورتی کو مجھ پر بطور ہتھیار استعمال کر سکتی ہو کیونکہ میرے نزدیک خوب صورتی کا معیار کافی مختلف ہے اور میرے معیار کے اعتبار سے تم میں کچھ بھی ایسا نہیں ہے جو مجھے متاثر کر سکے۔"

دھڑام دھڑام اس کے آس پاس بنے اونچے اونچے تاج محل زمین بوس ہونے لگے۔ یک دم ہی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا ہو توہین کا شدید احساس اس کے تن بدن کو جلا گیا اور اسی جلن نے اسے دنیا و مافیہا سے پل بھر میں ہی بے خبر کر دیا وہ بھول گئی کہ وہ کہاں موجود ہے؟ اور سامنے بیٹھے شخص سے اس کا کیا رشتہ ہے اسے یاد کرنے پر بھی یاد نہ آیا کہ اس طرح کا انداز گفتگو اس سے پہلے بھی کبھی کسی سے سنا ہے یا نہیں۔ وہ تو ہمیشہ خوب صورت الفاظ اور شیریں لہجہ سننے کی عادی تھی تو پھر یہ سب کیا تھا؟ اور یہ سب کہنے والا کون تھا؟

اس کا شوہر "اس کا مجازی خدا جس نے پہلے ہی دن اسے کوئلوں کی بھٹی پر بٹھا دیا تھا۔

"میرے خدا میری ساری زندگی اس شخص کے ساتھ کس طرح گزرے گی۔" اپنی آئندہ زندگی کے تصور نے اس کے حواس چھین لیے وہ یک دم ہی برف کی مانند ٹھنڈی ہو کر وہیں گر گئی۔

☼ ☼ ☼

"تم بہت خوبصورت ہو۔" سنان اس کے کان کے قریب گنگنایا۔

"مجھے پتا ہے۔" وہ اٹھلائی۔

"اب کوئی نئی بات بتاؤ۔"

"ایک تو یار تم بھی نا بڑی خوش فہمی کا شکار ہو میں تو صرف مذاق کر رہا تھا۔"

"او اچھا! تو یہ مذاق تھا؟" اس نے بھنویں اچکا کر سوال کیا اور ساتھ ہی برا سا منہ بھی بنایا جسے دیکھ کر سنان زور سے ہنس دیا۔

"ایک بات بتاؤ تم کیوں چاہتی ہو کہ میں ہر وقت تمہارے حسن کے قصیدے پڑھتا رہوں میری جان کبھی کبھی سچ سننے کی عادت بھی ڈالو صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے۔" نبیہو کے چہرے پر آئے بالوں کو سنان نے اپنے ہاتھوں سے پرے ہٹایا۔

"اور سچ صرف اتنا ہے کہ تم اپنی تمام تر بدصورتی کے ساتھ میرے لیے دنیا کی خوب صورت ترین لڑکی ہو اور میں تم سے بے حد شدید محبت کرتا ہوں اتنی کہ شاید تمہارے بغیر گزرنے والا میرا دن زندگی کا آخری دن ہو گا۔" سنان کا شرارتی لہجہ ایک دم ہی گمبھیر سا

ہو گیا۔

"چلو بہت ہو گیا ہٹو آگے سے مجھے اندر جانا ہے رحاب باجی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ سنان کو ہٹاتی اندر داخل ہو گئی کیونکہ اسے علم تھا کہ رحاب جو کہ عنقریب اس کی بھابھی بننے والی تھی اس کی اور سنان کی دلی وابستگی سے آگاہ تھی اور یہ ہی وجہ تھی کہ جب بھی وہ رحاب سے ملنے آتی کسی نہ کسی بہانے گھڑی دو گھڑی باہر کھڑی ہو کر سنان سے بھی بات کر لیتی ورنہ تو جانے کیوں سنان سے اس کا بات کرنا اس کے پاپا اور بڑے بھائی جنید کو بالکل بھی پسند نہ تھا کیونکہ شاید انہیں سنان ہی پسند نہ تھا اور اس کی وجہ غالباً" سنان کی لاپروا فطرت تھی۔

وہ پچھلے دو سالوں سے انٹر کے امتحان میں فیل ہو کر سب ہی کے لیے مذاق بنا ہوا تھا جس کا احساس اسے بالکل بھی نہ تھا حالانکہ رحاب کا اکلوتا بھائی اور شبنم آنٹی کا اکلوتا بیٹا ہونے کے ناتے اس پر بے حد ذمہ داریاں عائد تھیں جن سے وہ خود کو شاید اس لیے بھی بری الذمہ سمجھتا تھا کہ اس کے والد کی چھوڑی ہوئی بے تحاشا جائیداد کے سبب بچپن سے لے کر آج تک انہیں کسی مالی وسائل کا سامنا نہ کرنا پڑا اس کی والدہ ایک معاملہ فہم اور کافی دانش مند خاتون تھیں یہ ہی وجہ تھی کہ سب حساب کتاب انہوں نے بڑے احسن طریقے سے سنبھالا ہوا تھا جس کے سبب سنان اور رحاب کی زندگی بڑے مزے سے گزر رہی تھی اور کسی قسم کی ٹینشن ان کی زندگی کا کبھی بھی حصہ نہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"شفا یہ برتن اٹھاؤ یہاں سے۔" ٹی وی والے کمرے میں داخل ہوتے ہی جنید کی پہلی نگاہ ہی کونے والے صوفہ پر پڑی جو نبیہو کے نام سے منسوب سمجھا جاتا تھا وہاں رکھی پلیٹ اس میں بچا ہوا تھوڑا سا سالن اور چائے کا کپ اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ وہ کالج سے واپس آچکی ہے اور یقیناً" کھانا کھا کر اپنے کمرے میں سونے بھی جا چکی ہے اس کی اس روٹین کا تقریباً" سارا گھر ہی عادی تھا اس لڑکی کی یہ عادت بچپن سے ہی تھی ٹی وی دیکھنے کے ساتھ کھانا کھانا، چائے پینا اور برتن اپنی جگہ پر ہی چھوڑ کر سونے چلے جانا جو کہ اس کے بعد ہمیشہ شفا ہی اٹھاتی تھی ابھی بھی جنید کے پکارتے ہی وہ ڈائننگ ٹیبل پر پلیٹیں رکھتی ہوئی اندر آگئی اور فوراً" ہی برتن اٹھا کر واپس پلٹی۔

"ٹی وی کا ریموٹ دینا ذرا میں اٹھانا بھول گیا۔" جنید نے صوفہ پر نیم دراز ہوتے ہوئے شفا کو پھر سے پکارا اسے شاید عادت تھی کہ اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے بھی ہمیشہ شفا کو ہی پکارا کرتا تھا اور شفا تھی بھی ایسی ہی بے لوث اور خدمت گزار لڑکی سب ہی کے کام آنے والی اس کی اور نبیہو کی عادتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا پھر بھی دونوں آپس میں بہن سے زیادہ دوست تھیں اور اس کی ایک وجہ بھی شاید شفا ہی کی صلح جو عادت تھی جس کے باعث آج تک دونوں بہنوں میں کبھی معمولی سی بھی کھٹ پٹ نہ ہوئی تھی ان کی دوستی اور پیار پورے خاندان میں مثالی سمجھا جاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ جیسے ہی یونیورسٹی سے گھر آئی گھر میں ہونے والی چہل پہل سے ہی اندازہ ہو گیا کہ کوئی خاص مہمان آنے والے ہیں اور ان مہمانوں کے بارے میں رحاب کو پہلے سے ہی پتا تھا کیونکہ نا صرف رات میں اسے امی نے بتا دیا تھا بلکہ جنید نے بھی اسے اس سلسلے میں فون کر دیا تھا یہ ہی وجہ تھی کہ بجائے کچن میں جانے کے وہ سیدھی اوپر اپنے کمرے میں آگئی تاکہ جلدی سے فریش ہو کر نیچے جا کر امی کا ہاتھ بٹا سکے اسی لیے جلدی سے اپنا بیگ رکھ کر اس نے الماری سے کپڑے نکالے اور واپس پلٹی کہ اسی دم دروازہ کھول کر سنان اندر داخل ہوا۔

"آپ کا کمپیوٹر ٹھیک ہے؟"

"ہاں کیوں؟ خیریت کوئی کام تھا؟"

"ہاں یار میرا لیپ ٹاپ کام نہیں کر رہا۔" کہنے کے ساتھ ساتھ اس نے کمپیوٹر آن کر لیا۔ رحاب بنا کوئی جواب دیئے باتھ روم میں چلی گئی اور جب وہ نہا دھو کر باہر نکلی تو سنان ابھی بھی کمپیوٹر پر ہی موجود تھا۔ اسے خاصی حیرت ہوئی کیونکہ عام طور پر اس وقت وہ گھر ہی نہ ہوتا تھا بقول جنید کے باہر آوارہ گردی کر رہا ہوتا تھا اپنے دوستوں کے ساتھ، رحاب نے ایک نگاہ اس کی جانب ڈالی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے گیلے بال سلجھانے لگی۔

"آپی۔۔۔" کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے چلاتے رک کر سنان نے اسے پکارا۔

"ہاں بولو۔۔۔" اندازہ تو اسے تھا کہ سنان کچھ کہنا چاہتا ہے اور کچھ کچھ وہ جان بھی چکی تھی مگر پھر بھی سنان کے منہ سے سننا چاہتی تھی کہ وہ کس الجھن میں مبتلا ہے۔

"آج ڈنر پر انکل احتشام آ رہے ہیں نا؟"

"ہاں۔" مختصر جواب دے کر اس نے شیشے سے ہی پیچھے بیٹھے سنان کی کمر پر ایک نظر ڈالی۔

"آپی۔" وہ کشمکش میں مبتلا تھا۔

"جلدی بتاؤ سنان کیا بات ہے مجھے نیچے جا کر امی کے ساتھ ہاتھ بٹانا ہے تم جانتے ہو نا کہ اکیلی مما کب سے مصروف ہیں۔"

"وہ ایسا ہے کہ۔۔۔" وہ کمپیوٹر بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور رحاب کے عین مقابل آگیا رحاب خاموش کھڑی اس کے آگے بولنے کا انتظار کرتی رہی۔

"آپ امی سے کہیں کہ وہ آپ کی ڈیٹ فکس ہونے سے پہلے میرے اور نبیہو کے رشتہ کی بات بھی انکل سے کریں۔"

جانے کیوں سنان کے دل کو یقین تھا کہ اگر رحاب اور جنید کی شادی ہو گئی تو پھر اس کا رشتہ نبیہو سے ہونا تقریباً" ناممکن ہے اسی خوف کے سبب اس نے اپنی دلی خواہش بہن کے ذریعے ماں تک پہنچانے کا فیصلہ کیا اس کی یہ بات سن کر پہلے تو رحاب حیران ہوئی اور پھر ہنس دی۔

"حد ہے یار میری جان پر بنی ہے اور آپ ہنس رہی ہیں۔" وہ قدرے ناراضی سے بولا۔

رحاب نے ایک نظر اپنے سامنے کھڑے، خود سے چار سال چھوٹے بھائی پر ڈالی جو قد و قامت میں رحاب سے کہیں اونچا ہو چکا تھا نا صرف قد و قامت بلکہ دیکھنے میں بھی وہ رحاب سے بڑا ہی دکھتا تھا اسے اس وقت سنان پر بہت پیار آیا۔

"دیکھو سنان فی الحال یہ وقت یہ بات کرنے کے لیے مناسب نہیں ہے۔" نہ چاہتے ہوئے رحاب نے اسے سمجھانے کا فیصلہ کیا۔

"کیوں۔۔۔ اس وقت کیا ہے؟"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ انکل احتشام اپنی زندگی میں سب سے پہلا مقام تعلیم کو دیتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کے اصول نہایت سخت ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ نا صرف وہ خود بلکہ ان کی ساری اولاد ہی بہت قابل ہے۔" وہ ذرا سا رکی اور بھائی پر ایک نظر ڈالی۔

"تم اور امان شروع سے ایک ہی ساتھ پڑھتے رہے

ہو اور اب وہ ماشاءاللہ انجینئرنگ کا طالب علم ہے جبکہ تم نے سیکنڈ ائیر ہی پاس نہیں کیا پھر کس بنیاد پر امی تمہارے رشتہ کی بات کریں۔" رحاب کی بات کافی حد تک درست تھی۔

"اُفوہ آپی! یہ سب جائیداد میری ہی تو ہے پھر کیا ضرورت ہے مجھے اعلا تعلیم یافتہ ہو کر دوسروں کی نوکری کرنے کی بس ذرا امی مان جائیں تو ان شاءاللہ جلد ہی اپنا بزنس شروع کروں گا اور یہ بات آپ لوگ انکل کو بھی سمجھا دیں کہ وہ میری ڈگری نہیں قابلیت دیکھیں۔" وہ اپنی غلطی تسلیم کرنے پر آمادہ ہی نہ تھا۔

"کون سی قابلیت؟" رحاب نے ذرا تیکھے لہجہ میں سوال کیا سنان گڑبڑا گیا اس سوال کا کوئی جواب فی الحال اس کے پاس نہ تھا۔

"پہلے تم بزنس شروع کرو' کسی قابل ہو جاؤ پھر ہم تمہارے رشتہ کی بات انکل سے کرتے اچھے بھی لگیں گے ورنہ خود کو جنید کی جگہ رکھ کر سوچو کیا تم اپنی بہن کا رشتہ ایک ایسے لڑکے سے طے کر سکتے ہو جو انٹر کا امتحان بھی پاس نہ کر سکا ہو۔" ہلکے پھلکے انداز میں اسے آئینہ دکھاتی رحاب باہر نکل گئی۔

"لعنت ہے یار ان لوگوں کی سوچ پر اب اگر بندہ تعلیم حاصل کرنے کا شوق نہ رکھتا ہو تو کیا وہ لڑکی بھی پسند نہیں کر سکتا۔" رحاب کے جاتے ہی اس نے نبیو کو فون ملا لیا جو غالباً" جاننا چاہتی تھی کہ سنان کی اپنی امی سے کیا بات ہوئی۔

"ہاں تو اب کیا بندہ اپنی محبت کی خاطر ایک گریجویشن بھی نہیں کر سکتا پلیز سنان زندگی کے ساتھ سنجیدہ ہو جاؤ ایسے یہ سب نہیں چلتا۔" نبیو نے جواباً" اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"کیا مصیبت ہے یار اس تعلیم کو تو تم لوگوں نے میری ضد بنا دیا ہے مجھے پتا ہے آج رات کو تمہارے باپ اور بھائی نے جب تک یہاں رہنا ہے اپنی قابلیت ہی کے گیت گاتے رہنا ہے۔" وہ ایک دم ہی غصہ میں آیا ورنہ عام طور پر اسے غصہ بہت کم اور معمولی نوعیت کا آتا تھا اس میں برداشت کی صلاحیت کافی تھی۔

"ہاں تو تم بھی کوشش کرو نا قابلیت میں ان کا مقابلہ کرنے کی۔"

"تمہیں اچھی طرح پتا ہے نبیو میں ہمیشہ کتنی تیاری کر کے امتحان دیتا ہوں پھر بھی جانے ممتحن کو مجھ سے کیا دشمنی ہے ہمیشہ فیل کر دیتا ہے۔" اس کی تیاری کا نبیو کو علم تھا لیکن اس وقت کوئی اور بحث کر کے وہ اس کا دل مزید توڑنا نہیں چاہتی تھی اسی لیے خاموش رہی اور وہ خود ہی جانے کیا کیا بولتا رہا۔

"تم سن رہی ہو نا میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

"ہاں سنان سن رہی ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ رحاب آپی ٹھیک کہہ رہی ہیں چلو اب میں فون رکھتی ہوں کیونکہ مجھے تیار ہونا ہے۔"

"ایک منٹ بات سنو میری۔" اور وہ فون رکھتے رکھتے رک گئی۔

"آج وہ ہی وائٹ اور براؤن فراک پہن کر آنا جو میں نے تمہیں عید پر گفٹ کی تھی۔" ایک سیکنڈ میں ہی وہ سب کچھ بھول گیا۔

"اور ہاں مہندی لگائی تھی تم نے۔"

"ہاں بابا لگائی تھی۔"

اسے پتا تھا کہ سنان کو اس کے مہندی والے ہاتھ بہت اچھے لگتے ہیں۔

"اچھا سا تیار ہونا تمہیں پتا ہے نا کہ اس ڈنر کی واحد خوبی یہ ہے کہ اس میں تم آ رہی ہو اور تمہارے دیدار کی چاہ میں ہم ابھی سے آنکھیں فرش راہ کیے بیٹھے ہیں۔" کچھ لمحے قبل والی ساری ٹینشن اس کے دماغ سے نکل گئی تھی اب اگر اسے کچھ یاد تھا تو صرف "نبیو" جسے دیکھنے کے لیے دو تین گھنٹے گزارنا بھی اسی مشکل ترین لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یار تمہاری مسز تو بہت ہی خوب صورت ہیں۔" اپنے دوست کی بات پر ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر سکندر نے نبیو کی جانب دیکھا جو ریڈ شیفون کی فراک میں نفاست سے میک اپ اور جیولری کے ساتھ تک

سک سے تیار خاصی خوب صورت لگ رہی تھی لیکن جانے کیوں اس کا اس قدر تیار ہونا سکندر کو عجیب سا محسوس ہوا۔ وہ آج سکندر کے دوست کے گھر دعوت میں انوائٹ تھے جو کہ انڈین مسلمان تھا اور جب سے سکندر یہاں آیا تھا اس کا دوست عباس مسلسل ہی نبیو کی تعریفیں کر رہا تھا جو اسے بالکل بھی اچھا نہ لگ رہا تھا جانے کیوں وہ عباس کی یہ سب فضول بکواس برداشت کر رہا تھا یہ ہی وجہ تھی کہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی اس نے ایک بھرپور ناقدانہ نظر نبیو پر ڈالی جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"کیا ضرورت تھی تمہیں اس قدر تیار ہو کر آنے کی ایک دعوت میں شرکت کے لیے ہی تم لوگ اتنا تیار ہوتے ہو جتنا تیار ہمارے یہاں کی عورت شادی کے وقت بھی نہیں ہوتی۔"

"تم لوگوں" سے سکندر کی مراد یقیناً" پاکستانی تھے کیونکہ وہ اپنی ہر بات میں یہ صیغہ تم لوگ ضرور استعمال کرتا تھا نبیو نے اس کی کسی بات کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا جبکہ وہ ابھی بھی بولے جا رہا تھا۔

"تم لوگوں کو اور تو کچھ نہیں سکھایا جاتا لیکن منہ پر پینٹ کرنا ضرور سکھا دیا جاتا ہے گھر کے کسی بھی کام کاج میں زیرو لوگوں کا دل کیسے جیتا جاتا ہے اس سے لاعلم بس چوبیس گھنٹے بازاری عورتوں کی طرح بجنا سنورنا ہی دیس کی عورتوں کا کام ہے۔"

ایک لمحہ کو تو نبیو کا دل چاہا کہ پلٹ کر پوچھے تمہارے ہاں کی عورت اگر لوگوں کے دل جیتنے کا فن جانتی ہے تو پھر کیوں تمہاری بڑی بہن شادی کے دو ماہ بعد ہی طلاق لے کر آ گئی؟ لیکن اس کے بولنے کا کوئی فائدہ نہ تھا کیونکہ وہ اس اجنبی دیس میں نا صرف اپنی زبان بلکہ تمام روایات اور ثقافت کے ساتھ بالکل تن تنہا تھی جبکہ اس کا مدمقابل اپنے پورے خاندان کے ساتھ تھا جس کا تجربہ گزرتے ہر دن میں نبیو کو ہو چکا تھا۔

جب شروع شروع میں اس نے سکندر کی کسی بات پر جواب دینے کی کوشش کی تو ایک عجیب سا ردعمل

دیکھنے میں آیا وہ بات صرف سکندر سے کرتی تھی اور جواب اس کا سارا خاندان دیتا جس میں اس کی ماں دونوں بہنیں، یہاں تک کہ بڑی بہن کے دونوں بیٹے اور بڑے بھائی بھابھی بھی شامل ہوتے "ایک بہنوئی ہی ذرا بے چارا سا آدمی تھا جو کسی بھی معاملے میں اپنا حصہ ڈالنے سے زیادہ بہتر سمجھتا کہ خاموش رہے ویسے تو شاید نیبو کسی بھی ایسی صورت حال کا مقابلہ کر ہی لیتی لیکن اصل مسئلہ زبان کا تھا اس کے سسرال والوں کی ایک عادت بہت ہی بری تھی وہ لوگ اس کے سامنے بیٹھ کر ساری گفتگو ہی ملائی زبان میں کرتے جو اس کی سمجھ میں بالکل بھی نہ آتی سونے پر سہاگہ یہ کہ دوران گفتگو خود پر پڑنے والی تمسخر آمیز نگاہیں اسے احساس دلاتیں کہ موضوع گفتگو اسی کی ذات ہے اور ایسے وقت میں وہ خود کو نہایت ہی بے بس محسوس کرتی اور یہ ہی وہ لمحہ ہوتا جب اسے اپنے وطن سے دوری کا احساس دلا دیتا یہ ہی وجہ تھی کہ آج جب وہ سکندر کے ساتھ عباس اور اس کی بیوی ملیحہ سے ملی تو خاصی خوش ہوئی کیونکہ اس نے کتنے ہی دنوں بعد کسی کو اپنی زبان بولتے سنا تھا اور یہ احساس اتنا خوش کن تھا کہ اس کا دل ہی نہ چاہ رہا تھا کہ وہاں سے گھر واپس آئے لیکن ظاہر ہے کہ گھر تو اسے واپس جانا ہی تھا اپنی ان ہی سوچوں میں گھرے ہوئے اسے سکندر کا مسلسل خود پر تنقید کرنا ذرا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن وہ بھی جانے کس مٹی کا بنا تھا نیبو کے کسی بھی بات کا جواب نہ دینے کے باوجود وہ بولنے سے باز ہی نہیں آرہا تھا۔ نیبو کا سر دکھنے لگا۔

"اور یہ تم اتنی ہیل والی جوتی کیوں پہن کر گئی تھیں؟" ایک اور تنقید جس کا جواب نیبو کے پاس نہ تھا۔

"اب بتاؤ بھلا تم لوگ ہاتھوں پیروں پر نیل پالش کیوں لگاتی ہو دیکھنے والا فوراً" سمجھ جاتا ہے کہ نماز نہیں پڑھتیں اور بدبو دار مہندی بھی لگانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔"

"الحمدللہ میں نماز باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔" اتنی دیر میں یہ پہلا جواب تھا نیبو نے اس متواتر بولتے ہوئے شخص کو دیا۔

"ویسے میں نے تو کبھی نہیں دیکھا جانے کب پڑھتی ہو بہرحال دوبارہ اپنے پاؤں پر لال نیل پالش مت لگانا ہمارے ہاں کپڑوں اور نیل پالش میں یہ کلر ہندو عورتیں استعمال کرتی ہیں اور ویسے بھی لال نیل پالش کے ساتھ عورت کا کچھ عجیب سا تصور ہی میرے دماغ میں ہوتا ہے عجیب جھینگیوں والا کلر ہے۔ جانے تم کس طرح اتنا ڈارک کلر لگا لیتی ہو۔" سکندر نے شاید چپ ہونا سیکھا ہی نہ تھا۔

"تمہارے پاؤں بہت خوب صورت ہیں۔" ایک خوب صورت سی آواز اس کے کانوں میں گونجی جو یقیناً" سنان کی تھی اس نے گھبرا کر اپنی آنکھیں کھول دیں لیکن اب وہ گاڑی میں نہ تھی اسے سکندر کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی وہ کیا کہہ رہا تھا نیبو کو کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا وہ ذہنی طور پر بہت پیچھے جا چکی تھی اس دور میں جب وہ اپنے دیس میں تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اور رحاب شادی کی شاپنگ کے لیے بازار آئی تھیں امان نے آتے ہوئے سنان کو بھی اپنے ساتھ لیا تھا احتشام صاحب اور جنید کی طرح امان، سنان کے لیے مخالفانہ جذبات نہ رکھتا تھا بلکہ ان دونوں کے درمیان کافی اچھی دوستی تھی بازار پہنچتے ہی امان کو اس کا کالج فرینڈ مل گیا وہ اس کے ساتھ بزی ہو گیا جس کی بنا پر سنان ان دونوں کو لے کر جوتوں کی ایک مشہور دکان پر آگیا وہ اپنے جوتوں کی زیادہ تر شاپنگ یہیں سے کرتی تھیں رحاب کے ساتھ ساتھ نیبو بھی اپنے لیے جوتے پسند کر رہی تھی جو اسے بارات اور ولیمہ کے سوٹ کے ساتھ پہننا تھے اس کے گورے گورے پاؤں پر لال نیل پالش عجب سی چھب دکھا رہی تھی ہر بار جب وہ کوئی جوتی ٹرائی کر کے اتارتی تو سنان کی نگاہیں اس کے پاؤں پر پڑ جاتیں اور بالآخر وہ بول ہی پڑا "تمہارے پاؤں کتنے خوب صورت ہیں۔" انہماک سے جوتے پسند کرتی ہوئی نیبو چونک اٹھی اور فوراً" اپنے پاؤں پر ایک نظر ڈالی جو کالی جوتی میں جکڑے بے حد نرم و نازک اور خوب صورت لگ رہے تھے سنان کی خود پر اس قدر توجہ اسے مغرور سا کر گئی اور پھر اس دن شادی کے سلسلے میں اس نے جو بھی شاپنگ کی سب سنان کی مرضی کے عین مطابق تھی۔ پہلے بھی جو ڈریس اس نے تیار کروائے تھے ان کے کلر اس نے سنان سے پوچھ کر ہی پسند کیے تھے کیونکہ رحاب کی شادی کے دنوں میں وہ بالکل ویسی نظر آنا چاہتی تھی جیسی توقع سنان اس سے کر رہا تھا حالانکہ اس کی پسند ناپسند میں پہلے ہی سنان کا عمل دخل۔ حد سے زیادہ تھا۔ لیکن اسے اچھا لگتا اپنا ہر وہ کام جو وہ سنان کی رضا کے مطابق سرانجام دیتی اور سنان اسے تو شاید دنیا میں سوائے نیبو کے کبھی کچھ نظر ہی نہ آتا تھا لیکن اس کے باوجود جانے کیا بات تھی کہ وہ اپنی شخصیت کو کبھی بھی احتشام صاحب کی مرضی کے مطابق ڈھال نہ سکا شاید یہ کچھ اس کے اندر کی سرکشی تھی جو اس ہمیشہ وہ ہی کام کرنے پر مجبور کرتی جو نیبو کے پاپا کو سخت ناپسند ہوتا۔

☼ ☼ ☼

وہ وین کی کھڑکی سے سر ٹکائے باہر بھاگتے دوڑتے نظارے دیکھنے کے ساتھ ساتھ گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک بھی گن رہی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر گھر پہنچ جائے بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا اور بھوک تو وہ کسی بھی حال میں برداشت کر پاتی تھی آج سارا دن ہونے والی لگاتار کلاسوں نے اسے تھکا دیا تھا اور پھر جب وہ کینٹین گئی تو وہاں بھی تقریباً" سب کچھ ہی ختم ہو گیا تھا لہٰذا اب جو بھی کھانا تھا گھر جا کر ہی کھانا تھا اس خیال میں گم وہ اچانک چونک اٹھی سامنے ہی روڈ پر کھڑا لڑکا یقیناً" سنان ہی تھا اس کے ساتھ اس کے دو دوست بھی تھے اس سارے منظر میں جو بات قابل اعتراض تھی وہ سنان کے ہاتھ میں نظر آنے والا سلگتا ہوا سگریٹ تھا جس کے کش لگاتے نیبو کو وہ بالکل عادی سگریٹ نوش لگ رہا تھا اس کا مطلب ہے سنان جانے کب سے سگریٹ بھی پیتا ہے جب کہ اس کے خاندان میں کوئی بھی ایسا فرد نہ تھا جس کے پاس کبھی بھی نیبو نے سگریٹ جیسی خرافات دیکھی ہوں اس کا دل ایک دم ہی غصے سے بھر گیا سنان کی اس حرکت نے نیبو کی تیز بھوک کو بھی پل بھر میں ہی ختم کر دیا اور وہ تھکے تھکے قدموں سے گھر داخل ہوئی شفا نے اپنی اور اس کی چائے تیار کر دی تھی سامنے ہی ٹیبل پر دھری تھی جبکہ اس نے قریب رکھی ٹرے میں یہ بھی دیکھنے کی زحمت نہ کی کہ آج پکا ہوا کیا تھا خاموشی سے چائے پی کر وہیں کپ رکھ کر وہ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی اپنا موبائل اس نے آف کر دیا تھا وہ آج سنان سے بالکل بھی بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی اسے سنان پر کچھ زیادہ ہی غصہ آرہا تھا حالانکہ اس سے پہلے کبھی بھی ایسا نہ ہوا تھا آج تو اسے نیند بھی نہ آرہی تھی "کیا بات ہے نیبو تم نے آج کھانا کیوں نہیں کھایا؟"

شفا کھانا کھا کر اور نماز پڑھ کر کمرے میں سونے کے لیے آئی تھی نیبو کے بے چینی سے ہلتے پاؤں دیکھ کر وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ وہ کسی ٹینشن میں ہے اور اس کی ہر ٹینشن عام طور پر سنان کے متعلق ہی ہوتی تھی اس بات کا خاصا تجربہ شفا کو ہو چکا تھا پھر بھی وہ آج کی ٹینشن کا پس منظر جاننا چاہتی تھی۔

"کچھ نہیں یار ابھی میں آئی تو روڈ پر سنان کھڑا تھا۔"

"وہ تو روز اس وقت کھڑا ہوتا ہے غالباً" اسے علم ہے کہ یہ ٹائم تمہارے کالج سے واپسی کا ہوتا ہے۔" شفا کی یہ بات سو فیصد درست تھی۔

"ہاں لیکن تمہیں پتا ہے آج روڈ پر کھڑا وہ بالکل لفنگے لڑکوں والے اسٹائل میں سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔" ٹینشن کا پس منظر کھل کر سامنے آگیا۔

"ہاں تو اس میں اتنی ٹینشن والی کیا بات ہے وہ سگریٹ پیتا ہے یہ بات سب ہی جانتے ہیں یہاں تک کہ پاپا کو بھی پتا ہے۔" شفا نے اطمینان سے جواب دے کر اس کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ سنان کی اس حرکت کا علم شاید گھر میں کسی کو نہ ہو۔

"تم نے مجھے یہ بات کیوں نہ بتائی پتا نہیں ہر بات مجھے ہی کیوں لیٹ پتا چلتی ہے۔"

"اس لیے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا تم کبھی بھی سنان کے حوالے سے کسی بات کا یقین نہیں کرتیں تاوقتیکہ خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لو بالکل ایسے جیسے آج۔ اگر یہی بات میں تم سے کہتی تو تم نے کہنا تھا کہ سب بکواس ہے وہ یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے۔ جس پر تم اتنی ڈپریسڈ ہو رہی ہو وہ یہ کارنامہ پچھلے کئی ماہ سے سرانجام دے رہا ہے۔" تیز تیز بولتی شفا اس کی تمام غلط فہمیاں دور کرتی گئی اور جب شام ہی کو اس نے یہ سب کچھ سنان سے پوچھا تو پہلے تو صاف مکر گیا۔

"تم نے کسی اور کو دیکھا ہوگا میں نے تو کبھی سگریٹ پی ہی نہیں۔"

"جھوٹ مت بولو سنان! تم اچھی طرح جانتے ہو میں بند آنکھوں سے بھی تمہیں دیکھ لیتی ہوں اس لیے مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔"

"سوری یار آج پہلی بار ہی پی تھی وہ بھی تم نے پکڑ لیا۔"

"ایک اور سفید جھوٹ تمہیں سگریٹ پیتے ہوئے کئی دفعہ پاپا اور جنید بھائی نے دیکھا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے اسے ان دونوں کا نام لینا پڑا۔ حالانکہ جانتی تھی کہ اس بات نے سنان کو جلتے توے پر بٹھا دینا ہے اور یقیناً "ایسا ہی ہوا وہ فوراً" سے بیشتر تپ گیا۔

"تمہارے پاپا اور بھائی کو کوئی اور کام نہیں ہے جو ہر وقت میری جاسوسی کرتے ہیں حد ہے یار۔" اور اب نیہو کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ خاموشی اختیار کرلے لیکن پھر بھی اس نے دل ہی دل میں تہیہ کرلیا کہ وہ سنان کو اس بارے میں دوبارہ سے سمجھانے کی کوشش ضرور کرے گی۔

☼ ☼ ☼

پیلے گیندے کے پھولوں سے سجایا گیا اسٹیج بہت ہی دلکش لگ رہا تھا آج رحاب اور جنید کی رسم حنا ہال میں ایک ہی جگہ انجام دی جا رہی تھی رحاب یلو اور گرین سوٹ میں ملبوس بہت خوب صورت لگ رہی تھی اس کے ساتھ ہی وائٹ کرتے شلوار میں جنید بیٹھا تھا تقریباً" تمام رسمیں ادا ہو چکی تھیں اب صرف فوٹو سیشن ہو رہا تھا سنان بھی اپنے پروفیشنل کیمرے کی آنکھ سے ایک ایک منظر کو عکس بند کر رہا تھا بلکہ سچ تو یہ تھا اس بہانے سارے وقت اس نے نیہو کو ہی فوکس کیا تھا وائٹ پاؤں تک آئی فراک اور چوڑی دار پاجامے میں بے حد خوب صورت لگ رہی تھی سنان دوران رسم بھی سارا وقت اسٹیج پر اس کے قریب ہی منڈلاتا رہا اتنا قریب کہ اسے نیہو کے سانس کی آواز بھی واضح طور پر سنائی دے رہی تھی اور ابھی بھی وہ اسٹیج کے بالکل سامنے رکھے صوفہ پر بیٹھا تھا جبکہ نیہو اور شفا دونوں اسٹیج پر موجود تھیں سنان کی نظروں کا محور صرف ایک ہی ہستی تھی وہ مسلسل اس کی تصویریں فوکس کر رہا تھا کہ یک دم ہی اس نے ناگواری سے کیمرہ پرے ہٹا کر اسٹیج پر نظر ڈالی جہاں نیہو حمزہ سے کھڑی جانے کیا باتیں کر رہی تھی حمزہ اس کی خالہ کا بیٹا تھا اس کی کسی بات پر نیہو زور سے کھلکھلائی جس کے ساتھ ہی اس کے خوب صورت سفید نگینوں والے آویزوں کا عکس اس کے چہرے پر جھلملایا سنان یک دم ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور تیز تیز ڈگ بھرتا اسٹیج پر ان دونوں کے پاس پہنچ گیا۔

"ایکسکیوزمی۔" حمزہ کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے نیہو کو بازو سے تھام لیا۔

"نیچے آؤ تمہیں امی بلا رہی ہیں؟"

"ایک منٹ حمزہ میں ابھی آئی۔" وہ خفت زدہ ہو گئی کیونکہ حمزہ اسی کی جانب تک رہا تھا۔

"وائے ناٹ شیور۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"کیا بدتمیزی ہے سنان! بازو چھوڑو میرا کوئی دیکھ لے گا۔" ہال میں سب ہی مصروف تھے اور اللہ کا شکر تھا کہ کسی کی توجہ ان پر نہ تھی سنان کی اس حرکت کو صرف شفا نے ہی دیکھا تھا جو وہاں اسٹیج پر ان کے ساتھ موجود تھی اگر جنید بھائی دیکھ لیتے تو یہ سوچ کر وہ ایک دم ہی گھبرا اٹھی اور جلدی سے سنان سے اپنا بازو چھڑوایا۔

"یہ حمزہ تم کو کون سی الف لیلیٰ کی کہانیاں سنا رہا تھا۔" طنز کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے پر شدید غصہ بھی موجود تھا اپنے بلیک کرتے کے بازو کہنیوں تک فولڈ کیے۔ نیہو سے جرح کرتا سنان اسے بہت ہی اچھا لگا۔

"تم مجھ پر شک کر رہے ہو؟" نیہو نے حیرت سے سوال کیا۔

"نہیں جگر میں مر کر بھی اتنے گھٹیا انداز سے تمہارے بارے میں نہیں سوچ سکتا میں تو صرف حمزہ کی تم پر توجہ دیکھ کر ڈر رہا ہوں تمہارے باپ اور بھائی سے جو انسان کی پہچان اس کے نام کے ساتھ لگی ہوئی ڈگریوں سے کرتے ہیں اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ حمزہ کے نام کے ساتھ دو تین ڈگریاں تو ضرور موجود ہیں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں۔" بات کے اختتام پر اس نے نیہو سے تصدیق چاہی۔

"پہلی بات تو مجھے جگر مت کہا کرو ایک دم لوفرانہ لفظ لگتا ہے۔"

"چلو جگر نہ سہی جان تو ٹھیک ہے نا۔" وہ شرارت سے ہنسا جواباً" صرف نیہو نے اسے گھور کر دیکھا۔

"دوسروں کی ڈگریوں کو اپنے لیے مسئلہ بنانے سے زیادہ اچھا یہ نہیں ہے کہ ایسی کم از کم ایک ڈگری تم بھی لے لو۔"

"ڈگری لینی کون سی مشکل ہے پیسے سے سب مل جاتا ہے اصل مسئلہ تو تمہارا باپ ہے جو ڈگری بھی تصدیق شدہ چاہتا ہے۔"

"ہاں تو اس میں غلط کیا ہے سنان کیوں نہیں تم اس بات کو سمجھتے۔" وہ ذرا خفگی سے بولی۔

"چلو چھوڑو میرے اتنے اچھے موڈ کو ایسی باتوں سے خراب نہ کرو ویسے تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے بی کام میں داخلہ لے لیا ہے اور ان شاء اللہ جلد از جلد ایک ڈگری ہولڈر ہو ہی جاؤں گا۔" نیہو کی خفگی نے اس تھوڑا سا پریشان کر دیا اس لیے اپنی بات سے وہ اس کی ناراضی دور کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ جس میں کافی حد تک وہ کامیاب بھی ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

آج ربیعہ اس سے ملنے آئی تھی جانے کیسے اس کی ساس نے اسے کھانے پر روک لیا ورنہ تو وہ ہمیشہ ربیعہ کی ساس کی گزری ہوئی باتیں ان کی موت کے بعد یاد رکھے رہتیں اور کسی نہ کسی موقع پر ضرور ایسا قصہ سنا دیتیں جو ان دونوں خواتین کے اختلافات پر مبنی ہوتا یہ ہی وجہ تھی کہ جب ربیعہ نے شادی کے بعد اس کی دعوت کی تھی تو سکندر نے فوراً" منع کر دیا۔

"اس کا گھر کے۔ایل سے بہت دور ہے کم از کم ایک سے ڈیڑھ گھنٹہ کا سفر اور میں اتنی لمبی ڈرائیو نہیں کر سکتا۔" سراسر ٹالنے والا انداز تھا وجہ صرف اتنی تھی کہ اس کی ساس حاجرہ بیگم کو اپنی نند کا سسرال بالکل پسند نہ تھا جبکہ ربیعہ کی شادی اسی خاندان میں ہوئی تھی نیہو وجہ جاننے کے باوجود خاموش رہی حالانکہ اس کا بہت دل چاہ رہا تھا اپنی پیاری سی کزن سے ملنے کا جو اس کی بہترین دوست بھی تھی اور پھر اس نے بہت ہی سہولت سے ربیعہ کو منع کر دیا اس کے انکار کو ربیعہ نے انا کا مسئلہ نہ بنایا یہ ہی وجہ تھی کہ آج وہ اپنے میاں عبدالوہاب کے ساتھ اس سے ملنے آگئی اس کی آمد نے نیہو کو خاصا خوش کر دیا تھا۔ وہ اپنے دیس سے دور اپنوں کے لیے ترسی ہوئی تھی اس کی ساس کچن میں مصروف تھیں وہ اپنی عادت کے عین مطابق کسی کو بھی کچن کے کاموں کا ہاتھ نہ لگانے دیتیں شاید انہیں کسی کا کبھی کوئی کام پسند ہی نہ آتا تھا یہاں تک کہ پہلی بار ہی نیہو کی کاٹی ہوئی سبزیاں بھی ریجیکٹ کر دی تھیں جس کے باعث دوبارہ نیہو نے کبھی بھی ان کی مدد کرنے کا سوچا ہی نہ تھا۔ اسے اپنی ساس کے ہاتھ کا کھانا قطعی پسند نہ تھا شاید ملائی کھانے پاکستانی کھانوں سے قطعی مختلف ہونے کے سبب ہی نیہو کو پسند نہ تھے عجیب پھیکے سیٹھے کھانے اس کے سسرال میں کم نمک مرچ کا ہی رواج تھا شروع شروع میں تو اسے خاصی مشکل ہوئی لیکن اب اس نے نوڈلز کے کافی پیکٹ اپنے پاس رکھ لیے تھے جنہیں وقتاً"

فوقتاً" وہ پکا کر کھالیتی اس کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ بھی تو نہ تھا آخر پیٹ کا دوزخ تو بھرنا ہی تھا کھانا تیار ہو چکا تھا جو اس کی ساس نے اپنی بیٹی رفیدا کے ساتھ مل کر ٹیبل پر لگا دیا۔

رفیدا سکندر سے دو سال بڑی تھی اور اپنی طلاق کے بعد ماں ہی کے ساتھ رہتی تھی وہ ایک کوریر کمپنی میں جاب کرتی روز صبح آٹھ بجے جینز ٹی شرٹ پر سر پر اسکارف لیے سائیکل پر سوار اپنے کام پر روانہ ہو جاتی اور پھر رات میں واپس آتی گھر پر سارا دن نیبو اپنی ساس کے ساتھ تنہا ہوتی اس کی ساس کچن کے کام ختم کر کے لاؤنج میں اونچی آواز سے ٹی وی لگا لیتیں۔ جہاں ان کا پسندیدہ ملائی سیریل اس وقت آتا تھا پھر کھانا کھا کر وہ ایک گھنٹہ اپنے کمرے میں سونے ضرور جاتیں لیکن جاتے جاتے ریموٹ کہیں چھپا جاتیں ان کی اس حرکت نے شروع شروع میں تو نیبو کو خاصا تپایا لیکن اب وہ دیگر تمام باتوں کی طرح اس بات کی بھی عادی ہو چکی تھی۔

"تم اس دن میری دعوت پر کیوں نہیں آئی تھیں؟" عبدالوہاب باہر سکندر کے ساتھ تھا اور وہ دونوں کمرے میں تنہا تھیں اسی لیے کمرے سے باہر نکلتے نکلتے ربیعہ پوچھ بیٹھی۔

"سکندر کا کہنا تھا کہ تمہارا گھر یہاں سے ڈیڑھ گھنٹہ دور ہے اور وہ اتنی لمبی ڈرائیو نہیں کر سکتا۔"

"میگا پور یہاں سے صرف ایک گھنٹہ کی مسافت پر ہے جہاں میں رہتی ہوں۔" ربیعہ نے نیبو کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔

"اور تمہیں نہیں پتا کہ میرے گھر کے قریب ہی تمہارا جیٹھ عمر اور اس کی بیوی روزینہ رہتے ہیں جہاں ہر دوسرے دن سکندر بھائی چکر لگاتے ہیں پھر جانے تمہیں کیوں منع کر دیا۔"

وجہ تو وہ پہلے سے ہی جانتی تھی لیکن اب وہ مصالحت کی زندگی گزارنے کی عادی ہو چکی تھی یہ ہی سبب تھا کہ اس نے نہ تو پہلے سکندر سے اس سلسلے میں کوئی جرح کی تھی اور نہ ہی اس کا آئندہ کوئی ایسا ارادہ تھا اسی لیے خاموش رہی ڈائننگ ٹیبل پر ملائی روایتی کھانے موجود تھے وہ ہی ابلے ہوئے چاول لال مرچوں کی چٹنی چھوٹی چھوٹی فرائی مچھلیاں اور چکن کا سانبھر کچی پکی سبزیاں بھی ٹیبل پر موجود تھیں ایک دم ہی نیبو کو پاکستانی دعوتیں یاد آگئیں اور اس کے ساتھ ہی بریانی اور کباب کی مخصوص خوشبو نے اس کے نتھنوں سے ٹکرا کر اسے بے قرار کر دیا آج تو کھانے کے ساتھ تندوری نان بھی تھے جو یہاں قریب ہی ایک پاکستانی ہوٹل پر ملتے تھے پھر بھی وہ سب نہ تھا جو پاکستان میں ہوتا تھا۔ وہ خاموشی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھوڑے سے چاول پلیٹ میں ڈالے اور ذرا سا سانبھر ڈال کر کھانے لگی سانبھر میں موجود چکن بالکل سفید رنگ کا تھا اس کی ساس سالن کو زیادہ بھون کر پکانا جاہلیت کی نشانی قرار دیتی تھیں چکن ذرا سے گھی میں ڈال کر مسالے کے ساتھ ہی پانی ڈال دیا جاتا اور ایسا پکا ہوا سالن گھر کے تمام افراد بڑی رغبت سے کھاتے ماسوائے اس کے اور اب بھی ایسا ہی تھا جبکہ ربیعہ بھی خاصی رغبت سے یہ سب کچھ کھا رہی تھی اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ پچھلے دس سالوں سے یہاں رہائش پذیر تھی۔ جو بنتا تھوڑا بہت تھوڑا بہت کھا کر گزارہ کر لیتی اسی لیے اس کی بھوک بالکل ختم ہو گئی تھی اور وہ صرف ضرورت کے تحت ہی تھوڑا بہت کھانا زہر مار کرتی۔

"تم کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہو؟" اسے بے دلی سے کھاتا دیکھ کر ربیعہ نے سوال کیا۔

"یہ اتنا ہی کھاتی ہے شاید وہاں دیس میں غربت زیادہ ہونے کے باعث لڑکیوں کو کھانا کم دیا جاتا ہے۔" اس کے بولنے سے قبل سکندر بول اٹھا اور سکندر کی اس بات پر رفیدا بھی ہنس دی یہ غالباً "کوئی گھٹیا سا غیر اخلاقی مذاق تھا نیبو صرف خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"نہیں سکندر بھائی ایسا نہیں ہے آپ شاید کبھی پاکستان نہیں گئے یا پھر وہاں کی کوئی دعوت اٹینڈ نہیں کی ہمارے ہاں دعوتوں پر خاصا اہتمام کیا جاتا ہے اور

میرا خیال ہے کہ نیبو کو بھی اس وقت اپنے وطن کی کوئی زبردست سی دعوت یاد آگئی ہے۔" ربیعہ خاصی بولڈ تھی اور کچھ اسے یہ جرات عبدالوہاب سے بھی ملی تھی۔ جو ہمیشہ اپنی بیوی کی ہاں میں ہاں ملا کر اس کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔

"جب تمہیں یہاں کا کھانا پسند نہیں ہے تو کیوں اپنا کھانا نہیں بناتیں۔" جاتے جاتے اسے ربیعہ نے سمجھایا جواباً" وہ صرف خاموش رہی لیکن جب رات فون پر یہ ہی بات اس کی مما نے کی تو وہ خاموش نہ رہ سکی۔

"مما آپ جانتی ہیں مجھے کوکنگ نہیں آتی؟" وہ بے بسی سے بولی۔

"تو بیٹا پکانا شروع کرو خود ہی آجائے گی اب تو اتنے کوکنگ کے چینل آتے ہیں کہ کچھ مشکل ہی نہیں رہا۔"

اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ ٹی وی پر مکمل اجارہ داری اس کی ساس کی تھی کیونکہ یہ ٹی وہ ان ہی کا تھا جبکہ نیبو کو جہیز کے نام پر اس کے والد نے جو رقم دی تھی وہ سکندر کے اکاؤنٹ میں تھی نیبو کے بار بار کہنے پر بھی وہ الگ سے کمرے کے لیے ٹی وی لے کر نہ آیا تھا اس بات کی اجازت بہرحال اسے اپنی ماں سے نہ ملی تھی۔

"ان کے ٹی وی پر پاکستانی چینل سیٹ نہیں ہیں۔" اس نے بے دلی سے جواب دیا۔ اتنی دور بیٹھی اس کی ماں نیبو کے گھر کے ماحول سے قطعی بے خبر تھیں اس لیے بھی شاید مشوروں سے نواز رہی تھیں۔

"مما یہاں پاکستانی کھانے کوئی نہیں کھاتا پھر بتائیں بھلا میں اکیلی یہ سب پکا کر کیا کروں گی۔"

"جب پاکستان آتے ہیں تب تو سب کچھ کھاتے ہیں بہرحال اور سناؤ کچھ چاہیے تو نہیں تمہارے پاپا کے کوئی دوست اپنی فیملی سمیت ملائیشیاء جا رہے ہیں اگر کچھ چاہیے ہو تو بتا دو میں بھیج دوں گی۔"

"نہیں مما مجھے کچھ نہیں چاہیے ابھی تو جو کچھ میں وہاں سے لائی ہوں وہ ہی استعمال نہیں ہوا تو مزید کا کیا کروں گی۔" نہ چاہتے ہوئے وہ تلخ ہو گئی۔

"کیوں؟ کہیں جاتی نہیں ہو کیا؟"

"جاتی تو ہوں مگر بہت کم اور پھر ہمارے وہاں کا کپڑا یہاں پسند نہیں کیا جاتا۔"

"حیرت ہے نیبو جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ربیعہ تو آج تک اپنے کپڑے پاکستان ہی منگواتی ہے اس کے تو سسرال والے اپنے بچوں کی شادی کی شاپنگ بھی یہاں ہی کرنے آتے ہیں۔"

"بہت فرق ہے مما ربیعہ اور میرے گھر کے ماحول میں مجھے تو سمجھ ہی نہیں آرہا کہ آخر کیا سوچ کر میرا رشتہ یہاں طے کیا تھا؟" کئی دنوں سے دل میں دبی چنگاری کو ذرا سی ہوا ملی تو سلگ اٹھی اور شکوہ لبوں پر آہی گیا۔

"اصل میں نیبو یہ سب نصیب کے کھیل ہوتے ہیں اور شاید تمہارے نصیب میں سکندر ہی کا ساتھ تھا جو تمہیں مل گیا اب بیٹا کوشش کرو اسے اپنے رنگ میں ڈھالنے کی اور یہ ہی عورت کی جیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنا ہم نوا کر سکے ان شاءاللہ مجھے امید کہ تم بھی ایسا کرو گی لیکن ابھی کچھ ٹائم لگے گا اس وقت تک تھوڑا صبر اور برداشت سے کام لو۔

"اپنی کوتاہی کو نصیب کا کھیل قرار دے دینا شاید ہم انسانوں کی فطرت ہے۔" اس وقت اپنی ماں کا جواب سن کر نیبو کے دماغ میں یہ ہی ایک جملہ آیا جو شاید کافی عرصہ پہلے اس نے کہیں پڑھا تھا لیکن وہ بولی کچھ نہیں اسے تو آج بھی اپنے باپ کے فخر و غرور میں ڈوبے ہوئے وہ آخری الفاظ یاد تھے جو انہوں نے نیبو کو سمجھاتے ہوئے کہے تھے۔

"بیٹا زندگی میں کامیابی کے لیے ہمیشہ اپنے سے اوپر دیکھو اور یاد رکھو تم سے نیچے والا تمہارے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔"

"کاش پاپا آپ میری شادی سے قبل یہاں آکر دیکھ تو لیتے کہ ان لوگوں کا معیار زندگی کیا ہے۔" لیکن شاید اس کے باپ کے نزدیک زندگی گزارنے کے لیے جو ضروری چیزیں تھیں وہ بہ درجہ اتم اس گھر میں موجود تھیں شان دار رہائش، بڑی سی گاڑی اور سب سے

بڑھ کر سکندر کے نام کے ساتھ موجود ڈگریوں کی لسٹ جو اس کے باپ کے لیے بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھیں سنان سچ کہتا تھا اس کا باپ انسان کی پہچان اس کی ڈگری سے کرتا تھا سنان کا نام سوچتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے جنہیں صاف کرتی جیسے ہی وہ پلٹی یک دم نگاہ سامنے بیڈ پر موجود سکندر پر پڑی جو جانے کمرے میں کب آیا تھا۔ ”آپ کب آئے؟“

”اس وقت جب تم اپنی ماں سے میری اور میری ماں کی چغلیاں کر رہی تھیں۔“ اپنی شرٹ کے بٹن کھول کر اس نے بیڈ پر پھینک دی نیبو اس کے چہرے پر چھائی کرختگی دیکھ کر ڈر سی گئی اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے اسے تو سوچنے سے ہی یاد نہ آیا کہ اس نے اپنی ماں سے کیا بات کی تھی جس میں سکندر یا اس کی ماں کی کوئی برائی موجود ہو وہ تو صرف یہاں کے ماحول ہی کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی لیکن اب صفائی دینا بے کار تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اپنے حق میں دی جانے والی کوئی بھی دلیل سکندر کے غصے کو ٹھنڈا نہیں کر سکتی اسی لیے خاموشی سے آگے بڑھ کر بیڈ پر پڑی ہوئی اس کی شرٹ اٹھانا چاہی تاکہ دھونے والے کپڑوں میں ڈال سکے لیکن قبل اس کے کہ وہ شرٹ اٹھاتی سکندر نے ایک جھٹکے سے شرٹ اس کے ہاتھ سے چھین لی۔

”ماں۔۔۔ اماں۔۔۔“ وہ حلق کے بل چلایا اور دوسرے ہی لمحہ اس کی ماں اور رفیدا دونوں بھاگ کر کمرے میں داخل ہوگئیں۔

”کیا ہوا؟“ رفیدا نے ملائی زبان میں بھائی سے پوچھ کر ایک نگاہ خفت زدہ کھڑی نیبو پر ڈالی اور نیبو کا تو شرمندگی کے مارے برا حال تھا اسے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ ایک ذرا سی بات پر سکندر نے اتنا ہنگامہ کیوں کھڑا کر دیا ہے۔

”یہ میری شرٹ لے جاؤ دھونے کے لیے گندے کپڑوں میں رکھ دو اگر یہ شرٹ اس مہارانی نے یہاں سے اٹھا کر باہر لے جا کر رکھ دی تو کل کو یہ اپنی ماں سے فون پر یہ بھی شکایت کرے گی کہ ہم اس سے گندے کپڑے اٹھواتے ہیں۔“ صرف یہ الفاظ اردو زبان میں بولے گئے اس کے بعد کی تمام گفتگو تینوں کے درمیان ملائی میں ہوئی جس میں سے چند ایک باتوں کے سوائے وہ زیادہ کچھ نہ سمجھ سکی کیونکہ اسے ابھی ملائی پوری طرح سمجھ نہ آئی تھی لیکن ان چند باتوں سے بھی نیبو کو اندازہ ہو گیا کہ کمرے میں موجود تینوں افراد نا صرف اس کے گھر والوں بلکہ اس کے وطن کے تمام لوگوں کے بخیے ادھیڑنے میں مصروف ہیں ایک ذرا سی بات کا اتنا بڑا ایشو بنایا گیا کہ اس کے بعد نیبو نے اپنی ماں سے کوئی گلہ کرنا بھی چھوڑ دیا اور اب تو ویسے بھی جب بھی کبھی پاکستان سے فون آتا اس کی ساس ہمیشہ اس کے سر پر سوار ہوتیں اور یہ بھی شاید اس کے بیٹے کی ہی کوئی خاص ہدایت تھی۔

☼ ☼ ☼

”تم آج کی دعوت میں کیا بنا رہی ہو میرے لیے؟“ وہ ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ کانوں میں ہیڈ فون ڈالے آہستہ آواز میں سنان سے باتیں کرنے میں مصروف تھی جس کا علم صرف شفا کو تھا جو کچن میں مما کے ساتھ شام کی دعوت کی تیاریوں میں ان کا ہاتھ بٹا رہی تھی اور تھوڑی دیر بعد آکر اسے حالات حاضرہ سے باخبر بھی کر جاتی یہ دعوت رحاب کی شادی کے بعد پہلی دفعہ اس کے گھر والوں کے اعزاز میں دی جا رہی تھی رحاب کی خالہ اور ان کا بیٹا امریکا سے آئے ہوئے تھے اسے تو یہ بھی علم نہ تھا کہ دعوت کا مینو کیا ہے؟ اسے اگر علم تھا تو صرف یہ کہ رات میں اس نے کیا پہننا ہے ابھی بھی وہ گود میں چیری سے بھری ٹوکری رکھ کر مزے سے سنان سے باتیں کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ شام کی تیاری کے حوالے سے اس کی رائے بھی معلوم کرتی جا رہی تھی کہ یک دم ہی سنان نے اس سے یہ سوال کر لیا وہ فوراً۔۔۔ گڑبڑا گئی۔

”میں شاید فرائیڈ رائس بناؤں۔“ اچانک ہی اس کی نگاہ اپنے قریب رکھی سبزی سے بھری ٹوکری پر پڑی رنگ برنگی سبزیاں جو شفا اسے کاٹنے کے لیے دے گئی تھی یقیناً ”فرائیڈ رائس کے لیے ہی تھیں یہ ہی سوچ کر اس نے سنان کو جواب دے دیا۔

”واہ گڈ یار پھر تو آج دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھانا چاہیے ایک ساتھ ہی شام کو تمہارے ہاتھ کے بنے ہوئے فرائیڈ رائس کا مزا لوں گا۔“ اور فون بند کر کے وہ سبزیوں کا باؤل لیے کچن میں آگئی جہاں ناہید گوشت صاف کر رہی تھی جبکہ مما اس کے پاس کھڑی اسے ہدایات دے رہی تھیں۔

”بیٹا یہ سبزیاں سلیب پر رکھ دو اور ایسا کرو شفا کو بھی بلا دو آکر فرائیڈ رائس کے لیے مسالا بنا لے۔“

”مما فرائیڈ رائس میں بنا لوں۔“ ردا ایک دم چونک گئیں اور پیچھے پلٹ کر اپنی اس پیاری سی بیٹی پر ایک نظر ڈالی بلیک لانگ شرٹ کے ساتھ بلیک ہی نیل پالش لگائے اپنے اسٹریکنگ شدہ بال کھولے وہ ردا سے اجازت طلب کر رہی تھی۔

”بنا لو مگر ایسا کرو پہلے اپنے بال باندھو کیونکہ کچن میں کھلے بالوں سے کام کرنا تمہارے پاپا کو پسند نہیں ہے اور ہاں۔۔۔“ انہوں نے پل بھر کو رک کر کچھ سوچا اور پھر بولیں۔

”ایسا کرو شفا کو اپنے ساتھ لگا لو کیونکہ تم یہ کام پہلی بار کرنے لگی ہو اور پھر بیٹا گھر کی حد تک تو ٹھیک ہے لیکن یہاں سوال چونکہ مہمانوں کا ہے اس لیے میں نہیں چاہتی کہ کسی بھی معاملے میں میری یا تمہاری سبکی ہو۔“ بڑے ہی نرم لہجہ میں انہوں نے ساری بات نیرا کو سمجھائی جو اس کی سمجھ میں آ بھی گئی مگر پھر بھی اس سے کچھ غلط ہو ہی گیا۔

”چاول میں جب ایک کنی رہ جائے تو ناہید سے کہنا ان کا پانی نکال دے گی۔ زیادہ گل نہ جائیں۔“ شفا جلدی جلدی اسے ہدایات دے کر باہر نکل گئی کیونکہ اسے امان کے ساتھ کچھ ضروری سامان خریدنے قریبی مارکیٹ تک جانا تھا۔

”ایک کنی رہ جانا۔“ یہ جملہ نیبو کی سمجھ میں ہی نہ آیا لیکن چاول زیادہ گل کر پیچ نہ بن جائیں یہ بات وہ بخوبی سمجھ گئی اور اسی خوف سے اس نے جلدی جلدی چاول نکالے اور پھر شفا کی اگلی ہدایات کے عین مطابق فرائیڈ رائس تیار کر لیے اور انہیں ہلکے دم پر ہی چھوڑ دیا تھا کہ مہمانوں کے آنے کے بعد کھولا جائے اور پھر وہ ہی ہوا جس کا ردا کو ڈر تھا۔ چاول کافی دیر دم کے باوجود مکمل طور پر نہ گلے تھے بلکہ ان میں ابھی بھی کنی باقی تھی اور نمک تو غالباً“ وہ ڈالنا ہی بھول گئی تھی پہلے تو یہ کوشش کی گئی کہ چاول مہمانوں کو سرو نہ کیے جائیں لیکن شبنم آنٹی نے ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھتے ہی پہلا سوال نیبو کے پکائے گئے فرائیڈ رائس کے متعلق ہی کیا غالباً“ سنان انہیں بتا چکا تھا اب بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی ماسوائے اس کے کہ ادھ کچے فرائیڈ رائس لا کر ٹیبل پر رکھ دیے جائیں اور پھر ایسا ہی کیا گیا۔

”چاول نئے تھے اسی لیے نیبو کو اندازہ ہی نہ ہوا اور غالباً“ تھوڑے کچے رہ گئے ہیں۔“ کسی بھی متوقع صورت حال سے بچنے کے لیے ردا نے پہلے ہی وضاحت کر دی اور پھر ان کی توقع کے عین مطابق سارے چاول جوں کے توں ٹیبل پر پڑے رہے کسی نے بھی ۔۔۔ چار چمچے سے زیادہ کھانے کا حوصلہ نہ کیا سوائے سنان کے جس نے کسی بھی دوسری ڈش کو ہاتھ نہیں لگایا اور پلیٹ بھر کر چاول کھا لیے حالانکہ کھانے کے دوران شبنم نے ہلکی آواز میں اسے دو تین بار ٹوکا بھی کہ کچھ اور لے لو ایسا نہ ہو تمہارے پیٹ میں درد ہو جائے۔

”میرا پیٹ خاصا سخت ہے امی لکڑ پتھر سب ہضم کر لیتا ہے۔“ وہ ہنس کر بولا۔

”اور ویسے بھی آپ جانتی ہیں مجھے فرائیڈ رائس بہت پسند ہیں۔“ وہ سب کچھ جانتی تھیں یہ بھی کہ یہ چاول وہ صرف اس لیے کھا رہا ہے کہ نیبو نے بنائے تھے ورنہ اس کا معیار کھانے کے معاملے میں خاصا بلند تھا اور اس سلسلے میں وہ کوئی بھی سمجھوتہ نہ کرتا۔

رحاب کے چہرے پر بھی واضح ناگواری کے تاثرات تھے اس کی مما یہ محسوس کر رہی تھیں کہ شادی کے بعد سے رحاب نیبو کے معاملے میں خاصی بدل گئی ہے اب وہ جب بھی گھر آتی نیبو کے پھوہڑ پن یا

ہروقت اس کی تیاری کو ہی موضوع گفتگو بنائے رکھتی اور یہ شاید جنید کے اس طرز کا جواب تھا جو وہ سنان کے سلسلے میں روا رکھتا تھا۔

"اپنی بہن کو تو کچھ آتا نہیں ہے اور سارا وقت میرے بھائی کے عیب ایسے نکالتے ہیں جیسے خود پتا نہیں کیا ہوں؟" جانے رحاب کس بات پر تپی ہوئی شبنم کی سمجھ میں نہ آیا لیکن وہ اس سے پوچھ کربات بڑھانا نہ چاہتی تھیں۔

"اور امی ایک بات آپ کو اور بتاؤں آپ سنان کو سمجھائیں کہ وہ نیبو کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔"

"تم جانتی ہو بیٹا یہ میرے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ اس معاملے میں وہ کسی کی بھی نہیں سنتا۔" اور یہ سچ ہی تھا۔

"پھر بھی امی آپ سنان کو سمجھائیے گا ضرور کیونکہ وہ آپ کا اکلوتا اور واحد سہارا ہے ایسا نہ ہو کہ اس کے کسی غلط فیصلے کی سزا کل کو مجھے یا آپ کو بھگتنی پڑے۔"

"میں تمہاری بات سمجھی نہیں تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"اصل میں امی نیبو اپنے گھر میں بہت ہی لاڈلی ہے۔ اور جنید کی تو کچھ زیادہ ہی اور آپ یقین کریں کہ پورے خاندان میں اسے خوب صورتی کا سمبل سمجھا جاتا ہے۔" وہ کیا کہنا چاہتی تھی ابھی تک شبنم پر واضح نہ ہوا تھا۔

"اور سنان کی لاپروا فطرت سے تو آپ واقف ہی ہیں اب اگر کہیں غلطی سے احتشام انکل نے یہ رشتہ دے بھی دیا جو کچھ مجھے کسی طرح ممکن نہیں لگ رہا تو آپ کے لیے تو مشکل کھڑی ہوگی اس حوالے سے میری جان بھی عذاب میں پھنس جائے گی یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر مجھے کٹہرے میں کھڑا رکھا کریں گے۔" اب وہ رسان سے انہیں سمجھا رہی تھی اور رحاب کا یہ نقطہ نظر شبنم کی سمجھ میں تو آرہا تھا لیکن سنان کو یہ سب سمجھانا ان کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا اسی لیے خاموش ہی رہیں کیونکہ ان کے خیال میں خاموش رہنا ہی زیادہ بہتر تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ آج سکندر کے ساتھ کے ایل سی سی آئی تو جانے کتنے عرصے بعد آج سکندر کو یہ احساس ہوا کہ اسے کوئی اچھی سی پاکستانی فلم دکھالائے کیونکہ یہاں اکثر و بیشتر پرانی پاکستانی فلمیں لگا کرتی تھیں فلم دیکھنے کے بعد دونوں نے قریبی ہی ایک پاکستانی ریسٹورنٹ میں کھانا بھی کھایا ایک عرصہ بعد پاکستانی بریانی کھا کر اسے پھر سے اپنے وطن کی یاد آگئی اور پھر واپسی پر ایک گروسری شاپ سے اس نے پاکستانی مشہور برانڈ کے کچھ مسالوں کے ڈبے لے لیے اور اگلے دن وہ اس وقت کچن میں داخل ہوئی جب اس کی ساس بڑے ہی مصروف انداز میں کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں وہ کچن کے دروازے پر ہی کھڑی ہوگئی عجیب متذبذب سی کیفیت تھی اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ اپنا مدعا کس طرح ان کے سامنے پیش کرے۔

"کوئی کام ہے تمہیں مجھ سے؟" وہ کبھی اس طرح کچن میں نہ آئی تھی اسی لیے بظاہر کام میں مصروف فاطمہ نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

"وہ اصل میں آنٹی میں آج بریانی بنانا چاہ رہی تھی۔" جھجکتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"لیکن ہمارے گھر میں تو بریانی کوئی نہیں کھاتا۔" اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ کل رات ہی سکندر اس کے ساتھ بریانی کھا کر آیا ہے وہ جانتی تھی کہ یہ خبر اس کی ساس کو سخت ناگوار گزرے گی اور ہو سکتا ہے ان کے شدید رد عمل کے باعث آئندہ وہ سکندر کے ساتھ مل کر ہونے والی اس چھوٹی سی تفریح کو بھی کھودے اس ڈر نے اس کی زبان بند رکھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں یہ بریانی صرف اپنے لیے بنانا چاہتی ہوں۔"

"بنالو تمہیں منع تو نہیں کررہی لیکن اتنی ہی بنانا جتنی تم کھاسکو ویسے بھی رات کی کھائی ہوئی بریانی سکندر کو ہضم نہیں ہوئی پیٹ خراب ہے اس کی عجیب جتاتا ہوا انداز تھا۔

اور تو سکندر انہیں بتا چکا ہے کہ وہ بریانی کھا کر آیا تھا اس کے ساتھ ہی نیبو کو یہ احساس شدت سے ہوا کہ سکندر اپنے اور اس کی درمیان ہونے والا ہر پل اپنی ماں سے ضرور شیئر کرتا ہے اور پھر اپنی ساس کی ہدایت کے مطابق اس نے صرف اتنی ہی بریانی بنائی جتنی وہ رات میں کھاسکے رائس کوکر میں اس نے پہلے کبھی چاول نہ بنائے تھے اس نے پانی کی صحیح مقدار کا اندازہ نہ ہونے کے سبب چاول ذرا زیادہ گل گئے تھے لیکن ذائقہ پھر بھی اچھا ہی تھا یا پھر چوائس نہ ہونے کے سبب یہ بریانی بھی اس کے لیے لذیذ ترین تھی چولہا بند کرکے وہ نہانے گھس گئی ساتھ ہی اس نے اپنے دو جوڑے بھی دھونے تھے۔ وہ فارغ ہو کر نکلی تو بھوک شدت سے چمک اٹھی تھی کمرے سے باہر نکلی تو سامنے ہی ڈائننگ پر اس کی ساس، سکندر، سکندر کی بڑی بہن سکینہ اور اس کے دونوں بیٹے بھی موجود تھے۔ اس کی ساس آج دن میں اتنی مصروف کیوں نظر آرہی تھیں وجہ نیبو کی سمجھ میں آگئی۔ ان کی اس مصروفیت کا سبب بیٹی کی آمد تھی نیبو باہر جانے والا دروازہ کھول کر بڑے سے صحن میں آگئی جس کی چھوٹی چھوٹی دیواروں سے دور تک سامنے کا روڈ نظر آرہا تھا بالکل سامنے والے ٹیرس پر گیتا چھوٹی سی نیکر پہنے وانپر لگارہی تھی نیبو کو دیکھ کر وہ دور سے ہی مسکرادی اور زور و شور سے ہاتھ لہرایا گیتا شروع دن سے ہی نیبو کی خوب صورتی کی دیوانی تھی وہ جب بھی رفیدا سے ملنے آتی نیبو کی تعریف ضرور کرتی جسے سن کر رفیدا کے منہ کا زاویہ بگڑ جاتا لیکن گیتا اس بات کی پروا بالکل نہ کرتی تھی۔

وہ ایک انڈین لڑکی تھی اور ملائی ائیرلائن میں جاب کرتی تھی کپڑے تار پر ڈال کر نیبو پلٹی تو ایک نظر دروازے سے باہر بنے اس حصے پر ڈالی جہاں سارے گھر کی جوتیاں موجود تھیں یہاں ایک روایت یہ بھی تھی کہ جوتیاں گھروں میں پہننے کا رواج بالکل نہیں ہے یہاں تک کہ ایسے فنکشن جو گھروں میں ہی ارینج کیے جاتے ہیں وہاں بھی جوتیاں باہر ہی رکھی جاتیں جس کے سبب لوگ جوتوں کی خریداری پر بھی زیادہ رقم صرف نہ کرتے شروع شروع میں تو نیبو کو یہ بہت ہی عجیب محسوس ہوتا جب وہ کسی گھریلو فنکشن میں اپنی بہت ہی قیمتی اور بڑے پیار سے خریدی ہوئی جوتی گھر کے باہر اتار کر اندر جاتی لیکن اب وہ دوسری باتوں کی طرح اس کی بھی عادی ہوگئی تھی لکڑی کا دروازہ کھول کر وہ اندر آگئی جہاں کھانا شاید آخری مراحل پر تھا وہ خاموشی سے کچن میں آگئی ریک سے پلیٹ اتاری اور چولہے پر رکھی دیگچی تک آئی آج کافی دنوں بعد شدید بھوک کا احساس اس کے حواس پر غالب ہو رہا تھا۔ لیکن جیسے ہی اس نے ڈھکن اٹھایا دیگچی بالکل خالی تھی وہ حق دق رہ گئی۔

"یہ کیا سارے چاول کہاں گئے؟" اس کی آواز خود بخود بلند ہوگئی۔

اسی وقت اس کی ساس کچن میں آئی تھیں ساتھ سکینہ بھی تھی جس نے اپنی پلیٹ دھو کر ریک میں واپس رکھ دی وہ تمام لوگ کھانا کھانے کے بعد اپنی اپنی پلیٹس خود دھوتے تھے اور اتنے عرصہ کی رہائش میں یہ واحد کام تھا جو نیبو کو پسند آیا تھا اس نے کبھی بھی ان لوگوں کے کچن میں کسی دعوت کے بعد میں برتنوں کا ڈھیر نہ دیکھا تھا۔

"وہ بریانی تو ساری کبیر کھا گیا۔ اسے بریانی بہت پسند ہے۔" اس کی ساس نے تو جواب دینے کی زحمت نہ کی تھی لیکن سکینہ کچن سے باہر نکلتے ہوئے بتا گئی تھی اور بھوک کی شدت سے نیبو کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے وہ بھی آخر انسان تھی کب تک برداشت کرتی پلیٹ کو زور سے سلیب پر پٹختی وہ تیزی سے باہر نکلی تاکہ اپنے کمرے میں جاسکے۔

"اسے کیا ہوا؟" اپنے پیچھے اسے سکندر کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دے لیکن اس نے پلٹ کر نہ دیکھا۔

"اگر بریانی اتنی ہی کم تھی تو آپ کو منع کردینا چاہیے تھا میں نہ کھاتا اب تو لگ رہا ہے پیٹ میں درد

ہی ہوگا۔" کبیر کا انداز صاف تپانے والا تھا اور پھر کمرے میں جاتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی ایک تو کچھ دنوں سے اس کی طبیعت بھی خراب تھی ہر وقت متلی سی محسوس ہوتی اور ساتھ میں کمزوری کے سبب چکر بھی آرہے تھے اس پر اتنی محنت سے تیار کی گئی بریانی بھی نصیب نہ ہوئی۔

"یہ تم کمرا بند کیے کس کا ماتم کر رہی ہو؟" جانے سکندر کب کمرے میں آیا اسے وقت کا احساس ہی نہ رہا تھا اس کا سر بہت دکھ رہا تھا اور پیٹ میں شدید اینٹھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ جس کے باعث وہ اٹھ بھی نہ پا رہی تھی۔

"کیا ڈرامہ بازی کر رہی ہو ایک بریانی تھی نا جو کبیر نے کھالی اس پر قحط زدہ قوم کی طرح اتنا واویلا کیوں مچایا ہوا ہے کیا تمہارے گھر میں جب کوئی مہمان آتا ہے تو تم لوگ اسی طرح کمرے بند کر کے ان کی واپسی کا انتظار کرتے ہو۔" اس نے ایک ہی جھٹکے میں نیبو کو بستر سے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

"پلیز سکندر چھوڑ دو مجھے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ظاہر ہے جب تک میری بیٹی گھر رہے گی تمہاری طبیعت ٹھیک بھی کیسے ہو سکتی ہے۔" اس کی ساس اور سکینہ بھی کمرے میں آگئی تھیں۔

"چھوڑو سکندر! میں جا رہی ہوں۔" سکینہ کا منہ پھولا ہوا تھا۔

"تمہیں اندازہ ہے تمہاری اس حرکت نے مجھے اپنی بہن اور بہنوئی کے سامنے دو کوڑی کا کر دیا ہے۔" وہ دیوانوں کی طرح اسے جھنجوڑتا ہوا بولا اس کا حلق خشک ہو گیا تھا اپنی ناسازی طبیعت کے باعث اور بے عزتی کا شدید احساس وہ ایک بار پھر رو دی دروازے کی چوکھٹ پر کبیر بھی کھڑا تھا گھر کا ہر فرد خاموشی کے ساتھ اس کی اس قدر بے عزتی کا نظارہ دیکھ رہا تھا۔

"چلو باہر آؤ میرے ساتھ اور بھائی شاہ فرید کے سامنے کبیر سے معافی مانگو کیونکہ تمہاری آج کی اس گھٹیا حرکت نے میری ماں اور بہن کا بہت دل دکھایا ہے۔"

اپنی ماں اور بہن کے دکھے دل نے سکندر کو احساس ہی بھلا دیا تھا کہ اس کے سامنے کھڑی عورت کے سینے میں بھی دل ہے اور شاید وہ بھی کسی کی بہن ہے اور اس دور دیس میں اتنے سارے لوگوں کے درمیان بالکل تن تنہا ہی ہے۔ چوبیس گھنٹے حقوق اللہ کے چکر میں سرگرداں لوگ حقوق العباد کی ادائیگی کرنا بھول جاتے ہیں شاید ان کے نزدیک صرف ماں اور بہن یا پھر خونی رشتوں کے حقوق کی ادائیگی ہی حقوق العباد تھی بیوی تو ویسے ہی سکندر کے نزدیک پیر کی جوتی تھی وہ ہمیشہ کہتا کہ بیوی وہ جوتی ہے جو صرف پاؤں میں اچھی لگتی ہے اسے سر پر بٹھایا نہیں جا سکتا۔

سکندر کی باتیں سن کر اسے محسوس ہوا جیسے اس کا سانس ہی بند ہو جائے گا لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا وہ بمشکل خود کو گھسیٹتی ہوئی باہر گئی اور سب کے سامنے پندرہ سالہ کبیر سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اس تمام عمل کے دوران گھر کا ہر فرد خاموش تماشائی بنا کھڑا رہا اس کی ساس نند اور کبیر نے اس کی اس بے بسی کو دل بھر کے انجوائے کیا وہ ساری رات نیبو کو ایسا محسوس ہوتا رہا جیسے وہ کانٹوں کے بستر پر لیٹی ہو سکندر بھی گھر نہ آیا تھا اس کا کہنا تھا کہ آج اس کے کسی دوست کے گھر ذکر اللہ کی محفل ہے اس لیے وہ رات وہاں ہی رکے گا اور صبح گھر آئے گا لیکن اس کے گھر آنے یا نہ آنے سے نیبو کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، آج کی اس بے عزتی نے فی الحال نیبو کے دل سے سکندر کے لیے پیدا ہونے والی تھوڑی سی محبت کو بھی ختم کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

جانے موسم کیسا عجیب سا ہو رہا تھا خوامخواہ دل کو اداس کر دینے والا شاید خزاں آگئی تھی جس کا اندازہ جا بجا گرے ہوئے پتوں سے لگایا جا سکتا تھا پیڑ بھی ٹنڈ منڈ نظر آرہے تھے نیبو کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ خزاں کا موسم اس کے اندر تک اتر گیا ہو صدف خالہ آئی ہوئی تھیں حمزہ کے ساتھ جس نے سی اے کا

امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کر لیا تھا نیبو کا بالکل دل نہ چاہ رہا تھا کمرے سے باہر نکلے وہ کانوں میں ہیڈ فون لگائے گانے سن رہی تھی جب دروازہ کھول کر شفا اندر داخل ہوئی اس نے شاید نیبو سے کچھ کہا تھا نیبو کی سمجھ میں ہی نہ آیا شفا نے آگے بڑھ کر اس کے کان سے ہیڈ فون نکال دیا۔

"یہاں بیٹھی گانے سنتی رہو باہر خالہ حمزہ کے لیے تمہارا پرپوزل لے آئی ہیں۔" دل کیوں اداس تھا وجہ فوراً" نیبو کی سمجھ میں آگئی۔

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا خالہ اور حمزہ کا۔" غصے کی شدت سے اس کی آواز یکدم ہی تیز ہو گئی۔

"آہستہ بولو خوامخواہ شور کر کے کوئی تماشا کھڑا مت کرو۔"

"شفا پلیز خالہ کو ابھی جا کر منع کر دو کہ مجھے حمزہ سے شادی نہیں کرنی۔"

"اُفوہ! نیبو تم ایک دم سے اتنا جذباتی کیوں ہو جاتی ہو بے وقوف لڑکی ابھی تو صرف پرپوزل آیا ہے فائنل فیصلہ تو سب کے مشورے کے بعد ہی کیا جائے گا۔"

شفا بے شک اس سے چھوٹی تھی لیکن ہر معاملے میں اس سے زیادہ ہی سمجھ دار تھی نیبو کو اس کی اس خوبی کا اندازہ تو پہلے سے ہی تھا لیکن آج وہ دل سے اس کی معترف ہو گئی۔

"اور ویسے بھی نیبو حمزہ ہر لحاظ سے ایک اچھا لڑکا ہے اور میرا خیال ہے کہ ایسے رشتے ٹھکرانا کفران نعمت ہے لہٰذا سب کچھ بھول کر خاموش ہو جاؤ اور بڑوں کو وہ فیصلہ کرنے دو جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔"

"میرے حق میں سنان کے سوا کچھ بہتر نہیں ہو سکتا۔" وہ خود سری سے بولی اس کا اٹل لہجہ اس کے پختہ ارادے کی غمازی کر رہا تھا سنان کے سوا کسی دوسرے شخص کی گنجائش شاید نیبو کی زندگی میں بالکل نہ تھی اس کا اندازہ تو شفا کو بہت پہلے ہی ہو چکا تھا سنان نے موبائل کی شاپ شروع کر دی ہے اور ساتھ ہی وہ بی کام کی کلاس بھی اٹینڈ کر رہا ہے ممکن ہے شبنم آنٹی بھی اس کا پرپوزل لے کر جلد آجائیں یہ تمام باتیں رات ہی اس کی سنان سے ہوئی تھیں۔

"پھر بھی میں تو تمہیں ایک ہی مشورہ دوں گی اپنا فیصلہ بڑوں کو کرنے دو اور کچھ اللہ پر چھوڑ دو جو تمہارے حق میں بہتر ہو وہ فیصلہ ہی سامنے آئے۔" لیکن نیبو پر ان تمام باتوں کا کوئی اثر ہونے والا نہ تھا یہی وجہ تھی کہ جیسے ہی خالہ اور حمزہ گھر جانے کے لیے نکلے وہ فوراً" روا کے پاس پہنچ گئی جانے اس نے خالہ کے گھر سے نکلنے کا انتظار بھی کیسے کیا تھا۔

"پلیز آپ خالہ کو منع کر دیں حمزہ کے پرپوزل کے سلسلے میں۔" بنا تمہید کے جاتے ہی اس نے اپنا مدعا بیان کر دیا۔

"کیوں حمزہ میں کیا برائی ہے جو میں اس رشتہ سے انکار کر دوں۔" نیبو کی بے باکی پر روا کو غصہ تو بہت آیا لیکن وہ برداشت کر گئیں وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی بھی ایسی بات ہو جو رحاب کے کانوں تک پہنچ کر گھر سے باہر نکلے رحاب کسی اور سے کوئی بات بے شک نہ کرتی لیکن لازمی طور پر اپنی والدہ سے وہ یہ ذکر ضرور کرتی جو روا نہیں چاہتی تھیں۔

"میں نے یہ کب کہا کہ اس میں کوئی برائی ہے۔"

"تو پھر...."

"پھر یہ کہ وہ مجھے پسند نہیں ہے اور ہمارے مذہب میں شادی کے لیے لڑکے لڑکی کی باہمی رضامندی کا ہونا سب سے زیادہ ضروری ہے لہٰذا پلیز مما! بیشتر اس کے کہ میں خود خالہ یا حمزہ سے بات کروں آپ انہیں منع کر دیں۔" اور پھر روا کا جواب سنے بغیر ہی وہ کمرے سے نکل گئی اس کے بعد کیا ہوا اس نے یہ سب جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اس کے لیے تو اتنا ہی کافی تھا کہ حمزہ کے پرپوزل سے انکار کر دیا گیا تھا اور یہ بات اسے شفا نے ہی بتائی جسے سن کر نیبو نے سکھ کا سانس لیا مما کا موڈ نیبو سے خراب تھا لیکن یہ سوچ کر کہ خود وہ تھوڑے دنوں میں ٹھیک ہو جائیں گی۔ اس نے خود کو تسلی دی نیبو کے رشتے سے انکار کے فوراً" بعد ہی صدف خالہ نے شفا کا رشتہ مانگ لیا جس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا اور ایک ہی ہفتے بعد شفا اور حمزہ کا رشتہ

طے کردیا گیا۔

☆ ☆ ☆

"رحاب بیٹا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" رحاب آج کافی دنوں بعد اپنی امی سے ملنے آئی تھی۔ جنید صبح آفس جاتا ہوا اسے چھوڑ گیا تھا۔ ابھی وہ کھانا کھا کر امی ہی کے ساتھ کمرے میں آگئی جبکہ سنان باہر نکل گیا تھا۔

"جی امی بولیں کیا بات ہے۔" وہ تکیے سے ٹیک لگا کر لیٹ چکی تھی جب اسے شبنم نے پکارا یہی وجہ تھی کہ فوراً" اٹھ کر بیٹھ گئی اس کی چھٹی حس نے یہ یقین دلا دیا تھا کہ بات یقینی طور پر نیہو کے حوالے سے ہے۔

"بیٹا! تم جنید سے سنان کے رشتہ کی بات کرو۔ اب تو ماشاء اللہ وہ کمانے لگا ہے اور پھر ماشاء اللہ گریجویشن کی تیاری بھی کررہا ہے۔" رحاب کی کچھ دن قبل کی گئی ساری باتیں شبنم بھول چکی تھیں یا جان بوجھ کر نظر انداز کردیا تھا۔ اس بات کا اندازہ رحاب کو بھی ہوچکا تھا اسی لیے خاموش رہی۔

"دیکھو بیٹا تم اچھی طرح جانتی ہو کہ سنان نیہو کو بے حد پسند کرتا ہے۔ اور اس سلسلے میں وہ کسی کی بھی کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں ہوتا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جو وہ چاہتا ہے اس میں ہم سب راضی ہوجائیں۔" رحاب کی خاموشی کو محسوس کرکے شبنم نے وضاحت کی۔

"وہ تو ٹھیک ہے امی لیکن مجھے امید نہیں ہے کہ جنید اس رشتہ پر راضی ہوں گے پتا نہیں کیا بات ہے وہ سنان سے بہت چڑتے ہیں' اور پھر آپ خود بھی دیکھیں جب سے میری شادی ہوئی ہے سنان نے کبھی جنید کو سلام تک نہیں کیا۔" شبنم نے بیٹی کی بات بڑے تحمل سے سنی۔

"لیکن بیٹا جب وہ سلام کرتا تھا جنید نے کبھی ڈھنگ سے جواب بھی تو نہیں دیا اور ویسے بھی بیٹا اس وقت اصل مسئلہ نیہو اور سنان کے رشتہ ہے اور مجھے امید ہے کہ تم اپنے اکلوتے بھائی کی اس خوشی کو پورا کرنے کے لیے ضرور میرا ساتھ دوگی مجھے یقین ہے کہ تمہاری بات جنید ضرور مانے گا اور اگر وہ رضامند ہوگیا تو پھر اتنا مسئلہ باقی نہیں رہے گا جہاں تک میرا خیال ہے احتشام بھائی جنید کی بات کو کبھی رد نہ کریں گے۔"

شبنم کی ساری امید ہی رحاب اور جنید سے وابستہ تھی انہیں اس بات کا یقین تھا کہ رحاب اس رشتہ پر جنید کو رضامند کرہی لے گی لیکن رحاب کا ایسا کوئی بھی ارادہ فی الحال نہ تھا جانے کیوں وہ دل سے چاہتی تھی کہ سنان اور نیہو کا رشتہ نہ ہو کہ بھابھی بنتے ہی رحاب کے دل میں اپنی نند کے خلاف حاسدانہ جذبات بے دار ہوگئے تھے حالانکہ وہ ایسی لڑکی نہ تھی پھر بھی جانے کیوں شاید اس میں کچھ قصور نیہو کا بھی تھا جب سے رحاب کی شادی ہوئی تھی شفا تو اکثر اس کے پاس ہی رہتی اس کے سارے کام بھی کرتی لیکن اتنے ماہ میں نیہو نے کبھی بھی رحاب سے زیادہ بات نہ کی تھی اور جب بھی کبھی وہ کسی فیملی کی دعوت میں گئے ہمیشہ وہاں موجود لوگوں نے رحاب کو زیادہ اہمیت دینے کے بجائے نیہو پر اپنی توجہ زیادہ مرکوز رکھی اسی کی تعریف میں تمام افراد زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہتے یہ سب کچھ وہ سسرال میں تو برداشت کرہی رہی تھی لیکن اب یہ نہیں چاہتی تھی کہ سنان سے شادی کے بعد رحاب کا اپنا خاندان بھی نیہو ہی کا گرویدہ نظر آئے ان تمام باتوں کو سوچتے ہوئے وہ فیصلہ کرچکی تھی کہ نیہو اور سنان کا رشتہ کبھی بھی نہیں ہونے دے گی اور اس سلسلے میں اسے کیا کرنا تھا یہ سب کچھ وہ سوچ چکی تھی۔ بس اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اسے کچھ عملی اقدام کرنے تھے جن پر عمل درآمد اسے اپنی ماں سے ہی شروع کرنا تھی ابھی بھی شبنم کے کہنے کے مطابق اس کا جنید سے بات کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور شبنم کو اس سلسلے میں اس نے کیا جواب دینا تھا یہ سب کچھ وہ پہلے سے ہی پلان کرچکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تمہاری بیوی ماں بننے والی ہے۔" مقامی ڈاکٹر نے ملائی زبان میں سکندر کو مخاطب کیا اور قریب ہی سر جھکائے بیٹھی نیہو نے چونک کر سر اٹھایا اور ایک نظر اپنے قریب دوسری کرسی پر موجود سکندر پر ڈالی جو ٹانگ پر ٹانگ دھرے بڑی ہی بے نیازی سے ڈاکٹر کی بات سن رہا تھا اس خبر سے اس کے چہرے پر کوئی بھی تاثر نہ ابھرا بالکل سپاٹ اور بے تاثر چہرے کے ساتھ وہ ڈاکٹر کی جانب تک رہا تھا۔

"مسٹر سکندر! آپ کی مسز بہت کمزور ہیں اب آپ کو چاہیے کہ ان کی غذا کا مناسب خیال رکھیں۔" اور جانے کیا کیا اس کے کچھ الفاظ نیہو کو سمجھ آرہے تھے اور کچھ بالکل بھی نہیں سکندر نہایت فارمل انداز سے ڈاکٹر کی تمام ہدایات سن رہا تھا اور جیسے ہی وہ کرسی سے اٹھا نیہو بھی اٹھ کھڑی ہوئی ساری رات آنے والی الٹیوں کے سبب وہ بے حد کمزوری محسوس کررہی تھی نقاہت زدہ حالت میں اپنے وجود کو بمشکل کھینچتی وہ قدم گھسیٹتی خاموشی سے گاڑی میں آبیٹھی اور شاید یہ پہلا دن تھا جب سارے راستے سکندر نے کوئی بات نہ کی اور خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا پندرہ منٹ بعد وہ اپنے گھر میں تھی جہاں روزمرہ روٹین کے مطابق اس کی نند سکینہ اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ سامنے ہی برآمدے میں موجود تھی اس کی ساس قریبی ہی صوفے پر نیم دراز تھیں ان دونوں کے اندر داخل ہوتے ہی وہ بھی اٹھ بیٹھیں۔

"یہ ماں بننے والی ہے۔" ایک خبر کی طرح سکندر نے برآمدے کے عین درمیان میں کھڑے ہو کر سب کو بتایا۔

"او مامی ماں بننے والی ہیں۔" سب سے پہلا ردعمل کبیر کی طرف سے آیا جو نیہو کو عجیب سا محسوس ہوا شاید اس نے اپنی زندگی میں کبھی بھی کسی ایسے مسئلہ پر بچوں کو اپنی رائے دیتے نہ دیکھا تھا پھر ایسا ان کے گھر پر نہ ہوتا تھا۔ بہرحال جو بھی تھا نیہو کو کبیر کا بعبرہ اچھا نہ لگا لیکن وہ بنا کچھ کہے خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئی اس کے لیے مزید اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا اب تقریباً" ناممکن تھا۔

"تم کیا کھاؤ گی۔" سکینہ اس کے پیچھے ہی کمرے میں آگئی۔

"جو بھی مل جائے۔" مختصر سا جواب دے کر اس نے اپنا سر تکیے پر ڈال دیا اور پھر تھوڑی دیر میں ہی سکینہ اس کے لیے سوپ بنا لائی جو کافی مزے دار تھا وہ آہستہ آہستہ پینے لگی لیکن اس ڈر سے کہ کہیں دوبارہ الٹی نہ آجائے اس نے تھوڑا سا پی کر پیالہ اپنے بیڈ کے قریب ہی رکھ لیا اور خود آنکھیں موند لیں آج اسے اپنی ماں اور شفا کی یاد شدت کے ساتھ آئی تھی۔ اتنی شدت سے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

☆ ☆ ☆

"امی میں نے آپ کو پہلے ہی منع کیا تھا کہ آپ سنان کو سمجھائیں لیکن آپ نے میری بات نہ مانی اور اب نتیجہ دیکھ لیا۔" رحاب منہ پھلا کے شبنم کے پاس بیٹھی تھی وہ جب سے آئی تھی ایسی ہی باتیں کررہی تھی اور شبنم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا جواب دیں۔

"آپ کو پتا ہے میری بات سن کر جنید کس قدر ناراض ہوئے۔"

"میری تو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جب جنید سنان کی بہن سے شادی کرسکتا ہے تو پھر سنان اس کی بہن سے کیوں نہیں' حیرت ہے ایک ہی گھر میں رہنے والے دو افراد کے لیے علیحدہ علیحدہ قانون بنے ہوئے ہیں بھائی کے لیے کچھ اور بہن کے لیے کچھ اور ہم نے تو جنید کو رشتہ دیتے ہوئے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے تو کیوں رشتہ دیا جائے پھر جانے کیوں تمہارے سسرال والوں نے اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا ہے۔" رحاب کی باتوں نے شبنم کو غصہ دلا دیا۔

"اوفوہ امی مسئلہ پسند ناپسند کا نہیں ہے ان کا کہنا ہے کہ ہمارے ہاں وٹے سٹے کی شادی نہیں ہوتی ہم جہاں سے بیٹی لیں وہاں دیتے نہیں ہیں۔" رحاب نے شبنم کے غصہ کو دیکھتے ہوئے انہیں تحمل سے سمجھانا

چاہا۔

"میرا بیٹا ٹھیک کہتا تھا یہ رشتہ تمہارے رشتے سے پہلے طے ہونا چاہیے تھا تاکہ اگر وہ مجھے اپنی بیٹی دیتے تو میں بھی اپنی بیٹی انہیں دیتی لیکن اب تو وہ مجھ پر بااختیار ہوگئے ہیں۔" شبنم کی بے بسی ان کے لہجہ میں بھی در آئی۔

"بہرحال امی میرا تو آپ کو قیمتی مشورہ یہ ہے کہ آپ عبدالرحمٰن ماموں کی مرینہ سے سنان کا رشتہ طے کردیں یہ شادی کے بعد کچھ عرصہ امریکہ میں رہے گا تو خود ہی اس کے سر سے نیبو کا بھوت اتر جائے گا اور پھر ماموں اسے سیٹل ہونے میں بھی مدد دیں گے ویسے ہی مرینہ ان کی اکلوتی بیٹی ہے اور ساتھ ہی جنید کو بھی یہ پتا چل جائے گا کہ دنیا ان کی بہن پر ختم نہیں ہوگئی۔" رحاب تو اپنا مشورہ دے کر چلی گئی لیکن شبنم کو ایک نئی سوچ دے گئی اور اگر واقعی ان کے بس میں ہوتا تو وہ رحاب کے مشورے پر فوراً سے بیشتر عمل کرکے جنید کی فیملی کو ضرور نیچا دکھلاتیں لیکن بات ان کے اختیار میں نہ تھی اور وہ بنا سنان سے کوئی مشورہ کے اپنا اگلا قدم نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ اور سنان، مرینہ کے رشتہ پر کبھی آمادہ نہ ہوگا یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھیں اسی لیے اپنے اس خیال کو فی الحال انہوں نے ایک سائیڈ پر رکھ دیا اصل مسئلہ تو سنان تک جنید کا انکار پہنچانا تھا اور وہ جانتی تھیں کہ یہ انکار سنتے ہی سنان کا ردعمل انتہائی شدید ہوگا اور پھر ایسا ہی ہوا۔

"جب تک انکل احتشام میرے رشتہ پر ہاں نہ کریں آپ رحاب کو گھر لے آئیں۔" وہ سخت لہجہ میں یہ سب کہتا شبنم کے سامنے کھڑا تھا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا اس سارے مسئلہ سے رحاب کا کیا تعلق ہے کیوں سارے خاندان میں میری جگ ہنسائی کرا رہے ہو۔" شبنم کی بات سننے کے بعد وہ کمرے میں نہیں رکا اور تیزی سے دروازہ کھول کر گھر سے باہر نکل گیا وہ اتنا غصے میں تھا کہ اس وقت اسے روکنا یا سمجھانا بالکل بے کار تھا اس کے باہر نکلتے ہی شبنم نے اپنا سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح بیٹے کو اس کی چاہت لا کر دے دیں یہ سب کچھ ان کے اختیار سے باہر تھا وہ بالکل بے بس ہوچکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو نیبو تمہارے بھائی کے انکار کے بعد میرے پاس، صرف ایک ہی آپشن ہے اور وہ یہ کہ اب ہم دونوں کورٹ میرج کرلیں اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ میرے پاس نہیں ہے۔" نیبو ایک بجے چھٹی ہوتے ہی کالج سے باہر نکل آئی تھی اور اب قریبی ریسٹورنٹ میں بیٹھی سنان کی گفتگو سن رہی تھی اس کے پاس صرف ایک گھنٹہ باقی تھا دو بجے اس کی وین آجاتی تھی اور وین کے آتے ہی شفا نے اسے میسج کردینا تھا لہٰذا وہ چاہتی تھی کہ جو بھی بات ہے وہ سنان جلد از جلد کرلے۔

"کورٹ میرج..." نیبو نے حیرت سے سنان کے الفاظ دوہرائے۔

"تم جانتے ہو تمہارا اٹھایا گیا ایک ذرا سا غلط قدم تمہاری بہن کا گھر اجاڑ دے گا وہ میری بھابھی ہیں سنان تم یہ کیوں بھول جاتے ہو؟"

"کچھ نہیں ہوتا میری بہن کے گھر کو میں تمہارے بھائی کی فطرت اچھی طرح جانتا ہوں وہ تمہارے لیے اپنا گھر برباد نہیں کرے گا اور وہ بھی اس وقت جب اس کی بیوی ماں بننے والی ہو۔" وہ اپنی بات پر اڑا رہا اور ویسے بھی اس وقت اس کے دماغ میں صرف ایک ہی سوچ تھی وہ ہر حال میں جنید کو نیچا دکھانا چاہتا تھا غصہ کی حالت میں وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ جنید سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ یہ ٹھوس حقیقت تھی کہ سنان نیبو کی محبت میں اپنے ہوش و حواس کھو چکا تھا اسے شاید اچھے برے کی پہچان بھی نہ رہی تھی اس کا بس چلتا تو ابھی اور اسی وقت نیبو کو لے کر کورٹ میں کھڑا کردیتا اور ایسا شاید ممکن بھی ہوجاتا اگر رحاب نیبو کی بھابھی نہ ہوتی بس ایک یہ ہی وجہ تھی جس نے سنان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔

"جو بھی ہے سنان یہ ناممکن ہے تم ایسا کرو آنٹی کو ایک دفعہ مما کے پاس بھیجو اس سلسلے میں، میں خود ان سے بات کروں گی۔" شفا کا میسج آچکا تھا نیبو اپنا بیگ اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کاش میری بہن تمہاری بھابھی نہ ہوتی۔" باہر نکلتے نکلتے اس نے اپنے پیچھے سنان کا یہ جملہ سنا ضرور لیکن رکی نہیں جنید نے اس رشتہ سے کب انکار کیا اسے کچھ علم نہ تھا یہاں تک کہ اس بات کا ذکر اس نے اپنے گھر کے کسی بھی فرد سے نہ سنا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہے لیکن سنان کی بکھری حالت نے اسے بے حد پریشان کردیا تھا اور وہ جانتی تھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل سچ ہے حیرت اس بات کی تھی کہ رحاب نے جنید سے کب بات کی؟ پھر اس کا جواب شبنم آنٹی تک بھی پہنچ گیا اور اس تمام قصہ کا علم اسے ہی نہ تھا جو اس کہانی کا مرکزی کردار تھی۔

"میرا خیال ہے سنان سے کہو کہ شبنم آنٹی سے کہے وہ باقاعدہ پرپوزل لے کر پاپا کے پاس آئیں۔" شفا نے ساری بات سنتے ہی اسے مشورہ دیا جبکہ دل سے وہ خود بھی یہ ہی چاہتی تھی لیکن اس شام جب شبنم آنٹی نے سنان کا پرپوزل لے کر نیبو کے گھر آنا تھا جنید نے ایک ایسا انتہائی قدم اٹھایا جس نے نیبو تک آنے والے سنان کے سارے راستوں کو مسدود کردیا۔

☼ ☼ ☼

"تم ڈلیوری کے لیے پاکستان کیوں نہیں آرہیں؟" روا نے سخت لہجے میں نیبو سے استفسار کیا۔

"حد ہے مما آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے میں پاکستان کے ہی کسی دوسرے شہر میں رہائش پذیر ہوں اور آپ کے کہتے ہی فلائٹ پکڑ لوں گی۔"

"اچھا ایسا کرو تم اپنی ساس سے میری بات کروا دو میں انہیں کہوں کہ تمہیں پاکستان بھیجیں۔" نیبو کے لہجہ میں در آنے والی بے بسی نے روا کو معاملے کی نزاکت کا احساس دلا دیا۔

"یہ معاملہ نیبو اور سکندر کا ہے میں بھی اس سے بات کرلوں گی اور میرا خیال ہے کہ آپ بھی اس سلسلے میں اسی سے بات کریں۔" نیبو نے روا کے کہنے کے مطابق اپنی ساس سے ان کی بات کروادی حالانکہ اپنی ساس کا جواب پہلے سے ہی جانتی تھی کیونکہ اتنے عرصے میں وہ فاطمہ کی ڈپلومیٹک فطرت کو اچھی طرح جان چکی تھی اور پھر سکندر کا جواب اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"پاکستان۔" اپنی ماں کی بات سنتے ہی اس نے حقارت سے لفظ پاکستان دوہرایا اس پل نیبو کا بس نہ چلا کہ اپنے سامنے کھڑے شخص کا منہ توڑ ڈالتی بے بسی کے شدید احساس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

"میرا بچہ، سکندر نظام کا بچہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں پیدا ہو جہاں زچگی کے دوران پچاس فیصد بچے صرف اس لیے مرجاتے ہیں کہ انہیں صحت کی بنیادی سہولیات میسر نہیں ہوتیں۔" حقارت آمیز لہجہ جو نیبو کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا وہ کہنا چاہتی تھی کہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں روزانہ پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد آج بھی ملائیشیا کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے لیکن وہ صرف سوچ سکی کیونکہ اس وقت کوئی بھی بات منہ سے نکال کر وہ مزید فساد کھڑا کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"اور تمہاری ماں نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تمہیں ڈلیوری کے لیے پاکستان بھیج دوں گا جہاں نہ کوئی ڈھنگ کا اسپتال اور نہ ہی ڈاکٹرز ایسے جن پر اعتبار کیا جاسکے روزانہ ہی کسی نہ کسی پاکستانی چینل پر تمہارے اسپتالوں میں ہونے والی ہنگامہ آرائی دکھائی جاتی ہے ہر دن اپنی لاپرواہی سے وہ کسی نہ کسی انسان کی جان لے لیتے ہیں۔" سکندر نے کبھی پاکستان کا کوئی اسپتال نہ دیکھا تھا اس کا یہ تجزیہ صرف ہمارے میڈیا کا مرہون منت تھا جو کچھ اس نے کسی ٹی وی چینل پر دیکھا جوں کا توں نیبو کے سامنے پیش کردیا اب مزید کوئی بات کرنے کی گنجائش بالکل ختم ہوچکی تھی خوشی کا وہ احساس جو اپنے وطن جانے کا کچھ دیر قبل نیبو کی

رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا تھا اپنی موت آپ مر گیا وہ یک دم ہی مایوس ہو گئی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہاری امی یہاں آجائیں ملائشیا تمہاری ڈلیوری کے لیے تم ان سے بات کرلو۔" اور پھر اپنا یہ خیال اس نے روا کے سامنے بھی پیش کر دیا۔

"اور ویسے بھی آنٹی آپ یہاں آئیں گی تو یقین کریں مجھے بہت زیادہ خوشی ہوگی۔" نہایت ہی بااخلاق لہجہ نیبو کے لیے یہ سب کچھ نیا نہ تھا وہ جانتی تھی کہ سکندر اس کے گھر والوں سے ہمیشہ ایسی ہی گفتگو کرتا شہد آگیں لہجہ اور پھولوں جیسے الفاظ یہ ہی وجہ تھی کہ اس کی ماں کبھی بھی یہ ماننے پر تیار نہ ہوتی تھی کہ سکندر کبھی بد اخلاقی کا مظاہرہ بھی کر سکتا ہے۔

"بیٹا وہ مرد ہے گھر سے باہر سو مسئلے مسائل ہوتے ہیں تم ہی اس کی باتوں کو اگنور کر دیا کرو تو یقین جانو کبھی بات نہ بڑھے گی۔" شروع شروع میں اس کی کسی ایسی شکایت کا جو وہ اپنی ماں سے سکندر کے سلسلے میں کرتی یہ ہی جواب ملتا پھر آہستہ آہستہ اس نے اپنی ماں سے بھی اپنا حال دل کہنا چھوڑ دیا اسے حیرت ہوتی سکندر کی شیریں بیانی سن کر۔

"یا اللہ یہ شخص کس طرح چولا بدلتا ہے بالکل گرگٹ کی مانند۔" اکثر ایسا ہوتا سکندر کا موڈ کسی بات پر سخت آف ہوتا اور ایسے میں نیبو کے گھر سے فون آجاتا تو یک دم ہی سکندر کا لہجہ تبدیل ہو جاتا اور پھر جب تک وہ پاکستان بات کرتا ایک نیا سکندر سامنے آتا معزز، بااخلاق، خوش گفتار اور جانے کیا کیا اور فون بند کرتے ہی وہ واپس اپنی دنیا میں آجاتا کرخت اور بد مزاج، مغرور غرض کون سی ایسی خصوصیت تھی جو سکندر میں بدرجہ اتم موجود نہ ہو۔

"اصل میں بیٹا ہم شفا کی شادی کرنا چاہتے ہیں اسی لیے میں چاہ رہی تھی کہ نیبو پاکستان آجاتی کچھ میری بھی مدد ہو جاتی۔"

"اس حالت میں جبکہ اسے خود مدد کی ضرورت ہے وہ آپ کی کیا مدد کرے گی آپ شاید نہیں جانتیں اسے الٹیوں نے بہت بدحال کر دیا ہے اور یقین جانیں اسے آپ کی اشد ضرورت ہے۔" ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس دنیا میں نیبو کا سب سے بڑا ہمدرد صرف اور صرف سکندر ہی ہو جسے شاید یہ بھی علم نہ تھا کہ صبح سے اس نے کچھ کھایا بھی ہے یا کہ نہیں نیبو نے جلدی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر جانے کب سو گئی اسے پتا ہی نہ چلا۔

☆ ☆ ☆
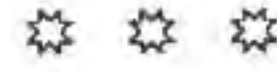
"میں رحاب کو طلاق دے رہا ہوں۔" الفاظ تھے یا کوئی بم جو عین روا کے کانوں کے قریب پھٹا ان الفاظ کی شدت سے ان کا پورا جسم لرز اٹھا اپنے کپکپاتے وجود کو سنبھالنے کے لیے انہوں نے قریب رکھی کرسی کی پشت تھام لی انہیں یقین ہی نہ آیا کہ کچھ دیر قبل کہے گئے یہ سنگین الفاظ ان کے اپنے بیٹے جنید کی زبان سے ادا ہوئے ہیں وہ جنید جس کے نزدیک "زندگی" کا دوسرا نام "رحاب" تھا پھر ایسا کیا ہو گیا جو آج انہیں یہ سب کچھ سننے کو مل رہا تھا وہ یک دم ہی بے چین ہو اٹھیں۔

"ایسا کیا کر دیا رحاب نے جو تم نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔" بڑی مشکلوں سے انہوں نے اپنا جملہ مکمل کیا۔

"اس بے چاری نے کیا کرنا تھا جو کچھ کیا ہے وہ آپ کی اس لاڈلی بیٹی نے کیا ہے۔" جنید نے یک دم ہی اپنی توپوں کا رخ عین دروازے کے درمیان کھڑی نیبو کی طرف موڑ دیا جو جنید کی تیز آواز سن کر ابھی ابھی وہاں آئی تھی اسے تو اصل بات کا علم بھی نہ تھا کہ جنید اس قدر غصہ میں کیوں ہے؟ ایسے میں اچانک ہی جنید کی سانپ جیسی پھنکار اور خون آلود نگاہوں نے اس کے حواس ہی گم کر دیے وہ سمجھ نہ پائی کہ جنید کیا کہنا چاہ رہا ہے؟

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تم دونوں میاں بیوی کے کسی بھی پرابلم سے اس کا کیا تعلق ہے۔" وہ سوال جو نیبو کے ذہن میں آیا تھا خود بخود روا کی زبان سے ادا ہو گیا۔

"اصل تعلق تو اسی کا ہے مما رحاب کی بدنصیبی تو صرف اتنی ہے کہ وہ سنان کی بہن ہے۔" اصل قصہ کیا ہے؟ اگر دو دن قبل وہ سنان سے نہ ملی ہوتی تو شاید آج اپنی ماں کی طرح بے خبر ہوتی جو ہونق کھڑی جنید کا منہ تک رہی تھیں۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں میں سچ کہہ رہا ہوں رحاب کے ساتھ ہونے والی کسی بھی زیادتی میں سراسر قصور نیبو اور سنان کا ہے۔"

"آپ تو سارا دن گھر پر ہوتی ہیں آپ کو اتنا بھی ہوش نہیں ہوتا کہ باہر آپ کی بیٹی کیا گل کھلا رہی ہے۔" جنید نے ایک ہی سیکنڈ میں اپنی ماں جائی پر الزامات کی بھرمار کر دی نیبو کو تو یقین ہی نہ آیا کہ سامنے کھڑا شخص اس کا پیارا بھائی جنید ہے اور یہ جو کچھ بھی وہ سن رہی ہے اس کے بھائی کی زبان سے ہی ادا ہو رہا ہے جنید کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے اسے شرم سے زمین میں گاڑ دیا وہ جو کبھی رحاب اور جنید کی ملاقاتوں کی امین رہی تھی پلٹ کر اپنے بھائی کو گزرے وقت کے حوالے سے کوئی طعنہ بھی نہ دے سکی الفاظ جیسے اس کے حلق میں ہی کہیں گم ہو گئے۔

"آپ جو روز اسے گھر سے کالج بھیجتی ہیں کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ کالج جاتی بھی ہے یا سنان کے ساتھ گلچھرے اڑاتی پھرتی ہے۔" وہ مسلسل بول رہا تھا۔

"نیبو نے ایسا کیا کر دیا جو جنید اس قدر غصہ میں ہے۔" روا کی کچھ سمجھ میں ہی نہ آ رہا تھا جنید کے اس قدر رکیک الزامات نے غصہ کی شدت سے ان کا بلڈ پریشر ہائی کر دیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم جو منہ میں آ رہا ہے بکے ہی چلے جا رہے ہو تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے کہ کس طرح کے گھٹیا الزامات تم اپنی بہن پر لگا رہے ہو، شرم آنی چاہیے تمہیں۔" جانے کب احتشام صاحب آفس سے گھر واپس آئے اتنے ہنگامہ میں کسی کو پتا ہی نہ چلا اب جو ان کی تیز آواز سنی تو سب ہی یک دم ہوش میں آگئے۔

"میں الزامات نہیں لگا رہا بلکہ جو سچ ہے وہ آپ سب کو بتا رہا ہوں۔ پوچھیں اس سے یہ سنان سے ملنے ریسٹورنٹ نہیں جاتی وہ بھی کالج ٹائم میں، اور تو اور یہ محترمہ اس سے کورٹ میرج کرنے کے پلان بھی بنا رہی ہیں۔" وہ جو یہ سمجھی تھی کہ پاپا کو سامنے دیکھ کر جنید خاموش ہو جائے گا اس کا یہ خیال "فوراً" سے پیشتر غلط ثابت ہو گیا۔

"کس نے کہا تم سے یہ سب؟" احتشام صاحب اس کے قریب آگئے ان کے ماتھے پر پڑی تیوریوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔

"سنان نے خود۔" "یقیناً" جنید جھوٹ بول رہا تھا اور یہ بات صرف وہ ہی جانتی تھی باقی کمرے میں موجود کوئی بھی شخص اس طرح نہیں سوچ رہا تھا اور پھر احتشام صاحب کے اگلے جملے نے پل بھر میں اس کے اس خیال کی تصدیق بھی کر دی۔

"اس گھٹیا شخص کی جرات کیسے ہوئی تم سے یہ سب فضول بکواس کرنے کی۔" غصہ کی زیادتی سے ان کی آواز مزید تیز ہو گئی۔

"اسے یہ جرات آپ کی اپنی بیٹی نے خود عطا کی ہے پوچھیں اس بے غیرت سے اگر وہ شرافت سے اپنی ماں کو رشتہ کے لیے بھجواتا تو کیا آپ ہاں نہ کرتے۔" جنید اس سارے معاملے کو ایک بالکل ہی غلط رخ دے رہا تھا نیبو کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس طرح کیوں کر رہا ہے؟ اس کے بے سروپا الزامات کا نیبو کے پاس کوئی جواب نہ تھا وہ کہنا چاہتی تھی کہ جنید جھوٹ بول رہا ہے لیکن کچھ غصہ اور کچھ خوف کی شدت سے اس کی آواز بند ہو گئی اور وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر زور زور سے رونے لگی کسی نے بھی اس پر دھیان نہ دیا۔

"بس اسی لیے میں نے سوچا ہے کہ میں بھی اس گھٹیا شخص کی بہن کو طلاق دے کر اسی طرح ذلیل کروں گا جس طرح وہ ہمیں کرنا چاہتا ہے۔"

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے اس سارے معاملے میں رحاب بے چاری کا کیا قصور ہے جو تم اسے اپنے بھائی کے کسی غلط فعل کی سزا کا حق دار قرار دے رہے ہو یہ سراسر زیادتی ہے جو اللہ کے نزدیک ہی ناپسندیدہ فعل

ہے۔"

اس وقت کسی کو بھی نیبو کی تکلیف کا احساس نہ تھا جو اسے اپنے سگے بھائی کے ہاتھوں پہنچی تھی بلکہ وہاں موجود ہر شخص کی ہمدردی کا مرکز رحاب تھی جو اس گھر کی بہو تھی۔

"دیکھو بیٹا صبر سے کام لو اور اپنے انتقام کا نشانہ اپنی بیوی کو نہ بناؤ عزت ہے وہ ہمارے گھر کی جا کر آج ہی اسے واپس لاؤ جانتے ہو اس کی ماں کس قدر پریشان ہے آج ہی ان کا مجھے آفس میں فون آیا تھا۔" رحاب دو دن قبل ہی اپنے گھر گئی تھی ویسے بھی جب سے وہ پریگننٹ ہوئی تھی اکثر و بیشتر ہی گھر رہنے چلی جایا کرتی تھی آج اس کے چلے جانے میں ایسی کیا انہونی ہو گئی تھی نیبو کی سمجھ میں ہی نہ آیا۔

"نیبو اٹھو اپنے کمرے میں چلو۔" جانے وہ کب تک اسی طرح فرش پر بیٹھی رہتی اگر شفا اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا نہ کرتی وہ بنا کچھ کہے خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی پہلے تو سوچا شفا کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی جائے لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے آہستگی سے شفا سے اپنا بازو چھڑوایا اور احتشام صاحب کے کمرے کی جانب بڑھ گئی اسے روکنے کے لیے شفا آگے بڑھی مگر وہ اسے سامنے سے ہٹاتی اندر داخل ہو گئی اور سیدھی احتشام صاحب کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"پاپا ابھی جنید بھائی نے آپ سے میرے اور سنان کے متعلق جو کچھ کہا وہ سب جھوٹ پر مبنی ہے میرا یقین کریں پاپا ہم دونوں کا کورٹ میرج کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" وہ بے ربط بنا سوچے سمجھے بولتی چلی گئی اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ خود پر لگائے گئے الزامات کی تردید کس طرح کرے؟ وہ جانتی تھی کہ اس وقت اس کی بات پر گھر کے کسی بھی فرد نے یقین نہیں کرنا پھر بھی ضروری تھا کہ وہ سچائی بتانے کی کوشش ضرور کرے اسی خیال نے اسے ہمت بخشی تھی جو وہ اس طرح احتشام صاحب کے سامنے کھڑی اپنا موقف بیان کر رہی تھی اس کی بات ختم ہوتے ہی احتشام صاحب نے ایک ذرا سی نظر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑی نیبو کو دیکھا جس کی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ پڑ چکی تھیں اور پھر اسے نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے ساتھ ہی موجود شفا پر دوسری نظر ڈالی۔

"اسے کمرے میں لے جاؤ ابھی مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط فی الحال اس مسئلے پر میں مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"پاپا پلیز میری بات۔۔۔" وہ آگے مزید کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن شفا نے کہنے ہی نہ دیا۔

"میرے ساتھ آؤ نیبو تمہیں جو بات پاپا سے کرنی ہے بعد میں کر لینا۔" نیبو نے ایک نظر اپنے باپ پر ڈالی جس نے بیڈ کی کراؤن سے سر ٹکائے آنکھیں موند لیں ـــــ جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اب وہ نیبو سے کسی بھی قسم کی کوئی بات کرنا نہیں چاہ رہے یہ بات وہ سمجھ چکی تھی اسی لیے خاموشی سے شفا کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا جنید بھائی اور رحاب بھابھی کیوں چاہتے ہیں کہ تمہارا اور سنان کا رشتہ نہ ہو۔" اس کے پیچھے ہی شفا بھی اندر آ گئی تھی اور وہ جو اپنے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کھو بیٹھی تھی شفا کی بات سنتے ہی یک دم اس کا سویا ہوا ذہن جاگ اٹھا اس قدر دکھ و تکلیف میں بھی خوشی کا ایک چھوٹا سا احساس اس کی روح کو سرشار کر گیا یقیناً "کوئی تو ایسا تھا جو اس کی بے گناہی کا یقین رکھتا تھا اس کے اور شفا کے خیالات کس قدر ملتے جلتے تھے اس لمحہ اسے اپنی اس چھوٹی سی بہن پر بے حد پیار آیا لیکن "رحاب" اس کے بارے میں تو نیبو نے کبھی بھی اس طرح نہ سوچا تھا جس طرح کا تجزیہ شفا پیش کر رہی تھی۔

"اور ہاں نیبو مجھے ایک بات بتاؤ بالکل سچ سچ۔" شفا بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ چکی تھی۔

"کیا بات۔۔۔" جانے شفا کیا پوچھنا چاہ رہی تھی۔

"کیا سنان نے تم سے کورٹ میرج کے بارے میں کوئی بات کی تھی؟" نیبو نے فوراً" نگاہ اٹھا کر شفا کی جانب دیکھا اس کے اس طرح دیکھنے سے شفا گڑبڑا گئی۔

"میں تم پر کوئی شک نہیں کر رہی بلیو می صرف مجھے ایک بات کلیئر کرنی ہے اسی لیے تم سے پوچھ رہی ہوں میری بات کا جواب دو۔"

"ہاں۔۔۔" نیبو کو اپنے اور سنان کے درمیان ہونے والی چند روز قبل کی گفتگو فوراً اسے بیشتر یاد آ گئی۔

"لیکن شفا وہ سب تو اس نے صرف غصہ میں کہا تھا اور میں نے فوراً" ہی اس کی اس تجویز کو رد بھی کر دیا تھا۔ تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو شفا میں کبھی ایسا کر ہی نہیں کر سکتی۔"

"مجھے یقین مت دلاؤ نیبو مجھے تم پر مکمل بھروسہ ہے کہ تم کبھی ایسی غلط بات سوچ بھی نہیں سکتیں۔" شفا نے نہایت پیار سے اپنی بہن کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا جس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری ہو چکا تھا شفا کو اس پل بے حد افسوس ہوا جانے کیوں جنید اس کی خوشیوں کی راہ میں حائل ہو گیا ہے اس نے نیبو کے خوبصورت چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سوچا وہ جانتی تھی کہ جنید شروع سے ہی سنان کو پسند نہیں کرتا حالانکہ بظاہر اس کا کوئی سبب بھی نہ تھا اور اب تو اس کی یہ کدورت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اپنی سگی بہن کے لیے بھی اس کا دل مردہ ہو گیا تھا اور صرف سنان کی ضد میں وہ نیبو کی دل آزاری کا سبب بن رہا تھا جس کا شاید اسے احساس بھی نہ تھا۔

"مجھے تو صرف ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ جو بات تمہارے اور سنان کے درمیان ہوئی اس کا علم جنید بھائی کو کیسے ہوا؟"

"او یہ سب تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" شفا کی اس بات نے نیبو کے ذہن پر چھائی ہوئی دھند کو کسی قدر صاف کرنا شروع کر دیا یقیناً" شفا سچ کہہ رہی ہے۔ "سنان اور میری گفتگو کا علم کسی تیسرے شخص کو کیسے ہوا؟"

"تم سنان سے معلوم کرو مجھے یقین ہے کہ اس نے غصہ کی حالت میں یہ لن ترانی اپنی ماں یا بہن کے سامنے بھی ضرور کی ہو گی اور پھر بھابھی ہی کے ذریعے یہ سب بات بھائی تک پہنچی ہے۔"

"لیکن رحاب بھابھی نے ایسا کیوں کیا؟" شفا کی باتوں نے نیبو کو شاکڈ کر دیا وہ جان چکی تھی کہ شفا جو کچھ کہہ رہی ہے وہ کافی حد تک درست ہے پھر بھی اس کا دل نہ مان رہا تھا کہ کوئی بہن اپنے شوہر کے ساتھ اپنے سگے بھائی کے دلی جذبات کو بھی ڈسکس کر سکتی ہے جب کہ شوہر بھی ایسا جو اس کے بھائی سے دلی بیر رکھتا ہو۔

"میں یہ تو نہیں جانتی نیبو کہ رحاب بھابھی نے یہ سب کیوں کیا؟ لیکن مجھے اتنا یقین ضرور ہے کہ جنید بھائی جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب بھی ایک ڈرامہ ہے کیوں کہ دو دن قبل ان دونوں میاں بیوی کو میں نے خود گھر جاتے دیکھا ہے میں اس وقت اتفاق سے ٹیرس پر کھڑی تھی جب یہ دونوں میاں بیوی ہنستے کھیلتے گھر سے نکلے تھے پھر یہ سب کیا ہو گیا یقین کرو مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا بہتر یہ ہے کہ تم خود سنان سے بات کرو تاکہ واضح ہو کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" شفا بات ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور حقیقت بھی یہ ہی تھی کہ اب اس کے لیے لازمی ہو چکا تھا کہ وہ سنان سے اس مسئلے پر کھل کر بات کرے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو سکے اور پھر شفا کے باہر نکلتے ہی اس نے جلدی سے سنان کا نمبر ملایا سنان نے دوسری بیل پر ہی فون اٹھا لیا۔ سنان سے گفتگو نے شفا کی ہر بات کو سچ ثابت کر دیا واقعی سنان نے اپنی کورٹ میرج والی تجویز رحاب کے سامنے رکھی تھی اور شاید رحاب ڈر گئی کہ اگر حقیقت میں ان دونوں نے یہ گھٹیا قدم اٹھا لیا تو اس کا اثر رحاب کے گھر پر پڑے گا بس اسی سوچ کے تحت رحاب نے یہ سب کچھ جنید کو بتا دیا سنان کو علم ہی نہ تھا کہ غصہ کی حالت میں زبان سے ادا کیے گئے کچھ غلط جملے اس طرح ساری بات کو بگاڑ دیں گے اور اب وہ بے حد شرمسار تھا۔

"یار میں نے آپی سے جو کچھ کہا محض غصہ کی کیفیت میں کہا اور یہ بات آپی بھی جانتی ہیں پھر انہوں نے یہ سب جنید سے کیوں کہا مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ جنید کو کبھی بھی بھائی نہ کہتا تھا شروع شروع

میں تو نیبو نے ٹوکا بھی مگر اب وہ اس مسئلہ پر چپ سادھ چکی تھی۔

"جو بھی ہوا سنان! بالکل غلط ہوا اور اب تم فی الحال آنٹی کو پاپا کے پاس مت بھیجنا ورنہ بات مزید بگڑ جائے گی۔"

"وہ تو ابھی خود بھی نہیں آرہیں کیوں کہ دو دن سے آپی نے رو رو کر ہم سب کو پریشان کر رکھا ہے اب وہ چاہتی ہیں کہ جلد از جلد میرا نکاح مرینہ سے کر دیا جائے تاکہ ان کا گھر برباد ہونے سے بچ جائے۔"

"اور تم کیا چاہتے ہو؟" نیبو کے لہجہ میں خود بخود تلخی اتر آئی۔

"میں تو صرف تمہیں ہی چاہتا ہوں اور یہ بات تم خود بھی اچھی طرح جانتی ہو۔" سنان نے ہلکے پھلکے انداز میں نیبو کا دھیان بٹانے کی کوشش کی اور پھر وہ اس میں خاصی حد تک کامیاب بھی رہا اور جب پندرہ منٹ بعد نیبو نے فون بند کیا تو وہ خاصی مطمئن تھی اب وہ پرامید تھی کہ حالات جلد ہی اس کے حق میں موافق ہو جائیں گے۔

میں جس گمان میں تھی وہ گمان ٹوٹ گیا
کڑی دھوپ میں لو سائبان ٹوٹ گیا
تم سے ملایا رب نے حیرانی سی رہتی تھی
دیکھو وقت کی گردش سے خواب حیراں ٹوٹ گیا

کتنے ہی اداس دن چپ چاپ گزر گئے رحاب کے سلسلے میں جنید نے کیا فیصلہ کیا ہے وہ جان ہی نہ سکی اس کے امتحان ہونے والے تھے یہ ہی وجہ تھی کہ وہ اپنے ذہن کو تمام سوچوں سے آزاد کر کے فی الحال اپنی پڑھائی میں مصروف تھی۔ سنان سے اس کی گفتگو ہوتی تھی مگر بہت کم، رحاب ابھی تک اپنے گھر ہی تھی ویسے بھی عنقریب ہی اس کی ڈلیوری متوقع تھی اور اس سلسلے میں اس نے لازمی اپنی ماں کے گھر جانا تھا اور اس بات کا علم گھر میں سب ہی کو تھا اس کے باوجود روا اکثر و بیشتر اپنی کسی نہ کسی بات سے اسے یہ احساس دلانے کی کوشش ضرور کرتیں کہ اس سب کی ذمہ دار وہ اور سنان ہیں اسی لیے وہ اپنے کمرے سے بھی کم ہی باہر نکلتی شفا اپنی خوبصورت اور لاڈلی بہن کی یہ حالت دیکھ کر کڑھتی رہتی لیکن اس سارے مسئلہ کا حل اس کی سمجھ میں بھی نہ آتا۔ رہا جنید تو اس نے تو اس دن کے بعد سے نیبو سے بالکل بات ہی نہ کی تھی ایسا لگتا تھا جیسے ان دونوں کے درمیان موجود خون کا رشتہ ٹوٹ چکا ہو صرف ایک اماں کی ذات ایسی تھی جسے ان تمام حالات سے کوئی فرق نہ پڑا تھا۔

نیبو آج بھی اس کی پیاری سی بہن تھی اور وہ حتیٰ الامکان کوشش کرتا کہ نیبو کو پھر سے اسی زندگی کی طرف لے جائے جس کی وہ عادی تھی اماں اور شفا کی محبت اور حوصلہ ہی تھا جس نے نیبو کو اس یقین کی سیڑھی پر کھڑا رکھا تھا کہ سنان صرف اور صرف اس کا ہے اور ان شاء اللہ جلد از جلد تمام حالات ویسے ہی ہو جائیں گے جیسے وہ چاہتی ہے اسے صرف انتظار تھا وقت کا وہ جانتی تھی کہ رحاب کی ڈلیوری کے بعد تمام حالات ٹھیک ہو جائیں گے کیوں کہ جنید بیوی چھوڑ سکتا تھا اپنا بچہ نہیں لیکن آنے والے وقت نے اس کی تمام سوچوں کو غلط ثابت کر دیا اور اسے یقین آگیا کہ نصیب سے لڑنا بندے کے اپنے اختیار میں نہیں ہے اور یہیں آکر انسان بالکل بے دست و پا ہو جاتا ہے اور ایسا ہی کچھ نیبو کے ساتھ بھی ہوا وقت کے دھارے نے اسے ایک ایسے موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا جہاں سنان اور اس سے وابستہ یادیں نقش پا بن کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼
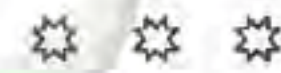
کے۔ ایل۔ آئی۔ اے ایئرپورٹ سے باہر نکلتے ہی اس کا دل بھر آیا اپنا وطن اور اپنے لوگوں کی یاد اس قدر شدت سے اس پر حاوی ہوئی کہ اس کا دل چاہا آس پاس موجود تمام لوگوں کو نظر انداز کر کے وہیں دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دے اس کے چاروں طرف موجود تمام رونقیں معدوم ہو گئیں اور ایک دم ہی ڈھیروں ڈھیر سناٹوں نے اس کے وجود پر اپنا راج جما لیا وہ عالم بے خودی میں گھری ایئرپورٹ کی پارکنگ میں کھڑی تھی سکندر گاڑی نکال رہا تھا یکدم ہی جہاز کے تیز انجن کی آواز پر اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا ملائیشین ایئرلائن کا جہاز اپنے تیز شور کے ساتھ اس کے سر پر سے گزر گیا روا آج پورے دو ماہ بعد اسی فلائٹ سے پاکستان واپس گئی تھیں اور یہ دو ماہ کس طرح پلک جھپکتے گزرے نیبو کو پتا ہی نہ چلا وہ تو صرف اس احساس سے ہی سرشار تھی کہ اس تمام عرصہ میں سکندر اور اس کے گھر کے تمام ہی افراد نے روا کے ساتھ ساتھ نیبو کا بھی بھرپور خیال رکھا۔

سکندر اس کی ماں کو گھمانے لنکاوی بھی لے کر گیا نیبو نے اپنے ملائیشیا قیام کے پورے ایک سال بعد یہ جنت نظیر جزیرہ دیکھا جس کی خوبصورتی کا ذکر وہ اکثر و بیشتر ربیعہ سے سنتی تھی اور یہاں آکر اسے خود بھی یقین آگیا حد نگاہ تک پھیلا خوبصورت نیلا پانی اس کی مکمل توجہ اپنی جانب کھینچ رہا تھا اسے فوراً ہی ہاکس بے یاد آگیا جس پر اگر تھوڑی سی توجہ دی جائے تو بہترین سیاحت گاہ بنایا جا سکتا ہے صاف و شفاف پانی کے ساتھ ساتھ چاروں طرف پھیلی ہریالی بھی عجیب بہار دکھا رہی تھی چاروں طرف موجود خوبصورت ہوٹل اسے ایک الگ سی خوبصورتی بخش رہے تھے ایک رات انہوں نے قریبی ہوٹل میں قیام کیا رفیدا بھی ان کے ساتھ تھی اور وہیں پر ہی شاید پہلی بار اپنی ماں کے اصرار پر اس نے لاسی لمہ اور چکن سانبھو بھی کھایا حالانکہ اسے ملائی کھانے بالکل بھی پسند نہ تھے لیکن آج جب سب کے ساتھ مل کر کھایا تو اسے اچھا لگا روا کی واپسی سے قبل سکندر انہیں بازار بھی لے گیا اور شفا کے علاوہ گھر کے دیگر افراد کے لیے شاپنگ بھی خود کروا کر دی تھی روا کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اکثر ہی صبح ناشتے میں ایک پاکستانی ریسٹورنٹ سے چنے کا سالن اور نان لے آتا حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اس کی ماں نے اپنے قیام کے دوران یہاں بہت ساری پاکستانی ڈشز بھی بنائیں جو تقریباً سب کو ہی پسند آئیں خاص طور پر میٹھے دہی بڑے، جو ہر روز ہی شام میں وہ سکندر کی خاص الخاص فرمائش پر بناتیں وہ سکندر کے لیے پاکستان سے بہت سارے کرتے شلوار بھی لے کر آئی تھیں کیوں کہ وہاں مردانہ شلوار قمیص کی اتنی ورائٹی نہ تھی اور سکندر کی فیملی میں پاکستانی کرتے بے حد پسند کیے جاتے تھے۔

سکندر ہر جمعہ مسجد جاتے ہوئے نیا کرتہ شلوار بے حد شوق سے پہن کر جاتا اور نیبو کو یہ سب کچھ بہت اچھا لگتا ایک ماہ قبل ہی وہ ایک عدد خوبصورت بیٹے کی ماں بن چکی تھی جس کا نام روا نے حماد رکھا جو سب کو ہی بے حد پسند آیا غرض کہ آج دو ماہ بعد اس کی ماں ملائیشیا سے بے حد خوش اور مطمئن واپس گئی تھی اس وعدے کے ساتھ کہ چھ ماہ بعد ہونے والی شفا کی شادی میں سکندر اور نیبو دونوں نے لازمی شرکت کرنی ہے اور چھ ماہ بعد وطن جانے کا احساس ابھی سے اس کے حواسوں پر سوار ہو چکا تھا وہ سارے راستے ان ہی سوچوں میں گم رہی پتا ہی نہ چلا کہ گھر آگیا دروازے کے سامنے گاڑی رکتے ہی اسے شدت سے حماد کی یاد آئی جو وہ اپنی ساس کے پاس چھوڑ کر گئی تھی بے قراری سے لکڑی کا بڑا گیٹ کھول کر وہ تیز تیز چلتی برآمدے میں داخل ہوئی جہاں سامنے ہی صوفے پر لیٹی فاطمہ کوئی ملائی چینل دیکھ رہی تھیں

"حماد کہاں ہے؟" ان کے قریب موجود حماد کے خالی جھولے پر نظر پڑتے ہی بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اس کی ساس کے جواب دینے سے قبل ہی سامنے چھوٹے کمرے کا دروازہ کھول کر ایک پچیس چھبیس سالہ انڈونیشین لڑکی باہر نکلی یہ کمرہ جب سے وہ آئی تھی اس نے بند ہی دیکھا تھا شاید یہ اس کے سسر کا اسٹڈی روم تھا اس لڑکی کی وہاں غیر متوقع موجودگی سے زیادہ اس کا حلیہ حیرت انگیز تھا نہایت ہی چھوٹا سا اسکرٹ اور سلیولیس کھلے گلے کا بلاؤز جو گھر کے مکینوں سے بالکل بھی میل نہ کھاتا تھا اس کے جھلکتے بدن کو دیکھ کر نیبو خود ہی شرمندہ سی ہو گئی۔

"یہ کون ہے؟" تھوڑی دیر کے لیے وہ حماد کو یکسر بھول چکی تھی اور اس کی توجہ کا مرکز صرف اور صرف سامنے کھڑی لڑکی تھی۔

"یہ ایدھا ہے حماد کی گورنس۔" سکندر گاڑی کھڑی

کر کے ابھی ابھی اندر داخل ہوا تھا۔
"حماد کی گورنس۔" اس نے حیرت سے پلٹ کر سکندر سے سوال کیا۔
"ہاں کیونکہ مجھے تم پر بالکل ٹرسٹ نہیں ہے جانے کس طرح بچہ پالو اپنا کوئی کام تو تم ڈھنگ سے کر نہیں سکتیں بچہ کی ذمہ داری کیا پوری کرو گی۔" "یقیناً" سامنے کھڑی میڈ اردو نہیں جانتی تھی پھر بھی سکندر کے ان الفاظ نے اسے جی بھر کر شرمندہ کیا اس نے فوراً ایک نظر اپنی ساس پر ڈالی جو نہایت لاتعلقی سے ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھیں۔ تو یہ سب لوگ اپنے چولے اتار کر پھر سے اپنے اصل کی طرف لوٹ گئے ہیں اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر سوچا اور اس کے ساتھ ہی شدید تھکن کا احساس اس کے رگ و پے میں اتر گیا اب مزید کچھ کہنا بے کار تھا وہ خاموشی سے سکندر کے پاس سے گزرتی اپنے کمرے میں آگئی جہاں حماد کا چھوٹا بیڈ خالی پڑا تھا یک دم ہی اس کے دل کو کچھ ہوا اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔
ایک ماہ میں وہ پہلی رات تھی جو اس نے حماد کے بغیر گزاری ساری رات ہی وہ بے سکون رہی لیکن اس رات کے بعد آنے والی ہر ایسی رات ہی اس کا مقدر بن گئی اور اپنے مقدر سے سمجھوتہ کرنے کی عادت تو اسے اس وقت سے ہی ہوگئی تھی جب سنان کی جگہ سکندر کا نام اس کا نصیب بنا تھا اور اب ہر گزرتے دن نے اس کے اور حماد کے درمیان بھی ایک ان دیکھا فاصلہ بڑھا دیا تھا جسے وہ چاہتے ہوئے بھی عبور نہ کر سکی۔

محسوس کر رہا ہوں میں جینے کی تلخیاں
شاید مجھے کسی سے محبت نہ رہی۔۔۔

☆ ☆ ☆

کئی دنوں سے جاری بارش آج کچھ تھمی تھی اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر بنی لکڑی کی باؤنڈری وال سے پرے سامنے روڈ پر ایک نظر ڈالی دھلی دھلائی صاف ستھری روڈ جس کے کنارے لگے ہوئے ہرے بھرے درخت سارے منظر کو رعنائی بخش رہے تھے فٹ پاتھ پر رونق ہی رونق تھی یہاں لوگوں کو بارش کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا ان کا کاروان زندگی دونوں حالتوں میں یکساں رواں رہتا تھا وہ ملائی عورت بھی اپنے مخصوص مقام پر چھتری کے نیچے اپنا فوڈ اسٹال لگائے بیٹھی تھی اس کے قریب ہی بے بی چیئر پر ایک چھوٹا سا بچہ موجود تھا وہ کیا بیچتی تھی نیبو کو آج تک یہ ہی نہ چلا اور نہ ہی کبھی اس نے جاننے کی کوشش کی بھی لیکن اتنا ضرور تھا یہ سب فوڈ اسٹال اسے پاکستانی برگر اور چنے چاٹ کی یاد ضرور دلاتے یہ وہ چیزیں تھیں جن کے لیے وہ یہاں ترس گئی تھی۔
نیبو نے اپنے قیام کے دوران جگہ جگہ فٹ پاتھ پر عورتوں کو ایسے ہی اسٹال لگائے مختلف اشیا فروخت کرتے دیکھا تھا جن میں میک اپ کا سامان، بچوں کے کھلونے، اسٹیشنری حتیٰ کہ مختلف گھریلو الیکٹرونکس کا سامان بھی ہوتا اور جب بھی وہ ایسے اسٹال دیکھتی اسے پاکستان ضرور یاد آتا جہاں اس طرح عورت کا فٹ پاتھ پر بیٹھ کر روزی کمانے کا تصور ہی محال تھا ملائیشیا اور پاکستان دونوں ہی نا صرف ایشیائی بلکہ اسلامی ممالک بھی ہیں لیکن دونوں کی ثقافت اور موسم میں زمین آسمان کا فرق ہے جب سے نیبو یہاں آئی تھی اس نے کبھی سردی ہی نہ دیکھی تھی ہمیشہ موسم معتدل رہتا ذرا سی گرمی پڑتی تو رم جھم بارش برس اٹھتی اور یہ برستی بارش اسے اپنے شہر کراچی کی یاد دلا دیتی جہاں سالوں بعد ہونے والی بارش اتنا کھل کر برستی کہ ہر طرف جل تھل ہو جاتی لگتا پورا شہر ہی ڈوب جائے گا پھر بھی اسے بارش اور بارش کے پکوان اچھے لگتے تھے اور اب۔۔۔ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری سچ ہے جو چیز انسان کو وافر مقدار میں نصیب ہو وہ اپنی قدر کھو دیتی ہے انسان یا تو اس سے اکتا جاتا ہے یا پھر اس کا عادی ہو جاتا ہے اس بات کا عملی تجربہ نیبو کو وقت نے سکھا دیا تھا۔
اب تو بارش اور اس کی دیوانگی سب وقت کے ساتھ خام خیال ہو چکی تھی پھر بھی جانے کیوں آج

اتنے عرصہ بعد اس کا دل چاہا وہ اس موسم میں سامنے نظر آنے والی سرمئی روڈ کے فٹ پاتھ پر دور تک پیدل جائے بالکل تنہا اور اکیلی۔ یہ ہی سوچ کر اس نے قریب لگے آئینہ میں موجود اپنے عکس پر ایک نظر ڈالی ٹخنوں سے اونچی ہوتی میکسی جو اس نے کل شام سے ہی پہن رکھی تھی اور اب بھی اس کا دل ہی نہ چاہا کہ اسے تبدیل کرے آئینہ دیکھ کر لگتا ہی نہ تھا کہ اس میں نظر آنے والا عکس اس نیبو ملک کا ہے جس کی ایک مسکراہٹ کا سارا زمانہ دیوانہ ہوا کرتا تھا اب تو لگتا تھا مسکرائے ہوئے بھی صدیاں گزر گئیں پرانی یادوں کے ساتھ ہی سنان کی یاد بھی ایک ٹیس بن کر اس کے دل میں جاگی اور اسے اندر تک چیر گئی۔
"جانے وہ کیسا ہو گا؟" آج کئی دنوں بعد اس نے سوچا ورنہ اس نے تو کبھی کسی سے سنان کے بارے میں جاننے کی کوشش ہی نہ کی تھی وہ اسے اپنا گزرا ہوا وقت سمجھ کر زندگی سے نکال چکی تھی یہاں تک کہ روا کے دو ماہ کے قیام کے دوران بھی اس نے ایک دفعہ بھی سنان کا ذکر نہ کیا البتہ کچھ عرصہ قبل شفا نے اسے فون پر بتایا تھا کہ رحاب اپنے گھر کی ہے کیونکہ سنان اور مرینہ کا نکاح ہے بس پھر اس کے بعد اس نے کبھی بھی اس کے بارے میں جاننے کی کوشش نہ کی سنان اس کی زندگی کا ایک ایسا ورق تھا جسے وہ پھاڑ چکی تھی۔
"نیبو تم اتنی خوبصورت کیوں ہو؟ جانتی ہو تمہیں دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے تم ہمیشہ ایسے ہی میرے سامنے بیٹھی رہو اور میں تمہیں دیکھتا رہوں اور یہ وقت یہیں تھم جائے اے کاش۔" جانے کیوں آج نہ چاہتے ہوئے بھی سنان اور اس کی باتیں اسے بڑی شدت سے یاد آرہی تھیں اتنی کہ خود بخود اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔
"یہ کس کی یاد میں آنسو بہا رہی ہو؟" ایسے میں سکندر کب کمرے میں آیا اسے پتا ہی نہ چلا اس نے جلدی سے اپنے ہاتھ سے آنکھ میں آیا پانی صاف کیا اور بنا کوئی جواب دیے کھڑکی کا پردہ برابر کر دیا اس لمحہ اس کا دل کوئی بھی بات کرنے کو نہ چاہ رہا تھا اور ایسے میں خاموشی ہی بہتر تھی۔
"آواز نہیں آرہی میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" یہ سکندر کی عادت تھی جب وہ جان جاتا کہ نیبو جواب دینے سے کترا رہی ہے وہ اسی طرح اسے زچ کرتا۔
"کچھ نہیں شفا کی شادی کے بارے میں سوچ رہی ہوں صرف پندرہ دن رہ گئے۔" ہر وقت دماغ میں آنے والی سوچ نے اسے کسی بھی طرح کے فساد سے بچا لیا۔
"آں۔۔۔ ہاں یاد آیا میں آج ہی ایمبیسی گیا تھا لیکن وہ کسی بھی طرح حماد کا ویزہ نہیں دے رہے۔"
"کیوں؟"
"دراصل میں نیبو ہمارے ملک کے قانون کے تحت چھ ماہ بعد بچے کا اوریجنل برتھ سرٹیفکیٹ بنتا ہے پھر اس کے بعد انٹرنیشنل پاسپورٹ ملتا ہے اس سے پہلے ویزے کے لیے اپلائی کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔" سکندر نے تفصیلاً سمجھایا جواب میں وہ خاموش رہی یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ ربیعہ اور عبدالوہاب ایک ہفتہ قبل اپنی دو ماہ کی بچی لے کر کس طرح پاکستان گئے ہیں؟ کیا انہیں بچی کے لیے ویزہ کی ضرورت نہ تھی یا ان کے لیے یہاں کا قانون الگ تھا اور سکندر کے لیے الگ۔
"میرا خیال ہے کہ سکندر بھائی تمہارے ساتھ حماد کو پاکستان بھیجنا نہیں چاہ رہے اسی لیے جان بوجھ کر بہانے بنا رہے ہیں۔" اس کے کانوں میں کچھ دن قبل کا کہا ہوا ربیعہ کا جملہ گونجا جس پر اس دن تو اسے یقین نہ آیا تھا لیکن آج ضرور آگیا۔
"اب تم بتاؤ میں کل تمہارا پاسپورٹ جمع کروا دوں تم اکیلی چلی جاؤ دو ماہ کے لیے میں اور حماد یہیں رہتے ہیں اور ویسے بھی تمہاری بہن کی شادی میں ہمارا کیا کام ہے۔"
"نہیں رہنے دیں۔" دل پر جبر کر کے اس نے اپنا سر انکار میں ہلا دیا۔
"میں حماد کو اکیلا چھوڑ کر پاکستان نہیں جاؤں گی۔"
"تو یہاں حماد کون سا تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔" سکندر روکھے سے طنزیہ انداز میں ہنسا اور تولیہ اٹھا کر باہر صحن کے دوسرے سرے پر بنے باتھ روم کی جانب

بڑھ گیا وہ ہمیشہ وہ ہی باتھ روم استعمال کرتا تھا بقول اس کے اٹیچ باتھ روم انگریزوں کا دیا ہوا تحفہ تھا اور ان سے پاکیزگی کا احساس پیدا نہیں ہوتا بہر حال یہ اس کی اپنی ذاتی سوچ تھی اور ہر شخص اپنی اپنی سوچ کا خود مالک ہوتا ہے ہم کسی بھی دوسرے شخص کی سوچ پر لاکھ چاہتے ہوئے بھی اختیار حاصل نہیں کر سکتے۔

☼ ☼ ☼

"مجھے پتا تھا سکندر بھائی نے حماد کو تمہارے ساتھ پاکستان نہیں بھیجنا اس لیے ہی جھوٹے بہانے گھڑ رہے تھے۔" ربیعہ دو دن قبل پاکستان سے آئی تھی اور آج اس سے ملنے اپنے شوہر کے ساتھ اس کے گھر آئی ہوئی تھی اس کے آنے کا ایک مقصد وہ سامان پہنچانا بھی تھا جو اس کے گھر والوں نے اس کے اور حماد کے لیے بھیجا تھا۔

"اور یقین کرو شفا کی شادی میں سب نے ہی تمہیں بہت مس کیا اور تمہاری بھابھی تو خوب کرید کرید کر تمہارے حالات جاننے کی کوشش کر رہی تھی۔" رحاب کے ذکر کے ساتھ ہی سنان کا ہیولہ پھر سے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا جانے آج کل اسے کیا ہو گیا تھا دل ہر وقت سنان کو ہی یاد کرتا حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اب یہ سب کچھ بے کار ہے پھر بھی وہ دل ہی کیا جو کسی کی مان لے۔

"بھابھی کے گھر والے بھی تھے شادی میں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سوال اس کے لبوں پر آ گیا۔

"ہاں ان کی امی سے بھی ملی تھی میں۔"

"واہ اچھا۔" چاہتے ہوئے بھی وہ ربیعہ سے سنان کے بارے میں کوئی سوال نہ کر سکی ویسے بھی جب سے اس کی شادی ہوئی تھی سنان اس دن کے بعد سے کبھی بھی ان کے گھر نہ آیا تھا یہاں تک کہ وہ اپنے بھانجے کی برتھ ڈے پر بھی نہ آتا تھا اور یہ بات بھی کچھ عرصہ قبل اسے شفا نے ہی بتائی تھی جو آج بھی مکمل جزئیات کے ساتھ اسے یاد تھی۔

"سچ ہے جن سے دل کے رشتے ہوتے ہیں انہیں دل سے نکالا نہیں جا سکتا۔"

"ویسے یار تمہاری بھابھی بڑی لکی عورت ہے۔"

"وہ کس طرح۔"

"دیکھو نا بالکل نارمل شکل و صورت رکھتے ہوئے بھی قسمت کی کتنی دھنی ہیں شوہر کاٹھ کے الو کی طرح چاروں طرف منڈلاتا پھر رہا تھا پوری شادی میں اور یقین جانو جنید بھائی آج بھی ان کے سامنے بڑے خوبصورت اور ہینڈسم نظر آتے ہیں۔" ربیعہ نے ہنستے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

"خوبصورتی عورت کا نصیب نہیں بناتی ربیعہ ورنہ یقین جانو میں آج دنیا کی سب سے خوش نصیب عورت ہوتی۔" اس نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا اس کی اس بات کا جواب ربیعہ کے پاس نہ تھا اسی لیے وہ خاموش رہی اور پھر ربیعہ کے جانے کے بعد اس نے اپنی ساری رات اپنے گھر والوں کے ساتھ ساتھ سنان کو بھی یاد کرتے ہوئے گزار دی آج بھی سکندر گھر نہ آیا تھا اپنے کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا جبکہ اس کی ساس اور رفیدا اپنے بڑے بھائی عمر کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ گھر پر صرف وہ اور ایدھا تھیں حماد ایدھا ہی کے پاس تھا اب تو ویسے بھی وہ اسی کا عادی ہو چکا تھا اگر کبھی نیبو لے بھی لیتی تو فوراً ہی رونے لگتا یہ ہی وجہ تھی نیبو بھی اسے کم ہی ہاتھ لگاتی تاکہ وہ ڈسٹرب نہ ہو اس کا کمرہ گھر کے آخری سرے پر تھا جس کی ایک کھڑکی باہر بڑے سے صحن میں کھلتی تھی کھڑکی پر گرل بھی نہ تھی اندر سے کنڈی لگانے کے باوجود اسے ایسا محسوس ہوا جیسے باہر شیشے کے اس پار کوئی موجود ہو گھر میں پھیلا ہوا سناٹا ساری رات اسے ہولاتا رہا اور اسی سوتی جاگتی کیفیت میں کب فجر ہوئی اسے پتا ہی نہ چلا نماز پڑھ کر وہ کمرے سے باہر نکلی تاکہ کچن میں جا کر ایک کپ چائے بنا سکے رات بھر کی آنکھ مچولی نے اس کا سر دکھا دیا تھا باہر نکلتے ہی اس کی نگاہ کچھ فاصلے پر کھڑے سکندر پر پڑی جو غالباً باتھ روم سے باہر نکلا تھا گیلا تولیہ اس کے کندھے پر تھا۔

"آپ کب آئے؟" اسے حیرت ہوئی۔

"رات ہی آ گیا تھا۔" سکندر نے آہستہ سے جواب دے کر تولیے سے اپنے بال صاف کیے اور اسے صحن میں لگی تار پر پھیلا دیا۔

"ایدھا ناشتا ذرا جلدی لے آؤ۔" اسے مکمل طور نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ایدھا کو پکارا اور اس پر نیبو کو یاد آیا کہ گھر میں ان دونوں کے علاوہ ایک تیسری ہستی بھی موجود ہے وہ بجلی کی مانند کچن کی جانب لپکی تاکہ سکندر کو خود ناشتا بنا کر دے اس وقت اس کا بے چین دل اسے کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا جسے وہ سننا نہیں چاہ رہی تھی کچن کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے ایک نظر سامنے سلیب کے پاس کھڑی ایدھا پر ڈالی جس کے کندھوں پر آتے گیلے بال ایک نیا افسانہ سنا رہے تھے وہ غالباً" سکندر کے لیے کارن فلیکس اور جوس تیار کر رہی تھی۔ نیبو کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے اس نے ٹرے میں سارا سامان رکھا اور خاموشی سے اس کے پاس سے گزر گئی بالکل مختصر شارٹ پر سلیولیس چھوٹا سا ڈیپ گلے کا بلاوز اس کا شرمناک حلیہ نیبو کو شرمندہ کر گیا سکندر کے سامنے اس کا ناشتا رکھنے کے بعد اپنی بلیک کافی اور کوکیز لے کر وہ عین اس کے مقابل بیٹھ گئی جانے وہ سکندر کی کس بات پر زور زور سے ہنس رہی تھی کھڑکی سے نظر آنے والے اس منظر نے اس کے تن بدن میں آگ سی لگا دی اپنی مستی میں گم ایدھا اور سکندر نا صرف اسے بلکہ حماد کو بھی نظر انداز کر چکے تھے جو جھولے میں لیٹا مسلسل رو رہا تھا غالباً" وہ بھوکا تھا نیبو نے طیش میں آ کر پلیٹ سلیب پر پٹخی اور تیزی سے باہر نکلی بنا کچھ کہے حماد کو جھولے سے نکالا وہ گیلا تھا اسی لیے اس قدر شدت سے رو رہا تھا اپنی کم مائیگی کا احساس نیبو کو بھی رلا گیا وہ حماد کو لیے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی اسے صاف ستھرا کر کے کپڑے تبدیل کیے پھر فیڈر بنا کر دیا۔

اس کے دل سے چائے کی خواہش اور بھوک کا احساس ختم ہو چکا تھا اس نے حماد کو سلایا اور تھرماس میں موجود گرم پانی سے اپنے لیے بلیک کافی تیار کی اور ساتھ ہی کچھ کوکیز کھا کر لیٹ گئی اس کا دل ہی نہ چاہا کہ وہ کمرے سے باہر نکل کر کالی کلوٹی ایدھا کا سامنے کرے جو آج اس پر صرف اس لیے سبقت لے گئی تھی کہ اس کے ساتھ سکندر تھا شام میں رفیدا اور فاطمہ بھی گھر آ گئیں ان کی موجودگی میں ایدھا حماد کو اس کے کمرے سے لے گئی سکندر گھر نہ تھا جانے وہ کب باہر گیا تھا نیبو نے جاننے کی کوشش ہی نہ کی اپنی عزت کو مزید خراب کرنے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ جو کچھ اس نے فاطمہ کی غیر موجودگی میں دیکھا اس کا ذکر کسی سے نہ کرے اور اسی میں اس کی بہتری ہی تھی اس خیال کے ذہن میں آتے ہی وہ بالکل خاموش ہو گئی اس رات جب سکندر گھر آیا تو کچھ شرمندہ سا تھا یا شاید یہ نیبو ہی کی خام خیالی تھی جو بھی تھا کافی عرصہ بعد سکندر نے وہ رات اس کے ساتھ گزاری اور سکندر کے پل بھر کے التفات نظر نے نیبو کے دل میں دن بھر کے غبار کو دھو دیا۔ وہ پل بھر میں ہی سب کچھ بھلا کر شانت ہو گئی۔

"شاید مجھے غلط فہمی ہوئی ہو۔" اپنے بے چین دل کو طفل تسلیوں سے بہلاتے ہوئے تمام رات گزر گئی لیکن آنے والے اگلے کئی دنوں نے نیبو پر ثابت کر دیا کہ اس رات سکندر کی گھر میں موجودگی محض اتفاق نہ تھی بلکہ ایدھا اور سکندر کی پلاننگ کا ہی نتیجہ تھی اور جانے ایسا وہ دونوں کب سے کر رہے تھے کبھی کبھی تو اسے محسوس ہوتا کہ رفیدا اور فاطمہ دونوں ہی سکندر اور ایدھا کے درمیان موجود شرمناک تعلق سے آگاہ ہیں اور اس کی طرح پردہ پوشی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں اور یہ سب آگہی ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی تکلیف میں اضافہ کا سبب بن رہی تھی وہ خود کو بے حد بے بس محسوس کرتی سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ تھی کہ وہ اپنا درد کسی کے سامنے بیان بھی نہ کر سکتی تھی۔ اسی لیے وہ خاموش تھی اور اس کی خاموشی نے ایدھا کے رویہ کو خاصا تبدیل کر دیا تھا وہ بالکل اس طرح ری ایکٹ کرنے لگی تھی جیسے نیبو میڈ ہو اور وہ مالکن اور یقیناً" یہ احساس اسے سکندر کی نظر کرم نے ہی عطا کیا تھا جس کا نیبو کو پورا یقین تھا۔

☆ ☆ ☆

ساڈا چڑیا داچنبا اے
بابل اساں اڑجانا
ساڈی لمبی اڈاری اے
اساں مڑ نہیں آونا

وہ سکندر کے کزن کی بارات کے ساتھ شاہ عالم آئی ہوئی تھی یہاں عام طور پر شادیاں دوپہر میں ہی انجام پاتی تھیں بارہ بجے بارات شاہ عالم پہنچ گئی جہاں تمام مہمانوں کی تواضع لال گہرے شربت سے کی گئی گھر کے بڑے سے ہال میں نیچے بچھے کارپٹ پر تمام مہمان خواتین براجمان تھیں نکاح مسجد میں ہوچکا تھا شیشے کی دیوار سے پار لان میں دھرے بڑے بڑے دیگچوں میں کھانا تقریباً" تیار ہوچکا تھا ٹیبل لگ چکے تھے اور ہر ٹیبل پر برنرز موجود تھے جن پر ڈشز رکھ دی گئی تھیں جینز ٹی شرٹ کے ساتھ پورے بال ڈھکے نہایت گوری چٹی اور موٹی سی مقامی عورت کھانے کی نگرانی میں مصروف تھی اور یقیناً" تمام کیٹرنگ بھی اس کی ترتیب کردہ تھی نیبو کو یقین تھا کہ کچھ ہی دیر میں کھانا لگادیا جائے گا اور ویسے بھی یہاں کھانا کھاتے ہی گھر واپسی کا رواج نہ تھا بلکہ تمام لوگ اطمینان سے شام تک شادی والے گھر میں موجود رہتے اور مختلف گانوں پر ناچنے کے ساتھ ساتھ مختلف انداز سے انجوائے کرتے دلہن کو تیسری دفعہ ڈریس تبدیل کرواکر سامنے بچھے بڑے سے صوفہ پر بٹھادیا گیا تھا اب وہ پنک شلوار قمیص میں ملبوس تھی جب بارات آئی تھی دلہن نے سرخ غرارہ پہنا تھا' پھر ساڑھی اور اب یقیناً" وائٹ میکسی کا نمبر تھا اور پھر اس کے بعد ملائیشیا کا عام روایتی لباس' یہ تمام ملبوسات پارلر والی خود اپنے ساتھ لائی تھی جن کا کرایہ الگ سے ہوتا اور جیسے جیسے پارلر سے آئی لڑکی لباس تبدیل کرواتی ویسے ہی ساتھ میک اپ بھی تبدیل کرتی جاتی ڈیک پر نہایت مشکل زبان میں پنجابی گانے لگے ہوئے تھے۔

یہاں آس پاس سکھ کافی اکثریت سے آباد تھے اسی لیے ان کی زبان کا رنگ یہاں کے مقامی لوگوں کی زبان میں بھی جھلکتا تھا۔ نصرت فتح علی خان' شوکت علی اور ریشماں کی گائیکی سکھوں کے علاوہ دیگر لوگوں کو بھی بہت پسند تھی کبھی کبھی تو نیبو کو سخت حیرت ہوتی جب وہ یہاں پرانے پاکستانی گانے سنتی اور وہ بھی ایسے جن کے بارے میں اسے کچھ بھی معلومات نہ ہوتیں یکے بعد دیگرے لگائے جانے والے مختلف گانوں پر تمام لوگ خوب ناچ رہے تھے اور نیبو نہایت دلچسپی سے ان بے فکرے لوگوں کو دیکھ رہی تھی جن کی عمر کی کوئی حد نہ تھی چھ سال کے بچے سے لے کر ستر سال کے مردوزن سب خوب کھل کر تفریح کررہے تھے سکندر کے جس کزن کی شادی تھی وہ خود بھی خوب ناچ رہا تھا اور ایسے میں جب وہ اس محفل میں پوری طرح منہمک تھی جانے کب اور کس نے ڈیک پر شازیہ منظور کا گانا لگادیا۔

ساڈا چڑیا دا چنبا اے

اور اس آواز کے گونجتے ہی نیبو صرف جسمانی طور پر اس ہال میں رہ گئی جبکہ اس کا ذہن ایک دم ہی پرواز کرتے ہوئے بہت دور اپنے دیس پہنچ گیا وہ دیس جس کی خوشبو ڈیڑھ سال گزرنے کے باوجود نیبو کو بے چین رکھے ہوئے تھے اور اس پیاری سی خوشبو کے ساتھ اپنوں کی مہک بھی نیبو کی روح کے اندر اتر گئی وہ بے خود ہوگئی اور اس عالم بے خودی میں سب کچھ بھلا بیٹھی اسے یہ بھی بھول گیا کہ اب اس کی پہچان نیبو سکندر کے نام سے ہے اسے یاد رہا تو صرف یہ کہ وہ نیبو ملک ہے وہ نیبو ملک جس کے دل پر سنان کی حکمرانی تھی جو سنان کے نام کے ساتھ دھڑکتا تھا اور لگتا تھا کہ اس نام کے چھنتے ہی مرجائے گا لیکن آج ڈیڑھ سال گزر جانے کے باوجود نہ صرف زندہ تھا بلکہ شاید کافی حد تک سنان کی یادوں سے بھی خالی ہوچکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"جانتی ہو صالح انکل اور آنٹی عائشہ اس بار پاکستان کیوں آئے ہیں؟"

وہ آج کل اپنے امتحانات میں کافی مصروف تھی یہ ہی وجہ تھی کہ پچھلے پورے ایک ہفتہ کے دوران اس کی ملاقات انکل صالح سے صرف دو چار بار ہی ہوئی تھی اور ویسے بھی وہ دونوں میاں بیوی جب سے پاکستان آئے تھے اپنی بیرونی سرگرمیوں میں ہی مصروف تھے اور عام طور پر گھر بھی کم ہی نظر آتے تھے اور اب جو اچانک شفا نے ان کے حوالے سے اسے مخاطب کیا تو اس کی کی بورڈ پر چلتی ہوئی انگلیاں یک دم ساکت ہوگئیں اور اس نے پلٹ کر شفا کی جانب دیکھا جو اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"وہ تمہارے لیے اپنے کسی بھانجے کا رشتہ لائے ہیں۔" شفا جلدی جلدی اپنی بات ختم کرکے واپسی کے لیے مڑ گئی یہ جانے بغیر کہ اس خبر نے نیبو پر کیا اثر ڈالا ہے۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" نیبو اپنی کرسی کو دھکیلتے ہوئے تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور آن کی آن میں شفا کو جالیا جو ابھی دروازے پر ہی تھی۔

"وہ ہی جو مجھے مما نے بتایا۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

"شفا تم تو سب کچھ جانتی ہو پھر بھی۔"

"پھر بھی کیا؟"

"پلیز شفا میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو میں سنان کے بغیر مرجاؤں گی۔" وہ سسک پڑی۔

"تم مما سے کہو کہ وہ صالح انکل کو صاف صاف منع کردیں۔"

"مجھے لگتا ہے نیبو تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے تم اس سے قبل بھی جانے کتنے اچھے رشتوں کو اپنی بے وقوفی کے سبب گنوا چکی ہو میری مانو اس بار ایسی حماقت مت کرو کیونکہ گزرتا ہوا وقت تمہیں تنہا کرتا جائے گا اور بار بار اچھے رشتے تمہارے دروازے پر دستک دینے نہیں آئیں گے اس حقیقت کو تسلیم کرلو سنان تمہارا نصیب نہیں ہے پھر بھی اگر تمہیں یقین ہے کہ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی شبنم آنٹی تمہارے رشتہ کے لیے آئیں گی تو میرا تمہیں بہترین مشورہ یہ ہی ہے کہ تم ان سے کہو کہ وہ فوراً" آجائیں اور پاپا سے تمہارے لیے بات کرلیں ورنہ جو ہورہا ہے اسے خاموشی سے ہونے دو۔"

شفا نے بہت ہی پیار اور دھیمے لہجے میں اپنے سامنے کھڑی اپنی معصوم بہن کو سمجھانے کی کوشش کی جو آج بھی اس امید پر تھی کہ حالات جلد ہی بہتر ہوکر اس کے اور سنان کے حق میں ہوجائیں گے' جبکہ رحاب پچھلے دو ماہ سے اپنی امی کے گھر تھی۔ بقول سنان' جنید اس سے ملنے ایک دفعہ بھی نہ گیا تھا جانے اس نے سنان سے کیوں دشمنی پال رکھی تھی یہ بات کسی کی بھی سمجھ سے بالاتر تھی' پھر بھی وہ دونوں اسی امید پر جی رہے تھے کہ رحاب کی متوقع ڈلیوری کے ساتھ ہی جنید کا دل بھی صاف ہوجائے گا اور وہ اپنے بچے کی خاطر سب کچھ بھول کر رحاب کو گھر واپس لے آئے گا اور اب جب صرف درمیان میں ایک ماہ باقی رہ گیا تھا۔ شفا کی دی ہوئی اس نئی خبر نے اسے مزید حواس باختہ کردیا۔ اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ شفا کی بات کا کیا جواب دے۔

"لیکن شفا تم اچھی طرح جانتی ہو جب تک جنید بھائی' رحاب کو گھر واپس نہیں لائیں گے۔ آنٹی کس طرح میرے رشتہ کے لیے آسکتی ہیں۔"

"تو پھر بھابھی کے لیے قربانی دے دو' کیونکہ جنید بھائی اس وقت تک رحاب بھابھی کو گھر نہیں لائیں گے جب تک تمہارا کہیں رشتہ پکا نہ ہوجائے۔" شفا یہ کہہ کر رکی نہیں' بلکہ تیزی سے آگے بڑھ گئی اور اس کے جاتے ہی نیبو نے فوری طور پر سنان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ جس کا آج صبح سے کوئی میسج بھی نہ آیا تھا اور اگلے ہی پل کمپیوٹر کی مخصوص آواز نے بتایا کہ آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال بند ہے اور پھر بار بار اس کا نمبر ملانے کے بعد نیبو مایوس ہوئی' لیکن جانے کیوں ہر تھوڑی دیر بعد وہ پھر نئی امید کے ساتھ اس کا نمبر ملاتی اور جلد ہی ناامیدی سے بند کردیتی۔ اس کے لیے ان حالات میں سنان سے رابطہ کرنا ناگزیر تھا اور اس رابطہ کی کوشش میں وہ ساری رات ہی

مصروف رہی۔

☼ ☼ ☼

صالح بن محمد کا تعلق ملائیشیا کے ایک دین دار گھرانے سے تھا۔ ان کے والد ناصرف کئی پاکستانی مدارس کی مالی معاونت کرتے تھے بلکہ ان ہی کی کوششوں کے سبب کئی ملائی طالب علم بھی یہاں سے عالم دین کا کورس مکمل کرکے واپس جاچکے تھے۔ اسی سلسلے میں وہ اکثر و بیشتر پاکستان آیا کرتے جہاں ان کی ملاقات احتشام صاحب کے والد ملک اکرم سے ہوگئی اور پھر یہ ملاقات جلد ہی بہترین دوستی میں ڈھل گئی اور یہ دوستی اس قدر بڑھی کہ اگلی نسل تک منتقل ہوگئی۔ احتشام صاحب اور صالح محمد کی دوستی اتنی پرانی تھی کہ نیہو نے ہوش سنبھالتے ہی ان دونوں میاں' بیوی کو اکثر اپنے گھر آتے جاتے دیکھا تھا۔ یہ جوڑا بے اولاد تھا۔ اسی سبب بچوں سے ان کی محبت فطری تقاضے کے تحت تھی۔ ویسے تو وہ ان چاروں بہن بھائیوں سے ہی بے حد محبت کرتے تھے لیکن عائشہ شروع سے ہی نیہو کے ساتھ زیادہ دلی لگاؤ رکھتی تھیں۔ وہ جب بھی پاکستان آتیں ہمیشہ نیہو کے لیے تحائف کی تعداد دوسرے بچوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی۔ شاید دوسرے لوگوں کی طرح انہیں بھی نیہو کی خوب صورتی نے متاثر کر رکھا تھا۔ جو بھی تھا وہ دونوں میاں' بیوی نیہو کو بھی بے حد پسند تھے۔ وہ تو آج تک ملائیشیا نہ گئی تھی۔ لیکن اس کے مما اور پاپا دو بار وہاں سے ہو کر آچکے تھے اور ناصرف صالح انکل بلکہ ان کی تمام فیملی کے حسن اخلاق اور مہمان نوازی سے خاصے متاثر ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اب جو صالح محمد نے نیہو کا رشتہ اپنے بھانجے سکندر نظام کے لیے مانگا تو کسی کو بھی اس میں کوئی قباحت نظر نہ آئی۔ ماسوائے نیہو کے جو اس رشتہ پر کسی بھی طور تیار نہ تھی اور اپنا یہ انکار اس نے خود روا تک پہنچادیا۔ روا نے احتشام صاحب سے مشورہ کرکے جواب کے لیے تقریباً" دو ماہ کا وقت لے لیا۔

جس کا سبب یہ بتایا گیا کہ چونکہ رحاب گھر پر موجود نہیں ہے۔ لٰہذا اس کی واپسی کے بعد اس سے مشورہ کرکے جو بھی فیصلہ ہوگا اس سے آپ کو آگاہ کردیا جائے گا۔ روا نے عائشہ کو بتایا کہ رحاب اپنے بچہ کے ساتھ تقریباً" ڈیڑھ سے دو ماہ تک اپنے گھر واپس آجائے گی۔ پھر ہی ہم کوئی بات کرسکیں گے۔ چونکہ وہ گھر کی بڑی بہو ہے۔ لٰہذا اس سے مشورہ کرنا بھی اسی طرح ضروری ہے' جس طرح گھر کے دیگر افراد سے اور ان کی یہ بات نہ صرف عائشہ کی سمجھ میں آگئی' بلکہ انہیں خوشی ہوئی کہ گھر میں بہو کو اس قدر اہمیت دی جاتی ہے اور پھر جلد ہی وہ اس وعدہ کے ساتھ ملائیشیا واپس گئیں کہ انہیں جو بھی جواب دیا جائے گا وہ مثبت ہی ہوگا۔ جبکہ روا کو خود معلوم نہ تھا کہ اس سلسلے میں ان کا جواب کیا ہوگا؟ انہوں نے بھی فی الحال اس معاملے کو اللہ کے سپرد کردیا اور اس وقت تک خاموش ہوگئیں جب تک رحاب کے سلسلے میں کوئی فیصلہ نہ ہو' وہ اور احتشام صاحب اس سلسلے میں جنید پر کافی دباؤ ڈال چکے تھے۔ لیکن وہ انتہائی درجہ کی ڈھٹائی کے ساتھ کان لپیٹے ہوئے تھا اور اب تو اس سلسلے میں سنان بھی کافی دلبرداشتہ ہوچکا تھا جس کا اندازہ اکثر ہی نیہو اس سے ہونے والی گفتگو سے لگا چکی تھی۔ اس کا یہ خیال بھی اب تقریباً" غلط ثابت ہوگیا تھا کہ جنید اس سلسلے میں کوئی ڈرامہ بازی کررہا تھا۔

رحاب نے ایک خوب صورت بیٹے کو جنم دیا تھا۔ اس خبر نے سارے ہی گھر کو سرشار کردیا۔ پہلی بار پھوپھی بننے کا احساس اسے اور شفا کو بھی نہال کرگیا۔ احتشام صاحب سمیت سارا گھر شبنم کی طرف گیا ہوا تھا۔ صرف ایک وہ ہی نہ گئی تھی۔ حالانکہ وہ بھی بھتیجا دیکھنے جانا چاہتی تھی۔ لیکن روا اسے لے کر ہی نہ گئیں۔ اس کی ایک وجہ تو غالباً" سنان ہی تھا اور دوسری شاید جنید' جو بھی تھا اس نے خود بھی ساتھ جانے کی ضد نہ کی اور خاموشی سے اپنا کمرہ بند کرکے گانے سننے کے ساتھ ساتھ اپنا اسائنمنٹ مکمل کرتی رہی اور جب شام میں یہ لوگ واپس آئے تو شفا خاصی چپ چپ تھی۔

"کیا بات ہے شفا' کیوں اتنی خاموش ہو؟" کچھ دیر تو نیہو اسے نوٹ کرتی رہی اور جب برداشت نہ ہوا تو پوچھ ہی بیٹھی۔

"کچھ نہیں یار' بس ایسے ہی جنید بھائی کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔"

"کیا ہوا جنید بھائی کو؟" نیہو کا اسائنمنٹ مکمل ہوگیا تھا۔ اس نے اپنا پین بند کرکے سائیڈ پر رکھا اور پوری توجہ شفا کی جانب مبذول کردی۔ شفا کی خاموشی نیہو کے دل کو ہولائے جارہی تھی اور کچھ انہونی کے احساس نے اسے یک دم ہی بے چین کردیا۔

"نہیں کیا ہوتا ہے' میں تو صرف ان کی ضد اور ہٹیلے پن کی بات کررہی ہوں' جانتی ہو دو دن سے بھابھی اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ ان کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ ایسے میں شبنم آنٹی نے جانے کتنے فون جنید بھائی کو کیے۔" شفا نے بات روک کر نیہو کی جانب دیکھا۔

"تو کیا جنید بھائی اسپتال نہیں گئے؟" نیہو حیرت زدہ تھی۔

"نہیں ایک بار گئے تھے' صرف تھوڑی سی دیر کے لیے اور اس کے بعد سے اب تک نہیں گئے۔ آج بھی پاپا نے فون کیا تو کہا میں آفس سے سیدھا وہیں آجاؤں گا' لیکن پھر جانے کیا سوچا' ناصرف یہ کہ آئے ہی نہیں' بلکہ اپنا فون آف کردیا' یقین مانو ان کی فیملی کے کافی لوگ آئے ہوئے تھے۔ نئے مہمان کو دیکھنے ان سب کے سامنے پاپا کی بے حد سبکی ہوئی۔ وہ تو شبنم آنٹی نے یہ کہہ کر بات سنبھال لی کہ جنید شہر سے باہر ہے۔ مجھے تو سمجھ میں نہیں آرہا نیہو کہ آخر یہ جنید بھائی کیا چاہتے ہیں۔" اپنی بات کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اس نے نیہو سے رائے طلب کی' جو ابھی تک یہی سوچ کر حیران تھی کہ اگر جنید بھائی اپنا بیٹا دیکھنے بھی نہیں گئے تو پھر کیسے ممکن ہوگا کہ وہ رحاب بھابھی کو آسانی سے گھر لے آئیں گے۔ یقیناً" نیہو کے اور اندازوں کی طرح یہ اندازہ بھی غلط ثابت ہوگیا۔ وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ بچہ کی پیدائش کے ساتھ ہی جنید بھائی کا غصہ ختم ہوجائے گا اور وہ بھاگے بھاگے رحاب بھابھی کے قدموں میں جا بیٹھیں گے غلط سمجھ رہی تھی' جانے جنید بھائی سنان سے کیوں اتنی ضد لگارہے ہیں کہ صرف اس کی ضد میں اپنے گھر کو بھی آگ میں جھونکنے جارہے ہیں۔ یہ سب اس نے سوچا ضرور' مگر زبان سے کچھ کہا نہ گیا' کیونکہ یہ سب باتیں شفا کے ساتھ کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ شفا نے بھی اس کی خاموشی کو محسوس کرکے مزید آگے کچھ کہنے کا ارادہ ترک کردیا اور خاموشی سے کپڑے تبدیل کرنے باتھ روم چلی گئی۔

"جنید بھائی یہ سب کچھ کیوں کررہے ہیں؟ اور وہ کیا چاہتے ہیں۔" رات ہی آنے والے سنان کے فون نے ہر بات کو اس پر واضح کردیا۔

"تمہیں پتا ہے یار تمہارے بھائی نے میرے لیے کیا پیغام بھیجا ہے؟" سنان کا لہجہ آج کافی تبدیل تھا۔ وہ کچھ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ نیہو نے یہ سب شروع میں ہی نوٹ کرلیا تھا۔ لیکن پوچھا صرف اس لیے نہیں کہ وہ چاہتی تھی کہ سنان خود ہی اپنا حال دل اسے

سنائے اور صرف حال چال پوچھنے کے بعد ہی وہ اپنے اصل مدعا پر آ گیا۔

"تمہیں پیغام بھیجا ہے؟" نیبو کا دل دھڑک اٹھا۔ "الٰہی خیر کرنا' جانے جنید بھائی کیا چاہتے ہیں۔"

"کیا پیغام بھیجا ہے سنان انہوں نے؟" سنان کا لہجہ بہت کچھ غلط ہونے کی نوید سنا رہا تھا۔

"وہ کہتے ہیں کہ جب تک میں ان سے معافی نہ مانگوں گا وہ رحاب اور اپنا بچہ دیکھنے گھر نہ آئیں گے۔ سوچو نیبو جب وہ میری بہن کی اس حالت میں خیریت دریافت کرنے میں اپنی انا کا سر بلند رکھے ہوئے ہیں تو وہ میری بہن کو واپس اپنے گھر کس طرح لے کر جائیں گے۔ اسی سوچ نے میری راتوں کی نیند اڑا دی ہے۔" اتنے عرصہ میں پہلی بار سنان کے لہجہ میں اپنی بہن کا دکھ بول رہا تھا یا شاید اس کی بھی یہ امید آج ٹوٹ گئی تھی کہ بچے کی پیدائش جنید کو سب کچھ بھلانے پر مجبور کر دے گی۔

"لیکن سنان تم نے ایسی کیا خطا کی ہے۔ جس کی شرط جنید بھائی نے معافی رکھی ہے۔" بظاہر تو اس معافی کی وجہ ہی نیبو کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔

"پتا نہیں یار ان کا کہنا ہے کہ میں نے ہمیشہ ان سے بہت بدتمیزی کی ہے۔ جس کے سبب وہ میرے گھر آنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا جب تک میں معافی نہ مانگوں وہ اپنا بچہ دیکھنے بھی نہ آئیں گے۔"

"پھر تم نے کیا سوچا؟"

"کیا سوچنا ہے' میں نے امی سے کہا ہے کہ وہ بات کر لیں' پھر جس طرح جنید کہے گا میں کرنے کو تیار ہوں۔ ظاہر ہے نیبو مجھ میں اور تمہارے بھائی میں بہت فرق ہے' میں صرف اپنی ضد اور انا کی خاطر اپنی بہن کا گھر نہیں اجاڑ سکتا' جبکہ تمہارا بھائی اپنی ضد اور انا کے لیے اپنی بہن کا گھر بسنے ہی نہیں دینا چاہتا' بہرحال اب جو بھی ہو میرے لیے پہلی فوقیت میری بہن کا گھر ہے' اس کے بعد میں کچھ اور سوچوں گا۔"

"تو سنان تم بھی آج تھک ہی گئے اور منزل پر پہنچنے سے قبل ہی ہمت ہار دی۔" نیبو نے یہ سب سوچا ضرور' لیکن سنان سے نہ کہا' کیونکہ اب یہ سب کہنے کا کوئی فائدہ اسے نظر بھی نہ آ رہا تھا۔ ظاہر ہے رحاب کا گھر اجاڑ کر بھی سنان کا گھر نہ بس سکتا تھا۔ اس بات کا یقین نیبو کو وقت نے دلا دیا۔ لیکن آج سنان کے رویہ نے اسے کافی دلبرداشتہ کر دیا اور اب اسے محسوس ہوا کہ انسان کسی بھی حالت میں اپنے نصیب سے نہیں لڑ سکتا۔

"سنان تمہارا نصیب نہیں ہے۔" شفا کے کچھ ہی عرصہ قبل کہے گئے الفاظ اپنی مکمل جزئیات سمیت نیبو کو یاد آ گئے اور پھر اس نے خود کو وقت کے دھارے کے سپرد کر دیا۔ اسے آج بہت شدت سے یہ احساس ہوا کہ وہ ہار چکی ہے اور یقیناً اس کے بھائی کی بے جا ضد نے اس ہار کو اس کا مقدر بنایا ہے اور اب اس کے لیے بہتر یہ ہی تھا کہ وہ ہر معاملے میں مکمل طور پر خاموشی اختیار کر لے اور پھر اس نے ایسا ہی کیا اور جو کچھ اس کے نصیب میں درج تھا وہ خود بخود ہوتا چلا گیا۔ بنا کسی کوشش کے وہ نیبو ملک سے نیبو سکندر بنا دی گئی۔ اس تمام عمل نے اسے بے حس کر دیا اور اس کے تمام احساسات بالکل مردہ ہو گئے اور وہ جو یہ سمجھتی تھی کہ سنان سے دوری اس کی موت کا سبب ہو گی۔ سب خام خیال ثابت ہوا' یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا' اگر مرتا ہے تو صرف دل اور دل کی موت ایسی موت ہے جو کسی کو نظر ہی نہیں آتی اور پھر مردہ دل کے ساتھ زندگی کا دشوار ترین سفر طے کرنا اس قدر کٹھن ہوتا ہے اس کا اندازہ بھی نیبو کو ہو چکا تھا۔

اس نے چاہا میں شیشے کو پتھر کر لوں
بن کے پتھر بھی دل نادان ٹوٹ گیا
شناسا لہجہ جب منکر ہوا وفاؤں سے
زمین چھن گئی اور آسمان ٹوٹ گیا

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ کریں)

☼ ☼

ثانیہ رزاق

"ماما وہ نہیں مانتی۔ وہ کہتی ہے تمہاری محبت صرف ایک دھوکا اور دکھاوا ہے۔ وہ میری محبت پر یقین نہیں کرتی کیوں آخر کیوں ماما۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا' میں مرجاؤں گا ماما! اگر وہ مجھے نہ ملی تو سچ میں مرجاؤں گا۔" اب وہ میری گود میں سر رکھ کر بالکل بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

اس وقت وہ کہیں سے بھی ایک قابل ڈاکٹر نہیں لگ رہا تھا۔ جس کا شمار شہر کے چند مشہور اور نامی گرامی ڈاکٹروں میں ہوتا ہے۔ میرا بیٹا اتنا خوبصورت ہے اور اس کی شخصیت مردانہ وجاہت سے بھرپور ہے۔ وہ بالکل اپنے باپ "شیراز علی" کی کاپی تھا۔ میں خود اسے نظر بھر کے دیکھنے سے ڈرتی تھی کہیں اسے میری نظر ہی نہ لگ جائے۔ وہ کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ اپنا دل "دعا حسن" کے قدموں میں ہار گیا تھا۔ اس کی صبح بھی دعا کے نام سے شروع ہوتی اور رات بھی اس کے نام پر ختم ہوتی۔ وہ دعا کی ہر بات مجھ سے کرتا تھا۔ اس کی پسند ناپسند کا پتا خود دعا کو اتنا نہیں ہوگا جتنا "آفاق علی" کو خبر تھی۔ جس روز وہ کاسنی کلر پہن لیتی تو اس کی تعریف میں آفاق کے گھنٹوں گزر جاتے۔

"ماما وہ کاسنی رنگ میں اتنی حسین لگتی ہے کہ آپ کا بیٹا اپنی نظروں پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ میرا دل کرتا ہے میں بس اسے دیکھتا رہوں اسے دیکھ کر میرا دل بے ایمان سا ہونے لگتا ہے۔"

دعا کے متعلق بات کرتے وقت اس کی آنکھیں اور لب مسکرا رہے ہوتے۔ دعا حسن ڈاکٹر ہے وہ اور آفاق ایک ہی اسپتال میں کام کرتے ہیں۔ وہ بالکل عام سی دبلی پتلی گہری سیاہ مائل رنگت' نقوش بھی بالکل عام سے چھوٹی چھوٹی آنکھیں' عام سے ہونٹ وہ بالکل عام سی لڑکی تھی۔ لیکن میرا بیٹا آفاق اسے دیوانگی کی حد تک چاہتا تھا۔ ہاں ایک چیز اس کو منفرد بناتی تھی۔ وہ اس کی خود اعتمادی تھی۔ جو آج میری شخصیت کا خاصہ تھی۔

میں روما سکندر' سکندر شاہ کی اکلوتی بیٹی۔ میرے ماما' پاپا مجھ سے بے تحاشا پیار کرتے ہیں۔ میری ہر خواہش منہ سے نکلتے ہی پوری کر دی جاتی۔ ان کی جائیداد کی اکلوتی وارث' سب کچھ میرے پاس ہونے کے باوجود میں احساس کمتری کا شکار تھی۔ اس کی وجہ میری بہت ہی عام سی شخصیت تھی۔ گہری رنگت اور بہت ہی عام سے نقوش' دبلی پتلی سی جسامت۔ ان سب چیزوں نے مجھے بہت حساس بنا دیا تھا۔ میرے ماما' پاپا بہت خوبصورت تھے۔ میں کہیں سے بھی ان کی بیٹی نہیں لگتی تھی۔ جو دیکھتا حیران ہو کر پوچھتا کہ "آپ سکندر اور صاعقہ کی بیٹی ہیں؟" اس وقت میرا دل کرتا کہ میں لوگوں کی نظروں سے کہیں دور بھاگ جاؤں۔ تایا ابا کی فیملی بھی ہمارے ساتھ رہتی تھی۔ شیراز اور عائزہ ان کے دو بچے تھے۔ عائزہ سے میری خوب دوستی تھی۔ شیراز سے میری کچھ خاص نہیں بنتی تھی۔ اس کی ایک بڑی وجہ اس کا بے پناہ خوبصورت ہونا تھا۔ حالانکہ وہ بہت کیئرنگ تھا۔ میرا اور عائزہ کا بہت خیال رکھتا تھا۔

اس دن بھی میں عائزہ کے بہت اصرار کے بعد اس کے ساتھ شاپنگ پر جانے کو تیار ہوئی تھی۔ شیراز کی برتھ ڈے تھی۔ عائزہ کو اس کے لیے گفٹ خریدنا تھا جو بھی تھا شیراز مجھے ہر بار میری سالگرہ پر وش بھی کرتا اور گفٹ بھی ضرور دیتا تھا۔ اس لیے میں نے بھی بلیک کلر کی شرٹ جس پر ریڈ چیک تھے۔ شیراز کے لیے لے لی۔ حالانکہ مجھے بلیک رنگ سے سخت نفرت تھی۔ ویسے یہ بلیک شرٹ اس پر سوٹ بھی بہت کرتی تھی۔ لیکن رات کو جب اس نے شرٹ دیکھنے کے بعد ایک گہری نظر مجھ پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"شکریہ روما مجھے بلیک کلر بہت پسند ہے۔"

مجھے لگا اس نے میرے کالے رنگ پر چوٹ کی ہے۔ آج مجھے اس کی نظریں عجیب سی لگیں۔ مجھے لگا اس نے میرا مذاق اڑایا ہو۔ میں روتے ہوئے الٹے قدم اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ عائزہ اور شیراز میرے اس روتے ہوئے بھاگنے سے گھبرا اٹھے۔ جب تک وہ میرے کمرے تک پہنچے میں دروازہ اندر سے لاک کر چکی تھی۔ میری ساری رات روتے ہوئے اور

اللہ سے شکوہ کرتے ہوئے گزری۔

میں نے اپنا ناشتا کمرے میں ہی منگوا لیا تھا۔ ابھی میں ناشتا کر کے فارغ ہوئی تھی۔ ماما مسکراتی ہوئی میرے کمرے میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے میرا ماتھا چومتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ لگایا۔

"تمہارے تایا ابا نے شیراز کے لیے تمہارا ہاتھ مانگا ہے اور اس میں شیراز کی خواہش بھی شامل ہے۔ میں تو بہت خوش ہوں کہ میری بیٹی ہمیشہ میری نظروں کے سامنے رہے گی۔ لیکن پھر بھی میں نے تم سے پوچھ کر جواب دینے کا کہا ہے۔ تمہارا جو بھی فیصلہ ہوگا۔ ہمیں منظور ہوگا۔"

وہ ایک مرتبہ پھر مجھے پیار کرتے ہوئے کمرے سے چلی گئیں۔ لیکن میرا سارا وجود سن سا ہو گیا۔ "شیراز کی بھی خواہش شامل ہے" ماما کے کہے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے سختی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

پھر باری باری سب نے مجھے سمجھایا۔ لیکن میرا ایک ہی جواب تھا۔

"مجھے شیراز سے شادی نہیں کرنی۔" سب مجھے سمجھا کر تھک گئے لیکن میری نا' ہاں میں نہ بدلی۔ پھر خود شیراز مجھ سے میرے انکار کی وجہ جاننے آیا تھا۔

"روما کیوں کر رہی ہو ایسا؟" میں نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ اس نے سختی سے میرا بازو پکڑ کر میرا رخ اپنی طرف موڑا۔

"جواب دو میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔"

"میں تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں مسٹر شیراز علی۔" میں نے غصے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کروانا چاہا۔ لیکن اس نے اپنی گرفت اور بھی مضبوط کر لی۔ پھر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"میں محبت کرتا ہوں تم سے روما! تم میری بات کیوں نہیں سمجھتیں۔ میں چاہتا ہوں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا بنا لوں۔ میری آنکھوں میں دیکھو کیا ان میں تمہیں اپنا عکس نظر نہیں آتا۔" اس نے ہاتھ سے میرا چہرہ اوپر کیا۔ پل کی پل میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو میرا دل بڑی زور سے دھڑکا۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کروایا۔

"میں روما سکندر جس پر کوئی ایک نظر ڈالنے کے بعد دوسری نظر دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ اس روما سکندر سے آپ کو محبت ہو گئی ہے۔ واہ مسٹر شیراز واہ آپ کو پوری دنیا میں بے وقوف بنانے کے لیے میں ہی ملی تھی۔ میں کیا ہوں اور کیسی ہوں یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اور کچھ لوگوں نے اس کا احساس مجھے کچھ دن پہلے کروا دیا تھا۔"

شیراز اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے کچھ کہنے سے روکا۔

"اگر آپ اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں میں مانتی ہوں مجھے دکھ ہوا تھا۔" اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں میں آیا ہوا پانی صاف کیا۔

"لیکن یہ بھی سچ ہے کہ آپ نے ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہا۔ جو حقیقت تھی وہی بیان کی۔ اب آپ کی غلطی اتنی بھی بڑی نہیں کہ میری صورت میں آپ کو کالے پانی کی سزا دی جائے۔" اپنے بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے میں بہت زور سے ہنسی تھی۔ شیراز تڑپ کر آگے بڑھا۔

"بس کرو خدا کے لیے روما کیوں خود کو اتنی اذیت دے رہی ہو۔" شیراز نے اپنے ہاتھوں سے میرے آنسو صاف کیے۔

"تم کیا ہو یہ میرے دل سے پوچھو جو صرف ایک ہی نام پر دھڑکتا ہے۔ اور وہ نام ہے "روما سکندر" تمہارا جو فیصلہ بھی ہوگا میں اس کا احترام کروں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ لیکن شیراز علی اگر کسی سے شادی کرے گا تو وہ لڑکی "روما سکندر" ہوگی ورنہ کوئی نہیں یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔" وہ اپنی بات کہہ کر جا چکا تھا۔ میں تلخی سے مسکرائی۔

"تمہارا یہ محبت کا بھوت بہت جلد اتر جائے گا۔ پھر تو تمہیں یاد بھی نہ رہے گا کہ تم کسی روما نامی لڑکی سے محبت کے دعوے دار تھے اور مجھے اس دن کا انتظار رہے گا۔"

☼ ☼ ☼

تجھے اب شاید مجھ سے کوئی واسطہ نہیں لیکن
تیرے حصے کا وقت آج بھی تنہا گزرتا ہے

میرا انتظار 'انتظار ہی رہا۔ وہ آج بھی اپنے وعدے پر ثابت قدم تھا۔ ماما' پاپا نے جب بھی میری شادی کی بات کرنا چاہی۔ میں نے سختی سے انہیں منع کر دیا۔ اور شیراز کا ایک ہی جواب ہوتا تھا۔ شادی کروں گا تو صرف روما سے ورنہ کسی سے نہیں۔ وہ چار سال بعد بھی اپنی محبت پر قائم تھا۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت آفس میں گزارتا۔ میرا اس سے کم ہی سامنا ہوتا۔ اور یہ میری ہی کوشش ہوتی کہ میرا اس سے سامنا نہ ہو۔ لیکن جب بھی اس سے سامنا ہوتا اس کی نظریں شکوہ کرتی ہوئی محسوس ہوتیں۔ ہاں میں اس بات کا اعتراف کرتی ہوں کہ میں بھی شیراز سے بہت محبت کرتی ہوں۔ یہ محبت کب اور کیسے میرے دل میں اتری میں نہیں جانتی۔ اب تو میں اپنے دل کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئی ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں ٹوٹ کر بکھرتی میں نے اپنی محبت کو کوئی نام دینے کا فیصلہ کر لیا۔

شیراز مجھے اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر حیرت کی واضح تحریر تھی۔ میں عین اس کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی تھی۔ پھر میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"شیراز علی! تمہیں تو دعوا تھا نا کہ تم اگر کسی سے شادی کرو گے تو وہ لڑکی صرف روما سکندر ہو گی؟" میں نے تائیدی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس نے اپنے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے میری آنکھوں میں دیکھا۔

"دعوا تھا نہیں ہے روما۔" اس نے تھا اور ہے پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تو میں بھی یہی کہنے آئی ہوں کہ پھر اس دعوے کو پورا کرو۔" اس بار میں نے اس کی طرف دیکھنے سے پرہیز کیا۔ شیراز نے میرے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ خوشی سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو نا روما۔ تم کرو گی نا مجھ سے شادی۔" اب وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"روما سکندر اگر کسی سے شادی کرے گی تو وہ لڑکا شیراز علی ہی ہو گا ورنہ کوئی نہیں۔" میں نے اس کے الفاظ اسے لوٹائے تھے۔ میں اپنی بات کہہ کر وہاں سے بھاگی اور اس کی ہنسی نے میرا دور تک تعاقب کیا تھا۔

اگر زندگی میں کچھ ہے تو بس محبت ہے
میں اپنی بات یہیں پر ختم کرتی ہوں

پھر وقت نے ثابت کر دیا کہ میں نے کتنا درست فیصلہ کیا تھا۔ میں اپنی زندگی سے بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ شیراز آج بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں آج بھی میرا ایک آنسو انہیں بے چین کر دیتا ہے۔ اور میرا بیٹا آفاق علی تو میرا دیوانہ ہے۔ میں نے دعا حسن سے ملنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اسے آفاق سے شادی کے لیے قائل کر سکوں۔ بلکہ اس لیے کہ اسے بتا سکوں کہ ہر انسان عام ہی ہوتا ہے۔ خاص تو اسے دیکھنے والے کی نظر بناتی ہے۔ خوبصورتی تو وقت گزرنے کے ساتھ ماند پڑ جاتی ہے۔ جو چیز ہمیشہ دلوں کو منور رکھتی ہے وہ محبت ہے۔ وہی محبت جو آفاق علی دعا حسن سے کرتا ہے۔ وہی محبت جو شیراز علی نے روما سکندر سے کی۔ خوبصورتی کے بغیر تو زندگی گزر سکتی ہے لیکن محبت کے بغیر نہیں۔

☼ ☼

"اماں آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔ بہت جلد آپ کی گڑیا صحت یاب ہوجائے گی۔" کرن نے پیار سے فاطمہ بی بی کا ہاتھ تھام لیا۔ جو چالیس سالہ حساس دل خاتون تھی۔ جس کی بیٹی نایاب کا بازو چھت سے گرنے پر ٹوٹ گیا تھا۔ اور وہ پندرہ دن سے کسی دور کے گاؤں سے اس اسپتال میں آرہی تھی۔ آج اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"بیٹی کرن۔ نایاب کا بازو ٹھیک ہوجائے گا کیا؟" تو اس نے فاطمہ بی بی کو پیار سے تسلی دی۔

"گڑیا آج انجکشن لگے گا۔" اس نے پیار سے نایاب کو اطلاع دی۔ جس کو دو دن کے بعد ڈاکٹر نے انجکشن کی ہدایت دی تھی۔ نایاب دس سالہ خوبصورت لڑکی تھی۔ ہمیشہ کی طرح اس نے انجکشن کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔ وہ مسکرائی۔

"بہت آرام سے انجکشن لگاؤں گی۔ تقریباً" ایک سال سے اس اسپتال میں کام کررہی ہوں۔" کرن نے فاطمہ بی بی کو تسلی دی۔ جو بیٹی کی آنکھیں بند ہونے پر منہ ہی منہ میں آیت الکرسی پڑھنے لگی۔

اس نے انجکشن آہستہ آہستہ لگایا۔ اک ہلکی سی آہ نایاب کے منہ سے نکلی۔ اور پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"کچھ ہوا کیا؟" اس نے پیار سے پوچھا اور انجکشن کی سوئی کو توڑ کر کچرے دان میں پھینکا۔ نایاب نے نفی میں سر ہلایا۔ فاطمہ بی بی پیار سے بولی۔

"نایاب تمہارا گھر پر بہت ذکر کرتی ہے۔ ہر وقت کہتی ہے کہ میں بھی پڑھ لکھ کر نرس بنوں گی۔ کرن آپی کی طرح ایک اچھی نرس۔" فاطمہ نے نایاب کو سہارے کے ساتھ بستر سے اٹھاتے ہوئے بتایا۔

"ڈاکٹر کیوں نہیں۔ نایاب تم نرس نہیں ڈاکٹر بنو گی۔ مجھ سے وعدہ کرو۔" اس نے ہاتھ بڑھایا۔ تو وہ پیار سے بولی۔

"مجھے ڈاکٹر نہیں۔ آپ جیسا بننا ہے۔" اس نے پیار سے جواب دیا۔

"نرس بننے سے زیادہ اچھا ڈاکٹر بننا ہے۔" اس نے نایاب کے گال کو چوما اور نرس بننے کی نفی کی۔

"آپی۔۔۔ تو پھر آپ کیوں نرس بنیں۔ ڈاکٹر کیوں نہیں بنیں۔" اس نے حیرانی سے سوال پوچھا۔

"میں۔۔۔ میں۔" وہ بوکھلا سی گئی۔ فاطمہ بی بی نے اسے خفگی سے آنکھیں دکھائیں۔

"نایاب بڑوں سے یوں سوال جواب نہیں کرتے۔" فاطمہ بی بی کو نایاب کی بات بری لگی اور وہ شرمندگی سے بولی۔

"بچی ہے۔ آپ سے بہت محبت کرتی ہے۔ آپ کی طرح نرس بننے کا خواب دیکھتی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں آپ شرمندہ نہ ہوں اور نایاب نے کوئی بری بات نہیں کی۔" اس نے نایاب کے بجھے چہرے کو چھوا اور پیار سے کہا۔

"تم میری طرح بننا چاہتی تو ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بس اعتراض اس بات کا ہے کہ تمہاری مسکراہٹ کہاں غائب ہوگئی ہے۔" وہ مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولی۔

"میں آپ کے لیے چاکلیٹ لائی ہوں۔" اس نے اپنے ننھے پرس میں سے چاکلیٹ نکال کر اسے تھمائی۔

"واہ جی۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ چاکلیٹ تو مجھے آپ کے لیے لانی چاہیے تھی۔" اس نے پیار سے چاکلیٹ تھام لی۔

"آپ کا شکریہ۔ آپ میری بیٹی سے بہت اچھے طریقے سے پیش آتی ہیں۔" فاطمہ بی بی نے پیار سے اپنی بیٹی کے حوالے سے اس کی بات چیت کو ذہن میں رکھ کر شکریہ ادا کیا۔

"گڑیا ہے یہ میری۔" اس نے نایاب کے گال کو چھوا۔

"آپ ہمارے گاؤں آئیں گی۔" نایاب نے اگلا سوال کیا۔

"چلو نایاب۔۔۔ کرن آپی نے اور بھی مریضوں کو دیکھنا ہوگا۔ چلو۔۔۔ دو دن کے بعد باقی باتیں کرلینا۔" فاطمہ بی بی نے اس کے اگلے سوال پر [illegible] کرن مسکرانے لگی۔ فاطمہ بی بی نے کرن کو اللہ حافظ کہا اور کھڑی ہوگئی نایاب کا ہاتھ اللہ حافظ کے لیے لہراتا رہا جب تک وہ دروازے سے باہر نہ نکلی۔ اس کے جانے پر کرن نے ایک لمبی سانس چھوڑی اور اپنی آنکھیں موند لیں نایاب کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"تو پھر آپ کیوں نرس بنیں۔۔۔ تو پھر آپ کیوں نرس بنیں۔۔۔" سوچتے ہوئے اس کی بند آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

☼ ☼ ☼

رحیم کا گھر بتیوں سے روشن تھا۔ گھر سے ڈھولک کی آواز آرہی تھی۔ نسرین پیلے سوٹ اور گوٹے والے دوپٹے میں چمک رہی تھی۔

"ارے لڑکو۔۔۔! رحیم کو لے کر آؤ۔ مہندی کب لگاؤ گے جب سورج نکل آئے گا۔" اس نے گھڑی پر نظریں جما کر لڑکوں کو پکارا رات کے بارہ بج رہے تھے مگر لڑکے چھت پر ناچ گانے سے باز نہیں آرہے تھے اور صحن میں لڑکیوں کی ٹولی ڈھولک نہیں چھوڑ رہی تھی۔ آخر کار رحیم کو نسرین کی چیخ و پکار پر لڑکوں نے چھوڑا۔

آف وائٹ شلوار قمیص میں رحیم بہت پیارا لگ رہا تھا۔ اپنی ماں کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا تھا۔ اس نے پھولوں سے سجی کرسی پر اسے بٹھایا وہ بہت خوش تھی۔

"نسرین۔۔۔ اب مہندی کی رسم کرو۔" نسرین کی سہیلی نے اس کا بازو تھاما۔ جو لڑکوں کے ساتھ ناچ ناچ کر خوشی کا اظہار کررہی تھی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ تم خورشید رسم مہندی شروع کرو۔" اس نے فکرمندی سے خود کو مہندی کی پلیٹ سے دور کیا۔ جو خورشید اسے تھمارہی تھی۔

"کیوں۔۔۔ تم اپنے بیٹے کو مہندی نہیں لگاؤ گی۔" خورشید نے حیرت سے پوچھا۔ جو اس کے اچانک پیچھے ہٹنے پر بولی تھی۔

"نہیں۔۔۔ میں نہیں لگا سکتی۔" نسرین نے فکرمندی سے کہا۔ [illegible]

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا؟" خورشید نے آہستگی سے پوچھا۔ اس کے آگے پیچھے محلے کی خواتین آکھڑی ہوئیں۔

"میں بیوہ ہوں۔ اور میں اپنے بیٹے کی خوشیوں کی دشمن نہیں بننا چاہتی ہوں۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ جس کو دیکھ دیکھ کر میں جیتی ہوں۔ میری بات چھوڑ اور یہ مہندی کا فرض تو ادا کر۔" اس نے خورشید کا ہاتھ تھام کر اسے جواب دیا۔

"خالہ۔۔۔ آپ باتیں کرتی رہیں گی کہ مہندی بھی لگائیں گی۔"

رحیم کے دوست نے اسے پکار کر پوچھا۔

"بس۔۔۔ بس۔۔۔ ابھی مہندی کی رسم کررہے ہیں۔" اس نے خورشید کو آگے بڑھایا اور بیٹے کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئی۔ خورشید نے مہندی رحیم کے ہاتھ پر رکھی لڑکوں نے نعرے لگائے۔

رحیم کو ہتھکڑی لگ گئی' بے چارا ساری زندگی کے لیے عورت کی جیل میں قید ہوگیا ہے۔ رحیم مسکرانے لگا اور نسرین کی ہنسی بکھرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ دلہن کے روپ میں بیٹھی تھی جب رحیم آہستگی سے اس کے پاس آبیٹھا۔

"السلام علیکم۔" اس نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔ وہ بھی شرماتے ہوئے بولی۔

"وعلیکم السلام۔"

"شکر ہے کہ آپ مسلمان ہیں۔ ورنہ آپ کے سفید رنگ نے تو مجھے پریشان کردیا تھا کہ کہیں اماں گوری میم غلطی سے نہیں اٹھا لائیں۔" اس نے ہنستے ہوئے مذاق کیا۔ وہ بھی ہنس پڑی سمجھ گئی کہ رحیم اس کی گوری رنگت کی تعریف کررہا ہے۔

"کیا میں آپ کا ہاتھ تھام سکتا ہوں۔" اس نے جیب میں سے ایک ڈبیا نکال کر ہنستے ہوئے پوچھا۔ وہ منہ دکھائی کی رسم کرنا چاہتا تھا۔

"[illegible] جی۔" وہ شرما کر بولی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند [illegible]

کرلیں اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔
"اوہو۔۔۔ آپ ڈر کیوں رہی ہیں۔ کیا میں بھوت کی طرح لگ رہا ہوں۔" اس نے ڈبیا بستر پر چھوڑی اور ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے پاس جا کھڑا ہوا اور اپنے بالوں میں برش کرنے لگا۔ پھر مسکراہٹ لبوں پر سجا کر واپس اس کے پاس آگیا اور پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔
"دیکھا آپ کو میں نے ریلیکس کر دیا۔" اس کا ہاتھ رحیم کے ہاتھ میں کب آیا وہ محسوس ہی نہ کرپائی جو پہلے اس کے کہنے پر گھبرا سی گئی تھی۔ اس نے ایک نظر اپنے ہاتھ پر ڈال تو اس نے جھٹ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر رحیم نے اسے موقع نہ دیا۔
"نکاح کیا ہے آپ سے۔ شوہر ہوں۔" اس نے گرفت ہاتھ پر مزید مضبوط کرلی۔ وہ شرمندہ سی ہوگئی اور اس نے رحیم سے نظریں چرائیں۔ رحیم نے پیار سے پھر سرخ ڈبیا کھول لی اور مسکراہٹ کے ساتھ انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنادی۔ اس نے آہستگی سے شکریہ کہا۔
"بس شکریہ۔۔۔" رحیم نے منہ بسور کر پوچھا۔ اور پاس پڑا تکیہ اپنی بانہوں میں سمیٹا۔
اس نے نظریں جھکالیں اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔
رحیم نے اس کا ہاتھ تھام کر بوسہ دیا وہ شرم سے سرخ ہوگئی۔ اور رحیم اس کی شرماہٹ پر خوشی سے کھل اٹھا۔

☆ ☆ ☆

وہ صبح اس کے لیے بہت خاص تھی۔ اس نے فجر کی نماز ادا کی۔ اور اپنے رب کا شکریہ ادا کیا جس نے اسے اتنا پیارا شوہر دیا تھا۔ اور بہت پیارا گھر۔
"رحیم۔۔۔ اٹھ جائیے۔۔۔ صبح ہوگئی ہے۔" اس نے پیار سے رحیم کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔
رحیم۔۔۔ اٹھ جائیے۔۔۔ رات کو دعوت ولیمہ ہے۔
اماں اکیلی کیسے سب کچھ دیکھیں گی۔ کرن نے پھر اصرار کیا وہ ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ کر رہا تھا۔
"رحیم۔۔۔ اگر آپ نہیں اٹھیں گے۔۔۔ تو میں پانی گرا دوں گی۔" اس نے سائیڈ ٹیبل پر پانی کا جگ پڑا دیکھ کر دھمکی دی۔
"ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔" اس نے دوسری طرف کروٹ لے لی۔ کرن نے مسکراتے ہوئے پانی کا جگ اٹھایا اور اس سے پہلے کہ وہ پانی رحیم پر پھینکتی رحیم نے جھٹ سے کروٹ بدل کر جگ اس سے تھام لیا اور اس کی کلائی پکڑ کر جھٹکے سے اسے بیڈ پر گرالیا۔
"اف۔۔۔ رحیم۔" وہ اس کے اچانک حملے پر بوکھلا سی گئی۔
"آپ پانی مجھ پر گرانا چاہتی تھیں۔" اس نے مسکرا کر پانی کا جگ اسے دکھایا۔
"رحیم۔۔۔ پلیز پانی مت گرانا۔ میں نے ابھی ڈریس چینج کیا ہے۔" وہ اپنا دوپٹہ سنبھال کر بولی تھی۔ مگر وہ اپنے ارادے سے باز نہیں آیا۔
"رحیم۔۔۔ پلیز۔" وہ چیخی۔
"رحیم۔۔۔ رحیم۔۔۔ اری بہو۔۔۔ کرن۔۔۔ کرن۔۔۔ کیا ہوا۔" نسرین نے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ رحیم نے جگ ایک طرف رکھا اور گھبرا کر باتھ روم کی طرف بھاگا۔ وہ شرمندہ سی بستر سے اٹھی اور کمرے کا دروازہ کھولا جہاں نسرین اس کی بھرپور چیخ پر دروازے پر پہنچی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کرن بیٹی۔ یہ تم یہاں کچن میں کیا کر رہی ہو۔" نسرین نے کچن میں آہٹ سنی تو وہ کچن میں پہنچی۔
"اماں۔۔۔ وہ برتن سنک میں پڑے تھے سوچا کہ دھو دوں۔" اس نے پلیٹ کو دھوتے ہوئے کہا۔
"ابھی شادی کو دوسرا ہفتہ نہیں گزرا اور تم کچن کے کام کر رہی ہو۔ میری بیٹی چلو چھوڑو میں خود دھوتی ہوں۔" نسرین نے اپنی قمیص آستین چڑھائی اور سنک کے پاس آکھڑی ہوئی۔

"اماں۔۔۔ بیٹی بھی کہتی ہیں اور بیٹی سمجھتی بھی نہیں۔ مجھے بتائیے میں کیسے اپنی ماں کو کام کرنے دوں۔" اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ نسرین نے کرن کے سر پر پیار کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔
"اللہ نے مجھ پر بہت کرم کیا جو تجھے میری بہو بنا دیا ورنہ وہ نمو کی بچی میری بہو بن جاتی تو بس میرا تو جینا حرام ہو جاتا۔"
"نمو آپ کی بھتیجی ہے نا۔" اس نے پوچھا۔ نسرین نے اسٹول کو سنبھالا اور خفگی سے بولی۔
"میرے رحیم پر محبت کا جال اس نے پھینکا ہوا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ رحیم کو اپنی محبت کے لیے ترپاتی میں نے اس کا جال توڑ پھینکا توبہ توبہ بے شرمی کی حد ہوتی ہے۔" نسرین نے غصے سے اپنی بھتیجی کو یاد کیا۔
"اماں۔۔۔ کیا رحیم بھی نمو سے محبت کرتا تھا۔" اس نے افسردگی سے پوچھا اور بجھے دل سے برتن دھونے لگی۔
"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ رحیم تو میرا بہت پیارا بیٹا ہے۔ اگر محبت کرتا تو تیرے سے کیسے شادی کرتا۔" نسرین کرن کے بجھے چہرے کو دیکھ کر اسے تسلیاں دینے لگی کہ رحیم صرف اور صرف اس کا ہے۔ اور اب کوئی اس سے رحیم نہیں چھین سکتا اس نے نسرین کو گلے سے لگالیا اور وہ مطمئن سی ہوگئی۔

☆ ☆ ☆

"واہ جناب یہ کدو دال تو بہت مزے کی ہے۔" اس نے کھاتے ہوئے تعریف کی نسرین پرجوش ہو کر بولی۔
"ہر چیز کرن سلیقے سے کرتی ہے یہ دیکھو صوفے کا غلاف کیسا بنا ہے۔" نسرین نے صوفے کی طرف رحیم کو دیکھنے پر مجبور کیا۔
"واؤ جی۔۔۔ بہت اچھا لگ رہا ہے۔ کرن نے بنایا ہے۔" اس نے پاس بیٹھی کرن پر نظریں جما کر پوچھا۔
"ہاں۔۔۔ بیٹا۔۔۔ کرن نے بنایا ہے مجھے تو اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے اتنی پیاری بہو مجھے دی ہے۔ کہ کوئی کام مجھے کرنے نہیں دیتی۔" نسرین نے تعریف کی۔
"کرن۔۔۔ تم نے تو اماں کو اپنا بنالیا۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہیں میں اماں کا داماد نہ بن جاؤں۔" اس کی بات پر سب ہنسنے لگے۔ کرن نے برتن سمیٹے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
"محترمہ۔۔۔ آپ کہاں جارہی ہیں۔۔۔ آپ تو کھانا کھائیے۔" رحیم نے پیار سے پوچھا۔
"وہ کھیر لے آؤں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"اماں کی پسند کی ہر چیز تیار ہوتی ہے۔" وہ منہ بسورے بولا۔ نسرین ہنس کر بولی۔
"ساس جو ہوں۔" وہ ماں کی بات پر ہنسنے لگا۔ پھر تینوں نے مل کر کھیر کھائی رحیم اور نسرین نے کرن کے میٹھے کی خوب تعریف کی۔ اور کرن کو یوں لگا جیسے خدا تعالیٰ نے اسے دنیا میں ہی جنت بخش دی ہو۔

☆ ☆ ☆

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بار بار بالوں پر برش کر رہی تھی اور وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا اس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔
"رحیم۔۔۔ آپ نمو سے محبت کرتے تھے۔" اس نے دوسری بات کو سوچ کر پوچھا۔
"نمو۔۔۔ نمو۔" وہ بوکھلایا۔
"تمہیں کس نے بتایا۔" اس نے ٹی وی بند کیا اور کرن کو حیرانی سے دیکھنے لگا۔
"اوہو۔۔۔ آپ مجھے بتائیے۔ کیا آپ نمو سے محبت کرتے تھے۔" اس نے برش ٹیبل پر رکھا اور اس کے پاس بستر پر آبیٹھی۔
"جی نہیں۔۔۔" اس نے کرن کی مسکراہٹ دیکھ کر جواب دیا۔
"تھوڑی سی بھی محبت نہیں کرتے تھے۔" اس نے ناک چڑھا کر پوچھا اور مزید اس کے پاس آگئی۔
"تمہیں۔۔۔ نہیں۔" اس نے کرن کو بانہوں میں

سمیٹ لیا۔

"آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔" اس نے پیار سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔جی۔۔۔" وہ مسکرایا۔ اور کرن کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"کتنی محبت کرتے ہیں۔" وہ شوخ سے ہوگئی۔

"تھوڑی سی۔" اس نے ہنسی دبا کر جواب دیا۔

"اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں۔" اس نے خود کو رحیم کی گرفت سے آزاد کرنا شروع کردیا۔

"کیا ہوگیا ہے؟ تمہیں لگتا ہے کہ میں تم سے تھوڑی محبت کرتا ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"ہاں۔۔۔ مجھے لگتا ہے۔ آپ مجھ سے بہت کم محبت کرتے ہیں۔" اس نے رونی صورت بنا کر بتایا۔ وہ ہنسا۔

"اف توبہ۔۔۔ اتنا پیار کرتا ہوں کہ تمہیں چھوڑنے سے پہلے میری جان نکل جائے گی۔"

"سچ۔۔۔ کیا آپ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں۔" اس نے اپنی پوری آنکھیں کھول کر پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔ ہر دکھ سکھ میں تمہارے ساتھ کھڑا رہوں گا تم پر کوئی آنچ آنے سے پہلے خود وہ آنچ اپنے اوپر لے لوں گا۔" وہ بولتا چلا گیا۔ کرن نے اس کے سینے پر سر رکھ دیا وہ بہت مطمئن ہوگئی۔

"یہ کیا۔۔۔ مجھے دیکھنے کے بجائے میرے دل کو دیکھ رہی ہو۔" وہ اس کے یوں مطمئن ہونے پر شوخ سا ہوا۔

"ہاں۔۔۔ آپ کے دل کو دیکھ رہی ہوں۔ جس پر صرف میرا نام لکھا ہے۔" اس نے اس کے سینے پر انگلی کی پوروں سے کچھ لکھا۔ اور وہ کرن کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

اس نے پہلی بار رحیم کے تایا زاد بیٹے اکرم کی شادی پر نمو کو دیکھا۔

"معاف کیجیے گا۔۔۔ آپ نمو ہیں؟" اس نے نمو کو مخاطب کیا جبکہ اسے نسرین نے نمو سے ملنے کے لیے منع کیا تھا نسرین اسٹیج پر مصروف تھی تو وہ نظریں بچا کر نمو کے پاس آگئی۔

"جی ہاں۔۔۔ میں نمو ہوں اور آپ کون۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"میں مسز رحیم ہوں۔" وہ تفاخر سے بولی۔

"اوہ۔۔۔ مجھے یاد نہیں رہا۔۔۔ آئیے بیٹھیے۔" اس نے اپنے ساتھ والی کرسی پر اسے بیٹھنے کی دعوت دی۔

"نہیں شکریہ۔۔۔" کرن نے مسکراہٹ سے کہا۔

"اچھا۔۔۔ کہیں پھوپھو جان کے ڈر سے تو آپ بیٹھ نہیں رہیں۔" اس نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر پوچھا۔ کرن شرمندہ سی ہوگئی۔ اور پھر اس نے بیٹھنا مناسب سمجھا۔

"نہیں۔۔۔ پہلی دفعہ مل رہی ہوں۔ سوچا شاید آپ مجھ سے ملنا چاہتی بھی ہوں گی یا نہیں۔" کرن نے معصومیت کے ساتھ جھوٹ بول دیا۔

"آپ بہت پیاری ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اور آپ بھی کچھ کم نہیں۔" اس نے بھی نمو کی تعریف کی۔

"چلیے۔۔۔ آپ کی بات مان لیتی ہوں۔ مگر آپ کی طرح خوش قسمت نہیں ہوں۔" اس نے اپنے ناخنوں سے کھیلتے ہوئے جواب دیا جیسے وہ کرن کی وجہ سے نروس ہو رہی ہو۔

"رحیم سے آپ محبت کرتی تھیں۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا۔۔۔" وہ شرمندہ سی ہوئی وہ کرن سے اس سوال کی امید نہیں رکھتی تھی تب ہی بے ساختہ بولی۔

"اگر آپ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے تو آپ کی شادی کیوں نہیں ہوئی کہیں وجہ میں تو نہیں تھی۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں ایسی بات نہیں۔۔۔ بس خدا نے میرے حصے میں رحیم کی محبت نہیں لکھی تھی۔" اس نے بات کو ٹال مٹول کیا۔

"نہیں۔۔۔ آپ رحیم سے صرف دل لگی تو نہیں کر رہی تھیں اور محبت کسی اور سے۔" وہ نمو کے یوں مسکرانے پر بولی تھی۔

"آپ کیا جاننا چاہتی ہیں۔" وہ یک دم خفا سی ہوگئی۔

"بس۔۔۔ یہ بات جاننا چاہتی ہوں کہ آپ دونوں میں کیا تھا۔" کرن نے خفگی سے پوچھا۔

"اس سے آپ کو کیا فائدہ حاصل ہوگا۔" وہ عجیب نظروں سے کرن کو تکنے لگی اب کے اس کا لہجہ بھی سخت تھا۔

کرن جو صرف اس سے بات چیت کرنے آئی تھی نہ جانے اسے کیا ہوا جو اس نے عجیب عجیب سوال کرنے شروع کردیے۔

"آپ خفا کیوں ہو رہی ہیں۔" کرن اپنے سوال پر شرمندہ سی ہوگئی۔ کہ وہ نمو سے کیا بات کر بیٹھی ہے۔

"آپ جاننا چاہتی ہیں تو سنیے۔۔۔ اگر آپ سننے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔۔۔ مسز رحیم۔۔۔ میرے پاس آپ کی طرح بھاری جہیز نہیں تھا۔ اس وجہ سے رحیم نے مجھے چھوڑ دیا اور آپ سے شادی کرلی۔ آپ کے باپ نے جو سارے خاندان میں یہ اعلان کیا تھا کہ جوان کی بیٹی کرن سے شادی کرے گا اسے جہیز کے ساتھ کیش رقم بھی ملے گی۔ سو رحیم نے اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے آپ سے شادی کرلی اور مجھے چھوڑ دیا۔" وہ لفظ چبا چبا کر بولتی چلی گئی۔

"آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔۔۔ آپ کو شرم آنی چاہیے۔ رحیم جیسے شریف انسان پر اتنا گھٹیا الزام لگا رہی ہیں۔" وہ چیخی اس سے رحیم پر لگا الزام نہیں سنا گیا۔ وہ اس کا شوہر تھا جس سے وہ بے پناہ محبت کرتی تھی۔

"دیکھیے۔۔۔ یہاں تماشا مت کریں۔۔۔ میں نے رحیم پر کوئی الزام نہیں لگایا۔۔۔ آپ خود یہاں چل کر میرے پاس آئی ہیں۔ میں نے آپ کو دعوت نہیں دی کہ آپ میرے اور رحیم کے درمیان جو کہانی چلی وہ سنیں۔" اس نے غصے سے جواب دیا اور پھر کرسی چھوڑ کر یہاں سے باہر نکل گئی۔

کرن غصے سے ہاتھ مسلتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

اس رات وہ الجھی الجھی تھی جب رحیم نے پیار سے پوچھا کہ وہ اتنی بے زار کیوں ہے۔ کرن نے اسے ٹال دیا۔ ٹی وی پر ڈرامہ چل رہا تھا اک لڑکی روتے روتے ایک لڑکے سے پوچھ رہی تھی۔

"کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں تھی تو پھر تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا۔" دوسری طرف لڑکا بولا۔

"میں تو تمہیں احتشام صاحب کی سگی بیٹی سمجھ رہا تھا کہ تم سے شادی کے بعد میں احتشام صاحب کی کمپنی کا مالک بن جاؤں گا۔ مگر مجھے علم ہوا کہ تم ان کے کسی خاص نوکر کی بیٹی ہو نوکر مرگیا تو انہوں نے ترس کھا کر تمہاری پرورش کی۔"

"تم صرف دولت سے پیار کرتے ہو۔" وہ لڑکی چیخی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں صرف دولت سے پیار کرتا ہوں اور اب میرا وقت ضائع مت کرو اور اپنی منحوس شکل لے کر یہاں سے دفع ہوجاؤ۔" اس نے بے زاری سے جواب دیا کرن جس نے نمو کی باتوں سے دور بھاگنے کے لیے ٹی وی آن کیا تھا وہاں بھی ایسا سین دیکھ کر عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہوگئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

"کیا ہوا۔۔۔ کرن۔" رحیم اس کے اچانک رونے پر گھبرا سا گیا۔

"رحیم آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں نا؟" اس نے روتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ تم رو کیوں رہی ہو۔" رحیم نے اسے پیار سے پوچھا۔ وہ کرن کے رد عمل سے گھبرا گیا تھا۔

"آپ نے دولت کی خاطر مجھ سے شادی کی تھی۔" اس نے نمو کی بات کی تصدیق کرنے کے لیے پوچھ لیا۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ تم سے کس نے کہا۔" وہ بوکھلا سا گیا۔ اس کے چہرے پر غصہ چھا گیا۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ شادی پر میں نمو سے ملی تھی۔" اس نے روتے روتے تمام سچ بتا دیا۔ اور ہلکی سی ہو گئی۔ رحیم نے غصے سے بستر چھوڑا اور چپل پہنی تو وہ گھبرا کر بولی۔

"آپ کدھر جا رہے ہیں۔"

"اس نمو کی بچی سے پوچھنے جا رہا ہوں۔ کہ وہ گھٹیا پن پر کیوں اتر رہی ہے میں نے اس کی محبت کو ٹھکرا دیا تھا بس وہ بدلہ لینے کے لیے تمہیں میرے خلاف بھڑکانا چاہتی ہے۔" اس نے اپنے ہاتھوں کو مسل کر بتایا۔

"ادھر آیئے۔ آپ کہیں نہیں جا رہے۔" وہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی اور اس نے رحیم کا ہاتھ تھام لیا۔

"تمہیں میں ایسا لگتا ہوں۔ کہ دولت کی خاطر اپنی محبت کو چھوڑ دوں گا۔" رحیم نے غصے سے پوچھا۔

"اوہو۔۔۔ رحیم پلیز مجھے معاف کر دیجیے۔۔۔ مجھے ایسی بات آپ سے کرنی نہیں چاہیے تھی۔" کرن نے پیار سے اپنے کان پکڑ لیے۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"اس حالت میں تم اک معصوم سی گڑیا لگ رہی ہو۔ تم گڑیا ہی ہو جو اس نمو چڑیل کی باتوں میں آ کر رونے لگی۔" رحیم نے اس کو بانہوں کے حصار میں لے کر ماتھا چوم لیا۔

کرن خوش سی ہو گئی اور نمو کی بات کو اس نے ذہن سے دور باہر پھینکا۔

☼ ☼ ☼

دو ماہ میں اس نے گھر کی تمام ذمہ داریاں اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ نسرین اس کی ساس اور رحیم اس کے حکم کے تابع تھے۔ وہ بہت خوش تھی۔ کہ جتنے دکھ اس کی سوتیلی ماں نے اسے دیے اللہ تعالیٰ نے بدلے میں اسے نسرین جیسی پیاری اماں بخشی ہے۔ وہ کچن میں ہنڈیا پکا رہی تھی جب اچانک اس کو یوں لگا جیسے سارا کچن گھوم رہا ہو۔

"یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔" وہ بڑبڑائی اور اس نے اسٹول پر بیٹھنا مناسب سمجھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور لمبے لمبے سانس لینے لگی اس نے اسٹول سے اٹھ کر پانی پینا چاہا تو اس کا جی متلانے لگا۔ "اف خدایا۔

یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔" اس نے اپنا سر پکڑ لیا اور پھر قے پر قے کرنے لگی۔ نسرین جو بازار سے سبزی لینے گئی تھی وہ اسی وقت آن پہنچی۔

"بہو۔۔۔ بہو۔۔۔" نسرین نے کرن کو سنبھالا

"اماں۔۔۔ پتا نہیں سر کیوں بھاری ہو گیا۔۔۔ اور پھر دل خراب ہونے لگا۔" اس نے بجھے انداز سے اپنی کیفیت بتائی۔

"بس بس۔۔۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ تو چل اپنے کمرے میں بیٹھ۔۔۔ میں رکشا لے کر آتی ہوں۔۔۔ تجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہو گا۔" نسرین نے خوشی سے اسے بستر پر بٹھایا اور پھر چادر سنبھال کر باہر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

اس نے رکشا میں نسرین کی گود میں اپنا سر رکھا ہوا تھا اور نسرین اس کا سر دبا رہی تھی۔

"اماں۔۔۔ سر بہت بھاری ہے۔۔۔ اور دل بھی گھبرا رہا ہے۔" اس نے معصومیت سے بتایا۔

"بس میری بچی۔۔۔ اسپتال آ رہا ہے۔" وہ خوشی سے بولی۔

"اماں میں تو صبح بھلی چنگی تھی پھر یہ سر کا بھاری ہونا۔ اللہ خیر کرے۔" اس نے اپنی کیفیت کے متعلق سوچا۔ تو اس کا چہرہ بجھ سا گیا۔

"فکر کرنے کی کوئی بات نہیں بیٹا شادی کے بعد تو ایسا ہوتا ہے۔" اس نے کرن کے سر پر پیار دیا۔

"شاید میں امید سے ہوں۔" اس نے نسرین کی مسکراہٹ سے سوچ لیا۔ اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ تھوڑی سی اچھل گئی اور اس نے آنکھیں موند لیں۔ تھوڑی ہی دیر میں اسپتال کی عمارت نظر آ گئی۔ کرن نے آنے والے وقت کے خوشگوار احساس سے سرشار ہو کر اسپتال کے دروازے کی سمت قدم بڑھا دیے۔

وہ چیک اپ کروا آئی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے ایک ہفتے کے بعد اپنی رپورٹ لے جانے کے لیے کہا تھا گھر پہنچی تو رحیم فکر مندی سے ٹہل رہا تھا کرن کو دیکھ کر بے قراری سے اس کی طرف بڑھا۔

"اماں۔۔۔ کیا ہوا کرن کو۔" اس نے ماں سے فوراً پوچھا۔

"اوہو۔۔۔ کچھ نہیں ہوا۔ تمہاری بیگم کو۔۔۔" نسرین نے چادر اتاری اور تخت پر بیٹھی۔

"اماں۔۔۔ کچھ تو ہوا ہے تب ہی تو آپ لوگ اسپتال گئے۔" اس نے فکر مندی سے جواب دیا۔

"اچھا۔۔۔ ایسا کر کہ بازار سے کھانا منگوا لے۔ آج کے بعد کرن بیٹا تم کچن کا رخ نہیں کرو گی۔ ڈاکٹرنی نے آرام کی ہدایت بھی دی ہے۔" اس نے مسکرا کر ہدایت دی۔

"اماں۔۔۔ نہیں۔۔۔ بازار سے کھانا نہ منگوائیں۔ میں کچھ بنا لیتی ہوں۔" وہ آہستگی سے اٹھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ اماں نے جو حکم دیا ہے۔ اس پر عمل کرو۔ میں کھانا لے آتا ہوں۔" رحیم نے اس کو بیٹھنے کے لیے اصرار کیا وہ خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی اور وہ بائیک لے کر باہر نکل گیا۔

"اماں۔۔۔ آپ کو میں نے ایسے ہی پریشان کر دیا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"نہیں نہیں۔۔۔ ایسی ویسی کوئی بات نہیں اور پھر مجھے تو خوشی ہو رہی ہے کہ تم اس گھر کو وارث دے رہی ہو۔" نسرین نے سوچتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔ وہ شرما سی گئی۔

"اچھا چلو اٹھو۔ جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو۔ یہاں گرمی ہے۔" نسرین نے اسے ہدایت دی۔

"جی اماں۔۔۔ میں چلتی ہوں۔" وہ صحن سے اٹھ کر کمرے میں آ گئی اور پھر اپنے ننھے منے بچے کی آمد کے بارے میں سوچنے لگی۔

☼ ☼ ☼

اس نے رات کو آہستگی سے رحیم کی کان میں سرگوشی کی۔

"آپ باپ بننے والے ہیں۔" وہ تو اچھل پڑا۔

"سچ۔۔۔ کرن۔۔۔ تم سچ کہہ رہی ہو۔" اس نے دوبارہ پوچھا۔

"ہاں۔۔۔" اس نے بتایا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

"کرن۔۔۔ مجھے بیٹی چاہیے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"دعا کرو کرن مجھے بیٹیاں بہت پیاری لگتی ہیں۔" اس نے کرن سے چھوٹے بچوں کی طرح ضد کی۔

"رحیم آپ بہت اچھے انسان ہیں۔۔۔ پہلے لوگ تو بیٹیوں کے نام سے ڈرتے ہیں اور آپ بیٹی کی ضد کر رہے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا جو رحیم کی تڑپ پر حیرت زدہ سی ہو گئی۔

"بس ایسا ہی ہوں۔۔۔ تم میری خواہش کے لیے دعا کر رہی ہو کہ نہیں۔" اس نے کرن کے ہاتھ کو چوم کر پوچھا۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ اب مجھے آرام کرنے دیں۔ اور لائٹ آف کر دیں۔" اس نے حکم جاری کیا۔

"جی بیگم صاحبہ۔۔۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔" اس نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا اور پھر بستر سے اٹھ کر اس نے لائٹ آف کر دی۔ وہ مطمئن ہو کر نیند کی آغوش میں فوراً چلی گئی جو کافی تھکی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ پورا ہفتہ اس نے رانی بن کر گزارا۔ نسرین نے اسے کسی کام کو ہاتھ نہ لگانے دیا اور ہر طرح سے اس کا خیال رکھا نسرین ایک نیک فرشتہ لگی۔ وہ خوشی خوشی نسرین کے ساتھ اسپتال پہنچی تو اس کی دنیا ہی پلٹ گئی۔ ڈاکٹر تحیم نے اسے افسردگی سے کہا۔

"کرن تم امید سے نہیں ہو۔۔۔ البتہ یہ سب کیفیت یرقان کی وجہ سے ہوئی۔"

"کیا۔۔۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اور اس

کی آنکھیں بھر آئیں۔

"یرقان۔۔" نسرین نے حیرت سے پوچھا۔ اور اس کے چہرے پر غصہ سا چھا گیا۔

"جی۔۔ آپ کی بہو کی رپورٹ یرقان کے تاثر کو ظاہر کر رہی ہے کچھ ادویات لکھ دیتی ہوں ان کا استعمال رہا تو ان شاء اللہ آپ کی بہو بھلی چنگی ہو جائے گی۔" ڈاکٹر شمیم نے یہ کہہ کر نسخہ نسرین کو دے دیا اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے وہ تو بچے کی امید لگائے بیٹھی تھی اس نے نسرین کا ہاتھ محبت سے تھاما تو نسرین نے خفگی سے ہاتھ چھڑوایا اور سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"رہنے دیں ڈاکٹر صاحبہ یہ ادویات۔۔۔ ہمیں نہیں چاہئیں۔" وہ غصے سے کہہ کر کلینک سے باہر نکل گئی اور نسرین کے یوں بدلتے رویے پر کرن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"آپ کی ساس پڑھی لکھی نہیں۔۔۔ ابھی تو یرقان کی اثرات ملے ہیں۔ آپ پرہیز کریں گی تو ان شاء اللہ بہت جلد اس بیماری سے نجات پالیں گی۔" ڈاکٹر شمیم نے اسے تسلی دی اس کے ہاتھ پاؤں سن ہو چکے تھے جیسے اس کے جسم سے روح نکل چکی ہو۔

"کرن حوصلہ کرو۔ اللہ پر یقین رکھو۔ تم ٹھیک تو ہو۔" ڈاکٹر شمیم اپنی نشست چھوڑ کر اس کے پاس آگئی۔

"جی۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔" اور باہر کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اس نے دروازے سے باہر قدم رکھا۔ تو اس کی نظریں نسرین کو تلاش کرنے لگیں کسی بھی کرسی پر اس نے نسرین کو نہ پایا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے باہر آپہنچی روڈ پر گاڑیاں آجا رہی تھیں اور کوئی رکشا وہاں نہیں کھڑا تھا جس رکشے پر وہ لوگ آئے تھے۔ وہ بڑبڑائی۔

"کیا اماں یہاں مجھے اکیلا یہاں چھوڑ گئیں۔ مجھے تو گھر کا راستہ بھی ٹھیک طرح سے معلوم نہیں۔ میں اکیلی گھر کیسے جاؤں گی۔ اماں ایسا نہیں کرسکتیں وہ ابھی مجھے لینے آجائیں گی۔" اس نے خود کو تسلی دی اور اسپتال کے دروازے کے پاس کھڑی ہوگئی۔ تقریباً دس منٹ کے بعد ڈاکٹر شمیم کی گاڑی وہاں سے گزری تو ڈاکٹر شمیم نے کرن کو سہما سا کھڑا پایا اس نے گاڑی روک دی اور شیشہ اتار کر بولی۔

"کرن۔۔۔ تم یہاں؟ ابھی گھر نہیں گئیں۔" وہ ڈاکٹر شمیم کے پاس آکھڑی ہوئی اور گھبراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اماں نہ جانے کدھر چلی گئیں اور مجھے تو گھر کا ایڈریس بھی معلوم نہیں۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ میں میرا روڈ میں رہتی ہوں۔" اس نے لرزتی آواز سے بتایا۔

"آؤ۔۔۔ گاڑی میں بیٹھو۔" ڈاکٹر شمیم نے گاڑی کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا۔ وہ خاموشی سے سیٹ پر بیٹھ گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

"فکر مت کرو۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارا میاں تو تمہارے ساتھ ہے۔۔۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے کیا؟" ڈاکٹر شمیم نے پیار سے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔ رحیم میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اماں بھی بہت پیار اور خیال رکھتی تھیں۔ مگر نہ جانے کیوں وہ مجھے یہاں چھوڑ کر چلی گئیں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"اگر تمہارا میاں تمہارے ساتھ ہے۔ تو پھر ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اکثر میں نے ایسے کیس دیکھے ہیں کہ بیوی کو کچھ ہو جائے تو ساس صاحبہ کا رویہ بدل جاتا ہے جبکہ ان کے بیٹے کو کوئی بیماری لگ جائے تو وہ بہو کو اس کا نصیب کہتی ہیں بس تم فکر مت کرو۔ اگر تمہارے میاں تمہارے ساتھ ہیں تو پھر ڈر کیسا۔" ڈاکٹر شمیم نے اسے تسلی دی اس کے ذہن میں رحیم کا خیال آیا تو اس کی ذات کو دلاسا ہوا۔ وہ گاڑی کی سیٹ پر ٹیک لگائے بیٹھ گئی اور اس نے آنکھیں موند لیں۔ اس کے کانوں میں رحیم کی آواز گونجی۔

"ہر دکھ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ تم پر ہر آنے والی ہر آنچ پہلے میری ذات کا مقابلہ کرے گی۔ میں کبھی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمہارا ہوں اور تم صرف میری۔" کرن کے بہتے آنسوؤں پر رحیم کی باتوں نے پل باندھ دیا اور وہ مطمئن ہو کر گھر کی طرف جارہی تھی۔

☼ ☼ ☼

نسرین ماتم کر رہی تھی۔

"رحیم۔۔۔ رحیم۔۔۔ وہ تجھے نگل جائے گی۔ وہ مجھے نگل جائے گی۔ وہ اس گھر کو کھا جائے گی۔ تو ابھی اسی وقت اسے طلاق دے۔" نسرین نے۔۔۔ پھنکارتے ہوئے کہا۔

"اماں۔۔۔ کیا ہوا ہے؟ کچھ تو بتاؤ۔" رحیم ماں کے رد عمل پر چیخ کر بولا۔

"کرن۔۔۔ کرن کو یرقان ہے۔ یرقان۔" نسرین نے روتے روتے بتایا۔

رحیم ماں کی بات پر بوکھلا سا گیا اور فوراً بولا۔

"کب سے ہے۔۔۔ اماں۔۔۔ ڈاکٹر نے کیا بتایا۔"

"ڈاکٹر نے بتایا کہ وہ امید سے نہیں ہے۔ رحیم وہ اس گھر کے لیے ناکارہ چیز بن چکی ہے۔ اگر تو نے اس سے کوئی رشتہ رکھا تو اپنی جان کے ساتھ میری جان بھی لے جائے گا۔" نسرین نے اسے روتے روتے بتایا۔

"اماں۔۔۔ کرن کدھر ہے۔" اس نے کرن کے متعلق پوچھا۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ میں اسے اسپتال ہی چھوڑ آئی۔ مجھے اس گھر میں اسے نہیں رکھنا ہے اور وہ بستر کی چادر دری پھینک دو جس پر وہ صبح لیٹی ہوئی تھی۔" نسرین گھبراہٹ کے ساتھ رحیم کے کمرے کی طرف بڑھی۔

"اماں ان چیزوں کو تو ہم پھینک دیں گے۔ مگر کرن گھر آگئی تو کیا ہوگا۔۔۔ میں کیا کروں۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"تو۔۔۔ تو۔۔۔ اسے طلاق دے۔۔۔ آج ہی۔۔۔" وہ غصے سے بولی اور اس نے کرن کا بستر زمین پر پٹخا اور اس کے سارے کپڑے الماریوں سے باہر پھینکے۔

"اماں یہ تو۔۔۔ تو۔۔۔ کیا کہہ رہی ہے طلاق دوں گا۔۔۔ تو حق مہر دینا پڑے گا۔ کرن کے ابا نے پانچ لاکھ حق مہر میں لکھوایا ہے۔" اس نے سوچ سمجھ کر ماں کو جواب دیا۔ نسرین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اور فکر مندی سے بولی۔

"یہ تو میں نے سوچا نہیں تھا۔۔۔ ہائے ہائے۔۔۔ میں کیسے اس چڑیل کو اس گھر سے نکالوں گی۔" وہ سر پکڑ کر بین کرنے لگی۔

"اماں۔۔۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" رحیم نے ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

"نہیں بیٹا تجھے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس چڑیل کو میں بہت جلد تیری زندگی سے نکال دوں گی۔" اس نے رحیم کو تسلی دی اور کرن کا بستر اٹھا کر صحن کے ایک کونے میں بچھانے لگی۔

"اماں۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہاں بستر کیوں لگا رہی ہو۔" وہ گھبرایا۔

"کرن۔۔۔ آج سے یہاں اس کونے میں پڑی رہے گی۔" نسرین نے غصے سے اس کا سامان بھی اس کونے کے ساتھ رکھ دیا۔

"اماں۔۔۔ وہ میرے پاس آئے گی۔۔۔ تو میں کیا جواب دوں گا۔" رحیم نے بچوں کی طرح ماں کا پلو پکڑ لیا۔

"تو نمو سے پیار کرتا ہے۔۔۔ اور میری وجہ سے تو نے نمو کو چھوڑا۔۔۔ ہمیں دولت چاہیے تھی۔۔۔ جس کی وجہ سے تو نے کرن کو اپنی زندگی میں شامل کیا۔۔۔ تو میرا بیٹا ہے صرف میرا بیٹا۔۔۔ اب میں جیسا جیسا بولوں گی۔۔۔ تو ویسا ہی کرنا۔۔۔ تو میرا بیٹا ہے۔۔۔ تو میری بات مانے گا نا؟" نسرین نے اس کے سر پر پیار دے کر پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ اماں۔۔۔ پہلے بھی تو میں تیری ہر بات سنتا اور مانتا ہوں۔۔۔ میں نے کرن کو بے حد پیار دیا۔۔۔ کیوں کہ یہ تیرا حکم تھا اور نمو کو چھوڑ دیا اور وہ بات بھی میں نے مانی۔۔۔ تو جیسا کہے گی ویسا ہی ہوگا۔" رحیم نے ماں کو تسلی دی اچانک دروازے پر دستک ہوئی تو دونوں گڑبڑا سے گئے۔

☼ ☼ ☼

"رحیم تو خود کو کمرے میں بند کرلے۔" دروازہ زور زور سے بج رہا تھا۔ تو نسرین نے رحیم کو حکم دیا۔

"اماں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ دروازہ پر آئے گی تو میں کیا جواب دوں گا۔" رحیم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"تو ابھی اندر جا کر سو جا۔۔۔ میں دیکھتی ہوں۔۔۔ کہ وہ تجھ تک کیسے پہنچتی ہے۔" نسرین نے غصے سے جواب دیا۔۔۔ رحیم نے گھبرا کر اندر سے دروازہ لاک کرلیا اور بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔

دروازے پر وہ پچھلے دس منٹ سے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ نسرین اس قدر برا رویہ اختیار کرچکی ہے۔ اس نے غصے سے دروازہ کھولا تو سامنے کرن کو روتا پایا۔

"اماں۔۔۔" وہ آگے بڑھی۔۔۔ وہ نسرین کے سینے سے لگنا چاہتی تھی۔۔۔ تاکہ وہ نسرین کو سمجھا سکے۔

"دور ہٹ۔۔۔ اے لڑکی۔۔۔ مجھے چھونا مت۔" اس کے پاس آنے پر نسرین چار قدم دور چلی گئی۔

"اماں۔۔۔ آپ کو کیا ہوگیا ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"ڈاکٹر صاحبہ نے بتایا نہیں کہ تجھے یرقان ہے۔۔۔ اور یرقان خطرناک بیماری ہے۔۔۔ اس لیے اب تمہارا ٹھکانہ وہ ہے۔" نسرین نے صحن کے ایک کونے میں جہاں بستر بچھایا تھا اس کی طرف اشارہ کیا۔

وہ حیرت زدہ سی ہوگئی اور اس کی زبان نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

"تم اب کہیں بھی آزادی سے گھوم نہیں سکتیں۔۔۔ یہ کونا ہی تمہاری زندگی ہے۔۔۔ کسی چیز کی ضرورت ہو۔۔۔ تو تم مجھ سے کہو گی اور ہاں باورچی خانے۔۔۔ اور رحیم کے کمرے کی طرف جانے کی غلطی مت کرنا۔" نسرین غصے سے پھنکار کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

"رحیم۔۔۔ رحیم۔۔۔ رحیم۔۔۔" وہ چیخ چیخ کر رحیم کو پکارنے لگی۔

"یہ کیا تماشا کر رہی ہو۔" نسرین اس کے ردعمل پر واپس پلٹی اور چیخی۔

"مجھے میرے شوہر کے پاس جانا ہے۔۔۔ مجھے رحیم سے بات کرنی ہے۔۔۔ وہ گھر آگئے ہیں۔۔۔ ان کا کمرہ بند ہے۔" وہ کمرے کی طرف بڑھی۔ نسرین نے جھٹ سے اس کا بازو تھاما اور اس کے بال ہاتھوں میں جکڑ کر اسے واپس صحن کے کونے کی طرف دھکیلا۔

"اے لڑکی۔۔۔ تو اب رحیم سے دور رہے گی۔۔۔ تیرا رحیم سے کوئی رشتہ نہیں۔۔۔" نسرین نے غصے سے جواب دیا۔

"اماں۔۔۔ میں رحیم کی بیوی ہوں۔۔۔ اور وہ میرا شوہر ہے۔۔۔ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔" وہ چیخی۔۔۔ اس کا جسم لرز رہا تھا۔

"رحیم آپ باہر کیوں نہیں آرہے۔۔۔ دیکھیے۔۔۔ اماں کو کیا ہوگیا ہے۔" وہ چیخنے لگی اور رحیم کے کمرے کی طرف پھر بڑھی۔ نسرین نے زور کا طمانچہ اس کو دے مارا۔۔۔ وہ دور جا کر گری۔۔۔ اس کے ہونٹ سے خون بہنا شروع ہوگیا۔

"رحیم کا تجھ سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔ اب تو رحیم کے کمرے کی طرف بڑھی۔۔۔ تو میں تیری جان نکال لوں گی۔" نسرین غصے سے پھنکارتی ہوئی بولی۔

"اماں۔۔۔ مجھے کالا یرقان نہیں ہے۔۔۔ رحیم آپ سن رہے ہیں۔۔۔ مجھے کالا یرقان نہیں ہے۔۔۔ پلیز آپ میرے ساتھ ابھی ڈاکٹر کے پاس چلیے۔۔۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ زور زور سے بول رہی تھی۔۔۔ تاکہ رحیم کے کمرے کے اندر آواز جا سکے۔ اس کے یوں چیخ چیخ کر بولنے سے نسرین نے دوسرا طمانچہ کرن کو دے مارا اور غصے سے بولی۔

"تجھے اس گھر کی عزت کا کوئی خیال نہیں۔۔۔ خدا کا شکر کر۔۔۔ کہ میں نے تجھے گھر سے نہیں نکالا۔۔۔ اگر تو یوں سب محلے والوں کو سنائے گی تو میں رحیم سے کہہ دوں گی۔۔۔ کہ تجھے طلاق دے۔۔۔" نسرین نے اسے طلاق کے نام سے ڈرایا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ اماں۔۔۔ میں نہیں بولوں گی۔ میں اس کونے میں چلی جاتی ہوں مجھے رحیم سے جدا مت کریں بلکہ آپ جیسا کہیں گی۔۔۔ میں ویسا ہی کروں" وہ سہم کر صحن کے کونے میں بچھے بستر پر جا بیٹھی۔ نسرین نے غصے سے اپنی چارپائی رحیم کے کمرے کے باہر بچھادی اور وہاں لیٹ گئی۔

☆ ☆ ☆

چاند اپنی آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ کیسے رحیم سے بات کرے۔ اسے کیسے سمجھائے کہ وہ کالے یرقان کی مریضہ نہیں ہے۔

"رحیم کو چاہیے تھا۔ کہ وہ کمرے سے باہر آتے۔ اور میرا ہاتھ تھام کر کمرے میں لے جاتے۔ مگر انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ کیا۔۔۔ وہ بھی مجھ سے خوف زدہ ہیں۔" وہ سوچ کر رونے لگی۔ اور روتے روتے کب اس کی آنکھ لگی۔۔۔ وہ یہ جان نہ پائی۔ اس کی آنکھ تب کھلی۔۔۔ جب اس کو اپنے بازو پر کسی کی حرکت محسوس ہوئی۔ اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں تو ایک موٹا لال بیگ اس کے بازو پر تھا اس نے ایک بھرپور چیخ ماری اور لال بیگ کو خود سے دور کیا وہ کانپ رہی تھی اس کی چیخ پر نسرین اٹھ بیٹھی۔

"کیا ہوا۔۔۔ جان تو نہیں نکل رہی۔" اس نے غصے سے پوچھا۔

"اماں۔۔۔ وہ لال بیگ تھا۔" وہ لرزتی آواز سے بولی۔

"کوئی بات نہیں ان جانوروں کی اب عادت ڈال لو۔" اس نے کروٹ بدل کر جواب دیا اور چادر تان کر سوگئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔۔۔ پھر اسے نمو کی باتیں یاد آئیں۔۔۔ کہیں نمو کی باتیں سچ تو نہیں تھیں۔

"رحیم واقعی موقع پرست انسان تو نہیں ہے۔" اس نے خود سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ وہ اپنی ماں سے بہت محبت کرتے ہیں۔۔۔ اماں کی خاطر انہوں نے مجھے خود سے جدا کرلیا ہے۔۔۔ وہ خود بھی میری وجہ سے اپ سیٹ ہوں گے۔۔۔ وہ بھی سو نہیں پائے ہوں گے۔۔۔ وہ میرے ہیں۔۔۔ میں کل صبح ان سے بات کروں گی۔" اس نے اپنے آنسو پونچھے اور پھر چادر کو اپنے چاروں طرف لپیٹ کر لیٹ گئی۔ مگر نیند اس کی آنکھوں میں کیسے بستی۔۔۔ جس کی دنیا ہی لٹ چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی۔ اس نے جلدی سے چادر ہٹائی۔ رحیم کا دروازہ کھلا تھا اور نسرین کی چارپائی وہاں موجود نہ تھی۔ وہ دبے پاؤں کمرے کی طرف بڑھی۔ کمرا خالی تھا۔

"وہ آفس چلے گئے۔۔۔ میں دیر تک سوتی رہی۔"

"اے لڑکی۔۔۔ تو یہاں کیوں آئی ہے۔۔۔ تجھے کل رات میں نے صاف کہہ دیا تھا کہ تو رحیم اور باقی چیزوں سے دور رہے گی۔۔۔ چل ابھی اس کمرے سے باہر نکل۔۔۔" نسرین نے اس کا بازو پکڑ کر اسے دھکے مار مار کر کمرے سے نکالا۔

"اماں۔۔۔ اللہ کے لیے میری بات تو سنیے۔۔۔" وہ رو پڑی۔۔۔ نسرین نے اسے صحن کے کونے میں پھینکا وہ دیوار سے ٹکرائی اور اس کے ماتھے سے خون بہہ نکلا نسرین اس کا خون بہتا دیکھ کر بولی۔

"کسی چیز یا رحیم کے پاس جائے گی تو اس سے زیادہ برا حال کروں گی۔" نسرین اسے دھمکی دے کر بیسن کی طرف بڑھی اور اپنے ہاتھوں پر صابن ملنے لگی۔۔۔ کرن نے اپنے ماتھے کو چھوا جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ اک کراہ حلق سے نکلی اور خون اس کے ہاتھوں کو لگ گیا اسے بہت درد ہو رہا تھا وہ روتے روتے بولی۔

"اماں مجھے فریج سے کوئی مرہم دے دیں۔" اب کے اس نے باورچی خانے جانے کا رخ نہ کیا اور نسرین کو پکارا۔

"میں تیری ملازمہ نہیں ہوں۔۔۔ تجھے بار بار ہاتھ لگانے سے میں کئی کئی دفعہ ہاتھ منہ دھوتی ہوں۔۔۔ تجھے تو ہماری زندگیوں کا بھی خیال نہیں۔" نسرین نے صابن سے منہ رگڑتے ہوئے جواب دیا۔ وہ نسرین کی کیفیت پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے لگی۔۔۔ کہ رحیم اور ماں

کے دل میں اس کے لیے رحم ڈال دے۔

☆ ☆ ☆

دوپہر تک نسرین نے نہ کھانا پوچھا۔ نہ ہی اسے دوا دی جو وہ اپنے زخم پر لگا سکتی۔ کل رات سے اس کا پیٹ خالی تھا۔ اس کو بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ مگر نسرین اس کے پکارنے پر نہ پہنچی۔ آخر کار وہ ہمت کرکے باورچی خانے میں چلی گئی اس نے ڈرتے ڈرتے فریج کھولا اور مرہم نکالا پھر اس نے باتھ روم میں جاکر اپنی چوٹ پر مرہم لگایا۔ اس کے زخم پر جلن ہوئی تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ وہ روتے روتے شیشے میں خود سے مخاطب ہوگئی۔

"اے اللہ میرے گھر والوں کو سیدھی راہ دکھا۔ یہ لوگ مجھ سے کراہیت محسوس کرنے لگے ہیں جبکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے خود کو دلاسا دیا اور پھر باورچی خانے میں آپہنچی۔ بھوک سے اس کا جسم نڈھال ہوگیا تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے لیے تھوڑے سے دال چاول پلیٹ میں نکالے اس سے پہلے کہ وہ نوالہ لیتی نسرین باورچی خانے میں آگھسی۔

"اے لڑکی۔ کمبخت یہ کیا کردیا۔ ہنڈیا کو کیوں ہاتھ لگایا۔" وہ غصے سے بولی اور اس نے کرن کو پیچھے کی طرف دھکیلا کرن توازن نہ رکھ سکی اور دور جاگری اور اس کے ہاتھ سے پلیٹ بھی چھوٹ گئی۔ سارے چاول فرش پر گر پڑے وہ رونے لگی اور اس نے روتے روتے کہا۔

"اماں، بہت بھوک لگی تھی کل سے پیٹ میں کچھ نہیں گیا تھا۔ آپ کو بہت زیادہ آوازیں دیں۔ مگر آپ نہ جانے کدھر تھیں۔" اس نے روتے ہوئے اپنی کیفیت کے متعلق آگاہ کیا کہ نسرین کو کچھ تو اس پر ترس آئے گا۔ مگر نسرین کو اس کی بات پر کوئی ترس نہ آیا۔ وہ تو کرن کی صورت میں اپنی موت کو دیکھ رہی تھی۔

"میں سوگئی تھی۔ مجھے جگادیتی۔ اب یہ سارا کھانا ہمارے لیے ضائع ہوگیا ہے۔" اس نے سارے دال چاول کچرے دان میں پھینک دیے۔

"اماں۔ اماں۔" اس نے نسرین کو روکنا چاہا مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف نہ بڑھنے کا اشارہ کیا اور پھر منہ ہاتھ دھو کر بولی۔

"میں رحیم کے لیے بازار سے کھانا لینے جارہی ہوں۔ خبردار جو کسی اور چیز کو چھوا بھی۔" اس نے غصے سے دھمکی دی اور چادر سنبھالے باہر نکل گئی کرن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بھوک ایسی تھی۔ کہ اس نے اپنا پیٹ ہاتھوں سے تھام لیا۔ روتے ہوئے بھوک مٹانے کے لیے فرش پر گرے دال چاول اٹھا اٹھا کر کھانے لگی اسے اپنا وجود واقعی بے کار لگنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کانپ رہی تھی۔ اسے بہت تیز بخار ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے چاروں طرف چادر لپیٹ لی۔ کہ اسے دروازے پر آہٹ سنائی دی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا تو رحیم کھڑا تھا۔

وہ فوراً اٹھی۔ نسرین گھر پر موجود نہ تھی۔

"رحیم۔ رحیم۔" وہ اس کے سینے سے لپٹ گئی۔

"رحیم اماں کو کیا ہوگیا ہے اور آپ بھی کل سے مجھ سے دور ہیں۔ آپ کو میرا ذرا بھی خیال نہیں آیا۔" وہ معصومیت سے شکوہ کررہی تھی۔ رحیم نے اپنے وجود کو اس سے پیچھے کیا۔ تو کرن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"دیکھو کرن۔ تمہیں اندازہ ہونا چاہیے۔ کہ تم اس گھر کے لیے ایک ناکارہ چیز بن چکی ہو۔ پلیز اس طرح شور مچانے سے تم وہ سب کچھ دوبارہ حاصل نہیں کرسکتیں۔" رحیم نے خفگی سے جواب دیا۔ اور اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

"رحیم۔ یہ آپ ہیں۔" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں۔ میں وہی رحیم ہوں۔ جو پچھلے دو ماہ سے تمہارے آگے پیچھے کتے کی طرح دم ہلا رہا تھا۔" وہ

"رحیم آپ کو کیا ہوگیا ہے۔ کیا آپ اماں کی باتوں میں آگئے۔ آپ ایسے تو نہیں تھے۔" وہ رونے لگی۔ اور اس کے وجود کو تکنے لگی۔

"سنو کرن۔ میں شروع سے ایسا ہی تھا۔ میری ماں مجھے بہت عزیز ہے۔ اور اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔" وہ پاؤں پٹخ کر کمرے کی طرف چل پڑا۔

"رحیم آپ ایسا نہیں کرسکتے۔" وہ دوبارہ اس کی طرف بڑھی۔ اور اس نے رحیم کا ہاتھ تھام لیا۔ ایک زور کا طمانچہ رحیم نے اس کے منہ پر مارا۔ اور خود سے دور پھینکا۔ وہ اس حملے کو برداشت نہ کرسکی۔ اور بے ہوش ہوکر صحن میں گر گئی۔ وہ غصے سے اس کو دیکھ کر باتھ روم گیا۔ اور بری طرح سے اپنے ہاتھوں کو دھونے لگا جیسے اس کے ہاتھوں میں زہر لگ گیا ہو۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح اس کی آنکھوں سے آنسو خشک ہوگئے تھے۔ رحیم کی اصلیت دیکھ کر اس کی دنیا ہی لٹ چکی تھی۔ اسے رحیم کی محبت یاد آتی تو ایک اذیت اس کی رگوں میں دوڑ جاتی۔ نسرین اس کے پاس ناشتہ چھوڑ گئی تھی۔ مگر اس کی بھوک پیاس مٹ چکی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا۔ کہ وہ یہ دنیا چھوڑ دے گی۔ کیوں کہ وہ ہر کسی کے لیے ناکارہ چیز بن چکی ہے۔ ابھی وہ اس سوچ میں تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ نسرین سبزی لینے گئی تھی۔ اس لیے دروازہ اسی نے کھولنا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ تو سامنے ڈاکٹر شمیم کو دیکھا۔

"ہیلو کرن۔ میں یہاں سے گزر رہی تھی۔ سوچا کہ تم سے مل لوں۔" ڈاکٹر شمیم نے پیار سے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔ جبکہ پچھلے کئی روز سے وہ کرن کے متعلق سوچ رہی تھیں کہ وہ لڑکی یرقان کے مرض میں اتنی مبتلا نہیں۔ ادویات سے وہ بھلی چنگی ہوسکتی ہے۔ اس لیے ایک رحم دل ڈاکٹر کی حیثیت سے وہ کرن کے گھر جا پہنچی۔

"جی۔ جی۔ میں ٹھیک ہوں۔" اس نے دروازے پر ہی جواب دے دیا۔

"کیا اندر نہیں آنے دوگی۔" ڈاکٹر شمیم مسکرا کر بڑھی۔ تو مجبوراً اس نے ڈاکٹر شمیم کو اندر آنے دیا۔ ڈاکٹر شمیم نے ایک کونے میں بستر دیکھا۔ تو وہ سمجھ گئی۔ کہ کرن کی ساس نے اسے یہاں پھینک رکھا ہے۔

"تم نے دوائیاں لیں۔ جو میں نے تمہیں لکھ کر دی تھیں۔" ڈاکٹر شمیم نے بستر سے نگاہیں چرا کر اس کے متعلق پوچھا۔

"جی نہیں۔" اس نے خاموشی سے جواب دیا۔ ڈاکٹر شمیم سمجھ گئی۔ کہ وہ بے چاری کہاں سے ادویات خریدتی۔ جب گھر والوں نے اس کا بستر ہی باہر لگا دیا ہے۔ ڈاکٹر شمیم نے اس کا ہاتھ تھاما۔ تو اس نے ڈاکٹر صاحبہ سے اپنا ہاتھ چھڑوالیا۔

"آپ کو میرے جراثیم لگ جائیں گے۔" وہ پاگلوں کی طرح اس سے دور ہٹی۔ ڈاکٹر شمیم اس کی ذہنی کیفیت دیکھ کر اپ سیٹ ہوگئی۔ وہ ایک کونے میں کانپ رہی تھی۔

"کرن چلو۔ میرے ساتھ میرے گھر چلو۔" ڈاکٹر شمیم نے اس کے سر پر پیار کیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"نہیں۔ نہیں۔ میں یہ گھر نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ میرے شوہر کا گھر ہے۔ میں ان کی عزت ہوں۔ کیسے آپ کے ساتھ جاسکتی ہوں۔ لوگ باتیں کریں گے۔" اس نے روتے روتے جواب دیا۔ ڈاکٹر شمیم غصے میں آگئی۔ اور کانپتے ہونٹوں سے بولی۔

"کیسا گھر۔ یہ گھر تم اپنا سمجھتی ہو۔ یہ جن لوگوں کو تم اپنا سمجھتی ہو۔ انہوں نے ایک بھکاری کی طرح تمہیں ایک کونے میں پھینک دیا ہے۔ اور کون سے لوگ۔ کہاں ہیں لوگ۔ کیوں نہیں تمہارے حق میں بول رہے۔ کہ تم پر کیوں ظلم کیا جارہا ہے۔"

ڈاکٹر شمیم نے چیخ چیخ کر اس سے پوچھا۔۔۔ وہ رونے لگی۔۔۔ اور ڈاکٹر شمیم کے گلے سے لگ گئی۔۔۔ وہ ٹوٹ چکی تھی۔۔۔ اور جانتی تھی۔۔۔ کہ یہ گھر اس کا نہیں رہا۔۔۔ مگر پھر بھی وہ ڈاکٹر شمیم کے ساتھ نہ گئی۔۔۔ کیونکہ وہ ایک وفا شعار بیوی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے رحیم کے کمرے سے سرگوشیوں کی آوازیں سنیں۔۔۔ وہ نماز کے لیے وضو کرنے آئی تھی۔۔۔ تو اس کے قدم دروازے پر رک گئے۔

"اماں۔۔۔ سچ میں تو نمو سے میرا بیاہ کردے گی۔" رحیم شوخی سے بول رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں نے نمو سے بات کرلی ہے۔۔۔ اور میں نے نمو سے کہا ہے۔۔۔ کرن بدکار عورت ہے۔۔۔ اس کا پہلے سے کوئی یار ہے۔۔۔ جس کے ساتھ وہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہے۔ بس اس نے فوراً "تجھ سے شادی کے لیے ہاں کردی۔" نسرین نے خوشی خوشی بتایا۔

"اماں۔۔۔ کرن کا کیا ہوگا۔۔۔ اگر نمو اس گھر میں آگئی۔۔۔ تو اسے ساری حقیقت کا پتا چل جائے گا۔۔۔ تو نمو کہیں مجھے چھوڑ نہ دے۔۔۔" رحیم نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"کرن کا تو دل کررہا ہے۔۔۔ کہ زہر دے کر مار ڈالوں۔۔۔ تو طلاق بھی نہیں دے سکتا۔۔۔ حق مہر کا جو مسئلہ ہے۔۔۔" نسرین نے سوچتے ہوئے بتایا۔

"اماں حق مہر کا مسئلہ نہ ہوتا۔۔۔ تو میں کب کا اسے اپنی زندگی سے دفع کرچکا ہوتا۔۔۔ اور کل جب تو نہیں تھی۔۔۔ تو اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔۔۔ ہزار دفعہ ہاتھ دھو چکا ہوں۔۔۔" رحیم نے گھبراہٹ کے ساتھ بتایا۔

"ہمیں کرن کے بارے میں بہت جلد سوچنا ہوگا۔۔۔ کیوں نہ اس پر کوئی الزام لگا دیں۔۔۔ اور محلے والوں کو دکھا دیں۔۔۔ تیرا دوست اکرم ہے نا۔۔۔ تو کل اسے گھر پر بلوالے آگے کا کام مجھ پر چھوڑ دے۔۔۔" نسرین نے کچھ سوچتے ہوئے لبوں پر مسکراہٹ سجا کر اسے اکرم کو گھر لانے کی دعوت دی۔

کرن کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔۔۔ رحیم اور نسرین کے اصلی چہرے دیکھ کر اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔

"نمو ٹھیک ہی کہتی تھی۔۔۔ رحیم نے اسے دھوکا دیا۔۔۔ اور اب مجھے دھوکا دے کر اسے اپنا بنا رہا ہے۔" وہ اپنے بستر پر آبیٹھی۔۔۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔۔۔ اس کے مقدر میں اللہ نے رونا جو لکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی عزت کی سلامتی کے لیے دعائیں کررہی تھی۔۔۔ جب اس نے دیکھا۔۔۔ رحیم آہستگی سے فون کان سے لگائے چھت کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ہمت کرکے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔۔۔ اس نے دیکھا۔۔۔ رحیم دیوار سے ٹیک لگائے مسکرا کر باتیں کررہا تھا وہ دبے قدموں کے ساتھ رحیم کے پاس پہنچی۔۔۔ تاکہ رحیم کی باتیں سن سکے وہ کہہ رہا تھا۔

"نمو میں نے ہر پل تمہیں یاد کیا۔۔۔ کرن کو میں نے کبھی وہ جگہ نہیں دی۔۔۔ جو جگہ میں نے تمہیں دے رکھی تھی۔۔۔ میں تو بس ہر وقت تمہاری یاد میں کھویا رہتا تھا۔"

"سچ۔۔۔" دوسری طرف نمو خوش سی ہوگئی۔۔۔ اور پیار سے بولی۔

"تم کرن کو کب طلاق دے رہے ہو۔"

"بس بہت جلد میں اسے طلاق دے رہا ہوں۔۔۔ پھر میں اور تم۔۔۔ اور صرف اور صرف ہماری محبت ہوگی۔" رحیم کی باتیں سن کر نہ جانے اس میں کہاں سے ہمت آئی۔۔۔ کہ وہ چیخ پڑی۔

"رحیم اور کتنے جھوٹ بولو گے۔۔۔ تمہارے لیے عورت ذات کیا ہے۔۔۔؟" اس کی آواز پر رحیم نے جھٹ سے فون بند کیا۔۔۔ اور کرن کے حملے سے وہ گھبرا سا گیا۔

"دیکھو کرن۔۔۔ میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔۔۔ بہتر ہے۔۔۔ کہ تم خود سمجھ داری سے یہ گھر چھوڑ دو۔"

"پہلے مجھے بتاؤ۔۔۔ تم نے مجھے اور نمو کو کیا سمجھ رکھا ہے۔" اس نے رحیم کا گریبان پکڑ لیا۔۔۔ اور۔۔۔ چیخ چیخ کر پوچھنے لگی۔

"پاؤں کی جوتی سمجھتا ہوں۔۔۔ صرف ضرورت کی چیز۔۔۔ ہزار دفعہ کہہ چکا ہوں کہ تم میرے لیے ناکارہ ہو چکی ہو۔۔۔ صرف ناکارہ چیز۔۔۔" وہ چیخا۔۔۔

"تو طلاق دے دو۔۔۔ اگر میں ناکارہ چیز ہوں۔۔۔ تم مجھے طلاق کیوں نہیں دے دیتے۔۔۔ ڈرتے ہو۔۔۔ یا پھر اپنا فائدہ سوچتے ہو۔۔۔ کہ مجھے طلاق دینے سے تمہیں حق مہر کی رقم ادا کرنا پڑے گی۔۔۔" وہ غصے سے بولتی چلی گئی۔۔۔ وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اسے علم ہوگیا۔۔۔ کہ کرن نے اس کی تمام باتیں سن لی ہیں۔

"تم سچ جان چکی ہو۔۔۔ تو مجھ پر احسان کیوں نہیں کرتیں۔۔۔ مجھے اور اس گھر کو چھوڑ دو۔۔۔" وہ چیخا۔

"تمہیں شرم نہیں آتی۔۔۔ بیوی کے ہوتے ہوئے۔۔۔ تم دوسری عورت کو پھانس رہے ہو۔۔۔" اس نے غصے سے کام لیا۔

"اسلام میں چار شادیاں جائز ہیں۔۔۔ اور تم میرے لیے ناکارہ ہو چکی ہو۔۔۔ اس لیے میں دوسری شادی کا حق رکھتا ہوں۔۔۔" اس نے طنزیہ لہجے میں بات کا جواب دیا۔

"تمہارے پاس دل نہیں ہے رحیم۔۔۔" وہ لرزتی آواز میں بولی۔۔۔

"دل۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں دل نہیں دماغ سے کام لیتا ہوں۔۔۔ میں نے تم سے شادی کی۔۔۔ صرف اور صرف تمہاری دولت کے لیے۔۔۔ اور اب میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔۔۔ تو دوسری طرف مجھے نفع دکھائی دے رہا ہے۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"تمہارے لیے میں کبھی کچھ نہیں تھی۔" وہ روتے روتے بولی۔

"ہاں تھیں۔۔۔ تم۔۔۔ صرف ضرورت کی چیز۔۔۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا اور پھر خفگی سے سیڑھیاں اتر گیا۔۔۔ وہ چھت پر کئی گھنٹے تک روتی رہی۔ اور پھر کب سو گئی وہ نہیں جانتی تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح صبح اس کی آنکھ کھلی۔۔۔ تو اس کو نسرین کی بات کا خیال آیا۔۔۔ کہ آج وہ لوگ محلے والوں کے سامنے اس کی عزت کا تماشا بننے والے ہیں۔۔۔ وہ دبے پاؤں سیڑھیوں سے اتری اور خاموشی سے اس گھر سے باہر نکل گئی۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا اس کے وجود میں اتری۔۔۔ تو اسے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے وہ دوبارہ زندگی میں آپہنچی ہے۔ اس بڑے شہر میں وہ کسی کو نہیں جانتی تھی سوائے۔۔۔ ڈاکٹر شمیم کے۔۔۔ اس نے اسپتال کی راہ پکڑی۔۔۔ اسے امید تھی کہ ڈاکٹر شمیم اس کا ساتھ ضرور دیں گی۔

☼ ☼ ☼

"کرن۔۔۔ تم یہاں کب سے بیٹھی ہو۔۔۔ یار سب مریض دوائی کا انتظار کررہے ہیں۔" کائنات نے اسے پکارا۔۔۔ جو اپنی ماضی کی یادوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

"اوہو۔۔۔ ایک بج گیا۔۔۔ مجھے خیال ہی نہ رہا۔" وہ شرمندگی سے اٹھی۔ اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔

"کرن۔۔۔ آج ایک کیس آیا ہے۔۔۔ اک جوان آدمی اپنی دونوں ٹانگیں کھو بیٹھا ہے۔۔۔ بہت اذیت میں تھا۔۔۔ اور اس کی ماں پاگلوں کی طرح چیخ چیخ کر کسی سے معافی مانگ رہی تھی۔۔۔ جیسے ان لوگوں نے کسی کے ساتھ کچھ برا کیا ہو۔۔۔ اس کی ماں کی ذہنی کیفیت کو توازن میں رکھنے کے لیے ڈاکٹر شمیم کو انہیں بھی انجکشن دینا پڑا۔" کائنات نے باہر کی صورت حال سے اسے آگاہ کیا۔

"کرن یہاں ہے۔" ثریا نرس نے دروازہ کھول کر تصدیق کی۔۔۔ وہ مسکرا کر بولی۔

"جی ہاں ابھی بس فریش ہوکر مریضوں کو دوائی دینے آرہی ہوں۔۔۔" اس نے ہنستے ہوئے ثریا کو جواب دیا۔

"ڈاکٹر شمیم نے آپ کو اپنے آفس میں بلوایا ہے۔۔۔" اس نے مسکرا کر اطلاع دی۔

"ہاں۔۔۔ میں آتی ہوں۔" کرن نے ہاتھ منہ دھویا۔۔۔ اور ڈاکٹر شیمم کے آفس کی طرف بڑھی۔

"مجھے تو لگتا ہے۔۔۔ اس عورت نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے۔۔۔ جس کی سزا اس کے بیٹے کو ملی ہے۔۔۔ تم دیکھ نہیں رہی تھیں۔۔۔ کیسے ہر دیوار کے کونے میں وہ کھڑی ہو کر معافی مانگ رہی تھی۔" کرن نے اپنے دائیں طرف کچھ نرسوں کی بات چیت سنی۔ تو اسے کائنات نرس کی بات سے اندازہ ہوا کہ وہ اس اپاہج کے حوالے سے بات کر رہی ہیں۔۔۔ وہ ڈاکٹر شیمم کے آفس پہنچی۔ تو اس کا سر ٹیبل پر جھکا ہوا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دبا رہی تھی۔

"کیا میں اندر آسکتی ہوں۔۔۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔" ڈاکٹر شیمم نے بجھے لہجے سے اسے اجازت دی۔

"آپ پریشان دکھائی دے رہی ہیں۔۔۔ کوئی وجہ۔۔۔" کرن نے فکر مندی سے پوچھا۔۔۔ ڈاکٹر شیمم نے اپنی عینک اتاری۔۔۔ اور لمبی آہ بھری۔

"کرن آج اک مریض آیا ہے۔۔۔ اور وہ اپنی دونوں ٹانگوں سے لاچار ہو گیا ہے۔۔۔ تمہیں پتا ہے۔ کہ آپریشن سے پہلے وہ بس معافی مانگ رہا تھا۔۔۔ صرف معافی۔۔۔" ڈاکٹر شیمم نے افسردگی سے بات سنائی۔

"جی میں نے سنا ہے کہ اس مریض کی ماں بھی پاگلوں کی طرح دیوار کے کونے سے معافی مانگ رہی تھی۔۔۔ مجھے بھی سن کر برا لگا۔ اللہ تعالیٰ ان کی سختی معاف کر دے۔" کرن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کرن۔۔۔ تم اسے معاف کر دو۔۔۔ شاید اس کی کچھ اذیت کم ہو سکے۔" ڈاکٹر شیمم نے کرن کا ہاتھ تھام اس سے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔" وہ گھبرا سی گئی۔

"وہ شخص۔۔۔ وہ عورت۔۔۔ کوئی اور نہیں۔۔۔ وہ رحیم اور اس کی ماں ہے۔۔۔ جس کی سزا اللہ تعالیٰ نے انہیں دے دی۔۔۔ اور آپریشن کے وقت رحیم پاگلوں کی طرح تمہیں پکار رہا تھا۔ کہ اب اس کے پاؤں نہیں رہے۔۔۔ اس نے عورت کو پاؤں کی جوتی جو سمجھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پاؤں چھین لیے ہیں۔" ڈاکٹر شیمم کی آنکھیں بھر آئیں۔ کرن کی بھی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔۔۔ وہ رحیم کو اس حالت میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

اس نے جب گھر چھوڑا۔۔۔ تو ڈاکٹر شیمم نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔۔۔ اس کا ڈاکٹر شیمم نے خود سے علاج کیا۔۔۔ اور نرسنگ کا کورس کروا کر اپنے اسپتال میں ملازمت دلا دی۔ اس دوران اس نے کبھی رحیم کے لیے ایسی بددعائیں مانگی تھیں۔۔۔ جس صورت میں آج وہ اسے ملا تھا۔

نسرین ہر کونے سے معافی مانگتی ہے۔ اسے ہر کونے میں تم بیٹھی نظر آتی ہو۔۔۔" ڈاکٹر شیمم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔۔۔ اور وہ استغفار کا ورد کرنے لگی۔ کرن نے آنسو پونچھے۔۔۔ اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم گھر چلی جاؤ۔" ڈاکٹر شیمم نے آنسو پونچھ کر اسے ہدایت دی۔

"نہیں۔۔۔ یہ کیس میں ہینڈل کر لوں گی۔۔۔ آپ مجھے بتا دیں کہ کون سی دوائی کب دینی ہے۔"

"تم ٹھیک ہو۔۔۔" ڈاکٹر شیمم نے اس کی بات پر پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔ میں کرن نہیں رہی۔۔۔ میں اک نرس بھی ہوں۔۔۔ اور میرا کام مریض کی خدمت کرنا ہے۔" اس نے مضبوط لہجے سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔۔۔ رحیم کو دو گھنٹے کے بعد ہوش آئے گا۔۔۔ اسے کھانے کے بعد انجکشن دے دینا۔۔۔ اور اس کی ماں نسرین کی ذہنی کیفیت بہتر نہ ہوئی۔۔۔ تو پھر ریلیکس رکھنے کا انجکشن دینا پڑے گا۔" ڈاکٹر شیمم نے سنجیدگی سے اسے ہدایت دی۔

"جی۔" وہ سر جھکائے کمرے سے نکل گئی۔ دو گھنٹے کے بعد اس کے قدم رحیم کے کمرے کی طرف تھے۔ اس نے رحیم کے کمرے کے پاس آکر اک لمبی سانس لی۔۔۔ اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ وہ بستر پر بنا تھا۔۔۔ اور کراہ رہا تھا۔

"نرس۔۔۔ نرس۔۔۔ مجھے زہر کا انجکشن دے دیں۔۔۔ مجھے زندہ نہیں رہنا۔۔۔" اس نے کرن پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔۔۔ بس وہ اپنے درد سے چیخ رہا تھا۔

"نرس۔۔۔ میں آپ سے کچھ کہہ رہا ہوں۔۔۔" اس نے غصے سے کرن کا بازو پکڑ لیا اور چیخا۔

"مجھے زہر دے دیں۔۔۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔۔۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"پلیز میرا ہاتھ چھوڑیے۔۔۔" وہ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔۔۔ وہ اس کے گلوکوز کی بوتل اتار چکی تھی۔

"تم۔۔۔ کرن۔۔۔؟" اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"کائنات ان کے ساتھ جو آئی تھیں۔۔۔ کیا انہیں ہوش آیا ہے۔۔۔" کرن نے مضبوط لہجے میں کائنات سے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔ مگر انہیں پھر انجکشن دینا پڑا۔"

"کائنات آپ ان کے لیے کچھ کھانے کا بندوبست کریں۔۔۔ انہیں انجکشن دینا ہے۔۔۔" کرن نے کائنات کو حکم دیا۔

"ٹھیک ہے میں لے آتی ہوں۔۔۔ مگر کھانے کا بل کون ادا کرے گا۔۔۔" کائنات نے حیرانی سے پوچھا۔

"میرے حساب میں لکھ لیں۔۔۔" اس نے کائنات کو جواب دیا۔۔۔ اس سے پہلے کہ کائنات باہر جاتی۔۔۔ رحیم چیخا۔۔۔

"میں بہت برا شخص ہوں۔۔۔ میں نے کرن سے اس کی زندگی چھین لی۔۔۔ اس کو دھوکا دیا۔۔۔ اسے اک کونے میں پھینک دیا۔۔۔ اس سے نوالہ تک چھین لیا۔۔۔ اور کرن۔۔۔ مجھ جیسے جانور کے لیے نوالے کا بندوبست کر رہی ہے۔۔۔ مجھے زہر دو۔۔۔ میں اسی قابل ہوں۔۔۔" اس نے چیخ چیخ کر کائنات کو بتایا۔ کائنات حیرت سے بولی۔۔۔

"کون کرن۔۔۔ آپ کس کرن کے متعلق بات کر رہے ہیں۔۔۔" اس نے پوچھا۔ کرن سنجیدگی سے بولی۔۔۔

"مس کائنات آپ جلدی سے کھانے کا آرڈر دیں۔۔۔ میں بعد میں بات کرتی ہوں۔۔۔" کرن نے مضبوط لہجے میں پھر اسے حکم دیا۔۔۔ وہ خاموشی سے باہر چلی گئی۔

"میں رحم کے قابل نہیں ہوں۔۔۔" وہ روتے روتے بولا۔

"دیکھو میں نے تمہیں پاؤں کی جوتی سمجھا۔۔۔ خدا نے مجھ سے پاؤں ہی چھین لیے ہیں۔۔۔" اس نے چادر ہٹائی۔۔۔ اس کی دونوں ٹانگوں کی سفید پٹیاں خون سے رنگی ہوئی تھیں۔۔۔

"مجھے معاف کر دو۔۔۔ کرن۔۔۔ میں تمہارا گناہ گار ہوں۔۔۔ دیکھو تم ناکارہ نہیں ہو۔۔۔ ناکارہ تو میں ہوں۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔۔" وہ چیخا۔ کرن نے ٹیبل سے رسالہ اٹھایا۔۔۔ اور دور ایک کرسی پر جا بیٹھی۔۔۔ وہ تڑپ تڑپ کر معافی مانگتا رہا۔۔۔ اور وہ رسالے سے چہرہ چھپائے اپنے آنسوؤں کو گرنے سے روک رہی تھی۔

کائنات ایک ٹرے میں کھانا لے آئی۔

"چلیے۔۔۔ تھوڑا سا کھانا کھا لیجیے۔" کائنات نے پیار سے چاول کا چمچہ اس کے منہ کی جانب بڑھایا۔

"نہیں۔۔۔ مجھے اس کے ہاتھوں سے کھانا ہے۔ کرن مجھے معاف کر دو۔" میں نے تمہیں بہت مارا تھا۔۔۔ جب تم نے میرا ہاتھ تھاما تھا۔۔۔ میں تمہیں اچھوت سمجھتا تھا۔ اس لیے تم خود مجھے کھانا نہیں کھلا رہی ہو۔۔۔ میں تمہارے ہاتھوں سے کھانا کھاؤں گا۔۔۔ شاید اس سے میرا درد کم ہو جائے۔۔۔ شاید اس سے اللہ مجھ سے خوش ہو جائے۔" اس نے تڑپ کر کہا۔ وہ کرسی سے اٹھی۔۔۔ اور اس نے کائنات سے ٹرے تھام لی۔

"کائنات آپ انجکشن لے آئیں۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا چاول سے چمچہ بھرا۔۔۔ اور رحیم کے منہ میں ڈالا۔۔۔ وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا کیا؟" اس نے بے بسی سے پوچھا۔

"سر آپ کھانا کھائیے۔ آپ کو ابھی انجکشن بھی دینا ہے۔" اس نے ایک نرس کی طرح جواب دیا اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا۔۔۔ نسرین کمرے میں آ پہنچی۔۔۔ کرن کو دیکھ کر وہ اس کے قدموں میں گر پڑی۔

"کرن۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا۔۔۔ دیکھ لو۔۔۔ ہمیں اللہ نے سزا دے دی۔۔۔ نمو گھر چھوڑ کر چلی گئی۔۔۔ اس نے رحیم اور میرے گھر کو تباہ کر دیا۔۔۔ اس نے شادی رحیم سے انتقام کے لیے کی تھی۔۔۔ اس نے میرا جینا حرام کیا۔۔۔ مجھے کئی کئی روز بھوکا رکھا۔۔۔ مجھے تو نمو کے ہاتھوں خدا تعالیٰ نے سزا دے دی۔ مگر رحیم کو خدا تعالیٰ نے خود سزا دی۔۔۔ اور اسے دونوں ٹانگوں سے محروم کر دیا۔ اس نے تجھے پاؤں کی جوتی جو سمجھا تھا۔ میرے بیٹے کو معاف کر دے۔۔۔ میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" نسرین اٹھ کر کھڑی ہوئی اور اس نے کرن کو گلے سے لگا لیا۔۔۔ کرن کو یوں لگا۔۔۔ جیسے اس کا مضبوط دل چھن سے ٹوٹ گیا۔۔۔ اس نے بڑی ہمت سے زبان کھولی۔۔۔

"محترمہ۔۔۔ میں نے آپ لوگوں کو معاف کر دیا پلیز مجھ سے دور رہیں۔" اس نے نسرین کو خود سے جدا کیا۔

"دیکھو بیٹا کرن نے تجھے معاف کر دیا ہے۔۔۔ میری بہو نے مجھے معاف کر دیا ہے۔۔۔" نسرین پاگلوں کی طرح تالیاں بجانے لگی۔ کرن نے کائنات سے انجکشن لے کر رحیم کو آہستگی سے لگایا۔۔۔ انجکشن کے بعد اس نے کرن کا ہاتھ تھام لیا۔۔۔ اور تڑپ کر بولا۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا ہے کیا؟ یہ پھر میں تمہارے آگے گھٹنے ٹیک دوں۔۔۔ مگر شاید اب میں وہ بھی نہیں کر سکتا۔" اس نے لرزتی آواز سے پوچھا۔

"مسٹر رحیم۔۔۔ آپ بے فکر ہو کر سو جائیے۔۔۔ میں نے آپ کو معاف کر دیا۔۔۔" اس نے شائستگی سے اپنا ہاتھ چھڑوا لیا۔۔۔ اور کائنات کو دوا کی ہدایت دے کر وہاں سے نکلی۔ رحیم زور سے چیخا۔۔۔

"مجھے دل سے معاف کر دو۔۔۔ کرن۔۔۔ تم مجھے معافی نہیں دے کر جا رہی ہو۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔۔ میرا دل پھٹ رہا ہے۔۔۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے۔۔۔ کہ میرا گناہ بہت بڑا ہے۔۔۔ مجھے سکون نہیں ملا۔۔۔ مجھے سکون نہیں ملا۔" نسرین نے تالیاں بجانی شروع کر دیں۔۔۔

"کرن میری بہو ہے۔۔۔ میری بہت پیاری بہو۔" وہ بیٹے کی ٹانگیں کھو جانے پر اپنا توازن کھو چکی تھی۔۔۔ کائنات نے نسرین کو سنبھالنا شروع کیا۔

اس نے سچے دل سے انہیں معاف کر دیا تھا۔۔۔ پھر اپنے آنسو پونچھے۔۔۔ اور چہرے پر مسکراہٹ سجا کر وہ بچوں کی وارڈ میں داخل ہوئی۔۔۔ اسے بچوں کو انجکشن دینا تھا۔۔۔ جو یرقان کے مرض میں مبتلا تھے۔۔۔ وہ کرن اب صرف اسپتال کی نرس کرن تھی۔۔۔ جس کا مقصد دوسروں کی خدمت کرنا تھا۔۔۔ اور حقیقت تو یہ ہے۔ کہ جسے اللہ رکھے۔۔۔ اسے کون چکھے۔

☼ ☼

علی اور ثمن کی ملاقات بڑی آپی کی شادی پر ہوئی تھی۔ وہ علی کی دور پرے کی کزن تھی اور شہر سے گاؤں میں بطور خاص گاؤں کی شادی دیکھنے آئی تھی۔ اونچی لمبی چٹی گوری ثمن سب کو بہت پیاری لگی۔ وہ تھی بھی تو بہت پیاری' اچھی شکل و صورت کے ساتھ اگر لڑکی معصوم بھی ہو اور خوش اخلاق بھی تو سونے پہ سہاگہ والی بات ہوتی ہے۔

ثمن علی کی بہنوں سے یوں گھل مل گئی جیسے برسوں کی جان پہچان ہو' وہ مہمان بن کر بیٹھنے کے بجائے سارا دن زارا آپی اور ردا کے ساتھ کچن میں لگی رہتی' اگر زارا آپی مہمانوں کے لیے چائے بنا رہی ہیں تو ثمن فوراً" پیالیوں میں چائے ڈال کر مہمانوں کو دے آتی' تب تک زارا آپی کوئی اور کام کر لیتیں۔ ابھی بھی وہ سنک میں پڑے برتن دھو رہی تھی کہ ردا نے آکر اسے ٹوک دیا۔

"ثمن تم مہمان ہو' کمرے میں جا کر بیٹھو' اچھا نہیں لگتا۔" ردا نے پلیٹ اس کے ہاتھ سے پکڑی۔

"کیا اچھا نہیں لگتا' بہنیں ہو تم لوگ میری' تم لوگ کام کرو اور میں باقی ماندہ لوگوں کی طرح بیڈ پر چڑھ کر بیٹھ جاؤں' یہ بہت اچھی بات ہو گی کیا۔" ثمن نے مگن سے انداز میں کہتے ہوئے پھر سے برتن دھونے شروع کر دیے۔

"پھر بھی ثمن۔۔۔" ردا نے کمزور سا احتجاج کرنا چاہا' مگر ثمن نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر اسے چپ کروا دیا تو کچن میں داخل ہوتی زارا آپی نے تشکر بھری نظروں سے ثمن کو دیکھا۔ ثمن ہر لحاظ سے مکمل اور پسندیدہ لڑکی تھی۔ ردا بھی اسے پسندیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

کبھی کبھی ہمارا چھوٹا سا عمل' ہماری کوئی اچھائی ہمیں دوسروں کی نظروں میں اہم ہی نہیں معتبر بھی بنا دیتی ہے اور دلوں میں موجود عزت و محبت کو دوچند کر دیتی ہے۔ جیسے جب ہم اپنے کسی بڑے کو عزت دیتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے چھوٹوں سے واپس مل جاتی ہے' ہم سے چھوٹے بھی ہمیں عزت دیتے ہیں اور قابل احترام سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی چھوٹی چھوٹی نیکیاں رائیگاں نہیں جاتیں محبت کے بدلے محبت ملتی ہے اور دوسروں کے دل میں مقام بھی۔

علی چھ بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا اس وجہ سے تمام ذمہ داریاں اسی کے کندھوں پر تھیں۔ وہ شادی کے انتظامات میں اتنا مصروف تھا کہ اسے کھانے پینے کا بھی کوئی ہوش نہیں تھا۔ علی نے مکینیکل انجینئرنگ کیا تھا اور اسلام آباد میں اس کی جاب تھی۔ وہ اپنی ذمہ داریوں سے بخوبی آگاہ تھا۔

بارات آنے والی تھی۔ گھر کے سامنے کھلے پلاٹ میں بارات کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ علی کے دوست بھی اس کے ساتھ کام میں لگے ہوئے تھے۔

پچھلے دو دن سے وہ سو نہیں سکا تھا۔ تھکن اس کے بدن سے لپٹی ہوئی تھی۔ نیند سے بے حال وہ تندہی سے کام میں لگا ہوا تھا۔ بے آرامی سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ نیند کے جھونکے اس کا سکون درہم برہم کر رہے تھے۔

علی کی دونوں شادی شدہ بہنیں بھی اپنے بچوں سمیت شادی میں شرکت کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ اب تیسری بہن نورین کی شادی تھی۔

ثمن بہت دیر سے علی کو بھاگتے دوڑتے بوکھلاتے دیکھ رہی تھی' کبھی وہ آنٹی کے پاس جھکا ہوا کوئی بات کر رہا ہوتا تو دوسرے ہی پل باہر سے اسے پکارا جاتا تو وہ مستعدی سے باہر کی جانب لپکتا۔ ثمن سلجھی ہوئی لڑکی تھی' لیکن نہ جانے اسے کیا سوجھا کہ اب کے بار علی کمرے میں کوئی چیز اٹھانے یا کسی کام کی غرض سے آیا تو ثمن نے اسے پکارا۔

"علی سنو تو۔" اس نے پکارا۔

"جی۔۔۔" علی نے استفہامیہ ثمن کو دیکھا۔

"بڑی مانگ ہے تمہاری تو۔" ثمن سامنے آکر بولی۔

"مانگ۔" وہ حیران ہوا۔

"ہاں نا ہر طرف سے علی' علی کی پکار سنائی دے رہی ہے۔" وہ نچلا ہونٹ لبوں میں دبا کر شرارت سے بولی۔

"تو۔۔۔" علی نے اسے گھورا۔

"تو اسی لیے آپ کے مزاج نہیں ملتے سیدھے منہ تم کسی سے بات نہیں کرتے۔" اس نے شوخی سے فقرہ اچھالا۔

"میں مصروف ہوں۔" وہ جانے لگا تو ثمن تن کر اس کے راستے میں کھڑی ہو گئی۔

"ہاں بولو' کیا کہنا ہے۔" علی اکتا کر وہیں رک گیا۔ علی نے اس کی چمکتی زندگی سے بھرپور آنکھوں سے اپنی نظریں چرائیں' کیسا طلسمی سحر تھا اس کی آنکھوں میں جو مقابل کو جکڑ کر رکھ دے۔

"کچھ بھی نہیں بس ایسے ہی۔" ثمن خواہ مخواہ مسکراتے ہوئے ادائے بے نیازی سے بولی' کیسی دلبری و رعنائی تھی اس کے انداز میں کہ' علی کا موڈ یک لخت آف ہوا' کوفت و بے زاری سے اس کے اعصاب تن سے گئے۔ اس نے سختی سے ثمن کی نازک کلائی دبوچ کر اسے راستے سے ہٹایا اور قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔

"ثمن تمہیں شوخیاں اس لیے سوجھ رہی ہیں کہ تمہارا پرس نوٹوں سے بھرا ہوا ہے اور پیٹ کھانے سے' چھوڑو فضول باتیں۔" علی زہر خند انداز میں پھنکارا اور اسے دھکیلتا ہوا باہر چلا گیا۔ شور کی آوازیں آرہی تھیں۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ شاید بارات بھی آگئی تھی۔ ثمن کے ہنستے مسکراتے چہرے پر پل میں درد بکھرا تھا اور لبوں کی مسکان سکڑ گئی اور وہ تحیر زدہ سی ساکت و صامت کھڑی جاتے ہوئے علی کو دیکھتی رہ گئی۔

آنٹی اور امی اس کو آوازیں دے رہی تھیں اور وہ آنکھوں کے نم ہوتے گوشوں کو مسلتی اپنی اس تازہ ترین درگت پر حیران سی جہاں کی تہاں کھڑی تھی۔

"کزن ہونے کے ناتے بے ضرر سی شرارت ہی تو کر رہی تھی' ایسا کیا کر دیا میں نے جو علی نے ایسا کیا میرے ساتھ۔" وہ علی کے ناقابل فہم رویے پر بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔

"ثمن آجاؤ' سب تمہیں بلا رہے ہیں۔" ردا آئی اور ثمن کی حالت دیکھے بغیر اپنی بات کہہ کر چلی بھی گئی۔

آج ثمن نے میرون فراک اور پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی' لیکن آج اس کے دلکش وجود سے اداسی لپٹی ہوئی تھی اور صبیح چہرے پر حزن و ملال کے رنگ نمایاں' ہونٹوں کی مسکان بھی غائب اور چمکتی آنکھوں کی جوت بھی بجھ سی گئی تھی۔ کسی نے بھی ثمن کی اس حالت پر غور نہیں کیا تھا۔ کیونکہ کم و بیش گھر کے سبھی افراد نورین کی جدائی کی وجہ سے ایسے ہی گم سم سے تھے۔ لیکن علی نے ثمن کی سوگواری کو شدت سے محسوس کیا اور ہلکی سی ندامت اس کے دل میں ابھری اور ملال کا رنگ اختیار کر گئی۔ نورین کی رخصتی پر سب ہی زار و زار رو رہے تھے ثمن بھی رو رہی تھی۔

علی بھی رو رہا تھا' جب ثمن نے علی کو روتے دیکھا تو یک ٹک اسے بے خودی سے دیکھے گئی نورین گاڑی میں بیٹھ کر جا بھی چکی تھی' پیچھے سب کو غمگین اور رنجیدہ چھوڑ گئی تھی۔ ثمن سب کو چپ کروا رہی تھی۔ جب علی کی نظر ثمن کی نظر سے ٹکرائی تو غیر محسوس طریقے سے ثمن نے علی کو اشارے سے رونے سے منع کیا تو علی نے بھی پھیکی سی مسکان کے ساتھ آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"فاطمہ بہن رو مت' بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں۔ اللہ ان کو اپنے گھر میں خوش رکھے اپنے گھر کی ہو گئی۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ جس نے تمہیں اتنا تابعدار اور ہونہار بیٹا دیا' کیسے سارے گھر کی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے نبھا رہا ہے۔" ثمن کی امی نے علی کی امی کو تسلی دے کر علی کو محبت پاش نظروں سے دیکھا۔

"ہاں بہن اللہ علی کی عمر دراز کرے اپنے ابو کے بعد میرے بچے نے جس طرح اپنی بہنوں کا میرا اور اس گھر کا خیال رکھا میں اپنے اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔" فاطمہ نے محبت لٹاتی نظروں سے علی کو دیکھا۔

پورا گاؤں علی کی تعریفیں کر رہا تھا' ایسا سعادت مند اور نیک لڑکا کہ ہر نظر میں اس کے لیے محبت اور

ستائش تھی' ماں کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"ثمن اور اس کی امی کل جانے والی ہیں۔" جب یہ بات فاطمہ نے علی کو بتائی تو وہ ملول سا ہو گیا۔ وہ ثمن سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ اپنے اتنے کھردرے اور سخت رویے کی۔ جو بھی تھا ایک تو وہ اس کی کزن تھی۔ ان کے گھر مہمان تھی اور اتنی اچھی بھی تو تھی۔ شام کو وہ کچن میں تھی۔ روا کے ساتھ جب وہ بلا ارادہ ہی کچن میں گھستا چلا گیا اور بلا ضرورت ہی روا سے چائے کی فرمائش کر بیٹھا ثمن پیٹھ موڑے سالن بنا رہی تھی اور روا جب چائے کی پیالی علی کو پکڑا کر کسی کام سے کچن سے نکلی تو وہ دھیرے سے ثمن کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

"ثمن مجھے معاف کر دو۔" وہ دھیمے سے گویا ہوا۔

"کس بات پر معافی مانگ رہے ہو۔" ثمن نے علی کو دیکھے بنا ہی کہا۔

"دراصل اس دن میں بہت تھکا ہوا اور پریشان تھا۔ اس لیے تمہارے ساتھ کافی بدتمیزی کر گیا پلیز۔" وہ ملتجی انداز میں وضاحت دے رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں علی۔" ثمن کے دل سے سب ملال مٹ گیا کوئی خفگی باقی نہ رہی۔

"اور ثمن میں دو دن سے بھوکا بھی تھا۔" اس کے وجیہہ چہرے پر اتنی لاچاری اور ـــــ مسکینی تھی کہ ثمن کے منہ سے بے ساختہ ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ کچھ دیر علی اسے دیکھتا رہا۔ پھر ثمن کی ہنسی میں علی کی ہنسی بھی شامل ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

ثمن جاتے ہوئے بہت روئی تھی۔ بار بار سلگتی نظروں سے علی کو دیکھ رہی تھی۔ علی اس کی بے چینی اور تڑپ سمجھ رہا تھا۔ لیکن دانستہ نظریں چرا رہا تھا۔ علی ان کو بس کے اڈے تک چھوڑنے جا رہا تھا۔ پندرہ' بیس منٹ کا فاصلہ تھا۔ اس لیے وہ لوگ پیدل ہی چل پڑے تھے۔ ثمن اور علی ایک دوسرے کو دیکھ نہیں رہے تھے' لیکن دلوں میں دہکتے جذبوں کی آنچ دونوں بخوبی محسوس کر رہے تھے۔

"بیٹا تمہارا باپ تو ایک ناکام آدمی تھا ساری زندگی کبھی اس نے دل لگا کر نہ ہی محنت کی اور نہ ہی فاطمہ کو محبت دی۔" آنٹی کی بات کسی انی کی طرح علی کے دل میں پیوست ہوئی تھی' پل میں اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ وہ جتنا اپنے باپ کے ماضی سے بے زار تھا۔ وہ ماضی کسی نہ کسی حوالے سے آکر علی کے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا۔

"اللہ بخشے انہوں نے ساری زندگی برے کاموں میں گزاری بہت شراب پیتا تھا احمد بخش' اور اس دن بھی تو۔۔۔" ثمن نے علی کی زرد پڑتی رنگت اور لرزتے لب دیکھے تو بے ساختہ ماں کی بات کاٹ ڈالی۔

"بس کریں امی' یہ کوئی وقت ہے ایسی باتیں کرنے کا۔" ثمن بے چارگی سے بولی۔ علی بھی خطرناک حد تک سنجیدہ ہو چکا تھا۔ ثمن اور آنٹی بھی خجل سی ہو گئیں۔ وہ ان کو چھوڑ کر گھر آکر لیٹ گیا۔ اس کا دل بہت نڈھال سا ہو رہا تھا۔ ماضی کی المناک یادیں اس کے اعصاب شل کر رہی تھیں۔

ماں' باپ کا کردار بچوں کے لیے مثال بنتا ہے اور جہاں ماں یا باپ کے کردار میں کہیں کوئی کمی یا کوئی جھول ہو تو چاہے وہ ماضی ہو یا حال ہمیشہ اولاد کا سر جھکائے رکھتا ہے۔ علی خوش اور مگن رہنے کی جتنی سعی کرتا تھا لوگوں کی باتیں اس کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیتی تھیں۔ باپ کے گھناؤنے کردار کا حوالہ علی کی ساری قابلیت' ساری نیکی پر چھا جاتا تھا۔ یہ درد علی کو ادھ موا کر ڈالتا تھا۔

علی کی جلتے کڑھتے سلگتے نہ جانے کب آنکھ لگ گئی تھی' جب وہ سارا دن سو کر رات کو جاگا تو اس کی نظر اپنے سیل فون پر پڑی بہت ساری کالز اور میسجز آئے ہوئے تھے علی اتنی گہری نیند سویا تھا کہ اسے آواز ہی سنائی نہیں دی۔ ایک انجانے نمبر سے کالز اور لاتعداد میسجز تھے۔ علی نے جب کال بیک کی تو وہ ثمن کا نمبر تھا۔ اس طرح ان دونوں کا رابطہ ہو گیا۔ دلوں میں پنہاں جذبات کو زبان ملی تو جیسے علی کی بے رنگ زندگی میں بہار آگئی۔ وہ بہت خوش رہنے لگا۔

"یار ثمن جب تم میری زندگی میں نہیں تھیں تو زندگی اتنی خوب صورت نہیں لگتی تھی۔ تھکا دینے والے رات دن میں کوئی دلکشی نہیں تھی جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو مجھے بھی جینا آگیا ہے۔ جیسے میں بھی شاداب ہو گیا ہوں۔" وہ متبسم لہجے میں کہتا۔

"کیا مطلب' شاداب۔" ثمن کم فہمی سے پوچھتے ہوئے ہنسی تو اس کی ہنسی کا جلترنگ علی کی ساری تھکان اتار گیا۔

"کچھ نہیں' تم نہیں سمجھو گی۔" علی مصنوعی خفگی سے بولا۔

"بتاؤ نا علی سچ مجھے سمجھ نہیں آئی۔" ثمن سنجیدہ ہوئی۔

"مطلب جیسے ایک پودا دوسروں کی عدم توجہی سے آہستہ آہستہ مرجھا جاتا ہے۔ بے رنگ اور پھیکا پڑ جاتا ہے' پھر کوئی آئے اس کا خیال کرے' اس کی بنیادی ضروریات پوری کرے تو وہ پھر سے اپنی کھوئی ہوئی رعنائی و دلکشی پا لے' پھر سے شاداب ہو جائے۔" علی کا یاسیت بھرا انداز ثمن نے دل سے محسوس کیا۔

"علی کیا مجھ سے پہلے تمہاری زندگی میں کوئی نہیں تھا ـــ" ثمن کی آواز علی کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"ہاں تھی ایک لڑکی اسٹوڈنٹ لائف میں۔" علی دھیرے سے بولا۔

"کون تھی۔" ثمن بولی۔

"ساتھ پڑھتی تھی' بس اچھی لگتی تھی' مگر بات اچھے لگنے سے آگے نہیں بڑھی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" ثمن خوامخواہ دلچسپی لے رہی تھی۔

"تمہیں اس کا ذکر برا نہیں لگ رہا۔" علی نے اسے چھیڑا۔

"بالکل نہیں' کیونکہ وہ آپ کا ماضی تھی اور میں آپ کا حال اور حال میں خوش رہنا چاہیے' کیونکہ جس لمحے میں آپ میرے ہو یہ لمحہ قیمتی ہے میری متاع حیات ہے اور میں خوا مخواہ ماضی کو اپنے اوپر طاری کر کے حال کو ناخوشگوار بنانا پسند نہیں کرتی' ویسے بھی علی جن کی اپنی شخصیت مضبوط ہو ان کو ایسے واہمے اور اندیشے لاحق ہوتے بھی نہیں کہ کہیں ہم سے محبت کرنے والا بدل نہ جائے کسی اور لڑکی سے متاثر نہ ہو جائے۔ ہمیں خود پہ اعتماد ہونا چاہیے اور جب ہمیں خود پر اپنے اللہ پر یقین ہے تو سب پر ہونا چاہیے۔" ثمن کا پراثر انداز گفتگو علی کے من کو بھاتا تھا۔

"ثمن ایک بات کہوں۔" وہ کسی سوچ میں گم بولا۔

"جی۔"

"تم اور تمہارا ساتھ مجھے تاحیات چاہیے۔" علی کے لہجے میں جذبوں کی شدت تھی۔

"علی تم اتنے اچھے نیک فطرت خیال کرنے والے اور مکمل شخصیت رکھتے ہو میری بھی یہی خواہش ہے کہ ہماری محبت ہمارا ساتھ تاعمر رہے۔" ثمن علی کی محبت میں اتنا آگے جا چکی تھی کہ اسے پل کی جدائی بھی صدیوں پر محیط لگتی تھی۔ ثمن پڑھائی مکمل کر چکی تھی۔ اب سارا دن گھر کا کام کاج کرتی تھی یا علی سے باتیں۔ ان دونوں کی ذہنی اور دلی ہم آہنگی کمال کی تھی۔

☼ ☼ ☼

علی ابھی آفس سے آیا ہی تھا کہ امی کا فون آگیا۔ وہ کچھ پریشان تھیں' علی نے ان کی آواز سے جھلکتے تفکر کو دل سے محسوس کیا تھا۔

"کیا بات ہے امی آپ اتنی پریشان کیوں ہیں۔" علی نے جوتوں کی قید سے پاؤں آزاد کرتے ہوئے کہا۔

"وہ بیٹا وہ نورین ـــ" وہ بتانے میں ہچکچاہٹ اور تامل سے کام لے رہی تھیں۔

"بتائیے نا امی۔" علی کا دل خوف سے بھر گیا۔

"بیٹا میں کہنا نہیں چاہتی کیونکہ ابھی تو شادی کا ہی بہت قرض ہے تم پر' مگر وہ نورین کا شوہر بیس ہزار روپے مانگ رہا ہے۔" امی ذرا سا رکیں شاید وہ کچھ اور کہنے کے لیے الفاظ ترتیب دے رہی تھیں' علی گم سم

دم سادھے بیٹھا تھا۔ جب پھر ان کی آواز آئی۔

"بیٹا میں جانتی ہوں کہ یہ غلط ہے، مگر بیگانے ہیں نا نورین کے سسرالی، اپنے ہوتے تو احساس بھی کرتے۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں۔

"علی کچھ بولو نا۔"

"کیا بولوں امی۔" علی نے اپنے پاؤں دباتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ علی کو اپنی تھکن یک دم ہی بہت بڑھتی ہوئی سی محسوس ہوئی تھی۔

"بیٹا نئی نئی شادی ہے نورین کی اور میں نہیں چاہتی کہ کوئی بدمزگی ہو، اس لیے۔۔۔" علی نے درمیان سے ان کی بات کاٹ ڈالی۔

"ٹھیک ہے امی میں کچھ کرتا ہوں۔" علی نے امی کو اپنا خیال رکھنے کا کہہ کر بجھے دل سے فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

علی نورین کی شادی پر "تقریباً" تمام دوستوں سے قرض لے چکا تھا۔ اب اسے کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ آنکھیں موندے بے جان سا لیٹا رہا۔ ذہن سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

ثمن کی بار بار کال آ رہی تھی، لیکن وہ اس وقت کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ خود کو بہت اکیلا سا محسوس کر رہا تھا۔ ثمن کی کالز مسلسل آ رہی تھیں، اکتا کر علی نے فون ہی بند کر دیا۔ اس کی بھوک پیاس سب مٹ چکی تھی۔ بے چارگی و بے بسی کا جان لیوا احساس علی کو ادھ موا کر رہا تھا۔ علی کی بری عادت یہ تھی کہ وہ دل کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا تھا۔

رات کو جب اس نے سیل آن کیا تو ثمن کے لاتعداد میسجز آئے ہوئے تھے۔ وہ پریشان تھی۔ رو رہی تھی، علی جانتا تھا کہ ثمن اس کا بہت خیال رکھتی ہے، بہت پیار کرتی ہے اور علی بھی اس کی بہت قدر کرتا تھا۔ علی نے اسے سوری کا پیغام بھیجا تو فوراً" ثمن کی کال آ گئی۔ وہ بہت رو رہی تھی۔ ہراساں و پریشان تھی، علی بہت پشیمان ہوا، اسے ندامت سی ہونے لگی۔ پھر وہ تب تک ثمن سے باتیں کرتا رہا جب تک ثمن ہنسنے مسکرانے نہیں لگی۔ ثمن ہمیشہ یوں ہی علی کا خیال رکھتی اور علی اس کا۔ پھر جیسے تیسے علی نے پیسوں کا انتظام کر ہی لیا تھا۔

جیسے ہی رقم نورین کو ملی اس نے بھائی کو فون کھڑکا دیا۔ اظہار تشکر سے اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔ علی پچھلے دنوں کی ساری تجل خواری اور کوفت بھول گیا۔ بہن کی چہچہاتی آواز اور مشکور و ممنون انداز نے علی کو نہال کر دیا۔

☼ ☼ ☼

علی کی قابلیت کے لحاظ سے اس کی تنخواہ بھی بہت اچھی تھی، لیکن خرچے اتنے زیادہ تھے کہ ہر ماہ علی کی ساری تنخواہ ختم ہو جاتی تھی۔ اب کے اس نے کمیٹی ڈال لی تھی، تاکہ نورین کی شادی کا قرض اتار سکے۔

علی اپنے گھر والوں سے دور ان کی جدائی صرف اپنی ماں اور بہنوں کے آرام کے لیے ہی برداشت کر رہا تھا۔ وہ سہانے خواب آنکھوں میں سجائے روشن مستقبل کی جانب گامزن تھا۔ ثمن کی ہمراہی کے سپنے علی کی آنکھوں کو حدت بخش دیتے، رتجگوں میں بھی رنگ بھر دیتے، وہ خوابوں کی دنیا میں کھو جاتا، دلکش اور خوش رنگ مستقبل جب ثمن اس کے ساتھ ہو گی، ان خوابوں میں اتنی رعنائی و دلکشی اور طمانیت و آسودگی ہوتی کہ وہ پردے گرا کر کمرے میں اندھیرا کر کے بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹ جاتا۔ ثمن اکثر کہتی تھی۔

"علی پتا ہے مجھے تم کیوں اتنے منفرد لگے، کیونکہ جس طرح تم اپنی ماں اور بہنوں کا خیال رکھتے ہو یہ میں نے بہت کم دیکھا ہے آج کل کے لڑکے اتنے ذمہ دار، تابعدار اور حساس دل رکھنے والے نہیں ہوتے۔"

"ثمن تم میرا ساتھ دو گی نا، تھوڑا سا انتظار کرو گی نا، نورین کی شادی کا قرضہ اتر جائے تو میں پھر دو کمیٹیاں ڈالوں گا اپنی اور زارا کی شادی کے لیے۔" نہ جانے کیوں علی کو آج کل ثمن سے بچھڑ جانے کا خوف ستاتا تھا اور وہ اکثر اس کا تذکرہ ثمن سے بھی کر دیتا تھا۔

"پاگل ہو علی تم بھی بس، ایسا کچھ نہیں ہو گا، میں صرف تم سے شادی کروں گی، ورنہ کبھی نہیں۔" ثمن کا مضبوط انداز علی کی ڈھارس بندھاتا تھا۔ ہم سوچتے کچھ ہیں، منصوبے کچھ بناتے ہیں، مگر ہوتا وہی ہے جو کاتب تقدیر رقم کر چکا ہوتا ہے۔ وقت گزرتا چلا گیا، علی اپنا قرض اتار چکا تھا۔ بہت جلد وہ ثمن کے لیے امی سے بات کرنے والا تھا کہ ایک عجیب بات ہوئی۔

ایک دن ثمن اور وہ باتیں کر رہے تھے، بہت مگن اور خوش تھے دونوں، ثمن کچن میں تھی کہ اس کی امی چائے کے لیے کچن میں آئیں تو ثمن نے سیل چھپا دیا، علی سیل کان سے لگائے آنٹی کے واپس کمرے میں جانے کا منتظر تھا کہ آنٹی کی آواز مکمل تلخی اپنے اندر سموئے علی کو سنائی دی۔

"ثمن میں جانتی ہوں کہ تم چھپ چھپ کے علی سے باتیں کرتی ہو۔ اس کی ہونے کے خواب مت دیکھو، ورنہ تیری آنکھیں پھوڑ ڈالوں گی۔" آنٹی کا پھنکارتا تحقیر آمیز لب و لہجہ علی کی سماعتوں میں زہر سا گھول گیا۔ وہ تحیر زدہ سا آنٹی کے انداز سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان کے انداز میں اتنی قطعیت تھی کہ علی گنگ رہ گیا۔ وہ تو بظاہر علی سے اتنی محبت و لگاوٹ سے باتیں کرتی تھیں اور بے جا تعریفیں بھی کرتی رہتی تھیں۔

"مگر امی کیوں۔" ثمن کی روہانسی آواز آئی۔

"بس میں نے کہہ دیا نا تو اس کے پیچھے کوئی وجہ بھی ضرور ہے اور ویسے بھی میں تمہاری ماں ہوں، تمہارا اچھا ہی سوچوں گی۔" ان کی بے زاری صاف عیاں تھی، علی ان کے منافقانہ رویے سے جی بھر کر بے زار ہوا، وہ غصے سے فون بند کرنا ہی چاہتا تھا کہ ثمن کی تڑختی ہوئی آواز پھٹ کر علی کے کانوں میں آئی۔

"امی آپ بھی کان کھول کر سن لیں، میری شادی ہو گی تو علی سے، ورنہ میں اس کے ساتھ گھر سے بھاگ جاؤں گی، آنٹی آئیں تو ان کو انکار مت کرنا، ورنہ نتائج کی ذمہ داری آپ پر ہو گی۔" علی کو ثمن کے الفاظ و انداز نے بہت تھیس پہنچائی تھی۔ وہ دونوں ماں، بیٹی مقابلے میں چیخ رہی تھیں۔

"وہ ایک بدکردار باپ کا بیٹا ہے جو زانی تھا۔ شرابی تھا، پتا ہے وہ کیسے مرا تھا۔۔۔" آنٹی کا جملہ ادھورا تھا کہ علی نے فون بیڈ پر پٹخ دیا۔ علی کا ذہن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا نظر آ رہا تھا۔

ناولٹ

ریحانہ امجد بخاری

وہ اک پری ہے

چھٹی قسط

سیل فون کا اسپیکر آن ہو گیا تھا۔ بیڈ پر پڑے سیل میں سے ابھر ابھر کر آنٹی کی آواز اسے رلا رہی تھی۔ وہ رو رہا تھا بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر۔

”اس کا باپ پیشہ کرنے والی عورتوں کے پاس جاتا تھا۔ ایسی عورتوں کے ہزار چاہنے والے ہوتے ہیں۔ وہ بھلا کسی ایک کی ہو کر رہتی ہیں، ساری زمین، جائیداد بیچ کر ان لوگوں پر اڑا دی اور جب خالی جیب ہو گیا تو اپنے کسی عاشق سے اس کو قتل کروا دیا، حرام کی موت مر گیا بے غیرت، علی بھی تو اسی کا بیٹا ہے، اسی کا خون بھلا کیا خاک وفا اس کی سرشت میں ہو گی اور ویسے بھی ساری زندگی اس کی بہنیں ہی اس کا خون چوستی رہیں گی۔“

علی کو کچھ سمجھ نہیں آیا تو اس نے شدید غصے اور اشتعال کے عالم میں سیل دیوار سے دے مارا۔ سیل کے ٹکڑے اسے اپنے دل کے ٹکڑے معلوم ہو رہے تھے۔

”اوہ میرے خدا یہ میرے اپنے میرے خون کے رشتے ہیں اتنی تذلیل اتنی حقارت، ایسی جان لیوا باتیں، آنٹی آپ سب لوگ کتنے بے حس اور ظالم ہیں، سب کو میرے باپ کا کردار تو یاد ہے، مگر میری اچھائی، میرا کردار، میری قابلیت کچھ نظر نہیں آتا، میں کیا کروں، کہاں جاؤں، ہر موڑ پر، ہر خوشی ملنے پر سب کیوں ابو کو سامنے رکھ لیتے ہیں۔ کیوں الفاظ سے سنگ باری کرتے ہیں، کیوں مجھے اذیت دیتے ہیں، کیوں۔“

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ چلا رہا تھا، اس کے جذبے پامال ہوئے تھے۔ اس کے دل کی نگری اجڑی تھی۔ اس کی آنکھیں بنجر ہوئی تھیں۔ پھر وہ کیوں نہ روتا اور جب ہم بے بس و لاچار ہوتے ہیں تو رونے کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں ہوتا آنسوؤں کے راستے اس کا غم و غصہ اور ملال ڈھل گیا تو وہ ذرا سا پر سکون ہو کر اٹھا اور ٹوٹے ہوئے سیل فون کو حسرت سے دیکھا۔ غم و غصہ کی حالت میں سیل دیوار سے مارنا تو اپر کلاس طبقے کی عیاشیاں ہیں، متوسط طبقے کی نہیں۔

علی نے کھڑکی سے پردے سرکائے، موسم ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی، ایک تلخ مسکان علی کے لبوں پر ابھری۔ یہ موسم علی کا پسندیدہ تھا۔ مگر آج دل اتنا غم زدہ تھا کہ کوئی بھی منظر علی کی توجہ اپنی جانب مبذول نہیں کروا پا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر بے خیالی میں ہی یک ٹک سامنے لگی پھولوں کی باڑ پہ برستی بارش کی بوندیں دیکھتا رہا۔ کوئی اور موقع ہوتا کہ وہ ایسا دلفریب منظر دیکھ کر نہال ہو جاتا۔ مگر آج کی موجودہ صورت حال ایسی دلگرفتہ کر دینے والی تھی کہ وہ اونچا لمبا شان دار مرد رو پڑا تھا۔

جب ہمارے دل کا موسم سندر ہوتا ہے تو ہمیں ہر چیز خوب صورت و دلکش لگتی ہے۔ ہر جگہ رعنائی نظر آتی ہے۔ مگر جب ہم اندر سے مضمحل اور شکستہ ہوتے ہیں تو ہمیں ہر منظر بے رنگ و بے کیف دکھائی دیتا ہے۔ ہر چیز گرد آلود، ہر انسان دھوکے باز اور ناقابل اعتبار۔

علی نے جب اگلے دن نیا سیل لیا تو اپنا نمبر بھی بدل لیا۔ وہ ثمن سے ہر تعلق ختم کر لینا چاہتا تھا۔ ایسے رشتے جوڑنے کا کیا فائدہ جہاں ایک بیٹی اپنے جذبوں کی تسکین کے لیے گھر سے بھاگ جانے کی دھمکی دے، اپنی ماں سے بدتمیزی کرے تو جب آج وہ اپنی ماں سے اپنی محبت کی خاطر گستاخ لہجے میں بات کر سکتی ہے تو وہ کل اپنی ساس کی کہاں عزت کرے گی۔

اور مجھے وہاں شادی کرنی ہے جہاں میری اور میرے گھرانے کی عزت ہو، مجھے ثمن نے بہت مایوس کیا۔ آنٹی نے جو کیا سو کیا، مگر ثمن نے بھی جس باغیانہ لہجے میں اپنی ماں سے بات کی، کم از کم میرے لیے تو وہ گستاخانہ رویہ کبھی بھی قابل برداشت نہیں ہو سکتا، کیونکہ جن محبتوں کی بنیادیں اپنے بزرگوں کا دل دکھا کر رکھی جاتی ہیں وہ بہت ناپائیدار اور کھوکھلی ہوتی ہیں، ثمن سے جدا ہو کر جو کرب نارسائی میں نے مول لی وہ اس محبت کے پالنے سے بہتر ہے، جس میں ایک بیٹی اپنی روایات کی باغی کہلاتی۔

✿ ✿

کمرے کے سب دروازے کھڑکیاں اور روشن دان وغیرہ بند تھے یہی وجہ تھی کہ کمرے کے اندر کی فضا میں ایک بوجھل اور سرد خاموشی سی رینگ رہی تھی۔

ذکیہ بیگم نے کروٹ بدل کر کمرے کی اس بنجر فضا کو محسوس کیا اور پھر بے دلی سے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ سورج کی حیات آفریں شعاعوں کی تمازت نے کمرے میں داخل ہو کر یکلخت ہی منظر تبدیل کر دیا۔ وہ کمرہ جو کچھ دیر قبل تاریکی اور خاموشی کا اسیر ہو کر ایک غار کا سا منظر پیش کر رہا تھا سورج کی کرنوں کے لمس کو محسوس کر کے جیسے زندہ ہو کر سانس لینے لگا تھا۔

ذکیہ بیگم جو واپس آ کر صوفے پر بیٹھ چکی تھیں ان کی نظریں بے ساختہ بیڈ پر جا ٹکیں جس کی بے شکن چادر نے ان کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی' ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا تھا۔ لیفی صاحب! اکثر تو تھے' صبح معمول کے مطابق گھر سے نکلتے تو پھر شام کو ہی واپس ہوتے تھے مگر ان کی غیر موجودگی میں بھی ایک رونق سی محسوس ہوتی رہتی تھی۔ ان کے انتظار میں ذکیہ بیگم سارے کام ایک جوش اور ولولے سے کرتی تھیں۔ کتنے خوبصورت دن تھے وہ' جب اس گھر میں انسانوں کی آوازیں تھیں' رونق اور چہل پہل تھی' لیفی صاحب انہیں کتنی اہمیت دیتے تھے۔ وہ یاسیت زدہ انداز میں اٹھ کر کچن کی جانب بڑھ گئیں۔

اذان! جو شاید ان کے کمرے سے باہر نکلنے کا ہی منتظر تھا انہیں کچن کی طرف جاتا دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھا۔

"امی! آپ بیٹھیں... آج میں آپ کو اپنے ہاتھ سے ناشتا بنا کر دوں گا۔" اذان نے لہجے میں بشاشت پیدا کرتے ہوئے کہا۔

وہ زبردستی چہرے پر مسکراہٹ لائیں اور بیٹھ گئیں۔ دستر خوان پر لیفی صاحب کی مخصوص جگہ خالی دیکھ کر وہ ایک بار پھر آبدیدہ ہو گئیں۔ انہیں گزرا وقت یاد آیا...

"اف! امی اتنی گرمی میں آپ ننگ کر رہی ہیں؟" زارا نے ذکیہ بیگم کو اون اور سلائیوں کے ساتھ الجھا دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"بیٹا جب یہ سویٹر مکمل ہو گا تب تک سردیاں آ چکی ہوں گی۔" ذکیہ بیگم نے بدستور اپنے کام میں مشغول رہتے ہوئے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"کس کا بنا رہی ہیں سویٹر' اذان کا یا... ان کا؟" زارا نے اشتیاق سے پوچھا۔

"نہ اذان کا نہ تمہارے شوہر کا..." ذکیہ بیگم نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا... تو کیا بابا کا...؟" زارا نے شرارتی انداز میں پوچھا۔

"نہیں اپنے پوتے کا..." ذکیہ بیگم نے پیار سے اس کے گال پر چپت رسید کرتے ہوئے کہا تو اس کے رخسار گلگوں ہو گئے۔

"اوہ... اتنی دور اندیشی؟" زارا نے اپنی جھینپ مٹانے کی خاطر بے ساختہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

ذکیہ بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا اسی وقت دھاڑ کی زوردار آواز کے ساتھ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا جہاں فرزان کھڑا تھا جو کافی دیر سے اپنے دوستوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔

"تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے... تمہیں پتا نہیں چلتا؟ اندر غیر مرد بیٹھے ہوئے ہیں اور تمہارے قہقہے... اندر تک سنائی دے رہے ہیں! ہزار بار کہہ چکا ہوں کہ جب کوئی اندر موجود ہو تو صحن سے کسی قسم کی کوئی آواز اندر نہیں آنی چاہیے مگر..."

"اگر اتنا ہی احساس ہے کہ یہ لوگ غیر ہیں تو پھر ان کو گھر میں لے کر کیوں آتے ہو...؟" ایک گونج دار آواز سنائی دی تو زارا اور ذکیہ بیگم کے ساتھ ساتھ فرزان نے بھی بے اختیار مڑ کر دیکھا تھا۔ لیفی صاحب اپنے کمرے سے نکل کر صحن میں داخل ہو رہے تھے اور ان کی خشمگیں نظریں فرزان کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

"میاں صاحبزادے! یہاں زندہ لوگ بستے ہیں جو سانس بھی لیتے ہیں' بولتے بھی ہیں اور ہنستے بھی ہیں' ان پر پابندی لگانے کی بجائے "غیر لوگوں" سے اپنی

دوستی باہر تک ہی محدود رکھو تو زیادہ بہتر ہے' میری بیٹی کو ڈانٹنے کی بالکل ضرورت نہیں سمجھے؟ جاؤ یہاں سے..." لیفی صاحب کی سخت آواز میں زارا کا ذکر کرتے ہوئے محبت در آئی تھی۔ فرزان چند لمحے کھڑا باری باری سب کے چہرے دیکھتا رہا پھر غصے سے پاؤں پٹختا ہوا دوبارہ ڈرائنگ روم میں گھس گیا۔

"یہ لیں امی جان آپ کا پسندیدہ ہاف فرائی انڈہ۔" اذان کی آواز سنتے ہی ذکیہ بیگم زمانہ حال میں لوٹ آئیں اور اذان کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر دستر خوان پر رکھ دی۔

"آپ جب تک یہ کھائیں میں آپ کے لیے مزے دار سی چائے بناتا ہوں۔" اذان نے چائے کی کیتلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ ٹھیک اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اذان نے دروازہ کھولا تو زارا کو کھڑے پایا اس کے ساتھ ہی زارا اندر داخل ہوئی اور اذان جو کچن کی طرف جا رہا تھا۔ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ارے ارے اذان بھائی! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ لائیں میں بناتی ہوں نا؟" اس کے ساتھ ہی زارا کو شدید کھانسی کا دورہ پڑا۔

"آپ کی پہلے ہی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور ایک انڈہ اور چائے ہی تو بنانی ہے' میں ابھی بنا لیتا ہوں آپ بیٹھیں پلیز..." اور زارا جو پہلے ہی کھانسی سے بے حال ہو گئی تھی اذان کو مشکور نظروں سے دیکھتی ہوئی دستر خوان پر ذکیہ بیگم کے قریب جا بیٹھی۔ ذکیہ بیگم پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھاتی ہوئی بولیں۔

"کتنے دنوں سے تمہاری طبیعت خراب ہے تم نے فرزان سے کہا نہیں کہ تمہیں دوا لے کر دے؟"

"آپ کو پتا تو ہے ان کی عادتوں کا دوسروں سے ان کا رویہ کیا ہوتا ہے آپ نہیں جانتیں؟" زارا نے بے چارگی سے دریافت کیا تو ذکیہ بیگم ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بولیں۔

"ہاں بیٹی! تم بھی ٹھیک ہی کہتی ہو تمہارے بابا کے سوئم پر بھی اس کی حرکتیں ہم سب کو شرمندہ کر گئیں۔" زارا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے پھر جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں بے بسی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

"وہ تو آتے بھی رات کو ڈیڑھ دو بجے ہیں امی اور پھر آنکھ کھلتے ہی نکل کھڑے ہوتے ہیں دو تین دن سے بہت طبیعت خراب ہے اور رات تو میری طبیعت اور بھی زیادہ خراب ہو گئی تھی کھانسی کے ساتھ ساتھ منہ سے خون بھی آ رہا تھا کسی دن کھانس کھانس کر اکیلی مر بھی گئی تو انہیں پتا نہیں چلے گا۔" زارا کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اذان کو یہ سب سن کر شدید افسوس ہوا لیکن وہ بولا کچھ نہیں تھا۔ ذکیہ بیگم نے شفقت بھرے انداز میں زارا کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔

"ایسی باتیں نہیں کرتے بیٹی مریں تمہارے دشمن... میں خود تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گی تم بے فکر ہو جاؤ۔" ٹھیک اسی لمحے اذان نے چائے ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ لیں بھابھی! آپ بھی ناشتا کر لیں' اس دوران میں جاگنگ کر کے آتا ہوں' بہت دنوں سے نہیں گیا۔" اذان باہر نکل رہا تھا کہ ذکیہ بیگم بولیں۔

"اذان بیٹا ناشتا تو کرتے جاؤ۔" دروازے سے باہر نکلتے ہوئے اذان نے مڑے بغیر جواب دیا۔

"واپس آ کر کرتا ہوں امی۔" اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

نفیس و لطیف پیچوانوں کے دھوئیں نے کمرے کی محدود فضا میں ایک تند و تیز خوشبو کا اضافہ کر دیا تھا' بیش قیمت ایرانی قالین پر بکھری پھولوں کی پتیاں دراز دستیوں کی امین تھیں۔ ماہر فنکار اپنے سازندوں کے ساتھ تیار بیٹھے تھے۔ کونے میں ایک خاتون طمطراق کے ساتھ براجمان پاندان کھولے پان بنانے میں مصروف تھیں تقریباً" پندرہ سالہ ایک خوبصورت' حسین و جمیل اور نرم و نازک لڑکا بھاگ بھاگ کر پان کی گلوریاں لوگوں تک پہنچا رہا تھا۔

محفل گرم تھی لیکن فرزان کا دل سرد تھا وہ کمرے

کے وسط میں مخملیں گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھا خاموشی سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی گہری سوچ میں گم آنکھیں بے تاثر سے انداز میں گردش کرتی ہوئی کمرے کی دیواروں سے نکل کر دور کسی منظر میں الجھ گئیں لیکن طبلے پر تھاپ پڑی تو فرزان چونک کر لمحہ موجود میں واپس آگیا۔ طبلے کی دھن کے ساتھ ہارمونیم کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں' ستار نواز کے ہاتھ بھی حرکت میں آگئے تھے اور تمام سازوں کی آواز نے ہم آہنگ ہو کر ایک سماں باندھ دیا تھا۔ پھر مغنیہ نے تان اٹھائی۔

آنکھ تیری شہاب ہوجائے
زلف تیری سحاب ہوجائے

ٹھیک اسی لمحے ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور سفید لباس میں ملبوس ایک شعلہ جوالہ جیسے فضا میں تیرتی ہوئی نمودار ہوئی۔ کھلی ہوئی سنہری زلفیں' بڑی بڑی اور گھنی پلکوں والی کالی آنکھیں' سرخ و سفید رنگت اور میک اپ سے بے نیاز چہرہ اسے کوئی آسمانی مخلوق ظاہر کرتا تھا۔ فرزان حیرت بھرے انداز میں دنگ بیٹھا ایک ٹک اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ بھلا کوٹھے کے اس ماحول میں حسن و سادگی کے پیکر اور تقدس کے اس مجموعے کا کیا کام....؟ شعلہ جوالہ کے پاؤں جادوئی انداز میں حرکت کر رہے تھے اور سب اپنی اپنی جگہ مسحور و مبہوت بیٹھے اس ساحرہ کی حشر سامانیوں میں گم ہو کر رہ گئے تھے۔

پاندان کے قریب بیٹھی کرخت صورت عورت نے ایک نظر اس ماحول کا جائزہ لیا اور پھر اپنے ہی چہرے کے گرد دونوں ہاتھ گھماتے ہوئے جیسے دور ہی دور سے اس سراپا حسن و جمال کی بلائیں لیں۔

فرزان جو ابھی تک حیرت کے جھٹکے سے سنبھل نہیں پایا تھا محویت سے لچکتی' بل کھاتی اس ریشمی گڑیا کی جانب دیکھ رہا تھا جو بالکل کسی اپسرا کی مانند خوبصورت تھی۔ رقص کرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے اس کی نظریں فرزان کی نظروں سے ٹکرائیں اور وہ جیسے لڑکھڑا سی گئی شاید اس نے ایک نووارد کی حیثیت سے اسے شناخت کر لیا تھا اور اپنے قدر دانوں میں ایک اور کا اضافہ شاید اسے پسند نہیں آیا تھا۔ طبلے پر پڑنے والی ایک زوردار تھاپ کی آواز پر وہ چونکی اور ایک مرتبہ پھر اس کے قدم میکانکی انداز میں دوبارہ حرکت کرنے لگے۔ اب وہ ایک مرتبہ پھر ساز و آواز کی لے پر تھرکتے ہوئے اپنے نرم و نازک جسم کو بل دے رہی تھی۔ ایک عجیب سی بے بسی تھی' ایک عجیب سی افسردگی تھی' یاسیت کا ایک سمندر تھا.... جو فرزان کو ان چند لمحوں کے اندر اس کی آنکھوں میں نظر آیا تھا۔

تماش بینوں کی گستاخانہ نظریں اس کے جسم میں گڑی جا رہی تھیں۔ وہ سب جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے نگلنے کو تیار بیٹھے تھے۔ فرزان کی نظریں دائیں سے بائیں اور پھر بائیں سے دائیں پھسلتی ہوئی تماشائیوں کے چہروں پر پڑیں تو اس کے دل میں ہوک سی اٹھی ٹھیک اسی لمحے مغنیہ نے تان اٹھائی۔

ہوک پھر سے جگر میں اٹھی ہے
ساقیا اب شراب ہوجائے

فرزان کے ہاتھوں نے بے اختیار اپنے کوٹ کی جیبوں کو ٹٹولا اور پھر اندرونی جیب سے وہسکی کی بوتل نکال کر منہ سے لگالی دو تین گھونٹ بھرنے کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر ادھر ادھر دیکھا اور پھر بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں.... اسے حسن کی یہ تذلیل پسند نہیں آئی تھی۔

"فیضان فیضی کی بہو اور فرزان فیضی کی بیوی.... گھر سے نکل کر بازار میں پہنچے اور غیر مرد نظر بازی کریں.... ہے نا.... یہی عزت رہ گئی ہے ہماری؟ یہ نوبت آگئی ہے؟" اس کے کانوں میں اپنی ہی آواز کی بازگشت لہرائی تو اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ یہاں کے ماحول سے فرار حاصل کرنے کے لیے اس نے آنکھیں بند کی تھیں' لیکن آنکھیں بند کر کے بھی چین نہیں پا سکا تھا ایک بے کراں اذیت تھی جس نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور وہ آنکھیں کھولنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس کا بایاں ہاتھ بلند ہوا اور مضبوطی سے محبوب خان کے کندھے پر جم گیا جس نے آج پہلی مرتبہ

فرزان کو رنگ و بو کی اس محفل سے آشنا کروایا تھا۔

محبوب خان نے چونک کر فرزان کے چہرے کی جانب دیکھا اور پھر اس کی لال انگارہ ہوتی ہوئی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے نرمی سے اپنا کندھا چھڑوایا اور پھر اپنے ہاتھ سے فرزان کی پیٹھ پر ہلکی سی تھپکی دی جیسے کہہ رہا ہو صبر کرو.... فرزان نے بے بسی سے دوبارہ اس پیکر ناز و ادا کو دیکھا۔ وہ اپنے مرمریں جسم کو موسیقی کی تال پر لہکاتے ہوئے آگے بڑھی۔ اس کے مشاق پاؤں میں بندھے گھنگھرو اس کے قدموں اور موسیقی کی تال پر بیک وقت ساتھ دیتے ہوئے ایک جھنکار کے ساتھ کانپ رہے تھے۔ فرزان کی آنکھیں لمحہ بھر کو اس کی آنکھوں سے ٹکرائیں جو فرزان کے سامنے دو زانو بیٹھی اس کی ساحر آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رقص کرنا شاید بھول چکی تھی وقت جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔ اسی لمحے مغنیہ کی آواز بلند ہوئی۔

آنکھ میری سوال بن جائے
حسن تیرا جواب ہوجائے

رقاصہ نے ایک جھرجھری سی لی اور اٹھ کر ساز و آواز کی لے پر جیسے سسکنے لگی۔ فرزان نے تڑپ کر ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیا۔ بوڑھی نائیکہ اور مغنیہ سمیت جتنی عورتیں اس وقت وہاں موجود تھیں ان کے کھرے اور بھدے میک اپ سے لتھڑے چہرے عجیب منظر پیش کر رہے تھے اس نے ایک بار پھر رقاصہ کی جانب دیکھا۔

"تم جو چاہتی ہو وہ کبھی نہیں ہو سکتا.... آج تو تم نے یہ بات کہہ دی.... آئندہ اگر ایسی کوئی بات تمہارے ذہن میں آئی تو اس سامان کی جگہ تم فٹ بال بنو گی!" اس کی اپنی ہی آواز نے اس کی سماعتوں میں زہر گھولا۔ پھر شاید اس کا حوصلہ جواب دے گیا وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا پھر دھاڑتے ہوئے بولا۔

"بند کرو یہ بکواس...." اور سازندوں کے مشینی انداز میں حرکت کرتے ہوئے ہاتھ یکدم یوں بے جان ہو گئے جیسے سوئچ آف کر دیا گیا ہو۔ ساز و آواز اور گھنگھروؤں کا شور یکلخت بند ہو جانے کی وجہ سے کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا تھا سب لوگ حیرت سے منہ پھاڑے فرزان کے چہرے کی جانب دیکھ رہے تھے' سازندوں کو بھی جیسے سانپ سونگھ گیا تھا پھر سب سے پہلے بوڑھی نائیکہ ہی کو ہوش آیا اس نے جلدی جلدی پاندان میں سے ایک گلوری اٹھا کر کلے میں دبائی اور پھر اپنی پھٹے بانس جیسی آواز میں گویا ہوئی۔

"ائے.... ہے میاں.... آپ کون ہیں؟ کیوں رنگ میں بھنگ ڈال رہے ہیں؟ پہلے تو آپ کو ادھر نہیں دیکھا.... روزی روٹی کا وقت ہے ہمارا ٹائم کھوٹا مت کریں...." لیکن فرزان نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔ وہ سحر زدہ سے انداز میں چلتا ہوا رقاصہ کے عین سامنے جا کھڑا ہوا اور پھر بجلی کی سی تیزی سے اس کا داہنا ہاتھ حرکت میں آیا تھا۔

چٹاخ.... کی آواز بلند ہوئی اور رقاصہ اس تھپڑ کی تاب نہ لاتے ہوئے لڑکھڑا کر قالین پر جا گری۔ ٹھیک اسی وقت فرزان کی غراتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔

"عورت شمع محفل نہیں گھر کا چراغ ہوتی ہے غلاظت کے اس صحرا میں دودھ کی نہریں بہانے والی تم ہو کون؟ سب نے لیپا پوتی کر کے اپنے سڑاند زدہ چہروں کو دلکش اور رنگین بنانے کی ناکام کوشش کر رکھی ہے! سفید لباس میں ملبوس سادہ چہرہ لے کر تم یہاں آسمان سے اتری ہو....؟ اس نفاست اور صفائی کا اس تعفن زدہ ماحول میں کیا کام....؟ اگر اتنی ہی مقدس' پاکیزہ اور صاف و شفاف شخصیت کی مالک ہو تو یہاں کیا کر رہی ہو....؟"

رقاصہ جہاں گری تھی وہیں خاموش پڑی یہ تمام اول فول سن رہی تھی اچانک ایسا لگا جیسے یکلخت اس کا ہاتھ بجلی کے ننگے تار سے چھو گیا ہو.... وہ تڑپ کر اٹھی اور پھر کسی بھوکی شیرنی کی طرح فرزان پر جھپٹی' وہ سہمی ہوئی کمزور چڑیا چند ساعت قبل بننے والی اپنی درگت کو جیسے یکسر فراموش کر چکی تھی اس نے فرزان کا گریبان پکڑ لیا اور پھر اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔

"میں تو گندی نالی میں بہنے والی غلاظت کا ایک حصہ ہوں' جو ہوں' جیسی ہوں ہمیشہ ویسی ہی نظر آتی ہوں'

بہت اداکاری آتی ہے ہمیں۔۔۔ لیکن ہم لوگ خود پر تقدس کا ملمع نہیں چڑھاتے۔ تم جیسے سچ کے پیامبر اور شرافت کے ٹھیکیدار ہی ہیں جو ہمیں ان اندھیروں کا لقمہ بنا دیتے ہیں، ہمیں اس حال تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور تم۔۔۔ تم اگر اتنے ہی پاکباز ہو تو غلاظت کے اس ڈھیر پر کیوں آن بیٹھے؟ کیا میں نے دعوت دے کر بلایا ہے تمہیں۔۔۔؟

کتنی دیر سے یہاں بیٹھے گانا سن رہے ہو، رقص دیکھ رہے ہو کیا اچانک اندر کا منافق مرد جاگ اٹھا ہے۔۔۔؟ جو شرافت کا پرچار کرنے لگا ہے؟ تم جیسے لوگوں کا حال بالکل اس مکھی جیسا ہے، جو پھل کی تمام تر خوبصورتی کو نظر انداز کرکے صرف گلے سڑے حصے پر بیٹھتی ہے۔۔۔ غلیظ ہم نہیں۔۔۔ غلیظ تم لوگ ہو۔۔۔ اتنی ہی مردانگی جاگی ہے تو جاؤ ماں، بہن اور بیوی پر آزماؤ مجھے۔۔۔؟ نکلو یہاں سے۔۔۔" اس نے فرزان کے گریبان کو ایک اور جھٹکا دیا اور پھر پلٹ کر نائیکہ کے قریب جیسے ڈھیری ہوگئی۔

فرزان جس کے لیے یہ سب کچھ انتہائی غیر متوقع تھا اس دھان پان سی لڑکی کے ہاتھوں ہونے والی بے عزتی پر گنگ سا کھڑا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی لڑکی نے بھرے مجمع میں اس کی یوں بے عزتی کردی تھی۔ وہ ماؤف ذہن کے ساتھ کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا، چند لمحوں کے بعد اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے وہسکی کی بوتل نکالی اور گھونٹ پر گھونٹ بھرنے لگا۔ پھر بوتل منہ سے ہٹا کر آستین سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے بولا۔

شب فراق مجھے گھونٹ گھونٹ کرکے نہ پی
تمہاری پیاس بجھانے کو آب جو ہوا ہوں
اے ریگزار طلب اور کتنی دور چلوں؟
میں خواہشوں کے سفر میں لہو لہو ہوا ہوں

فرزان نے خالی خالی نظروں سے رقاصہ کی جانب دیکھا اور پھر پلٹ کر لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا، محبوب خان بھی تیزی سے اس کے پیچھے لپکا تھا جبکہ عقب سے رقاصہ کی آواز نے دروازے تک ان کا تعاقب کیا تھا۔

سزا نیلام ہوتی ہے، جزا نیلام ہوتی ہے
یہ دنیا ہے یہاں پیارے، وفا نیلام ہوتی ہے
نیا حرص و ہوس کا روز اک بازار سجتا ہے
حیا کے دام لگتے ہیں، ادا نیلام ہوتی ہے

☼ ☼ ☼

جامن اور فالسے کے درختوں سے ڈھکی سفید پتھروں سے بنی یہ وسیع و عریض عمارت اس وقت گہری خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی، پورے گھر پر سناٹے کا راج تھا۔ تمتماتی ہوئی دھوپ کی طاقتور شعاعیں اس تپتی دوپہر میں عمارت کا کونا کونا کھنگال کر جیسے اس گھر کی روٹھی ہوئی خوشیاں، چہل پہل اور رونقیں تلاش کرنے کی ناکام کوشش کررہی تھیں۔

دالان کے آخری کونے پر بنے کمرے میں صوفے پر گردن ٹکائے ذکیہ بیگم بے جان سے انداز میں بیٹھی گہری سوچوں میں گم تھیں۔ زارا کے اپنے گھر چلے جانے کے بعد اس گھر کا یہ عالم تھا کہ ناشتا کرتے ہی اس گھر کا اکلوتا دوسرا فریق ازان حصول رزق کی خاطر دکان پر چلا جاتا اور بے چاری ذکیہ بیگم کسی تنہا روح کی مانند پورے گھر میں چکراتی پھرتیں اور پھر تھک ہار کر آخر کار اسی انداز میں صوفے پر ڈھیر ہوجاتی تھیں، یہ روز کا معمول تھا۔ آج بھی وہ صوفے پر نیم دراز حالت میں بیٹھی ماضی کی بھول بھلیوں میں گم تھیں کہ اچانک زوردار دستک کی آواز نے گھر پر چھائے ہوئے سکوت کی چادر کو تار تار کردیا۔ ذکیہ بیگم نے چونک کر سر اٹھایا اور چند لمحے جیسے سنائی دی جانے والی آواز کی نوعیت پر غور کیا۔ ٹھیک اسی لمحے آواز دوبارہ بلند ہوئی تو انہیں اندازہ ہوا کہ کوئی بیرونی دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ وہ کسلمندی سے اٹھیں اور پھر سست روی سے چلتی ہوئی بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔ بے دلی سے دروازہ کھولا لیکن دوسرے ہی لمحے ان کے چہرے پر بشاشت اور آنکھوں میں چمک نمودار ہوگئی۔ دروازے پر کھڑی مختاراں مسکرا رہی تھی۔

"ارے۔۔۔ مختاراں۔۔۔ تم؟ اس طرح اچانک۔۔۔؟ آؤ اندر آؤ۔۔۔" ذکیہ بیگم نے ایک طرف ہٹ کر مختاراں کو راستہ دیتے ہوئے خوش دلی سے کہا اور اس کے عقب میں دیکھا۔

مختاراں نے اندر داخل ہوتے ہوئے ان کی استفہامیہ نظروں کا مطلب سمجھ لیا اور بولی۔

"نذرا کو اپنے کاروباری سلسلے میں یہاں آنا تھا، مجھ سے ذکر کیا تو میں نے کہا کہ مجھے بھی لے چلو میں ذکیہ بیگم کی خیر خیریت ہی دریافت کرلوں گی۔ مجھے یہاں چھوڑ کر وہ اپنے کام کے سلسلے میں کہیں آگے گیا ہے، شام کو واپس جاتے ہوئے ساتھ لے جائے گا۔"

"بہت اچھا کیا تم آگئیں، میں اس وقت بہت پریشان ہورہی تھی تنہائی سے۔" ذکیہ بیگم نے دروازہ بند کرکے پلٹتے ہوئے کہا۔

"بہت خوشی ہورہی ہے تمہیں دیکھ کر۔" ذکیہ بیگم کے لہجے سے ان کی اندرونی خوشی کا اظہار ہورہا تھا۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوگئیں۔ کمرے میں داخل ہوکر مختاراں کو احساس ہوا کہ واقعی اتنے بڑے گھر اور سناٹے میں ذکیہ بیگم کتنی تنہائی محسوس کرتی ہوں گی۔ ذکیہ بیگم اسے بٹھا کر خود شاید کچن کی طرف چلی گئی تھیں کیونکہ چند لمحوں بعد جب وہ واپس لوٹیں تو ان کے ہاتھوں میں دو جوس کے گلاس تھے ایک انہوں نے مختاراں کو دیا اور دوسرا خود لے کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

مختاراں نے گلاس تھام لیا اور گھونٹ گھونٹ کرکے پینے لگی۔ ذکیہ بیگم اس دوران خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں، کچھ دیر بعد مختاراں کے حواس بحال ہوئے تو وہ بولی۔

"ذکیہ بہن کتنا سناٹا ہے۔۔۔ کوئی گھر میں نہیں؟"

"کون ہوگا؟ ازان کچھ دیر پہلے ہی گیا ہے، اگر ذرا پہلے آجاتیں تو تمہاری اس سے بھی ملاقات ہوجاتی۔" انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"اور فرزان۔۔۔؟ زارا۔۔۔؟" مختاراں نے حیرت سے پوچھا۔

"کیا تم جانتی نہیں؟" ذکیہ بیگم نے پوچھا۔

"کم از کم اب تو فرزان کو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی ختم کردینی چاہیے، اب تو لطیفی صاحب بھی نہیں رہے، اپنے باپ کا لحاظ نہیں کیا تو ماں کی ممتا کا ہی خیال کرے۔" مختاراں کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔

"زارا تو کل آئی تھی اس کی بھی طبیعت خراب رہتی ہے۔ بے چاری بتارہی تھی کہ اپنے کسی دوست کے ہمراہ فرزان کام کرنے کے لیے کسی دوسرے شہر چلا گیا ہے۔" ذکیہ بیگم نے جیسے دفاع کیا۔

"یہ ہی تو میں کہہ رہی ہوں، انسان اکیلا روتا اچھا نہ ہنستا۔۔۔ اور ویسے بھی یہاں کون سی ڈھیروں نندیں یا دیورانیاں، جٹھانیاں ہیں جو زارا کو آرام کا موقع نہیں ملے گا؟ دونوں ساس بہو ہی تو ہو مزے سے رہنا۔"

مختاراں نے گلاس خالی کرکے ٹیبل پر رکھا اور کچھ پرسکون ہوکر ذکیہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"بس فرزان سے ڈرتی ہے بے چاری۔۔۔" ذکیہ بیگم نے فوراً بہو کی حمایت کی۔

"فرزان کی ضد بھی مجھے سمجھ نہیں آتی، اب کس بات کی ضد ہے؟ باپ کے مرنے پر تو ایسے دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا جیسے اس سے زیادہ چاہنے والا اور فرماں بردار بیٹا دنیا میں نہیں۔۔۔" مختاراں کے لہجے میں ناگواری تھی، وہ شاید کچھ زیادہ ہی نالاں تھی فرزان سے۔

"ہاں۔۔۔ اسے دکھ بہت ہوا ہے۔" ذکیہ بیگم نے افسردگی سے کہا۔

"دکھ۔۔۔ کیسا دکھ۔۔۔؟ وہ مرتے مر گئے مگر اس نے ضد نہ چھوڑی، اب ساری عمر کا پچھتاوا ہے! اسی لیے تو کہتے ہیں کہ انسان ایسے کام ہی نہ کرے کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔" مختاراں تلخی سے بولی۔

"پچھتاوا۔۔۔ تو اسے اب بھی نہیں۔۔۔ ہاں دکھی بہت ہے۔" ذکیہ بیگم ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بولیں۔

"دکھ ہے تو اپنے کیے کی تلافی کرے، آپ کے ساتھ آکر رہے، آپ کی تنہائی کا خیال کرے۔"

"مگر یہ بات اسے کون سمجھائے؟" ذکیہ بیگم دھیمے

لہجے میں بولیں۔

"سمجھانا ہی تو اصل مسئلہ ہے دیکھا نہیں تھا کیا اول فول بول رہا تھا اس دن؟ آپ نے تو شاید اس کی بات پر غور نہیں کیا ہو گا مگر وہاں موجود لوگوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے' بتاؤ... کہہ رہا تھا۔ انسان کو سجدہ جائز ہے... استغفراللہ... توبہ!" مختاراں نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"انسان کو اتنا پڑھا لکھا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کفر بکنے لگے... اس سے تو ہم جاہل لوگ اچھے۔" مختاراں نے اپنی بات ختم کی تو ذکیہ بیگم ندامت سے بولیں۔

"پڑھا لکھا کیا بہن؟ یہاں مسئلہ لوٹے اور بالٹی کا ہے...!" مختاراں نے حیرت سے ذکیہ بیگم کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں گہری سنجیدگی ٹھاٹھیں مار رہی تھی۔

مختاراں کو اتنی سنجیدہ گفتگو میں لوٹے اور بالٹی کا ذکر بہت عجیب لگا تھا۔ پھر جب وہ بولی تو اس کے چہرے اور آنکھوں کے ساری حیرانی اس کے لہجے میں در آئی۔

"لوٹے اور بالٹی کا مسئلہ... کیا مطلب؟"

"دیکھو بہن! ایک طرف بھری ہوئی بالٹی رکھی ہے اور دوسری جانب خالی لوٹا... اگر تم بالٹی کا پانی لوٹے میں انڈیلو گی تو اس میں اتنا ہی پانی سما سکے گا جتنی اس کی گنجائش ہو گی' باقی اچھل کر باہر ہی گرے گا... سارا مسئلہ یہی ہے کہ غیر ضروری اور غیر شرعی کتابیں پڑھ پڑھ کر اس کا دماغ الٹ گیا ہے' بالٹی کا پانی لوٹے میں موجود پہلے پانی کو بھی بہا لے گیا۔" ذکیہ بیگم کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"دین کی باتیں کرتے ہوئے دین سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہوتا ہے ورنہ یہ باتیں گستاخی میں شمار ہوتی ہیں۔" مختاراں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو مختاراں! لیکن یہ بات اسے سمجھائے کون...؟" ذکیہ بیگم نے بے چارگی سے کہا۔

"ہاں یہ بات تو ہے۔ جو بات کرتا ہے' جنونیوں کی طرح کرتا ہے... میں نے تو خود اس دن کان لپیٹ کر باہر نکلنے میں ہی عافیت سمجھی... لیکن! تم تو ماں ہو... تم سمجھاؤ نا اسے؟ کوئی بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ تو ہے نہیں تمہارے گھر میں... دو ہی تو بھائی ہیں۔"

"فیضی صاحب نے سمجھانے کی ہی تو کوشش کی تھی' نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ رہی بات میری تو میں اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہوں' دونوں بیٹوں کے مزاج سے واقف ہوں' فرزان نے باپ کی نہیں سنی تو ماں کی کیا سنے گا؟ ایک کی حمایت میں بولوں گی تو دوسرا ناراض ہو گا اس لیے دونوں میں سے کسی کو کچھ نہیں کہتی۔ اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہی اس کے دل میں ڈال دے اور اسے نیکی کی ہدایت دے۔" ذکیہ بیگم کے لہجے سے بے بسی جھلک رہی تھی۔

"آمین۔" مختاراں نے صدق دل سے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼
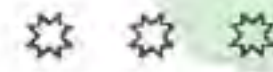
"دل کی بات تو تم رہنے ہی دو... میں اپنے دل کی نہیں سنتی' عقل سے فیصلہ کرتی ہوں۔" ماہم کی دبے دبے لہجے میں کی گئی اس سرگوشی میں چھپی رکھائی کو اس نے صاف محسوس کیا ہو گا۔ یہ سوچ کر ماہم کے لہجے میں تھوڑی سی نرمی پیدا ہو گئی۔

"دیکھو! تم بھی جانتے ہو یہ جان وان کہنے کے چیپ اور دقیانوسی انداز' فلمی قسم کے ڈائیلاگ کہ دیکھو میں مجبور ہوں' تمہارے پیار نے مجھے بے بس کر دیا ہے' تمہارے بنا باغوں میں موروں نے ناچنا بند کر دیا ہے' ان کے پیروں میں موچ آ گئی ہے' کوئل نے کوکنا اور پپیہے نے گانا بند کر دیا ہے' ان کے گلے خراب ہیں' تاروں نے ٹمٹمانا بند کر دیا ہے' بادل جو آ گئے ہیں' دھڑکنوں نے ساتھ چھوڑ دیا ہے کیونکہ ہارٹ اٹیک ہو گیا ہے' اونہہ... مائی فٹ... میں یہ سب نہیں کر سکتی... میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ جو جگہ تم نے میرے دل میں بنانی تھی بنا چکے ہو' پھر اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے کیوں چھوڑیں...؟"

ماہم نے اپنی بات ختم کی اور پھر کھلی ہوا میں ایک لمبی سانس کشید کرتے ہوئے دوسری جانب کی

...زنے لگی۔

صبح کی اذان سے کچھ پہلے کا وقت تھا جلد ہی پو پھٹنے والی تھی کہ اچانک موبائل کی وائبریشن محسوس کر کے اس کی آنکھ کھل گئی تھی اس نے موبائل کی جلتی بجھتی اسکرین پر ایک نظر ڈالی پھر ساتھ والی چارپائی کی جانب دیکھا امی دوسری طرف کروٹ لیے گہری نیند سو رہی تھیں اس نے موبائل اٹھایا اور پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آہستہ روی سے چلتی چھت پر آ گئی۔

ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی دھندلے دھندلے آسمان کی ٹھنڈی وسعتوں میں تارے اپنی آخری ٹمٹماہٹیں بکھیر رہے تھے پوری رات سفر کرنے کے بعد تھکا ہارا چاند منہ لپیٹ کر سو چکا تھا' ٹھنڈی' خنک اور فرحت بخش معطر ہوائیں کہیں سے پھولوں کی خوشبو چراتی ہوئی آتیں پھر ماہم کی شریر لٹوں کو بکھیرتی اور اس کی سانسوں پر خوشبو نچھاور کرتی آگے بڑھ جاتیں تازگی کا ایک انوکھا احساس تھا جسے ماہم نے ایک طویل سانس کے ذریعے اپنے سینے میں قید کیا تھا۔ لیکن احساسات کو قابو میں رکھنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں سو ماہم بھی زیادہ دیر اس فرحت بخش احساس کو زنجیر نہ کر سکی اس نے ایک لمبی سانس خارج کی اور گویا ہوئی۔

"وہ سب ٹھیک ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر لڑکی اسی انداز میں بات کرے' آپ کسی کو پسند کرتے ہیں کوئی آپ کو پسند کرتا ہے اور اس بات کا آپ اعتراف بھی کر چکے ہوں تو پھر جو کچھ بھی ہے وہ دل میں رکھنا چاہیے نا...؟" چند لمحے خاموش رہ کر اس نے دوسری جانب کی آواز سنی پھر بولی۔

"نہیں مجھے کوئی شوق نہیں ہے اپنی تعریفیں کروانے کا وہ لڑکیاں اور ہوتی ہیں جنہیں ایسے جملے بولنا اور سننا اچھا لگتا ہو گا۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ماہم دوبارہ گویا ہوئی۔

"ہاں شاید تم ٹھیک کہتے ہو... کبھی کبھی مجھے بھی اچھا لگتا ہے۔" ماہم کا لہجہ ایک لمحے کو خوابناک سا ہو گیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ شاید پھر سنبھل گئی اور ذرا تیز لہجے میں بولی۔

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ' تم نے سارے اسلحے سے جان چھڑوائی یا نہیں...؟ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ یہ ریوالورز یہ گنز... ان سب سے جان چھڑاؤ اور آئندہ اس قسم کے سارے کام بند کر دو۔" کچھ دیر پر سوچ انداز میں دوسری جانب کی آواز سننے کے بعد دوبارہ گویا ہوئی۔

"نہیں میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر یہ سب کام کرنے ہیں تو میں تم سے بات نہیں کروں گی' تم اپنا وعدہ بھول گئے؟"

پھر دوسری جانب کی آواز سنتے ہوئے ماہم کے چہرے پر سرخی پھیل گئی اور وہ پیار بھرے انداز میں ڈانٹتے ہوئے بولی۔

"پھر دیکھا... پھر فضول باتیں کرنے لگے؟ تمہارا خیال غلط ہے کہ میں تم سے کوئی نازیبا بات کروں گی' صبح کا وقت ہے' اذانیں ہونے والی ہیں... اور تم... جاؤ وضو کرو اور نماز پڑھو' میں کہہ رہی ہوں... اگر آج نماز نہیں پڑھی تو پھر مجھے کال مت کرنا' میں تم سے بات نہیں کروں گی۔ اوکے؟"

پھر اس نے کال ڈسکنکٹ کی اور اعتماد کے ساتھ قدم اٹھاتی ہوئی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی' یوں... جیسے اسے یقین ہو کہ وہ ابھی وضو کرے گا اور نماز پڑھے گا۔

☼ ☼ ☼

جاگنگ سوٹ میں ملبوس اذان سرخ اینٹوں سے بنی روش پر مناسب رفتار سے بھاگ رہا تھا۔ سرخ اینٹوں کی اس روش کے اردگرد ناریل اور کھجور کے درختوں کی طویل قطاریں تھیں۔ صبح کا وقت تھا اور گھاس پر بکھرے شبنم کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ بل کھاتی ہوئی روش کا موڑ مڑتے ہوئے اچانک سامنے سے جاگنگ ڈریس میں ملبوس غضنفر ولیکا اور علی شاہ کو آتے دیکھ کر اذان کے قدم سست ہو گئے اذان کا داہنا ہاتھ فضا میں بلند ہوا ادھر غضنفر نے ہاتھ بلند کیا اور

دونوں نے فضا میں بلند ہاتھ آپس میں ٹکرائے اذان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"کیسے ہو غضنفر؟"

"ٹھیک ہوں تم سناؤ کیسے ہو؟" غضنفر نے جواب دیا اور ساتھ ہی اذان کی خیریت بھی دریافت کی جس کے جواب میں اذان بولا۔

"فائن۔" علی نے بھی مسکرا کر اذان سے مصافحہ کیا اور پھر تینوں ایک ساتھ چلتے ہوئے شبنم میں بھیگی ہوئی گھاس کے قطعے پر چلنے لگے۔

"اور بھئی اذان! بہت دنوں بعد جاگنگ کے لیے نکلے ہو؟" علی نے اذان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس یار بابا کے جانے کے بعد طبیعت ہی کچھ ایسی بوجھل اور اداس رہی' دل ہی نہیں چاہا۔۔۔ تم لوگ سناؤ کیا مصروفیات ہیں آج کل؟" اذان نے علی کی بات کا جواب دینے کے بعد دریافت کیا۔

"ایک بہت بڑا بزنس ہاتھ لگ رہا ہے' اچھا ہوا تم سے ملاقات ہوگئی۔" غضنفر نے چلتے چلتے انکشاف کیا۔

"بزنس۔۔۔ کیسا بزنس؟" اذان نے استفہامی انداز میں سوال کیا۔

"یار وہ اسٹیج ڈائریکٹر نہیں اقبال چاند' دو تین روز پہلے میری ان سے ملاقات ہوئی ہے وہ ہمارے شہر میں ایک بڑا اسٹیج پلے کرنا چاہتے ہیں' بس مقامی طور پر انہیں ہماری مکمل مدد کی ضرورت ہے' وہ کہہ رہے تھے کہ اگر یہاں کے تمام انتظامات جیسے کہ اسٹیج' سیکورٹی' کنوینس اور اس طرح کی دیگر سہولیات انہیں ہم فراہم کریں تو وہ ہمیں پرافٹ میں سے تھرٹی پرسینٹ دینے کو تیار ہیں۔"

"صرف تھرٹی پرسینٹ۔" اذان نے استعجابی لہجے میں کہا۔

"ابے یار بہت بڑا بزنس ہے تمہیں تو پتا ہے کہ اس کے تمام ڈرامے بڑی کاسٹ پر مشتمل ہوتے ہیں اور بڑا بزنس کرتے ہیں۔ ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں انکم ہوتی ہے ان کی۔"

"بس بس ٹھیک ہے۔ تم نے کیا جواب دیا۔" اذان نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے پوچھا۔

"تو بھلا یہ بے چارہ نہ تین میں نہ تیرہ میں یہ کیا جواب دے گا کہہ کر اٹھ آیا کہ میں مشورہ کرکے جواب دوں گا سیدھا میرے پاس آیا مجھ سے ڈسکس کیا اور ظاہر ہے کہ میں تم سے بات کیے بغیر کیا جواب دے سکتا تھا صورت حال ایسی تھی کہ تم سے ملاقات نہیں ہوئی اور ان دنوں تمہارے پاس جانا بھی مناسب نہیں تھا یہ تو اچھا ہوا کہ آج تم سے ملاقات ہوگئی اب تم بتاؤ کہ کیا کرنا ہے۔ آفٹر آل فیصلہ تو تم ہی کروگے نا؟"

علی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے سوچتے ہیں اس پر بھی۔" اذان نے سر جھٹکتے ہوئے۔ اشارے سے بیٹھنے کا کہا اس دوران باتیں کرتے کرتے وہ تینوں شبنم سے بھیگی ہوئی ٹھنڈی نرم و ملائم گھاس پر بیٹھ چکے تھے۔

"یار سوچنا ضرور آفر بری نہیں ہے۔" غضنفر نے سنجیدگی سے کہا۔

"یار میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر بڑی کاسٹ کے ساتھ ہی پروگرام کرنا ہے اور انکم بھی لاکھوں میں ہے تو آخر ہم خود ہی یہ کام کیوں نہ کرلیں۔" اذان نے پرسوچ انداز میں کہا اس کی سوالیہ نظریں علی کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں جس کا مطلب سمجھتے ہوئے علی نے تائید کے انداز میں گردن ہلائی اور گویا ہوا۔

"واؤ۔۔۔ آئیڈیا تو زبردست ہے اور پھر بڑی کاسٹ کے علاوہ ہماری اپنی ٹیم بھی کچھ کم نہیں غضنفر کے روپ میں اچھا کامیڈین' جیسا تیسا میں تو تمہارے ساتھ ہیں ہی اور پھر وہ فیمیل ایکٹریس میں ماہم بھی تو جاندار ایکٹنگ کرتی ہے۔"

"ہاں بات تو تمہاری ٹھیک ہے بڑی کاسٹ کے ساتھ تم سب بھی اچھے انداز میں کام کرسکتے ہو رہی بات ماہم کی تو اس کا تو کوئی اتا پتا ہی معلوم نہیں کہ وہ کون تھی' کہاں سے آئی تھی' کہاں رہتی ہے اور اس کے گارڈین سے رابطہ کرنے کو میرا دل نہیں چاہتا۔"

"گارڈین۔۔۔ کون گارڈین۔" علی نے چونکتے ہوئے

دریافت کیا۔ غضنفر اٹھ کر لہکتے ہوئے ایک ادا سے بولا۔

"گل بنی ہے۔۔۔ تمہیں یہ ہی نہیں پتا۔"

جواباً" اذان کا قہقہہ بھرپور تھا وہ بہت دنوں بعد آج طرح کھل کر ہنسا تھا۔

"بھئی مان گئے تم واقعی اچھے کامیڈین ہو۔" اذان کے لہجے میں مسکراہٹ گھلی ہوئی تھی۔

"اچھا۔۔۔ اچھا میں بھی سمجھ گیا۔" علی نے سمجھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ یار تم آج ہی سمجھ گئے۔ ڈرامے کے بعد سمجھتے تو بڑا مسئلہ ہوتا۔" غضنفر نے ہنس کر کہا۔

"تھوڑی سی انفارمیشن تو میرے پاس ہے۔۔۔" علی نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اذان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسی انفارمیشن؟ کیا ماہم کے متعلق؟" اذان نے بے قراری سے پوچھا اور علی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں اس کے بارے میں مجھے کچھ تھوڑا سا پتا چلا ہے۔"

"کیا؟" اذان نے اپنی بے قراری پر قابو پاتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"حسن یاد ہے۔" علی کی استفہامیہ نظریں اذان کے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں اور اذان کی چمکتی ہوئی بے قرار آنکھیں لمحہ بھر کو پرسوچ انداز میں جھپکیں اسے وہ خوبصورت نوجوان یاد آگیا تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے علی سے دریافت کیا۔

"کون حسن؟"

"ابے یار وہی جس نے شہر کی ساری دیواریں کالی کر رکھی ہیں ہر دیوار پر لکھا ہوا نظر آتا ہے "حسن آرٹ" جہاں جہاں وال چاکنگ نظر آتی ہے وہاں وہاں یہ نام بھی ضرور نظر آتا ہے۔ پینٹر حسن کی بات کررہا ہوں۔"

اذان نے اطمینان بھری طویل سانس بھری۔ علی نے اس کے اندازے پر مہر تصدیق ثبت کردی تھی۔

"ہاں یاد آیا وہی حسن جو کمپری ہینسو اسکول کے میوزیکل شو میں ہمارے ساتھ تھا اور جس نے ون مین شو پیش کیا تھا۔ وہی نا؟"

اذان نے اطمینان بھرے انداز میں دریافت کیا۔

"ہاں وہی شکر ہے تمہیں یاد آگیا۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان دنوں اس نے تمہاری شاگردی اختیار کرنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی اور "ون مین شو" بھی تو اسے تم نے ہی تیار کروایا تھا۔" علی نے جتاتے ہوئے انداز میں بتایا۔

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے لیکن بات تو ماہم کی ہو رہی تھی حسن کا یہاں کیا ذکر ہے؟" اذان نے حیرت سے پوچھا۔

اور علی کے لبوں پر ایک مرتبہ پھر مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر وہ شرارتی انداز میں بولا۔

"ہاں بھائی اسی طرف آرہا ہوں چھری کے نیچے سانس تو لو۔ حسن کے بارے میں پتا چلا ہے کہ وہ رشتے میں ماہم کا چچا لگتا ہے۔" اور غضنفر حیرت سے منہ پھاڑ کر علی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابے اتنا چھوٹا سا چچا؟ وہ تو ہم سے عمر میں بہت چھوٹا ہے۔" غضنفر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تو بھی نرا گھامڑ ہے کبھی کبھی تو انتہائی بے وقوفانہ سوال کرتا ہے۔ چچا ہونے کے لیے کیا ستر سالہ بوڑھا ہونا ضروری ہے؟" علی نے ناگوری سے کہا۔

دونوں کی آپس میں نوک جھوک جاری تھی اور اذان وہاں موجود ہوتے ہوئے وہاں موجود نہیں تھا اس کے دل کی عجیب حالت تھی۔ کیونکہ ایک طویل عرصے کے بعد اس الجھی ہوئی ڈور کا سرا ہاتھ آرہا تھا۔ پہلی مرتبہ ماہم کا کوئی اتا پتا معلوم ہو رہا تھا اس کی نظروں کے سامنے ماہم کا عکس ڈوب اور ابھر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

آسمان پر ڈوبتے ہوئے سورج نے سرخی اور سیاہی کے بغلگیر ہونے کا یہ آخری منظر حیرت سے دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں شاہراہوں پر بہتا ہوا ٹریفک کا اژدہام' انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر' گاڑیوں کا

بے ہنگم شور۔ مختلف النوع ہارن کی چیختی چنگھاڑتی آوازیں اور افراتفری کا شکار حضرت انسان جو گھر جانے میں بھی سب پر سبقت لے جانے کی دھن میں مگن تھا۔ دن بھر کے تھکے ہارے ملازمت پیشہ بزنس مین' محنت کش غرض یہ کہ ہر طبقہ فکر کے لوگ اس وقت اپنے اپنے گھروں کا رخ کر رہے تھے اور جلد سے جلد گوشہ عافیت میں پہنچ جانا چاہتے تھے۔

لیکن اسی شہر اسی ملک اور اسی دنیا میں ایک ایسا خطہ بھی موجود تھا جو اس وقت آباد ہونا شروع ہوتا تھا جہاں دن نہیں راتیں جاگتی تھیں اور رات آج بھی وہاں انگڑائی لے کر بیدار ہو چکی تھی۔

دن بھر کی بیوہ کی مانگ کی طرح اجاڑ رہنے والی گلیاں' اور بازار اس وقت کسی نئی نویلی دلہن کی مانند سجے ہوئے نظر آرہے تھے ہر طرف ایک ہلچل' ایک چہل پہل تھی جو احساس دلاتی تھی کہ زندگی جاگ اٹھی ہے۔

پان اور سگریٹ کی دکانوں پر کھڑے لوگ پان اور تمباکو سے لطف اندوز ہو رہے تھے تو کہیں پھول فروش ہار اور گجرے فروخت کرتے نظر آرہے تھے جن کی مہک اس سیلن زدہ فضا کو بھی معطر کر رہی تھی اس تمام تر رونق کے باوجود قدیم طرز کی بنی ہوئی ان عمارتوں کی دو رویہ قطاریں پتا نہیں کیوں کسی ہیبت ناک آسیب کی طرح سر اٹھائے خاموش کھڑی تھیں لیکن پھر رفتہ رفتہ یہ خاموشی ٹوٹنے لگی۔

ایک ایک کر کے تقریباً" تمام کی تمام عمارتیں ہی روشنیوں میں نہاتی چلی گئیں۔ فضا میں موسیقی کی مدھر تانیں بلند ہونے لگیں تو لوگوں کے قدم جیسے آپوں آپ ہی ان عمارتوں کی جانب اٹھتے چلے گئے پان کی دکان پر رش کم ہو گیا اور پھولوں کے سوداگر اپنی آج کی کمائی کا تخمینہ لگانے میں مصروف ہو گئے۔

سب سے زیادہ رونق آج کوثر بائی کے کوٹھے پر نظر آرہی تھی جو بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ اس کی سجاوٹ میں بھی آج کچھ خصوصی اہتمام کیا گیا تھا اور یہ ہی نہیں حسن و سادگی کا پیکر کنول جس کا چہرہ ہمیشہ میک اپ سے بے نیاز ہوتا تھا۔ آج اس نے بھی ہلکا پھلکا سا میک اپ کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کا حسن دو آتشہ ہو گیا تھا۔ ہلکے گلابی رنگ کے لباس میں ملبوس اس وقت وہ اتنی ہی حسین نظر آرہی تھی کہ دیکھنے والے کا ایمان ڈگمگا جائے۔ یہ اہتمام' یہ تیاری بتا رہی تھی کہ آج کچھ الگ' کچھ خاص ضرور ہے اور یہ غلط بھی نہ تھا۔

آج شہر کا وہ جانا مانا رئیس زادہ بہت دنوں کے بعد ان کے ہاں دوبارہ آرہا تھا جو کنول کی ہر ہر ادا پر لاکھوں لٹا دیا کرتا تھا۔ وہی۔ جو کنول کی کچھ لمحوں کی خلوت کے لیے ایک کروڑ کی پیش کش کر چکا تھا۔ لیکن کنول نے اس کی یہ پیش کش ٹھکرا دی تھی۔ اس دن کے بعد سے اس نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا لیکن آج بہت دنوں کے بعد اس نے دوبارہ اپنی آمد کا پیغام بھجوایا تو خرانٹ صورت کوثر بائی کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے وہ سر شام ہی ملازموں اور سازندوں پر برسنے لگی۔

وہ جو اپنے اپنے بستروں پر پڑے اینٹھ رہے تھے سب کے سب حرکت میں آگئے اور یوں اس خصوصی سجاوٹ کا اہتمام ہو گیا۔

کوثر بائی نے زور دے کر اور کچھ منت خوشامد کر کے جیسے تیسے کنول کو بھی ہلکا پھلکا میک اپ کروا کے ہی دم لیا اور پھر وہ مخصوص ہستی آہی گئی جس کے انتظار میں کوثر بائی دیدہ و دل فرش راہ کیے بیٹھی تھی۔

اس نے اس کی بلائیں لیں۔ کمرے کے عین وسط میں اسے گاؤ تکیہ پیش کیا اور کچھ دیر ادھر ادھر کی گفتگو کرنے کے بعد اچانک اسے کچھ یاد آگیا جسے وہ جلدی جلدی سرگوشیوں میں آنے والے کے کانوں میں منتقل کرنے لگی۔

اس کی بات سن کر رئیس زادے کے ہونٹ سکڑ گئے اور آنکھیں جیسے شعلے اگلنے لگیں۔

ٹھیک اسی وقت سازندوں نے اپنے فن کے مظاہرے کا آغاز کیا تو کوثر بائی اپنے تھلتھلاتے ہوئے وجود کو سمیٹتی ہوئی جلدی سے اٹھی اور پھر جیسے لڑھکتی ہوئی سی اپنی مخصوص جگہ پر جا کر براجمان ہو گئی ٹھیک اسی لمحے مغنیہ نے تان اٹھائی۔

خبر تحیر عشق سن' نہ جنوں رہا' نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا' جو رہی سو بے خبری رہی

کنول کے مشاق پاؤں حرکت میں آچکے تھے اور وہاں موجود لوگوں نے اپنے دل تھام لیے تھے۔ رئیس زادے کے علاوہ بھی وہاں بہت سے تماش بین موجود تھے کیونکہ آج اسے معمول سے زیادہ ہی جم غفیر محسوس ہو رہا تھا۔ اتنی زیادہ تعداد میں موجود تمام کے تمام لوگوں کی نظریں کنول کو اپنے وجود میں برچھیوں کی طرح پیوست ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ لیکن وہ ساز و آواز کے آہنگ پر تھرک رہی تھی اور مغنیہ کی آواز گونج رہی تھی۔

شہ بے خودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی' نہ جنوں کی پردہ دری رہی

کنول نے ایک نظر اس بگڑے ہوئے رئیس زادے کی طرف دیکھا کلف لگے کپڑے' چوڑی پیشانی' موٹی آنکھوں' مضبوط اور سڈول جسم کا مالک یہ نوجوان جس کے ارد گرد چار' پانچ بندوق بردار محافظ بھی بیٹھے ہوئے تھے وہ اس وقت یقیناً" خود کو راجہ اندر سمجھتے ہوئے اپنی باریک نوکیلی مونچھوں کو سہلا رہا تھا اور اسی کی جانب متوجہ تھا۔ کنول نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے اپنے جسم کو غزل کے اشعار کے ساتھ ساتھ حرکت دی۔

چلی سمت غیب سے اک ہوا' کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم' جسے دل کہیں' سو ہری رہی

کنول نے اپنے جسم کو کسی شاخ ہی کی مانند لچکاتے ہوئے تماش بینوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی تو بے اختیار لڑکھڑا گئی اس کی نظریں اس چہرے سے چپک کر رہ گئی تھیں وہ اسے پہچان چکی تھی۔ ادھر مغنیہ نغمہ سرا تھی۔

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخہ عشق کا
کہ کتاب عقل تھی طاق پر' وہ دھری کی دھری رہی

اس کے قدم بے اختیارانہ اس کی جانب کھنچتے چلے گئے اور پھر اگلے ہی لمحے وہ اپنے مخصوص انداز میں اس کے سامنے دو زانو بیٹھی لہک رہی تھی۔

کیے جوش حیرت حسن کا اثر اس قدر تو یہاں ہوا
نہ تو آئینے میں جلا رہی' نہ پری کی جلوہ گری رہی

اس کی نظروں میں ایک والہانہ پن تھا جبکہ فرزان کی آنکھوں میں کرب کا ایک سمندر لہریں لے رہا تھا۔ دونوں اپنی اپنی کیفیات میں گم اس بات سے یکسر بے خبر تھے کہ رئیس زادے اور کوثر بائی کے درمیان آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا اشارے ہوئے ہیں اب اس رئیس زادے کی آنکھیں فرزان کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور اس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی پھوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

ادھر فرزان جو اپنے ہی احساسات کا اسیر تھا ایک جھٹکے سے اٹھا اور بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

مغنیہ کی آواز اور محفل میں رقصاں کنول کی آنکھوں نے اس کا تعاقب کیا۔

نظر تغافل یار کا گلہ کس زباں سے کروں بیاں
کہ شراب حسرت و آرزو خم دل میں تھی سو بھری رہی

فرزان بیرونی دروازے سے باہر نکل کر سیڑھیاں اتر رہا تھا جب اچانک اپنے محافظوں کے ساتھ وہ رئیس زادہ بھی باہر کی جانب لپکا۔

کنول نے حیرت سے یہ منظر دیکھا۔ ٹھیک اسی لمحے مغنیہ کے لبوں سے غزل کا مقطع آزاد ہوا۔

کیا خاک آتش عشق نے' دل بے نوائے سراج کو
نہ خطر رہا' نہ حذر رہا' جو رہی سو بے خطری رہی

ٹھیک اس لمحے فضا پے در پے ہونے والے دھماکوں کی آواز سے تھرا اٹھی۔ محفل میں بھگدڑ مچ گئی لوگ ایک دوسرے سے دھکم پیل کرتے ہوئے تیزی سے باہر کی جانب لپکے اور باہر بھی صورت حال کچھ مختلف نہ تھی لوگ صورت حال جانے بغیر بدحواس انداز میں بھاگ رہے تھے۔

فرزان جو وہسکی کی بوتل تھامے گھونٹ گھونٹ پیتا لڑکھڑاتا ہوا کوثر بائی کے کوٹھے کی سیڑھیاں اترتا چلا جا رہا تھا دھماکوں کی آواز کے ساتھ ہی اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے اس کے جسم میں دہکتے ہوئے انگارے بھر دیے ہوں وہ اچھل کر اوندھے منہ سیڑھیوں پر گرا تھا اور پھر لڑھکتا ہوا نیچے جا پڑا۔

(باقی آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

نبیلہ عزیز

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دو ہی بہن بھائی ہیں' مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے' وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے' جس کے پیش نظر فائزہ بیگم' نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں' لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے' جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے' مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے' مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا' بے بسی اور مجبوری سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے' لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے باؤ امتیاز مل جاتا ہے' جو اسے کام کی آفر کرتا ہے' جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے' اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے' وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے' وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دلاور آزر شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے' وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے' اس نے [illegible]نہیں سیکھا' اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو [illegible]۔

پچیسویں قسط

"اوکے۔۔۔! میں جلدی آجاؤں گی۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔" وہ چادر اوڑھ کر بیگ لیتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی تھی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ گھر سے ایک پریشانی ساتھ لے کر نکل رہی ہے تو آگے ایک اور پریشانی اس کی منتظر ہے۔
وہ ابھی اسٹاف روم میں پہنچ کر اپنی بڑی سی چادر اتار کے اپنے سوٹ کا میچنگ دوپٹہ نکال رہی تھی جب ان کا پیون پیغام لے کر حاضر ہوا تھا۔
"میڈم۔۔۔! آپ سے کوئی ملنے آیا ہے' کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" پیون نے کافی مودب سے انداز میں اطلاع پہنچائی تھی۔
"کون۔۔۔؟ شہریار۔۔۔" مریم چونک گئی تھی اس کا خیال بے ساختہ شہریار کی طرف ہی گیا تھا کیونکہ اسے اس وقت شہریار کا ہی انتظار تھا۔
"سوری میڈم۔۔۔! نام نہیں بتایا انہوں نے۔۔۔" پیون نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔
"اچھا۔۔۔! میں خود دیکھ لیتی ہوں۔" مریم اپنا بیگ اور چادر لاکر میں رکھتے ہوئے اسٹاف روم سے نکل آئی تھی' اس کا رخ وزیٹنگ روم کی طرف تھا وہ خاصے تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی وہاں تک آئی تھی لیکن وزیٹنگ روم میں پہنچ کر اس کے قدم اپنی جگہ پہ جیسے جم کے رہ گئے تھے کیونکہ سامنے ہی صوفے پہ جودت آفندی براجمان تھا جو اسے دیکھتے ہی فوراً" صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"ہائے۔۔۔! کیسی ہیں آپ۔۔۔؟" جودت آج جیسے بڑی فراغت نکال کے بڑے اطمینان سے اس سے ملنے آیا تھا اسی لیے بڑے سکون سے اس سے مخاطب تھا جبکہ مریم کے چہرے کی رنگت بدل چکی تھی' جودت آفندی کا اس سے ملنے کے لیے اکیڈمی آنا اس کے لیے کوئی بھی اسکینڈل کھڑا کر سکتا تھا اور وہ فی الحال کوئی بھی اسکینڈل افورڈ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی' جودت آفندی کی آمد مریم کی ریپوٹیشن پہ ایک دھبا ثابت ہو سکتی تھی اور وہ مر کے بھی یہ دھبا نہیں لگوانا چاہتی تھی۔
"مجھے کیا خبر تھی کہ آپ یوں مجھے نظروں کے رستے دل میں اتارنے کھڑی ہو جائیں گی؟ پتا ہوتا تو میں پہلے ہی آجاتا؟"
جودت کا لہجہ اور انداز خاصے معنی خیز تھے جس پہ مریم سر سے پاؤں تک سلگ اٹھی۔
"جسٹ شٹ اپ۔۔۔! زبان سنبھال کے بات کریں' مجھے ایسی بکواس پسند نہیں ہے۔" مریم پہلے ہی کافی پریشان تھی اس لیے جودت کی معنی خیزی پہ اس کا دماغ اور زیادہ گرم ہو گیا تھا۔
"لیکن مجھے تو بہت پسند ہے چاہے وہ بکواس آپ کریں یا میں۔۔۔" جودت نے ہنوز معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے کندھے اچکائے۔
"آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔۔۔؟" مریم نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے بمشکل سوال کیا تھا۔
"پیاسا کنویں کے پاس کیوں آتا ہے۔۔۔؟" الٹا جودت کا سوال مریم کو سٹپٹا کے رکھ گیا تھا۔
"کیا مطلب ہے آپ کا۔۔۔؟"
"ارے۔۔۔! حیرت کی بات ہے' آپ ایک ٹیچر ہو کر مطلب مجھ سے پوچھ رہی ہیں۔۔۔؟ وہ بھی اتنے آسان سوال کا۔۔۔؟"
جودت بھنویں اچکاتے ہوئے ذرا سا مسکرایا تھا اور چار قدم کا فاصلہ طے کر کے دو قدم کے فاصلے پہ اس کے بے حد قریب آکھڑا ہوا تھا۔
"بھئی ظاہر سی بات ہے کہ پیاسا کنویں کے پاس اپنی پیاس بجھانے کے لیے آتا ہے جیسے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔"

جودت کے بے باک سے انداز پہ مریم نے بڑی مشکل سے اپنے ہاتھ کو تھپڑ مارنے سے روکا تھا ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ جودت آفندی کے منہ پہ ایسا زناٹے دار تھپڑ رسید کرے کہ اس کے چہرے پہ زندگی بھر کے لیے ایک نشان رہ جائے' لیکن مریم کے لیے آج کا دن اذیت اور برداشت کا دن تھا۔ وہ جودت آفندی پہ ہاتھ اٹھا کے اشتعال نہیں دلانا چاہتی تھی کیونکہ اگر وہ مشتعل ہو جاتا تو اس کی پریشانیوں میں اور بھی اضافہ ہو سکتا تھا اور تھپڑ کے عوض مزید پریشانی نہیں خرید سکتی تھی۔
"دیکھیے جودت صاحب۔۔۔! آپ کی گھٹیا گفتگو مجھ پہ اثر انداز نہیں ہو سکتی۔۔۔ آپ خوامخواہ اپنا ٹائم ویسٹ کر رہے ہیں۔۔۔ اس لیے پلیز آپ کسی ایسی لڑکی کا ایڈریس لیں جو آپ کے ٹائپ کی اور آپ کی ضرورت کے مطابق ہو جس پہ ٹائم ویسٹ کرنے سے آپ کو نفع ہو' نقصان نہیں۔۔۔" مریم نے ذرا تحمل سے کام لیتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔
"آپ کو کیا پتا مریم جی۔۔۔؟ اس وقت آپ کو دیکھنا' آپ سے بات کرنا ہی میرا اصل نفع ہے' صبح صبح اٹھنے کا اور بستر چھوڑنے کا صلہ مل گیا ہے' طبیعت پہ بڑا اچھا اثر پڑا ہے' دل بڑی تیزی سے حرکت میں ہے۔" جودت نے بڑے سرشار سے انداز میں اپنے دل پہ ہاتھ رکھا تھا۔
"جودت صاحب پلیز۔۔۔! میری آپ سے ایک ریکوئسٹ ہے کہ آپ کے دل میں میرے حوالے سے جو بھی خیال ہے پلیز آپ اس خیال کو اپنے دل سے نکال دیں' کیونکہ میرے متعلق آپ کا انتخاب بہت غلط ہے' میں ایسی نہیں ہوں جیسی آپ سمجھ رہے ہیں۔
میری ذات اور آپ کی ضرورت کا کوئی جوڑ میل نہیں ہے' میری ذات کچھ اور ہے' آپ کی ضرورت کچھ اور ہے۔۔۔ آپ کی ضرورت تو آپ کی اپنی کلاس سے ہی پوری ہو سکتی ہے' آپ اپنی کلاس سے نیچے کیوں آرہے ہیں۔۔۔؟" مریم بہت زیادہ برداشت سے کام لے رہی تھی۔
"کیونکہ میں میک اپ سے سجے چہروں اور رنگین بالوں سے اکتا چکا ہوں' میرا دل آپ کی نیچرل بیوٹی کا ہو کر رہ گیا ہے' جب سے آپ کو دیکھا ہے' ایک دن بھی آپ کی طلب کے بغیر نہیں گزرا' سوچتا ہوں آپ کو دو قدم دور سے دیکھنے پہ میرا یہ حال ہے تو دو قدم اور قریب سے دیکھنے پہ کیا حال ہو گا۔۔۔؟" جودت نے اپنے خیالات اور جذبات کا کھلے عام اظہار کیا تھا اور مریم کے صبر و برداشت جواب دے گئے تھے۔
"آپ یہاں سے خود جائیں گے یا مجھے چپڑاسی کو بلانا پڑے گا۔۔۔؟" وہ زچ ہو چکی تھی۔
"مجھے یہاں سے نکالنے کے لیے چپڑاسی کو بلانے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔۔۔؟ آپ خود میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گیٹ سے باہر نکال دیں' میں چپ چاپ چلا جاؤں گا۔۔۔" جودت نے بڑی معصومیت سے اسے حل بتایا تھا اور مریم مٹھیاں بھینچ کے رہ گئی تھی۔
"ارے۔۔۔! جودت تم یہاں۔۔۔؟" اچانک وزیٹنگ روم کے داخلی دروازے سے مسز رزاق کی آواز ابھری تھی جو اس اکیڈمی کی پرنسپل اور اونر تھیں' مریم ان کی آواز پہ چونک گئی تھی۔
"السلام علیکم آنٹی۔۔۔! کیسی ہیں آپ۔۔۔؟" جودت ان کی سمت پلٹتے ہوئے پوری طرح ان کی طرف ہی متوجہ ہو چکا تھا۔
"وعلیکم السلام بیٹا۔۔۔! تم یہاں کیسے۔۔۔؟ اکیلے ہی آئے ہو۔۔۔؟ سائم کہاں ہے۔۔۔؟" وہ اپنی ساڑھی سنبھالتی ہوئی اندر ہی آگئی تھیں اور مریم ان کی آپس میں جان پہچان پہ حیران رہ گئی تھی کہ گویا وہ جودت آفندی کو اپنی مرضی سے اس اکیڈمی سے نکال بھی نہیں سکتی تھی۔
"جی۔۔۔! وہ دراصل مجھے مس مریم سے کوئی کام تھا اس لیے یہاں آیا ہوں اور سائم تو شاید یونیورسٹی چلا گیا

ہے۔۔۔" جودت نے کافی لاپروائی سے بتایا تھا جبکہ مریم اس کے جواب پہ سلگ اٹھی تھی اس نے جودت آفندی کو خاصی خونخوار نظروں سے دیکھا تھا۔

"مریم سے کام تھا۔۔۔؟" مسز رزاق کو حیرت ہوئی تھی کیونکہ وہ بھی جانتی تھیں کہ مریم اس ٹائپ کی نہیں ہے۔

"جی میڈم۔۔۔! وہ دراصل چند روز پہلے میرے اباجی کی طبیعت بہت زیادہ خراب تھی' ہم انہیں اسپتال لے گئے تھے' تب وہاں سے میڈیسن لیتے ہوئے میں بل کے پیسے اپنے بھائی کے پاس ہی بھول گئی تھی اور اس وقت اتفاق سے جودت صاحب بھی وہیں پہ تھے اور میڈیسن کا بل انہوں نے پے کر دیا تھا اس لیے ان کا ادھار تھا میری طرف' یہ وہی لینے آئے ہیں' پلیز۔۔۔! جودت صاحب ٹھہریے آپ' میں ابھی پیسے لے کر آتی ہوں۔۔۔"

مریم نے بڑی حاضر دماغی سے بات کا رخ ہی پلٹ دیا تھا جس پہ مسز رزاق حیران اور جودت ہکا بکا رہ گیا تھا۔

مسز رزاق کو تعجب ہوا تھا کہ جودت محض کچھ پیسوں کے لیے وہاں آیا ہے۔۔۔؟ حالانکہ اتنے پیسے تو یقیناً" اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔۔۔؟ جبکہ دوسری طرف جودت کا بھی برا حال تھا' مریم کی بات پہ وہ مسز رزاق کے سامنے شرمندہ ہو کے رہ گیا تھا۔

"لیجیے جودت صاحب۔۔۔! یہ آپ کے پیسے۔۔۔ پورے دو ہزار روپے ہیں' چیک کر لیں۔۔۔ اینڈ تھینکس اگین آپ نے مشکل وقت میں میری ہیلپ کی' میں آپ کا یہ احسان یاد رکھوں گی۔" مریم نے کافی سلیقے اور سمجھ داری سے سارا معاملہ کلیئر کر دیا تھا اور جودت ہاتھ میں پکڑے ہزار ہزار کے دو نوٹ دیکھتا رہ گیا تھا۔

"اوکے میڈم۔۔۔! میں چلتی ہوں اب۔۔۔ اٹینڈنس بھی لگوانی ہے' کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔" مریم انتہائی لاپروائی اور لاتعلقی کا مظاہرہ کرتی جودت کی سمت دیکھے بغیر وہاں سے چلی گئی تھی اور مسز رزاق کے پاس کھڑا جودت کچھ بھی نہیں کہہ سکا تھا۔

"ارے بیٹا۔۔۔! تم کھڑے کیوں ہو۔۔۔؟ بیٹھو نا۔۔۔" مس رزاق نے سر جھٹکتے ہوئے آداب میزبانی نبھائے تھے۔

"نو تھینکس آنٹی۔۔۔! میں بھی اب چلتا ہوں' جس کام کے لیے آیا تھا وہ تو ہوا نہیں۔۔۔ خیر پھر سہی۔۔۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"کیا مطلب۔۔۔؟ کس کام کے لیے آئے تھے۔۔۔؟" وہ ٹھٹکی تھیں۔

"نہیں۔۔۔! کچھ نہیں۔۔۔ اوکے اللہ حافظ۔۔۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے خدا حافظ کہہ کر وہاں سے باہر نکل آیا تھا لیکن کلاس رومز کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ ایک بار پھر ٹھہر گیا تھا۔

"ادھر آؤ۔۔۔!" اس نے سامنے کرسی پہ بیٹھے پیون کو اشارہ کیا تھا۔ "جی صاحب۔۔۔؟" وہ فوراً" اس کے قریب آیا تھا۔

"یہ لو۔۔۔! یہ تمہاری ٹپ ہے۔" جودت نے ہاتھ میں پکڑے دو ہزار روپے اسے تھمائے اور پیون اس کی اتنی عنایت پہ خوش اور حیران ہوا تھا۔ "مہربانی صاحب۔۔۔! بہت بہت مہربانی۔۔۔" پیون اس کا بے حد مشکور ہو رہا تھا۔

"مہربانی بعد میں۔۔۔ پہلے میرا پیغام پہنچا کے آؤ۔۔۔"

"پیغام۔۔۔؟"

"ہاں پیغام۔۔۔! مس مریم کے لیے۔۔۔"

"جی صاحب۔۔۔! کہیے ابھی پہنچا دیتا ہوں۔" پیون جی جان سے الرٹ ہوا تھا آخر دو ہزار کا تازہ تازہ کا لگا تھا اسے۔۔۔

"اوکے۔۔۔! ان سے کہو آپ سے آج کی ملاقات اچھی رہی' میں آپ سے ملنے پھر آؤں گا۔" جودت نے انتہائی اطمینان سے پیغام دیا تھا اور پیون نے وہی پیغام جوں کا توں مریم تک پہنچا دیا تھا جس پہ مریم ایک بار پھر

پریشان ہو اٹھی تھی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔۔۔!

☆ ☆ ☆

آج موسم بے حد سرد اور ابر آلود ہو رہا تھا۔ فضا میں گہری دھند کی ایک دبیز تہہ چھائی ہوئی تھی اور اس دھند میں بادل بھی جھکے آ رہے تھے۔ سیاہ بادلوں نے دن میں بھی رات کا سماں باندھ دیا تھا اور ایسے موسم میں زلفی کا بچکانہ من بچکانہ سی خواہش کرنے لگا تھا۔

"گل باجی۔۔۔! گل باجی۔۔۔! کہاں ہیں۔۔۔؟" زلفی گل کو پکارتا ہوا اندر آ گیا تھا کیونکہ گیٹ پہ اس وقت گلاب خان موجود تھا۔

"کہو۔۔۔؟ کیا بات ہے۔۔۔؟" گل کچن میں برتن دھو رہی تھی زلفی کی آواز سن کر وہیں سے جواب دیا تھا اور زلفی سیدھا اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"گل باجی۔۔۔! وہ۔۔۔ وہ باہر بہت ٹھنڈ ہو رہی ہے۔" زلفی نے جیسے اطلاع دی تھی۔

"ہوں۔۔۔! وہ تو میں جانتی ہوں۔۔۔ کوئی نئی بات کرو' کرنی ہے تو۔۔۔؟" گل نے برتن دھو کر پانی کا نل بند کر دیا تھا اور برتن خشک کرنے لگی تھی۔

"وہ باجی۔۔۔! وہ بارش بھی ہونے والی ہے۔۔۔" زلفی کچھ کہنے کے لیے تمہید باندھ رہا تھا یہ بات گل فوراً" ہی بھانپ گئی تھی۔

"ہوں۔۔۔! میں یہ بھی جانتی ہوں۔۔۔ اس کے علاوہ کچھ۔۔۔؟" وہ سارے برتن باری باری خشک کر کے ایک سائیڈ پہ رکھتی جا رہی تھی۔

"وہ باجی۔۔۔! باہر ٹھنڈ بھی ہے' بارش بھی بس ہونے ہی والی ہے' تو ایسے موسم میں۔" وہ پھر کچھ کہنے سے رک گیا تھا اور گل اپنے چھوٹے بھائی کی اس جھجک پہ بے ساختہ نرمی سے مسکرا دی تھی۔

"ہوں۔۔۔! بولو کیا کھاؤ گے۔۔۔؟ سموسے' پکوڑے یا کچھ اور چیز۔۔۔؟" وہ برتن سمیٹ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"سچ باجی۔۔۔! تمہیں پتا چل گیا۔۔۔؟" زلفی خوشی سے چہکا تھا۔

"بے وقوف۔۔۔! بھائی کا دل کچھ کھانے کو چاہ رہا ہے تو بہن کو پتا نہیں چلے گا تو اور کس کو چلے گا۔۔۔؟" گل نے اس کے کندھے پہ چپت لگائی تھی۔

"اچھا۔۔۔! تو پھر تم بنا رہی ہو نا باجی۔۔۔؟" زلفی نے یقین کرنا چاہا تھا۔

"ہاں ہاں۔۔۔! بناتی ہوں' لیکن اپنے کچن میں' یہ صاحب کا کچن ہے' وہ آ گئے تو کیا سوچیں گے کہ ہم ان کے جانے کے بعد اس طرح عیاشی کرتے ہیں۔۔۔؟" گل کچن سے نکل آئی تھی۔

"لیکن صاحب ایسے نہیں ہیں گل باجی۔۔۔ وہ تو کھانا کھا رہے ہوں تو گلاب خان کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لیتے ہیں۔۔۔" زلفی گل سے متفق نہیں تھا۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو زلفی۔۔۔! لیکن ہم کما اپنا رہے ہیں تو کھانا بھی اپنا ہی چاہیے تاکہ ضمیر زندہ رہے۔۔۔" اس نے دلیل دی تھی۔

"ہاں۔۔۔! تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ ضمیر کو مار دو' تم اپنے کچن میں ہی بنا لو' لیکن بناؤ تو سہی۔۔۔" زلفی کو شاید بھوک لگی ہوئی تھی اسی لیے زیادہ اتاؤلا ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے بناتی ہوں' سب کچھ بناتی ہوں' لیکن پکوڑوں اور چٹنی کے ساتھ نان بازار کے ہونے چاہئیں۔۔۔"

میرے بنانے تک تم بازار سے جا کر نان لے آنا۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔! وہ تو میں لے آتا ہوں، لیکن کیا وہ پری بھی نان پکوڑے کھائے گی۔۔۔؟" زلفی جاتے جاتے ٹھہر گیا تھا۔

"پریاں نان پکوڑے نہیں کھاتیں پگلے۔۔۔" گل سمجھ گئی تھی کہ وہ علیزے کی بات کر رہا ہے۔

"لیکن باجی۔۔۔! مجبور اور قید پریاں سب کچھ کھا لیتی ہیں، کوڑے بھی اور پکوڑے بھی۔۔۔" زلفی کی بات بھی بجا تھی گل کو اتفاق کرنا پڑا تھا۔

"ہاں۔۔۔! یہ بھی ٹھیک کہا تم نے۔۔۔ مجبوری، مفلسی اور قید سب کچھ کروا لیتی ہے، پرستان کی پریاں بھی خاک میں مل جاتی ہیں۔" گل کا لہجہ دکھی سا ہو گیا تھا۔

"خیر چھوڑو باجی۔۔۔! اب رونے مت بیٹھ جانا، آج موسم اچھا ہے، آج اس پری کو ہنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔" زلفی نے سر جھٹکا تھا۔

"دکھ دل کو جکڑ کے بیٹھے ہوں تو ہونٹ ہنسنے کا سلیقہ بھول جاتے ہیں میرے بھائی۔۔۔" گل نے ایک گہری سانس کھینچی تھی افسردہ اور اداس سی۔

"گل باجی۔۔۔! رہنے دو ہم کچھ بھی نہیں کرتے۔۔۔" زلفی بھی دھیما پڑ چکا تھا۔

"ارے نہیں نہیں۔۔۔! ہم اپنے ساتھ ساتھ تمہیں اداس نہیں کر سکتے۔۔۔ تم جاؤ گلاب خان سے پیسے لے کر نان لے آؤ۔۔۔"

گل نے فوراً "اداسی کا حصار جھٹک دیا تھا اور پھر اس کے اصرار پہ زلفی نان لینے چلا گیا تھا اور خود وہ کچن میں آ گئی تھی۔۔۔

☼ ☼ ☼
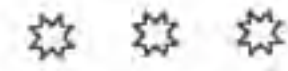
دل آور شاہ کورٹ سے فارغ ہوتے ہی سیدھا شوروم آیا تھا۔

یہ شوروم دل آور اور نبیل کی پارٹنر شپ پہ چل رہا تھا اس شوروم پہ دونوں نے برابر کے شیئرز انویسٹ کیے تھے، دونوں برابر کے حق دار تھے، لیکن دل آور کی کورٹ کی مصروفیت کی وجہ سے نبیل ہی شوروم کو زیادہ ٹائم دے رہا تھا اور دل آور کبھی کبھار ہی ٹائم دے پاتا تھا۔ لیکن آج کسی کام کے سلسلے میں نبیل کو اسلام آباد جانا پڑ گیا تھا اس لیے دل آور کو شوروم آنا پڑا تھا۔ اور وہ شوروم پہنچتے ہی اپنے سامنے موجود کسٹمر کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا اور ایسی ہی حیرانی اس کسٹمر کو بھی ہوئی تھی۔

"شاہ جی۔۔۔! آپ۔۔۔؟" انسپکٹر شہناز کو اچنبھا ہوا تھا۔

"ہاں جی۔۔۔! میں ہی ہوں۔۔۔ لیکن آپ یہاں کیسے۔۔۔؟ کہیں کوئی چھاپہ وغیرہ تو نہیں مار دیا ہمارے شوروم پہ۔۔۔؟"

دل آور نے بریف کیس ٹیبل پہ رکھتے ہوئے حیرت اور پریشانی کا مصنوعی اظہار کیا تھا۔

"یہ آپ کا شوروم ہے۔۔۔؟"

"جی۔۔۔! یہ چھوٹی سی گاڑیوں کی دکان ہماری ہی ہے۔۔۔" اس نے ہمیشہ کی طرح اتنے بڑے شوروم کو دکان کا نام دیا تھا۔

"لیکن شاہ جی۔۔۔!" آپ نے کبھی بتایا تو نہیں؟"

"فرصت ہی کب ملی ہے انسپکٹر صاحب۔۔۔؟"

"ہوں۔۔۔! اوکے تو پھر میں چلتی ہوں۔" انسپکٹر شہناز نے کرسی پہ رکھا اپنا بیگ اٹھا لیا تھا۔

"کیوں انسپکٹر صاحبہ۔۔۔؟ دکان پسند نہیں آئی۔۔۔؟" دل آور کے ذومعنی لہجے پہ انسپکٹر شہناز کے قدم تھم گئے تھے وہ اس کی سمت پلٹی تھی۔

"ایمان سے شاہ جی۔۔۔! دکان بھی پسند ہے اور "دکان دار" بھی۔۔۔ لیکن افسوس کہ اس دکان دار کا بھاؤ بہت تیز ہوتا ہے، میرا پرس اس دکان سے خریدی ہوئی گاڑی کی قیمت افورڈ نہیں کر پائے گا۔" انسپکٹر شہناز نے مایوسی اور بے چارگی سے سر ہلایا تھا۔

"ہاہاہا۔۔۔! اگر دکان دار آپ سے یہ کہہ دے کہ پوری دکان ہی آپ کی ہے تو پھر۔۔۔؟" دل آور انسپکٹر شہناز کی بات پہ بے ساختہ قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔

"تو پھر یہ دکان دار کی کوئی نئی چال ہو گی، مجھ جیسے سادہ اور کمزور دل کسٹمر کو پھانسنے کے لیے۔" انسپکٹر شہناز نے اپنے شکوک و شبہات کا اظہار کیا تھا۔

"چال۔۔۔؟ آپ دکان دار کے اتنے خلوص اور اتنی محبت کو بھی چال سمجھ رہی ہیں۔۔۔ افسوس کہ آپ کے ذہن سے شک کے جراثیم نہیں جاتے۔" دل آور نے تاسف سے سر ہلایا تھا۔

"افسوس اور شک بھی تو اسی بات پہ ہے ناں شاہ جی کہ یہ دکان دار خلوص سے پیش آتا ہے، محبت سے نہیں۔۔۔! محبت سے پیش آئے تو یہ نگوڑی اپنی پوری زندگی کا ہی سودا نہ کر ڈالے۔۔۔؟" انسپکٹر شہناز نے آہ بھری تھی۔

"ارے۔۔۔! اس دکان دار کا بھاؤ اتنا مہنگا بھی نہیں ہے کہ بدلے میں گاہک کو اپنی پوری زندگی کا ہی سودا کرنا پڑ جائے۔" وہ مسکرایا تھا۔

"یہ آپ کہہ رہے ہیں ناں شاہ جی۔۔۔! کیونکہ آپ میری جگہ پہ نہیں ہیں، میری جگہ سے اپنے آپ کو دیکھیں تو۔۔۔!" انسپکٹر شہناز نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"لگتا ہے موسم کا اثر ہے۔۔۔؟" دل آور نے دلچسپی سے کہا تھا۔

"آپ کسی موسم سے کم تو نہیں ہیں۔۔۔ آپ کا ہی اثر ہے اور جس پہ آپ اثر کر جاتے ہیں پھر اس پہ کوئی اور موسم اثر نہیں کرتا۔"

"وردی والوں کے منہ سے شاعرانہ باتیں۔۔۔؟ حیرت ہوتی ہے کبھی کبھی۔" دل آور نے مذاق کیا تھا وہ جان بوجھ کر انسپکٹر شہناز کو چھیڑ رہا تھا۔

"وردی والوں کے سینے میں بھی دل ہوتا ہے شاہ جی۔۔۔" انسپکٹر شہناز نے آہستگی سے کہا تھا۔

"کون سا دل۔۔۔؟ دل آور شاہ والا دل یا پھر محض سینے میں قید رہ کر دھڑکنے والا دل۔۔۔؟" اس نے پھر دلچسپی سے سوال کیا تھا۔

"جانے دیجیے شاہ جی۔۔۔! موسم پہلے ہی ابر آلود ہو رہا ہے۔۔۔" انسپکٹر شہناز نے سر جھٹکا تھا۔

"جانے دیا انسپکٹر صاحبہ۔۔۔! اور کوئی حکم" اس نے بڑی شرافت اور تابعداری کا مظاہرہ کیا تھا۔

"امی جان کے لیے گاڑی پسند کرنی تھی۔۔۔" انسپکٹر شہناز نے شوروم کے چمچماتے فلور پہ سجی گاڑیوں کو اک نظر دیکھا تھا۔

"موسٹ ویلکم۔۔۔! آپ گاڑی پسند کریں، گاڑی آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔" دل آور نے ہاتھ سے گاڑیوں کی سمت اشارہ کیا تھا۔

"مجھے وہ آف وائٹ گاڑی پسند آئی ہے۔"

"او کے۔۔۔! وہی گاڑی آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔۔۔" دل آور نے سنجیدگی سے کہا تھا۔۔۔

"لیکن اس گاڑی کی قیمت۔۔۔؟ اس کی کیا ڈیل ہے آپ کی طرف سے۔۔۔" انسپکٹر شہناز نے جاننا چاہا تھا۔

"میں عورتوں کے ساتھ ڈیل نہیں کرتا۔۔۔" دل آور نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے انکار کر دیا تھا۔

"تو پھر۔۔۔" انسپکٹر شہناز کو حیرانی ہوئی تھی۔

"پھر یہ ڈیل آپ کو اس شوروم کے سیکنڈ اونر نبیل حیات کے ساتھ کرنا پڑے گی' کیونکہ فی الحال ہمارے پاس مینیجر وغیرہ کی سہولت نہیں ہے' اس لیے زیادہ تر ڈیلنگز ہمیں خود ہی کرنا پڑ رہی ہیں۔۔۔ لیکن آپ تسلی رکھیں آپ کے بجٹ کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔"

آخر میں دل آور نے اسے تسلی دی تھی۔

"یقین تو نہیں آتا کہ آپ میرے بجٹ کا خیال رکھیں گے۔۔۔ لیکن خیر مان لیتی ہوں۔" انسپکٹر شہناز نے مایوسی سے کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

"پھر وہی شک۔۔۔" دل آور کے شکوے پہ انسپکٹر شہناز بے ساختہ کھلکھلا کے ہنسی تھی۔

"آپ کے کام ہی شک والے ہوتے ہیں شاہ جی۔۔۔! آپ کے کیس کی فیس ہی اتنی بھاری ہوتی ہے کہ لوگوں کو آپ کے پاس آتے ہوئے سو بار سوچنا پڑتا ہے' پھر میں یہ کیسے مان لوں کہ آپ میرے بجٹ کا خیال رکھیں گے۔۔۔ اور مجھے کچھ ڈسکاؤنٹ دیں گے۔"

انسپکٹر شہناز جانتی تھی کہ دل آور کی فیس کلائنٹ کے کانوں سے دھواں نکال دیتی ہے۔۔۔ وہ شہر کا مہنگا ترین وکیل تھا۔

"دیکھیے انسپکٹر صاحبہ۔۔۔ میں اگر لوگوں سے بھاری فیس لیتا ہوں تو ان کو مایوس بھی نہیں کرتا' میرے ہاتھ میں دیے گئے کیس کی جیت بھی یقینی ہوتی ہے اور شاید آپ مومنہ بی بی کے کیس کو بھول گئی ہیں جس کی میں نے کوئی فیس نہیں لی بلکہ خود اس کیس پہ پیسہ لگا رہا ہوں تاکہ کسی غریب کو انصاف مل سکے اور ایسے انصاف میں کئی غریبوں کو دلا چکا ہوں بس میری فیس ان ہی لوگوں کے لیے بھاری ہوتی ہے جن کے والٹ میں روپے کم اور کریڈٹ کارڈز زیادہ ہوتے ہیں۔۔۔" دل آور نے انسپکٹر شہناز کی غلط فہمی دور کرنا چاہی تھی۔۔۔

"ارے شاہ جی۔۔۔! میں تو مذاق میں کہہ رہی تھی ورنہ آپ کو مجھ سے بہتر کون جانتا ہے بھلا۔۔۔ مجھے پتا تھا کہ آپ اوپن ہارٹڈ ہیں اس لیے تو مومنہ بی بی کو میں نے آپ کے پاس بھیجا تھا' ورنہ کسی اور کا خیال تو نہیں آیا مجھے۔۔۔؟" انسپکٹر شہناز نے بھی اپنی بات کی وضاحت کی تھی۔

"پھر میری بھاری فیس کی شکایت کیوں کرتی ہیں۔۔۔؟" دل آور نے خفگی سے کہا تھا۔

"میں نہیں کرتی لوگ کرتے ہیں۔۔۔" وہ مسکرائی تھی۔

"یعنی۔۔۔! آپ کے لیے لوگ اہم ہیں۔"

"لوگ جائیں بھاڑ میں شاہ جی۔۔۔ میرے لیے آپ اہم ہیں' میری بلا سے اس سے بھی زیادہ بھاری فیس لیں۔ مجھے کیا تکلیف ہے بھلا۔۔۔" انسپکٹر شہناز خفگی سے جھنجلا کے بولی تھی اور دل آور پھر قہقہہ لگا کر ہنسنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

"ہاں ہاں۔۔۔! کیوں نہیں۔۔۔ ایسی ہی ایک فیلڈ میں آپ خود بھی تو ہیں ناں۔۔۔؟ آخر زیرو میٹر گاڑیاں ایسے ہی تو نہیں خریدی جاتیں۔۔۔" دل آور کا اشارہ رشوت کی طرف تھا جس کو سمجھتے ہی انسپکٹر شہناز نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

"توبہ شاہ جی۔۔۔! اب یہ الزام تو نہ دیں' ہماری حق حلال کی کمائی ہے۔"

"ہوں۔۔۔! ایسے ہوتی ہے تکلیف۔۔۔ جب کوئی ہماری حق حلال کی کمائی کو کوئی الزام دیا جاتا ہے۔۔۔" دل آور نے اسے آئینہ دکھایا تھا۔

"او کے ایم سوری۔۔۔" انسپکٹر شہناز نے معذرت کی تھی۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے آپ بیٹھیے میں چائے منگواتا ہوں۔"

"نو تھینکس۔۔۔! چائے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے فی الحال کسی کام سے جانا ہے اور بارش اسٹارٹ ہونے سے پہلے مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"او کے۔۔۔! جیسے آپ کی مرضی۔۔۔ باقی گاڑی کی قانونی کارروائی اور پیپرز وغیرہ آپ کل خود آئیں گی تو نبیل کروا دے گا' البتہ گاڑی پر میں سیل ٹیگ لگا دیتا ہوں۔" دل آور نے وہ گاڑی اس کے لیے بک کروا دی تھی انسپکٹر شہناز کی موجودگی میں ہی اس گاڑی پہ سیل کا ٹیگ لگا دیا گیا تھا اور پھر وہ وہاں سے نکل آئی تھی اور ابھی وہ انسپکٹر کو رخصت کر کے فارغ ہوا ہی تھا کہ اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔

اس نے سیل فون اٹھا کر دیکھا تو اسکرین پہ عبداللہ کا نمبر نظر آیا تھا جس پہ اس نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

"السلام علیکم۔۔۔!" وہی کال ریسیو کرنے کا مخصوص اسٹائل۔

"وعلیکم السلام۔۔۔! کہاں ہو۔۔۔؟" عبداللہ نے چھوٹتے ہی استفسار کیا تھا۔

"شوروم میں۔۔۔!" اس کا جواب مختصر تھا۔

"اور نبیل صاحب۔۔۔؟ وہ کہاں ملیں گے اس وقت۔۔۔؟" عبداللہ کا لہجہ طنزیہ ہو رہا تھا۔

"اسلام آباد میں!" اس کا دوسرا جواب بھی مختصر تھا۔

"کیوں؟ اسلام آباد میں کیوں؟" عبداللہ کو حیرانی ہوئی تھی۔

"کام کے سلسلے میں!" اس کا تیسرا جواب بھی مختصر ہی موصول ہوا تھا۔

"اف یار! ایک تو میں تم لوگوں کے کام سے تنگ آگیا ہوں کام کام ہر وقت کام یار کبھی کام کے علاوہ بھی کچھ کر لیا کرو۔"

"مثلاً"۔۔۔ کیا کریں۔" دل آور نے الٹا اس سے پوچھا تھا۔

"محبت کرو یار محبت! قسم سے یار مزا آجاتا ہے محبت کر کے۔۔۔ محبت کرنے والے کام کرنا بھول جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں محبت ہی کام ہے۔" عبداللہ نے جھٹ سے مشورہ دیا تھا مفت اور مفید!

"ہونہہ ملک صاحب۔۔۔! آپ ٹھہرے جدی پشتی رئیس اور جاگیردار آپ کا گزارہ' صرف محبت کر کے بھی ہو جاتا ہے' لیکن ہمارا گزارہ' صرف محبت سے نہیں ہو سکتا۔۔۔ ہمیں کام کرنا پڑتا ہے۔۔۔ آپ اب یہی فرق دیکھ لیں۔۔۔ آپ محبت کر کے شادی رچا کر بیوی کے ساتھ بڑے سکون سے گھر پہ آرام فرما ہیں اور انتہائی اطمینان اور تسلی کے ساتھ اپنے بیڈ روم میں بیٹھے یہ ابر آلود موسم' یہ دھند میں لپٹا دن اور یہ بھیگا دسمبر انجوائے کر رہے ہیں جبکہ ہم دونوں چھڑے چھانٹ بے چارے صبح صبح گھروں سے نکل کر کام کے لیے بھٹک رہے ہیں۔ کورٹ کچہری اور آفسز کے دھکے کھاتے پھر رہے ہیں' وہ اسلام آباد میں ٹھہر رہا ہے اور میں لاہور میں۔۔۔ کیونکہ آپ نہ بھی کام کریں گے تو گزارہ' ہو جائے گا' لیکن کام کیے بغیر ہمارا گزارہ' نہیں ہو گا۔"

دل آور کی بات پہ عبداللہ اپنا بے ساختہ امڈنے والا قہقہہ نہیں روک پایا تھا۔

"ہاہاہا۔۔۔! اسی لیے تو کہا ہے کہ تم لوگ بھی ایسا موسم گھر بیٹھے انجوائے کرنے کا سامان کر لو یعنی محبت کر لو۔"

"بس بس۔۔۔! رہنے دو۔۔۔ جب ہمارا دل چاہے گا ہم کر لیں گے تم اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔" دل آور نے مصنوعی غصے سے کہا تھا۔

"اوکے! نہ کرو محبت لیکن انجوائے تو کرلو" عبداللہ شرارت سے کہہ رہا تھا۔

"وہ کیسے۔۔۔؟"

"وہ ایسے کہ نگارش آج کچن میں ہے اور وہاں سے طرح طرح کی خوشبوئیں آرہی ہیں' میں نے سوچا اکیلے حلق سے نہیں اترے گا۔ اس لیے تم لوگوں کو بھی بلا لیتا ہوں۔۔۔" عبداللہ نے اپنے فون کرنے کی وجہ بتائی تھی۔

"نو تھینکس یار! تم اکیلے ہی انجوائے کرو' مجھے یہاں کام ہے۔" دل آور نے بڑی سہولت سے انکار کر دیا تھا۔

"ایسی کی تیسی تمہارے کام کی اس نے اتنا سب کچھ اسپیشلی تم دونوں کے لیے تو بنایا ہے سب ضائع چلا جائے گا کم از کم تم تو آسکتے ہو نا؟" عبداللہ غصے سے بھنا گیا تھا۔

"دل آور بھائی! میں نے یہ سب کچھ اس لیے بنایا ہے تاکہ آپ لوگ ہمارے گھر آسکیں ورنہ گھر میں یہ سب کچھ تو ہم روز ہی بناتے رہتے ہیں۔"

عبداللہ کے قریب سے نگارش بھابھی کی آواز ابھری تھی جو دل آور کو سیل فون کے ایئرپیس سے صاف سنائی دی تھی اور دل آور کے پاس مزید انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

"اوکے! میں آرہا ہوں۔" اس نے ہامی بھری تھی۔

"بھاڑ میں جاؤ مت آؤ تم میرے بلانے پہ نہیں اپنی بھابھی کے بلانے پہ آرہے ہو۔" عبداللہ کاٹ کھانے کو دوڑا تھا۔

"ظاہر ہے! بھابھی نے ہمارے لیے اتنی محنت کی ہے' اتنا کچھ بنایا ہے تو انہی کے لیے آئیں گے نا؟" دل آور نے جوابا" اسے اور چڑایا تھا اور عبداللہ نے کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا جس پہ دل آور بے ساختہ ہنسا تھا۔

☆ ☆ ☆

"علیزے بی بی۔۔۔! علیزے بی بی۔۔۔!"

وہ فرش پہ بچھے بستر پہ بیٹھی سردی سے ٹھٹھر رہی تھی اور اپنے ہاتھ پاؤں کمبل میں چھپانے اور گرم کرنے کی کوشش کر رہی تھی جب زلفی کی آواز پہ اس نے چونک کر دیکھا تھا۔۔۔

"ت ت تم کون۔" اس کی آواز بھی ٹھٹھری ہوئی تھی۔

"م م میں گل باجی کا بھائی ہوں بی بی جی! زلف خان نام ہے میرا مگر سب زلفی کہتے ہیں۔" وہ پری اس سے مخاطب تھی زلفی خود گڑبڑا گیا تھا۔

"گل کہاں ہے؟" علیزے اپنے آپ کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"وہ جی۔۔۔ وہ کچن میں ہے۔۔۔ باہر بارش ہو رہی ہے اور بہت ٹھنڈ بھی ہے اس لیے ہم لوگوں نے گھر پہ سموسے اور پکوڑے بنائے ہیں' باجی نے کہا کہ آپ کو بھی دے آؤں یہ آپ کے لیے ہیں۔۔۔" زلفی نے چھوٹی سی ٹرے نیچے فرش پہ علیزے کے قریب ہی رکھی تھی حالانکہ وہ یہ بات گول کر گیا تھا کہ یہ سموسے اور پکوڑے دینے کے بہانے اسے دیکھنے کے لیے آیا ہے' کیونکہ وہ جب سے آئی تھی زلفی نے اسے دوبارہ دیکھا جو نہیں تھا اور اب اسے دیکھ کر وہاں سے ہٹنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اسے اپنے صاحب پہ حیرت ہوئی تھی' ہیرے کو مٹی میں رول رہا تھا۔

"گل سے کہنا میرے پاس آئے۔۔۔" اس نے زلفی کو پیغام دیا تھا۔

"جی! ابھی بھیجتا ہوں۔۔۔" زلفی فورا" سر ہلاتے ہوئے پلٹ گیا تھا۔

اور علیزے کی نظریں اس ٹرے پہ ٹھہر گئی تھیں ایک پلیٹ میں سموسے تھے ایک پلیٹ میں پکوڑے تھے' ساتھ ہی چھوٹے سے باؤل میں چٹنی اور کیچپ تھا اور ایک اور پلیٹ میں اخبار میں کوئی چیز لپٹی ہوئی تھی وہ چیز کیا

تھی یہ تو علیزے کو نہیں پتا تھا البتہ اس اخبار کے ٹکڑے پہ علیزے کی نظریں جم سی گئی تھیں۔۔۔

"وقار آفندی۔۔۔" اس نے اخبار کی سرخی میں نظر آتے نام کو زیر لب دہرایا تھا اور جب یقین ہو گیا کہ یہی نام لکھا ہوا ہے تو اس نے پلیٹ میں سے وہ اخبار کا ٹکڑا جھپٹ کر اٹھایا تھا جس میں سے دو تین نان پلیٹ میں گرے تھے اس اخبار میں نان لپیٹے ہوئے تھے جو زلفی جلدی میں یونہی اٹھا لایا تھا۔

"شدید ترین فالج کے شکار وقار آفندی کو کل صبح ہاسپٹل سے ڈسچارج کر کے گھر بھیج دیا جائے گا۔۔۔"

علیزے کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ وہ بار بار اس سرخی کو پڑھ رہی تھی اور پھر پتھرا رہی تھی۔۔۔

"جی بی بی جی۔۔۔! آپ نے بلایا تھا مجھے؟" گل کی آواز پہ علیزے نے یکدم چونک کر دیکھا تھا۔

"گل! یہ' یہ اخبار کہاں سے آیا ہے کس ڈیٹ کا ہے یہ۔۔۔؟" علیزے تڑپ کے کھڑی ہو گئی تھی اس نے اخبار کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا گل کے سامنے لہرایا تھا۔

"مجھے کیا پتا یہ اخبار کس ڈیٹ کا ہے بی بی جی۔۔۔ اس میں تو زلفی نان لپیٹ کر لایا تھا بازار سے۔۔۔" گل نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

"مجھے۔۔۔ مجھے یہ پورا اخبار لا دو کہیں سے پلیز گل مجھے یہ پورا اخبار لا دو۔" علیزے اس اخبار کے ٹکڑے کو دیکھتے ہوئے رو پڑی تھی۔

"ارے بی بی جی! کیا ہو گیا ہے؟ ایسا کیا ہے اس اخبار میں؟" گل اس کو یوں تڑپ تڑپ کے روتے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔

"میرے بابا پہ فالج کا اٹیک ہوا ہے اور' اور مجھے پتا ہی نہیں۔" علیزے روتی ہوئی فرش پہ دو زانو بیٹھ گئی تھی اور وہ اخبار کا ٹکڑا مٹھیوں میں دبوچ رکھا تھا جس پہ نہ ڈیٹ تھی اور نہ ہی اس سرخی کے نیچے دیا گیا حوالہ یا تفصیل تھی۔۔۔ کیونکہ نیچے سے اخبار پھٹا ہوا تھا بلکہ چاروں اطراف سے پھٹا ہوا تھا اور علیزے اس ٹکڑے کو دیکھ دیکھ کر رو رہی تھی' تڑپ رہی تھی وہ بھی بے بس تھی اور اخبار کا وہ پھٹا ہوا ٹکڑا بھی بے بس تھا!

"فالج کا اٹیک۔۔۔؟" گل بھی سن کر پریشان ہو گئی تھی۔

"گل! مجھے یہ اخبار لا دو۔۔۔ پلیز گل۔۔۔ یہ اخبار لا دو۔۔۔" علیزے بلک رہی تھی۔

"بی بی جی۔۔۔! مجھے پتا تو نہیں کہ یہ اخبار کون سا ہے؟ لیکن ایک خبر مجھے پتا ہے تقریبا" سارے ہی اخباروں میں آتی ہے آپ صاحب کے پرانے اخباروں میں سے دیکھ لیں۔۔۔ شاید مل ہی جائے۔۔۔؟" گل کا آئیڈیا برا نہیں تھا علیزے نے تڑپ کے دیکھا تھا۔

"پرانے اخبار؟ کک کہاں ہیں؟" وہ یکدم کھڑی ہو گئی تھی۔

"وہ کونے میں رکھی الماری میں پڑے ہیں اس سال کے سارے اخبار مل جائیں گے آپ کو۔۔۔" گل نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا تھا اور علیزے لپک کے اس الماری کی طرف بھاگی تھی اور پھر اگلے چند سیکنڈز میں وہ اخبارات سے بھری الماری فرش پہ الٹ چکی تھی' اسے پندرہ اور سولہ نومبر کے اخبار کی تلاش تھی اور اس تلاش میں اسے زیادہ دور نہیں جانا پڑا تھا چودہ نومبر سے چودہ دسمبر تک سارے اخبار اس کے سامنے تھے۔۔۔ اس کے برتھ ڈے سے لے کر وقار آفندی کے پیرالائز ہونے تک کی تمام خبریں اخبار کی سرخیوں کی زینت بنی ہوئی تھیں اور علیزے سولہ نومبر کا اخبار ہاتھ میں آتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونا شروع ہو گئی تھی۔

"بابا۔۔۔ یہ' یہ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" علیزے روتے روتے فرش پہ ہی دوہری ہو گئی تھی اس کے آنسو اخبار کے ڈھیر پہ گر رہے تھے اور اخبارات کے کاغذ گیلے ہوتے جا رہے تھے۔

"بی بی جی! سنبھالیے اپنے آپ کو۔۔۔ اس طرح رونے سے تو کچھ نہیں ہو گا نا؟" گل نے فرش پہ جھکی تڑپ

تڑپ کے روتی علیزے کو سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن علیزے کا دل غم سے چور تھا۔۔۔ اتنی جلدی کیسے سنبھل جاتی۔

☼ ☼ ☼

ملیں ہم کبھی تو ایسے کہ حجاب بھول جائے
میں سوال بھول جاؤں ' وہ جواب بھول جائے
وہ کسی خیال میں ہو اور اسی خیال میں ہی
کبھی میرے رستے میں وہ گلاب بھول جائے
تیری سوچ پہ ہو حاوی میری یاد اس طرح سے
کہ تو اپنی زندگی کا یہ نصاب بھول جائے

بارش دیوانہ وار برس رہی تھی۔

اور زری اندرونی مین ڈور کے سامنے والے حصے میں بڑے سے ستون سے ٹیک لگائے کھڑی بارش کی یہ دیوانگی بڑے دل سے 'بڑے دھیان سے دیکھ رہی تھی اور اس دیوانی بارش میں بھیگتے سبزلان 'سبز پودے اور رنگین پھول بھی اس کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کرپارہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی وجد میں کھڑی ہو وہ وہاں ہوکر بھی وہاں نہیں لگ رہی تھی۔

اس کے دھیان 'اس کے گیان 'اس کی روح پہ دل آور شاہ کی حکمرانی تھی اور وہ اسی حکمران کے تابع کھڑی تھی ۔اسے بس اتنی خبر تھی کہ بارش ہورہی ہے 'اب اس بارش میں کیا کیا ہورہا ہے۔؟ اسے ذرا بھی خبر نہیں تھی لیکن جیسے ہی اس دھواں دھار برستی بارش میں ان کے گھر کا گیٹ کھلا تھا اس کا عشق جی اٹھا تھا۔

کیونکہ آنے والا دل آور شاہ تھا اور زری کو لگا یہ دیوانی بارش اس پہ برس گئی ہو 'اس کا من بھیگ بھیگ گیا تھا۔

گاڑی پورٹیکو میں پارک کرکے وہ گاڑی سے اتر آیا تھا اور پورٹیکو سے مین ڈور تک آتے آتے وہ دھواں دھار بارش کی تیز بوچھاڑ سے اچھا خاصا بھیگ گیا تھا اور مین ڈور کے سامنے والے حصے کی چھت کے نیچے آتے ہی اس نے اپنی شرٹ اور اپنے بالوں پہ پڑنے والا بارش کی بوندوں کا پانی جھاڑنا شروع کردیا تھا اور اپنے اس دھیان اور عجلت میں وہ ستون کے قریب کھڑی زری کو نہیں دیکھ پایا تھا۔ اور وہ تھی کہ اس کی اک اک حرکت اک اک جنبش پہ واری جارہی تھی۔

دل چاہا اس کے چہرے 'اس کے بال 'اس کی شرٹ پہ گرنے والے بارش کے قطروں کو اپنے دوپٹے میں جذب کرلے اور دوپٹے کو مغرور کرڈالے اپنی قسمت پہ اور اپنی اوقات پہ۔۔۔ لیکن دل نے تو بس چاہا تھا۔۔۔ اور چاہت کس کی پوری ہوتی ہے بھلا۔۔۔؟

اندر کی طرف بڑھتے دل آور شاہ کے قدم اپنے پیچھے ابھرنے والی آواز پہ ٹھٹک کررک گئے تھے اس نے چونک کر اس آواز کے تعاقب میں دیکھا تھا اور اسے دیکھ کر وہ تھم سا گیا تھا۔

آج وہ بھی کچھ اور سے کچھ اور لگ رہی تھی دل آور شاہ کی نظریں حیران رہ گئی تھیں 'وہ ریڈ کلر کے خوب صورت 'دیدہ زیب اور جدید تراش خراش کے سوٹ میں ملبوس بلیک کلر کی لانگ جرسی پہنے 'خوب صورتی اور نفاست سے دوپٹہ اوڑھے سرخ گلاب کے پھولوں سی زری اس کے بالکل سامنے ہی تو کھڑی تھی اور دل آور شاہ اسے دیکھنے کی تاب نہیں لاپایا تھا اور ساختہ نظریں جھکالی تھیں 'دل آور شاہ کی تیس سالہ زندگی میں ایسی کوئی عورت اور ایسا کوئی مرد نہیں تھا کہ جس کے سامنے اس کی نظریں جھکی ہوں 'سوائے ایک زرین ملک کے۔۔۔!

اس کی زندگی میں زری وہ واحد ہستی تھی جس کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ ہی اس کی نظریں جھک جاتی تھیں جس طرح وہ اپنی کاٹ دار آنکھوں سے باقی سب کو دیکھتا اور گڑبڑا کے رکھ دیتا تھا اس طرح وہ اسے نہیں دیکھ پاتا تھا اس کے سامنے تو وہ ہمیشہ نظریں چرا کے اور کترا کے بات کرتا تھا 'بلکہ زری کے سامنے تو اس کا سر بھی جھک جاتا تھا اور گردن بھی۔۔۔!

بالکل ایسے جیسے اس وقت ہوا تھا دل آور نے سر بھی جھکالیا تھا اور نظریں بھی 'کیونکہ اگر اس لمحے وہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھ لیتا تو یقین کامل تھا کہ یا تو دل آور شاہ۔۔۔ دل آور شاہ نہ رہتا۔۔۔ یا زری۔۔۔ زری نہ رہتی۔۔۔ اس مختصر سے لمحے میں سب کچھ بدل سکتا تھا۔ دل بھی اور دنیا بھی۔۔۔ بس اک ذرا دیکھنے کی دیر تھی۔۔۔ اور وہ اس دیکھنے سے کترا گیا تھا۔۔۔ دامن بچا گیا تھا۔

"السلام علیکم۔۔۔! کیسی ہیں آپ؟" دل آور کو نظریں جھکانے کے باوجود ملاقات کے آداب نبھانے پڑے تھے۔

"اگر آپ دل کے طریقے سے پوچھتے تو میں آپ کو بتاتی کہ میں کیسی ہوں؟ لیکن آپ دنیاداری کے طریقے سے پوچھ رہے ہیں تو بتانا پڑے گا کہ اچھی ہوں 'ٹھیک ہوں 'خوش ہوں۔۔۔" زری کے لہجے اور الفاظ میں شکوے تھے 'شکایتیں تھیں 'گلے تھے 'لیکن اس نے تو جیسے سنے ہی نہ تھے۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ اچھی ہیں 'ٹھیک ہیں 'خوش ہیں 'انسان کو اور کیا چاہیے بھلا۔۔۔؟" دل آور نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔! انسان کو اور کیا چاہیے بھلا۔۔۔ یہ بھی بتادوں یا سمجھ جائیں گے۔۔۔؟" زری ہنوز ستون کے ساتھ پشت لگائے دونوں ہاتھ اپنی جرسی کی جیبوں میں پھنسائے انتہائی سکون سے کھڑی اپنے سامنے کھڑے دل آور شاہ جیسے مجرم کو دیکھ رہی تھی جو اس کے دل کی عدالت میں کھڑا تھا اور اقبال جرم پہ تیار نہیں تھا۔

"میرا خیال ہے کہ بہت ٹھنڈ ہے یہاں 'ہمیں اندر چلنا چاہیے؟" دل آور اس کا سوال نظرانداز کرگیا تھا کیونکہ وہ جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔۔۔

"وکیل صاحب! ٹھنڈ لگ رہی ہے؟ یا ڈر لگ رہا ہے؟" زری تو آج اس کے لیے دل آور شاہ ثابت ہورہی تھی۔۔۔ نڈر اور اٹل!

"ڈر اچھا ہوتا ہے!" شعلے اگلنے والے دل آور کا لہجہ اس لمحے بہت دھیما تھا۔

"بے وقت لگے تو برا بھی ہوتا ہے۔۔۔!" زری اپنے انداز و بیان پہ قائم تھی۔

"ڈر کا دوسرا نام عزت ہے۔۔۔ اس لیے آپ کے دل میں اور نظر میں یہ ڈر ہونا ہی چاہیے 'دوسرے لفظوں میں میرا مطلب ہے کہ عزت ہونی چاہیے 'جب ہم اپنے دل و نظر کا یہ ڈر اتارتے ہیں تو سمجھیں کہ عزت اتارتے ہیں۔۔۔ اور عزت اتارنا اچھی بات نہیں۔۔۔" اس نے وکیل دی تھی۔

"ہونہہ! صفائی دینا تو کوئی آپ سے سیکھے۔۔۔" زری کے انداز میں خفگی تھی۔

"کیا کروں۔۔۔؟ میرا تو کام ہی یہی ہے؟" دل آور کے لہجے میں تلخی کا رس تھا۔

"جانتی ہوں! آپ کا تو کام ہی یہی ہے 'پھر بھی الجھ رہی ہوں۔۔۔" زری نے سر جھٹکا تھا۔

"الجھنے سے بہتر ہے کہ کوئی کام کریں۔۔۔ اس نے مشورہ دیا تھا۔

"میں کام نہیں کرتی۔۔۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا تھا۔

"میں جانتا ہوں! آپ کام نہیں کرتیں 'آپ محبت کرتی ہیں۔ وہ سوچ کے رہ گیا تھا۔

"یہ بھی اچھا کرتی ہیں۔" اس نے لاپرواہی کا جواب لاپروائی سے ہی دیا تھا' گویا جانا چاہ رہے ہیں؟" وہ اسے

نظروں سے جانچ رہی تھی۔
"ہوں! عبداللہ انتظار کر رہا ہوگا۔" دل آور نے وہاں سے جانے کا جواز ڈھونڈا۔
"جائیے... ! ضرور جائیے... وکیل صاحب ویسے بھی یہاں بہت ٹھنڈ ہے... آپ کو لگ جائے گی..." زری نے اسے آزاد کیا تھا۔
"تھینک یو!" دل آور نے مزید کچھ بھی کہے بغیر اور بات کو طول دیے بغیر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے قدم دوبارہ اندر کی سمت موڑ لیے تھے یوں جیسے اسے کٹہرے سے رہائی ملی ہو۔
"سنیے وکیل صاحب!" اس نے پھر پیچھے سے آواز دی تھی اور اس کے قدم دوبارہ رک گئے تھے۔
"اگر کوئی آپ کو اپنے دل کا وکیل کرلے تو کیا خیال ہے... کیس جیت جائیں گے یا ہار جائیں گے...؟" اس پگلی کے پگلے سوال تھے لیکن دل آور اس کے اس پگلے سوال پہ اس کی سمت پلٹا نہیں تھا بلکہ اس کی سمت پشت تھی۔
"ہار جاؤں گا..." اس کا جواب دوٹوک تھا۔
"کیوں... ؟ وکیل صاحب کیوں؟ میں نے تو سنا ہے آپ کوئی کیس نہیں ہارتے..." زری تڑپ ہی تو گئی تھی
"وہ دنیاوی کیس ہوتے ہیں... میں کسی دل کا کیس نہیں لڑ سکتا... مجھے یقین ہے کہ میں ہار جاؤں گا... اس لیے کوئی بھی مجھے اپنے دل کا وکیل نہ کرے..." اس نے انتہائی سنجیدگی سے حقیقت سے آگاہ کیا تھا اور زری چپ کی چپ رہ گئی تھی اور دل آور نے قدم آگے بڑھا لیے تھے۔
"وکیل صاحب! آپ ایک بار کوشش تو کر سکتے ہیں نا؟" اس کی کانپتی ہوئی آواز پھر اس کے قدموں کی زنجیر بنی تھی۔
"میں کوشش نہیں کرتا عمل کرتا ہوں۔"
"آپ عمل کریں اور ہار جائیں... یہ بھی تو نہیں ہو سکتا نا؟"
"ہماری زندگی میں کچھ کیس ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ہم ہر صورت میں ہار جاتے ہیں کوشش کر کے بھی اور عمل کر کے بھی... کیونکہ یہ ہار مقدر میں لکھی ہوتی ہے جو ہمیں مل کر ہی رہتی ہے، چاہے جتنی بھی تیاری کرو، چاہے جتنی بھی تدبیر کرو..." دل آور نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی اور پھر اس کی سمت پلٹ کر دیکھے بغیر اندر چلا گیا تھا۔
زری کے قدم بے ساختہ پیچھے ہٹے تھے اور وہ ستون سے لگ گئی تھی وہ بے یقین سی ہوئی تھی تو بے چین وہ بھی ہو چکا تھا... نگارش بھابھی اور عبداللہ کے پاس ہو کر بھی وہ ان کے پاس نہیں تھا وہ تو باہر ہی ستون کے پاس کھڑا رہ گیا تھا... دل و جان سمیت!

☆ ☆ ☆

مغرب کا وقت تھا جب باہر دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔
مریم اور عابدہ خاتون تو صبح سے ہی اس دستک کے انتظار میں تھیں، لیکن جیسے ہی یہ دستک ہوئی تھی ان دونوں ماں بیٹی کے دل دھڑک اٹھے تھے، کسی انہونی کے خیال سے ہی جسم کانپ گیا تھا کیونکہ وہ دونوں ہی پہچان چکی تھیں کہ یہ دستک عدیل کی نہیں ہے۔
"آپ ٹھہریے... ! میں دیکھتی ہوں..." مریم نے عابدہ خاتون کو چارپائی سے اٹھتے دیکھ کر روک دیا تھا اور عابدہ

خاتون تو پہلے ہی اندر سے نڈھال تھیں مریم کے روکنے پہ جہاں کی تہاں رہ گئی تھیں۔
"کون ہے...؟" اس نے دروازے کے قریب آکر پوچھا تھا۔
"میں ہوں شہریار! عدیل صاحب نے بھیجا ہے..." باہر سے شہریار کی تھکی تھکی سی آواز سنائی دی تھی۔
"شہریار...؟" مریم نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا تھا۔
"السلام علیکم!" شہریار نے احتراماً نظریں جھکاتے ہوئے سلام کیا تھا۔
"وعلیکم السلام! عدیل بھائی کہاں ہیں؟" مریم کے انداز میں بے چینی تھی۔
"وہ... وہ اس وقت پولیس اسٹیشن میں ہیں، باؤ امتیاز نے انہیں جیل بھجوا دیا ہے، ہم صبح سے انہی کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے، لیکن بارش کی وجہ سے کوئی بھی کام سیدھا نہیں ہو سکا اور کل پھر سنڈے ہے، کل بھی کچھ نہیں ہو سکے گا۔"
شہریار اسے سمجھانے اور تسلی دینے کے لیے تفصیل سے بتا رہا تھا اور مریم بمشکل اپنے قدموں پہ کھڑی رہ سکی تھی۔
"اب، اب کیا ہوگا؟" اس کی آواز لرز رہی تھی۔
"آپ پریشان نہ ہوں، بس دعا کریں، اللہ سب بہتر کرے گا، ہم سب باؤ امتیاز کو منانے کی کوشش کر رہے ہیں، اگر وہ مان گئے تو عدیل صاحب فوراً باہر آجائیں گے، ان شاء اللہ! مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ بہتر سبب نکالے گا..." شہریار اسے تسلی دے رہا تھا لیکن مریم کا دل اتنی آسانی سے کیسے بہل سکتا تھا...؟ اسے سنبھلنے کے لیے منٹس چند سیکنڈز، چند گھنٹوں کی ضرورت تھی کچھ وقت درکار تھا، یونہی قدموں پہ کھڑے کھڑے کیسے سنبھل جاتی؟
"مریم! مریم! کیوں کھڑی ہو؟ کون ہے؟" وہ عابدہ خاتون کی آواز پہ چونک کے متوجہ ہوئی تھی۔
"جی امی! آرہی ہوں۔" اس نے اپنے اعصاب ٹھکانے پہ لاتے ہوئے پلٹ کر انہیں جواب دیا تھا۔
"اچھا! میں اب چلتا ہوں دوبارہ کوئی خبر ہوئی تو دوبارہ آؤں گا بلکہ جب تک عدیل صاحب گھر نہیں آتے ہیں آپ کی خیر خبر لینے کے لیے آتا ہی رہوں گا، آپ کو باہر کا کوئی بھی کام ہو مجھ سے کہیے گا، میں کردوں گا، آپ عدیل صاحب کی بہن ہیں تو میری بھی بہن ہیں۔ آپ کی عزت آپ کا احترام سر آنکھوں پہ..." شہریار نے اپنی خدمات پیش کی تھیں اور مریم اس کی مشکور ہو کر رہ گئی تھی۔
"تھینک یو... تھینک یو سو مچ! ایم سوری امی اور باقی گھر والوں کو ابھی اس مسئلے کا علم نہیں ہے اس لیے فی الحال آپ کو اندر نہیں بلا رہی جس کے لیے میں بہت شرمندہ ہوں آپ سے..." مریم نے شہریار کے باہر کھڑے ہونے پہ معذرت چاہی تھی۔
"ارے! نہیں نہیں... میں اندر نہیں آسکتا... یہ مناسب نہیں ہے عدیل صاحب گھر پہ ہوتے تو اور بات تھی، لیکن ان کی غیر موجودگی میں نہیں۔" شہریار نے سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے خود ہی انکار کر دیا تھا اور پھر اسے خدا حافظ کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔
اور مریم دروازہ بند کر کے اندر آگئی تھی، عابدہ خاتون اسی کے انتظار میں بیٹھی تھیں، اسے واپس آتے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں سوال اتر آئے تھے اور مریم کو اب ان سوالوں کے بہت محتاط اور مناسب طریقے سے جواب دینے تھے، ان کو سنبھالنا بھی تھا اور سمجھانا بھی تھا جو کہ بہت مشکل کام تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح گھر سے نکلتے ہوئے وہ بہت فریش تھا۔

لیکن اس وقت واپسی پہ وہ بہت ڈسٹرب اور بوجھل لگ رہا تھا' اس کے قدم بہت تھکے تھکے سے لگ رہے تھے، یوں جیسے کوئی طویل مسافت طے کر کے آیا ہو اور اس کی یہ تھکاوٹ گلاب خان اور گل نے بھی محسوس کی تھی۔

"سلام صاحب!" گل نے آہستگی سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" وہ بریف کیس اور موبائل ٹیبل پہ ڈالتے ہوئے خود صوفے پہ ڈھیر ہو گیا تھا۔

"صاحب جی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" گل اسے دیکھ کر متفکر سی ہوئی تھی اسی لیے بے ساختگی میں پوچھ لیا تھا۔

"ہوں ٹھیک ہوں! بس ایک کپ چائے لا دو۔۔۔" اس نے اپنی ٹائی کی ناٹ کھولتے ہوئے شرٹ کا سب سے اوپری بٹن بھی کھول دیا تھا۔

"جی! ابھی لے کر آتی ہوں' وہ فوراً" پلٹ کر چلی گئی تھی اور دل آور نے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکالتے ہوئے سگریٹ سلگا لیا تھا۔

"وکیل صاحب! آپ ایک بار کوشش تو کر سکتے ہیں نا؟" زری کی لرزتی کانپتی سی آواز اس کی سماعتوں پہ نقش سی ہو گئی تھی وہ اس کے سامنے تو اس سے دامن چھڑا لیتا تھا' لیکن اس کے بعد اس سے دامن چھڑانا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔

اس نے اپنے ذہن کو مصروف کرنے کے لیے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا تھا اور ٹی وی کا والیوم انتہائی فل چھوڑ دیا تھا۔

"چائے صاحب جی!" گل اک کپ چائے منٹوں میں بنا کر لے آئی تھی۔۔۔ لیکن ٹی وی کے فل والیوم میں اس کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

"صاحب جی! یہ چائے لے لیں۔" گل صوفے کے قریب آگئی تھی اور اس پہ نظر پڑتے ہی دل آور نے ٹی وی بند کر دیا تھا۔

"صاحب جی!" گل اس کے موڈ کے پیش نظر کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

"کہو؟ کیا کہنا ہے؟" وہ سمجھ چکا تھا کہ گل کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن اس کی وجہ سے چپ ہو گئی ہے۔

"صاحب جی! وہ۔۔۔ وہ علیزے بی بی بلا رہی تھیں آپ کو۔۔۔ انہوں نے کہا تھا آپ گھر آجائیں تو آپ کو پیغام دے دوں کہ آپ ایک بار ان سے مل لیں۔۔۔" گل نے اس کا پیغام پہنچایا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔! اس سے کہو۔۔۔ آج تو اپنے آپ سے بھی ملنے کو دل نہیں چاہ رہا۔۔۔ تم سے کل ملوں گا۔۔۔" دل آور نے انکار کر دیا تھا۔

اور گل اس کا انکار لے کر چلی گئی تھی' لیکن علیزے آج پھر پہلے کی طرح بپھری ہوئی تھی اس نے دل آور شاہ کے انکار کو ذرا بھی کانوں پہ نہیں دھرا تھا۔

بیسمنٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔۔۔ اخبار اس کے ہاتھ میں تھا۔۔۔ دل غم سے بوجھل اور دماغ غصے سے مشتعل ہو رہا تھا اور وہ غم و غصے سے پاگل ہوتی یونہی اخبار ہاتھ میں لیے بیسمنٹ کے کھلے دروازے سے دندناتی ہوئی باہر نکل آئی تھی اس وقت اس کا سارا ڈر اور خوف نجانے کہاں جا سویا تھا۔

وہ اس لمحے بہت نڈر اور بے خوف لگ رہی تھی وہ دل آور شاہ کے ہاتھوں مر جانے یا مار دینے کے درپے ہو رہی تھی اس کے تیور بہت جارحانہ تھے اور قدموں کا رخ ڈرائنگ روم کی طرف تھا۔

"ڈرائیور۔۔۔" وہ اسی طرح دندناتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی اور اپنی ذات کے بھنور میں ڈوبتے ابھرتے دل آور شاہ نے یکدم چونک کر دیکھا تھا وہ اس وقت صوفے پہ براجمان اپنی ہی سوچوں میں غلطاں سگریٹ

پینے میں مصروف تھا جب علیزے اس کی سوچوں میں خلل ڈالتی ہوئی شیشے کی ٹیبل کے اس پار عین اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی دل آور بیٹھا ہوا تھا لیکن اس نے اپنے سامنے کھڑی علیزے آفندی کو سرسری نظر سے مگر سرتاپا دیکھا تھا' اس کے سفید کبوتر سے پاؤں ننگے تھے وہ بغیر جوتوں کے بھاگتی ہوئی آئی تھی اور اس کا سر بھی ننگا تھا تیز رفتاری اور بے دھیانی میں ڈوپٹہ سر سے ڈھلکا ہوا تھا' دل آور نے ایسی لاپروائی اس کے سراپے میں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی' وہ بڑا خیال رکھتی تھی اپنے دوپٹے وغیرہ کا۔۔۔ لیکن آج سارے خیال اور سارے خوف نجانے کہاں ترک کر آئی تھی؟

"کیوں آئی ہو؟" دل آور کی آواز گمبھیر اور لہجہ بوجھل ہو رہا تھا لیکن لہجے اور آواز میں ٹھہراؤ حد سے زیادہ تھا۔

"تم نہیں آئے اس لیے آئی ہوں!" اس نے کافی چبا کر کہا تھا۔

"میں نے کہا نا تم سے کل ملوں گا؟" اس نے اپنی بات دہرائی تھی۔

"کل تک اگر تم مر گئے تو؟ وہ غم و غصے سے یکدم چیخ اٹھی تھی۔

"تو کل تمہارے لیے جشن آزادی کا دن ہو گا۔۔۔" دل آور نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے لاپروائی سے جواب دیا تھا۔

"لیکن مجھے پتا ہے تم کل تک مرنے والے نہیں ہو۔۔۔" علیزے کبھی بھی اتنی سفاک نہیں تھی لیکن اس وقت حد درجہ سفاک ہو رہی تھی جی چاہ رہا تھا اسے ابھی کے ابھی موت کے گھاٹ اتار دے۔

"تم دعا کرو' شاید مر ہی جاؤں' تمہاری ہی دعا قبول ہو جائے۔۔۔" جس طرح علیزے حد درجہ سفاک ہو رہی تھی اسی طرح وہ حد درجہ عجیب ہو رہا تھا۔

"میری دعا میں اثر ہوتا تو تم اب تک زندہ نہ ہوتے۔۔۔" وہ غصے سے بپھر رہی تھی۔

"او یعنی! یہ بھی آزما چکی ہو۔۔۔" اس نے افسوس سے سر ہلایا تھا۔

"ہاں ہاں۔۔۔! سب آزما چکی ہوں۔۔۔ لیکن اللہ تم جیسے انسانوں کو موت بھی نہیں دیتا۔"

"ہوں! سچ کہہ رہی ہو ۔۔۔" دل آور نے اس کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

"تم اپنی بکواس بند رکھو۔۔۔ میں تمہاری بکواس سننے نہیں آئی۔۔۔ میں صرف یہ پوچھنے آئی ہوں کہ تم نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ میرے پاپا اتنے شدید بیمار ہیں؟ ان پہ فالج کا اٹیک ہوا ہے؟ وہ پیرالائز ہو گئے ہیں؟ بتاؤ مجھے آخر کیوں نہیں بتایا مجھے؟" وہ اس پہ چیخ رہی تھی چلا رہی تھی اور وہ ہنوز ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا بغیر کچھ کہے' کسی رسپانس کے اسے دیکھ بھی رہا تھا اور اسے سن بھی رہا تھا۔

حالانکہ اس کا صرف ایک تھپڑ یا صرف ایک بات ہی اس کا سارا غصہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر کے اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کروا سکتے تھے۔۔۔ مگر نہیں اس نے ایسا نہیں کیا تھا' کیونکہ وہ اس وقت واقعی ڈسٹرب تھا اور اس موڈ میں نہیں تھا کہ اس کے غصے کے جواب میں غصہ ہوتا۔۔۔ یا پھر اس کی اتنی بدتمیزی اور زبان درازی پہ اس کی زبان کھینچ لیتا۔۔۔ یا اسے مارتا پیٹتا اور سزا دیتا!

بلکہ وہ تو اتنا ڈسٹرب اور بوجھل تھا کہ آج علیزے آفندی کی ساری بدتمیزیاں اور ساری باتیں سنی ان سنی کر گیا تھا یوں جیسے سر کے اوپر سے گزر گئی ہوں اور یہ علیزے کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اس وقت ڈسٹربنس اور بوجھل پن کا شکار تھا۔

ورنہ ردعمل میں اس کے ساتھ کیا ہو سکتا تھا یہ بتانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔

"بیٹھو! بیٹھ جاؤ۔۔۔ آرام سے بیٹھ کے بات کرو۔۔۔" اس نے سگریٹ کا آخری کش لینے کے بعد سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کافی تحمل کا مظاہرہ کیا تھا اور اسے سامنے والے صوفے پہ بیٹھنے کا کہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ یہ سب پڑھنے کے بعد بھی میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر آرام سے بات کر سکتی ہوں؟" علیزے نے ہاتھ میں پکڑا اخبار شدت غضب سے دل آور کے چہرے پہ دے مارا تھا' جو سیدھا اس کے چہرے پہ ہی لگا تھا۔

اور یہ دل آور شاہ کی ڈسٹربنس' بوجھل پن اور شکستگی کی انتہا تھی کہ وہ اس کی اس حرکت پر مشتعل نہیں ہوا تھا' بلکہ یہ بھی سہہ گیا تھا۔

"دیکھو! ایک کام کرو۔ یا بیٹھ جاؤ' یا چلی جاؤ..... لیکن مجھے تنگ مت کرو۔" دل آور نے کافی ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے سمجھانا چاہا تھا.....

"جو میں پوچھ رہی ہوں اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ تم نے اتنے ظلم کیوں کیے ہیں؟ کیوں ہمارے گھر کو برباد کردیا ہے؟ میرے پاپا کو پیرالائز کردیا ہے تم نے..... مجھے میری ہی نظروں میں گرادیا ہے..... میں کسی اور کو تو کیا اپنے آپ کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی.....؟ صرف تمہاری وجہ سے' تمہارے کیے کی وجہ سے' آخر کیوں؟ کیوں بلیک میل کیا مجھے؟ استعمال کیا مجھے؟ آخر کیوں؟ ڈرائیور! کیوں.....؟ تم بتاتے کیوں نہیں.....؟" علیزے تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی اور چلا چلا کر پوچھ رہی تھی۔

"کل پوچھنا..... کل بتاؤں گا....." اس کا وہی ایک جواب تھا علیزے زچ ہوگئی تھی اس کے کل سے..... اور وہ اطمینان سے ایک اور سگریٹ سلگا چکا تھا جس سے ایک گہرا کش لیتے ہوئے اس نے دھواں فضا میں چھوڑ دیا تھا اور علیزے کی نظروں کے سامنے دھوئیں کے مرغولے اڑتے ہوئے پورے ڈرائنگ روم میں پھیل گئے تھے۔

"کل نہیں! آج ابھی اسی وقت بتاؤ مجھے۔" اس نے ضد کی تھی۔

"کیا چاہتی ہو؟" اس نے ایش ٹرے میں سگریٹ کا گل جھاڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں اپنے تمام سوالوں کے جواب چاہتی ہوں..... میں اپنا اور اپنے پاپا کا گناہ جاننا چاہتی ہوں....." وہ اپنی بات پہ زور دے رہی تھی..... اور اس کی اسی ایک تکرار سے تنگ آکر اس نے گل کو بلا لیا تھا۔

"جی صاحب کہیے؟" وہ فوراً حاضر ہوئی تھی۔

"دیکھو گل! اس سے کہو تنگ مت کرے..... کل کا انتظار کرے..... اس کی ہر بات فرصت سے سنوں گا..... بس آج ٹھہر جائے۔" دل آور نے جیسے درخواست کی تھی اور گل بے چاری سرہلا کے رہ گئی تھی۔

"جی صاحب..... ! کہہ دیتی ہوں۔"

"مگر میں کچھ سننا نہیں چاہتی....." وہ چلائی تھی۔

"گل! اسے یہاں سے لے جاؤ....." دل آور کے ضبط اور برداشت بھی بلا کے تھے' گل کو حیرت اور اچنبھا ہوا تھا کہ صاحب نے اپنی برداشت سے بھی زیادہ برداشت کیسے کیا ہے.....؟

"میں یہاں سے نہیں نہیں جاؤں گی....." وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی بلکہ ڈٹ گئی تھی۔

"اوکے! میں چلا جاتا ہوں....." دل آور اپنا سگریٹ کا پیکٹ' لائٹر' موبائل اور بریف کیس اٹھا کر سیڑھیوں کی سمت بڑھ گیا تھا۔

"ڈرائیور..... ! ڈرائیور..... ! پلیز میری بات کا جواب دے کر جاؤ۔" وہ پیچھے چیختی چلاتی رہ گئی تھی اور وہ اس کے سامنے ہی سیڑھیاں طے کرکے چلا گیا تھا اور اس کے جانے کے بعد بے بسی کے مارے وہ دھاڑیں مار مار کے روتی ہوئی نیچے قالین پہ ہی ڈھیر ہوگئی تھی اور گل ایک بار پھر اسے سمجھانے بجھانے میں لگ گئی تھی۔

آج اس کا غم حد سے سوا تھا..... آج اسے پاپا کی تکلیف بھلائے نہیں بھول رہی تھی اسی لیے تو وہ صبح سے تڑپ رہی تھی اور رو رو کر پاگل ہو رہی تھی لیکن اتنا رونے کے بعد بھی کوئی حل سجھائی نہیں دے رہا تھا..... ہر

طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا..... گہرا گھور اندھیرا..... اندھا اور پاگل کردینے والا اندھیرا..... اور دل آور شاہ تھا کہ اس گہرے اندھیرے میں آگہی کی ذرا سی کرن بخشنے پہ بھی تیار نہیں تھا اور وہ پوچھ پوچھ کے ہار گئی تھی.....!

☆ ☆ ☆

"کیا دل آور شروع سے ہی ایسا ہے؟" نبیل نے سامنے ٹیبل سے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"کیا مطلب؟ شروع سے ہی؟" بتول شاہ نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے ناسمجھی سے دیکھا تھا۔

"مطلب کہ سخت' ضدی' غصیل اور ذہین بھی؟" نبیل یہ سوال دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہوں! ضدی اور ذہین تو وہ اس وقت سے ہے جب سے پیدا ہوا ہے لیکن سخت....." نجانے کیوں وہ بتاتے بتاتے رک گئی تھیں۔

"لیکن.....؟" نبیل نے اس لیکن سے آگے بھی جاننا چاہا تھا۔

"لیکن سخت اور غصیل وہ تب ہوا تھا جب اس کے بابا کی ڈیتھ ہوئی تھی....." بتول شاہ چائے کے کپ پہ نظریں جمائے بمشکل جواب دے پائی تھیں۔

"اوہ ایم رئیلی سوری آنٹی! میں نے انجانے میں آپ کو اداس کردیا۔" نبیل نے بے ساختہ معذرت کی تھی اسے واقعی افسوس ہوا تھا۔

"اٹس اوکے بیٹا! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اداسی اور غم کے ساتھ تو بائیس سال پرانا رشتہ ہے اب تو احساس ہی نہیں ہوتا؟" انہوں نے افسردگی سے سر جھکا تھا اور نبیل چپ سا ہوگیا تھا۔

"کیا بات ہے بیٹا! چپ کیوں ہوگئے ہو؟ باتیں کرو نا' اتنا اچھا لگ رہا ہے' میرے لیے تو آج تم نہیں' سمجھو کہ میرا دل آور گھر آیا ہوا ہے....." انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے نبیل کو شرمندگی اور افسوس کے حصار سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔

"اور میرے لیے بھی آپ اس کی ماں نہیں' میری ماں ہیں....." نبیل نے بھی جواباً مسکرا کے کہا تھا۔

"ارے..... ! یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے بیٹا! میں تم دونوں کی ماں ہوں' بلکہ تینوں کی' عبداللہ بھی تو ہے.....؟ وہ بھی تو میرا بیٹا ہی ہے نا؟" انہوں نے کافی خوشدلی سے کہا تھا اور نبیل مسکرا دیا تھا۔

"بیٹے تو آپ کے تین ہیں اور پوتے' پوتیاں ابھی ایک بھی نہیں..... کبھی اس طرف غور کیا آپ نے؟" نبیل نے ایک اور دلچسپ سوال ڈھونڈ نکالا تھا۔

"بالکل..... ! غور ہی غور ہے..... بس اب وہ فرصت سے ملے تو اس سے بات کروں گی۔"

"کیسی بات.....؟"

"یہی کہ مجھے بیس اکیس پوتے پوتیوں کی ضرورت ہے' تم تین بیٹے ہو' سات سات بچے بانٹ لو مل کر اکیس ہو جائیں گے اور ان شاء اللہ اگلے سات سالوں تک میرا گھر ایک بھرا پرا گھر ہوگا..... ساری تنہائی' اکیلا پن اور اداسی ختم ہو جائے گی....." ان کے جواب پہ نبیل قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔

"ہاہاہا! آنٹی پہلے ہمارے لیے بیویوں کا تو انتظام کرلیں' تبھی آپ ہمارے بچوں کا یہ پولٹری فارم قائم کر سکیں گی....." نبیل ان کی بات پہ خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"انتظام میں نے کیا کرنا ہے؟ انتظام تو تم لوگ خود کرتے ہو عبداللہ نے کرلیا ہے..... اب تم دونوں کی باری ہے" وہ خفگی سے بولی تھیں۔

"ان شاء اللہ! یہ باری بھی جلدی آجائے گی....." اس نے انہیں تسلی دی تھی۔

"کس کی؟" انہوں نے بے ساختہ پوچھا۔
"میری!" نبیل نے شرارت سے کہا تھا۔
"ارے واہ! لیکن کب؟" انہیں خوشی اور حیرانی ہوئی تھی۔
"خدا نے چاہا تو بہت جلد۔۔۔ نہ چاہا تو کبھی نہیں۔۔۔ بس ابھی سوچ میں ہوں ارادے باندھ رہا ہوں کہ پیش قدمی کیسے کروں۔۔۔؟"
"گڈ گڈ۔۔۔! بہت اچھی بات ہے۔۔۔ بہت خوشی ہوئی ہے سن کر۔۔۔ اللہ تمہیں زندگی دے' خوش رکھے اور تمہاری مراد پوری کرے۔۔۔ آمین!" انہوں نے اسے دعا دی تھی۔
"آنٹی! ایک بات پوچھوں آپ سے؟" نبیل کے لب و لہجے میں سنجیدگی اتر آئی تھی۔
"سوبار پوچھو بیٹا! اجازت کی کیا ضرورت ہے؟"
"آپ اسے کتنا جانتی ہیں؟" نبیل کا سوال بہت عجیب تھا۔
"جتنا اپنے آپ کو جانتی ہوں!" ان کا جواب بہت مضبوط تھا۔
"تو پھر آپ اس کی کیفیت اس کے جذبات سے بھی واقف ہوں گی؟"
"آف کورس بیٹا! جانتی ہوں سب جانتی ہوں" ان کے انداز میں یقین تھا۔
اس کے دل میں کیا ہے؟ کس سے محبت ہے اسے؟" نبیل کے سوال میں تجسس تھا وہ دل آور کے بارے میں جاننا چاہتا تھا مگر کبھی بھی جان نہیں پایا تھا۔
"تم تو ایسے پوچھ رہے ہو جیسے خود تو اسے جانتے ہی نہیں؟" بتول شاہ نے ذرا سے تعجب کا اظہار کیا تھا۔
"جی آنٹی! یہی سچ ہے وہ ہم سب کو جانتا ہے' لیکن ہم اسے نہیں جانتے' اس کے اندر کیا ہے؟ ہمیں علم نہیں ہے وہ ہم سے تو ہماری ساری سن لیتا ہے۔۔۔ لیکن ہمیں اپنی ایک بھی نہیں بتاتا۔۔۔" نبیل سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔
"یہ تمہاری کمزوری ہے یا اس کی؟"
"یہ ہماری کمزوری ہے' کیونکہ ہم اس کے دوست ہو کر بھی اسے کبھی نہیں جان پائے' حالانکہ جاننا چاہیے تھا۔۔۔" نبیل کو اپنے آپ پہ شکوہ ہوا تھا۔
"ارے نہیں بیٹا! کبھی کبھی کچھ نہ جاننا ہی بہتر ہوتا ہے کچھ باتوں کی پوشیدگی میں ہی بھلائی ہوتی ہے' لیکن تم پریشان مت ہو' وہ جس سے بھی محبت کرتا ہے' اس سے کئی گنا زیادہ وہ تم سے محبت کرتا ہے' تم بہت اہم ہو اس کے لیے' وقت آنے پہ سب کچھ بتا دے گا' تم لوگوں کو نہیں بتائے گا تو اور کس کو بتائے گا بھلا؟" بتول شاہ نے اسے سمجھایا تھا اور کسی بھی طرح کی بدگمانی دل میں لانے سے باز رکھا تھا۔
"جی آنٹی! اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ہمارے لیے یا ہم اس کے لیے کتنے اہم ہیں اور کتنی محبت کرتے ہیں بلکہ اس کا خلوص اور اس کی محبت تو ناقابل بیان ہے اور کبھی کبھی تو مجھے فخر اور غرور ہوتا ہے وہ میرا دوست ہے۔۔۔" نبیل نے دل کی گہرائیوں سے اظہار کیا تھا۔
"اللہ یہ دوستی سلامت رکھے اور نظر بد سے بچائے۔۔۔"
"آمین!" وہ مسکرائی تھیں۔
"اچھا! آنٹی میں چلتا ہوں اب کافی ٹائم ہو رہا ہے۔" نبیل چائے کا خالی کپ واپس ٹیبل پہ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"آج یہیں رک جاتے تو اچھا تھا۔۔۔" وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"جی ضرور رک جاتا۔۔۔ لیکن مجھے کسی آدمی کے ساتھ ضروری کام ہے' ملنا ہے اس سے اور اس نے ساڑھے گیارہ بجے ہوٹل میں ملنے کا ٹائم دیا ہے اس لیے میں نے اسی ہوٹل میں روم بک کروا لیا ہے رات وہیں ٹھہروں گا۔"
اس نے معذرت کی تھی۔
"تو پھر صبح ناشتا یہیں سے کرنا۔۔۔" انہوں نے دعوت دی تھی۔
"تھینکس آنٹی۔۔۔! صبح صبح ہی واپسی کے لیے نکل جاؤں گا' ان شاء اللہ ناشتا لاہور جا کر ہی کروں گا۔"
اس نے دوبارہ معذرت چاہی تھی۔
"کیوں۔۔۔؟ اتنی جلدی کیوں؟"
"بس وہ دل آور آج کل کورٹ کے کاموں میں بزی ہے اور ہمارے پاس منیجر بھی نہیں' اس لیے سارا کام خود ہی دیکھنا پڑ رہا ہے۔"
"اوکے۔۔۔! ٹھیک ہے پھر۔۔۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور نبیل ان سے مل کر واپس ہوٹل میں آ گیا۔۔۔ آدھے گھنٹے بعد اس کی اس آدمی کے ساتھ میٹنگ تھی اور یہ میٹنگ اگلے ایک گھنٹے کے بعد ختم بھی ہو گئی تھی' نبیل فارغ ہو چکا تھا' اس نے ٹائم دیکھا ساڑھے بارہ بج رہے تھے' وہ دن بھر کا تھکا ہوا تھا اس لیے تھوڑی دیر ریسٹ کرنے کا سوچا تھا لیکن ابھی وہ اپنے روم میں جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھ ہی رہا تھا کہ اس کے قدم سیڑھیوں پہ ہی جمے رہ گئے تھے اس کی نظریں ساتھ والی سیڑھیوں کی سمت تھیں اور وہ سیڑھیوں کی ریلنگ پہ ہاتھ رکھے دم بخود سا کھڑا رہ گیا تھا اسے لگ رہا تھا جیسے وہ یونہی کھڑے کھڑے سیڑھیوں سے نیچے گر جائے گا۔

☼ ☼ ☼
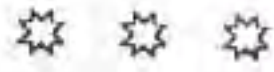
"یس کم ان۔۔۔!" وہ اپنے کچھ ضروری سامان کی پیکنگ کر رہا تھا جب بیڈ روم کے دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔۔۔ وہ سمجھا کہ حرمت ہو گی' کیونکہ اس نے تھوڑی دیر پہلے حرمت کو چائے لانے کا کہا تھا۔
"چائے" وہ اپنا تولیہ' شیونگ کٹ' اور پرفیوم وغیرہ اٹیچی کیس میں رکھ رہا تھا جب کومل کی آواز پہ یکدم کرنٹ کھا کے پلٹا تھا۔
"آپ۔۔۔" آذر کو اپنے بیڈ روم میں کومل کی آمد کچھ عجیب لگی تھی کیونکہ اس کی اپنی فی میل کزنز کے ساتھ کبھی بھی اتنی بے تکلفی نہیں رہی تھی کہ وہ اس کے بیڈ روم میں آتیں یا پھر وہ یوں بلا جھجک ان کے بیڈ رومز میں جاتا۔ وہ سوائے علیزے کے باقی سب کے ساتھ ایک حد تک رہنے کا اور فاصلہ رکھنے کا عادی تھا اور اسے کومل کی یہ حد کراس کرنے کی بے تکلفی سخت ناگوار گزری تھی۔
"آپ کیوں آئی ہیں۔۔۔؟ میں نے تو حرمت کو چائے لانے کا کہا تھا۔۔۔؟" آذر نے مروتاً بھی اپنی ناگواری چھپانے کی زحمت نہیں کی تھی۔
"میں اپنی حویلی میں اپنے چچا زاد کزن کے بیڈ روم میں آئی ہوں کسی منصور حسین ڈرائیور کے بیڈ روم میں نہیں گئی کہ آپ کو ناگوار گزرے۔۔۔"
"کومل۔۔۔!" آذر نے یکدم غصے اور غضب ناکی سے دھاڑتے ہوئے ہاتھ اٹھایا تھا لیکن ایک لمحے کے ہزارویں حصے کی سوچ تھی جس نے اس کا ہاتھ فضا میں ہی روک دیا تھا' وہ اسے ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کرتا اگر اس پہ یہ خیال حاوی نہ ہو جاتا کہ وہ ایک عورت پہ ہاتھ اٹھا رہا ہے۔۔۔؟ اور عورت بھی وہ جس پہ اس کا کوئی حق تھا نہ اختیار۔۔۔ کیونکہ وہ ماں تھی نہ بہن۔۔۔ بیوی تھی نہ بیٹی۔۔۔ اس لیے وہ صرف کزن ہونے کے ناتے اس پہ ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔۔۔ لیکن کومل کو اس ادھورے تھپڑ کا لمس اور درد اپنے گال پہ بڑی شدت سے محسوس ہوا

تھا' یوں لگ رہا تھا جیسے آذر کے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں اس کے چہرے پہ نقش ہو گئی ہوں...... اور گہرا نشان چھوڑ گئی ہوں!

"مجھے خوشی ہوتی اگر آپ کے ہاتھ کا تھپڑ میرے چہرے کی زینت بن جاتا اور میرے چہرے کو رنگ بخش دیتا۔" کومل نے شکایتی لہجے میں کہتے ہوئے سر اٹھا کر اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

"ایم سوری...! آپ یہاں سے جا سکتی ہیں۔" اس نے اپنے ہاتھ کی مٹھی بھینچتے ہوئے ہاتھ پہلو میں گرا لیا تھا۔

"اٹس او کے...! میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔ مگر اتنا تو بتا دیں کہ آپ کو اتنی تکلیف کس بات پہ ہوئی ہے...؟ میرے سچ بولنے پہ... یا پھر منصور حسین کے نام پہ...؟" اس نے خاصے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔

"دیکھیے کومل...! اس وقت آپ اپنی لمٹس کراس کر رہی ہیں اور مجھے یہ چیز سخت ناپسند ہے' یہ بات آپ بھی جانتی ہیں۔"

"جانتی ہوں! بہت اچھی طرح جانتی ہوں' آپ کی ان تمام لمٹس کو بھی جانتی ہوں جو آپ کی آنکھوں کے سامنے ہی روندی جا چکی ہیں..." کومل نے کافی چبا کر کہا تھا اور آذر اس کا لحاظ کرتے ہوئے چپ ہو گیا تھا۔

"میں آپ کے بیڈ روم میں نہیں آنا چاہتی تھی' لیکن مجبوراً" آنا پڑا..." اس نے تمہید باندھی... اور آذر نے بے ساختہ چونک کر دیکھا تھا....

"سنا ہے آپ فرار ہو رہے ہیں...؟" کومل کے لہجے اور الفاظ کی کاٹ ہنوز تھی....

"کومل پلیز... اسٹاپ اٹ... اور برداشت نہیں کروں گا..." آذر نے سختی سے اسے وارننگ دی تھی لیکن وہ باز آنے والی بھلا کب تھی...؟

"یعنی کہ میں نے سچ سنا ہے؟" اس نے آذر کی سمت دیکھتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا تھا۔

"دیکھیے کومل...! میں اپنے کام کے سلسلے میں جا رہا ہوں' وہ بھی صرف ایک ہفتے کے لیے اور سب کو بتا کر جا رہا ہوں' اچانک یا چوری چھپے نہیں جا رہا...؟ اس لیے پلیز... آپ کو بلاوجہ خود سے مفروضے قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے... آذر نے اب بھی ناگواری کا اظہار کیا تھا....

"بلاوجہ...؟" اس نے بے ساختہ اچنبھے سے کہا تھا....

اور اس سے پہلے کہ جواباً" آذر کچھ کہتا اتنے میں دانیال دروازہ دھکیل کر اندر چلا آیا تھا۔

"آذر...! یہ دونوں فائلز بھی ساتھ رکھ لو' تمہیں بعد میں مسئلہ..." دانیال کچھ کہتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا مگر کومل کو وہاں دیکھ کر بات ادھوری رہ گئی تھی....

"ایم سوری...! میں نے بے وقت مداخلت کی..." دانیال معذرت کرتے ہوئے واپس پلٹا تھا۔

"رکیے دانیال بھائی!" کومل نے اسے پیچھے سے آواز دی تھی اور پھر اس کے قریب آ کر چائے کے کپ کی چھوٹی سی ٹرے اس کے ہاتھ میں تھما دی تھی....

"یہ چائے دیجیے ان کو... انہیں چائے کی طلب ہو رہی تھی... اور ساتھ میں ان سے یہ بھی کہیے کہ کسی کا غم منانا ہے تو حویلی میں رہ کر ہی منا لیں' کسی انگلینڈ یا امریکہ جانے کی ضرورت نہیں ہے' غم ہمیشہ غم ہی رہے گا چاہے کہیں بھی چلے جائیں...؟" وہ کافی طنز اور تمسخر سے کہتی وہاں سے چلی گئی تھی اور آذر نے غصے سے دانیال کے ہاتھ میں پکڑی چھوٹی سی ٹرے کپ سمیت دیوار کے ساتھ دے ماری تھی....

☆ ☆ ☆

آج ملک حق نواز کے ڈیرے پہ کسی جشن کا سا سماں تھا۔

کیونکہ آج ملک اسد اللہ صوبائی اور ملک حق نواز قومی اسمبلی کی سیٹ کے لیے نامزد ہوئے تھے اور یہ خوشی ان کے لیے بہت بڑی خوشی تھی... اور اس خوشی میں آج ملک حق نواز کے ڈیرے کی رونقیں عروج پہ تھیں ہر طرف عیش و عیاشی اور موج و مستی کا جہان آباد تھا کھانے پینے سے لے کر رتجگا منانے تک کا انتظام کیا تھا... لوگوں کے آنے جانے کا اور مبارک باد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

ملک حق نواز اپنے علاقے کے کچھ دوستوں سے مبارک باد وصول کر رہا تھا جب ڈیرے کے احاطے میں ایک پولیس جیپ آ کر رکی تھی اور وہ چونک گیا تھا....

"ملک حق نواز کہاں ہیں...؟" ایس ایچ او جمال احمد نے ڈیرے کے کمی کو قریب بلایا تھا۔

"جی...! وہ سامنے کھڑے ہیں..." اس نے دائیں طرف اشارہ کیا تھا لیکن اتنے میں ملک حق نواز خود ہی قریب آ گیا تھا۔

"ایس ایچ او صاحب... آج کیسے زحمت کی آپ نے؟" اس نے ایس ایچ او جمال احمد سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تھا۔

"ملک صاحب! آپ کے وارنٹ گرفتاری ہیں میرے پاس..." جمال احمد نے وارنٹ نکال کر دکھائے تھے۔

"وارنٹ گرفتاری...؟ مگر کس جرم میں...؟" ملک حق نواز کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"مومنہ بی بی کے ریپ کے جرم میں..." جمال احمد کے بتانے پہ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

نجمہ جبیں علیزئی

"میرا بس چلے تو میں ساری دنیا کو آگ لگا دوں اور اس آگ میں اپنے ساتھ اس عورت کو بھی جلا دوں' جس کی ذرا سی لغزش مجھ سے جینے کا حق چھین رہی ہے۔ اولاد کے لیے ماں کا نام کتنا مقدس اور معتبر ہوتا ہے مگر میرے لیے یہ نام گالی بن گیا ہے۔ ایسی گالی جو مجھے نہ جینے دیتی ہے اور نہ مرنے دیتی ہے وکیل صاحبہ۔!"

اس کے لہجے میں زہر ہی زہر تھا اور سیاہ اداس آنکھوں میں نفرتوں کی شدتیں تھیں۔ اتنا بڑا قدم اٹھانے کے باوجود وہ سخت متنفر لگ رہی تھی اپنی ماں سے۔ جانے اس کی ماں نے اسے کون سا دکھ' کون سا زخم لگایا تھا۔

صوفیہ جو بغور اسے دیکھ رہی تھیں' اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ اسے یوں اپنی ماں کے وجود سے نفرت کا برملا اظہار کرتے دیکھ کر چونک گئیں۔

"کیا بات ہے بیٹا! آپ اپنی ماں سے بہت نالاں اور متنفر لگ رہی ہو' کیا قصور سرزد ہوا ان سے' اور پھر اس واقعے کا آپ کی ماں کی ذات سے کیا تعلق ہے؟"

اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر لہو رنگ آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"انہوں نے جو ستم مجھ پر توڑا ہے میڈم! اس کے بعد وہ ماں کہلانے کی بھی حقدار نہیں۔ جس ذہنی اذیت و کرب سے مجھے دوچار کیا ہے اس ناتے تو میں اس کی ذات' اس کے وجود سے جس قدر نفرت کروں' وہ کم ہے اور میں آپ کو بتا دوں وکیل صاحبہ! میں نے اپنی دوست پر گولی چلائی ہے۔ میرا بس چلے تو ہر اس بندے کو قتل کر ڈالوں جو میری ماں کے حوالے سے میرے دل پر نشتر چلاتا ہے۔ مجھے سکون سے جینے نہیں دیتا۔"

ان کے سامنے بیٹھی وہ کامنی سی لڑکی سخت وحشت زدہ لگ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں سلگتے انگاروں کی تپش تھی۔

صوفیہ آرا کے اندر بگولے سے اٹھنے لگے۔ وہ ایک دم اپنی سیٹ سے اٹھیں اور قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ریلیکس بریو گرل! حوصلے سے کام لیتے ہیں۔ مجھے کچھ پوچھنے کا حق تو نہیں' مگر کیس کی نوعیت کے پیش نظر آپ کو کچھ حالات بتانے ہوں گے پھر آپ نے تو ابھی تک مجھے اپنا نام بھی نہیں بتایا۔ آخر کیوں اس حد تک مشتعل ہو کر آپ نے یہ انتہائی قدم اٹھایا؟"

انہوں نے نرم لہجے میں پوچھا تو جانے کیوں وہ جیسے ڈھے سی گئی۔ اس کی خوبصورت آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں اور میز کی سطح کو کھرچتے ہوئے بولی۔

"میں ایک نام نہاد اونچی پگڑی والے وڈیرے کی بیٹی ہوں' جسے آنکھ کھول کر نفرت اور بےزاری کے سوا کچھ نہیں ملا۔ اس کی وجہ میری ماں ہے' جو برسوں پہلے رات کی تاریکی میں مجھے چھوڑ کر بقول میرے باپ اور پھوپھو کے اپنے کسی آشنا کے ساتھ فرار ہو گئی تھی۔ باپ نے اپنا نیا گھر بسا لیا اور مجھے بدزبان اور سخت مزاج بیوہ پھوپھو اور ملازموں کے آسرے پر چھوڑ دیا۔ عفت پھوپھو نے لمحہ لمحہ پر میرے دل پر نشتر چلائے۔

اور میں بھی اسی اجڈ اور گنوار دقیانوسی ماحول میں پروان چڑھتے ہوئے انتہائی تلخ مزاج اور اکھڑ سی بن گئی۔ پھوپھو اور ان کی اولاد کے سرد اور تلخ رویے' بابا جان کی لاپروائی اور ماں کے گھر سے فرار' نے میرے اندر زہر بھر دیا۔ زارا سے میری لڑائی بھی اسی بات پر ہوئی' اس نے مجھے ماں کے حوالے سے گالی دی۔ اور میں نے طیش میں آ کر پستول سے گولی چلا دی۔ بس میرا دل چاہتا ہے میں ہر اس بندے کو مار ڈالوں جو مجھے ماں کے بھاگ جانے کا طعنہ دیتا ہے۔"

وہ بڑے جنونی انداز میں کہہ رہی تھی۔ صوفیہ آرا بت کی مانند لبوں پر خاموشی کے قفل ڈالے اس کی حرماں نصیبی اور محرومیوں کی داستان سنتی رہیں اور اہم اہم پوائنٹ نوٹ کرتی رہیں۔ درمیان میں کئی بار چونک چونک اٹھیں۔

"دیکھو بیٹے! مانا کہ آپ کے ساتھ تقدیر نے بہت

زیادتی کی ہے مگر اس کی سزا کسی اور کو دینا بھی مناسب نہیں، ہو سکتا ہے آپ کی والدہ کی کسی مجبوری نے انہیں آپ کے بابا جان کا گھر چھوڑنے پر اکسایا ہو۔"

انہوں نے دھیمے انداز میں اس بکھری ہوئی لڑکی کا دل رکھنے کے لیے اس کی ماں کی حمایت کرنا چاہی ان کے آخری جملے پر وہ پوری شدت سے بلبلا اٹھی۔

"پلیز میڈم! آپ اس کی وکالت مت کریں جس نے مجھ سے جینے کا حق بھی چھین لیا ہے۔ مجھے سر اٹھا کر زمانے کے ساتھ چلنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ مجھے بتائیے کیا مائیں اتنی سنگ دل اور بے رحم ہوتی ہیں۔ جو دو برس کی معصوم بچی کو پالنے میں سسکتا چھوڑ کر خود میں مگن ہو گئی۔ میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ آپ کا اس شہر میں بہت شہرہ ہے۔ بس آپ کسی طرح قانونی مدد کے ذریعے اس کیس سے جان چھڑا دیں۔ وہ لوگ میرے خلاف اب تک ضرور رپورٹ درج کرا چکے ہوں گے۔ یقین کریں آپ جتنی فیس مانگیں گی میں بخوشی ادا کروں گی۔ بہت پیسہ ہے میرے بابا جان کے پاس۔"

وہ منت بھرے لہجے میں کہتی بیگ کندھے پر ڈال کر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کیا تمہارے بابا جان اور باقی گھر والے اس سانحے سے باخبر ہیں۔؟" کچھ سوچ کر انہوں نے پوچھا۔

"نہیں بابا تو ان دنوں ملک سے باہر ہیں اور میری اسٹیپ مدر اور پھوپھو وغیرہ کو تو شاید اس سانحے سے کوئی دلچسپی نہ ہو گی۔ ان کا بس چلے تو مجھے زندہ زمین میں گاڑ دیں۔"

وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

"ہوں! اور اگر میں نے تمہارا کیس قبول نہ کیا تو کیا مجھے بھی قتل کر دو گی۔" صوفیہ نے ماحول کی تلخی کو کم کرنے کے لیے اس اجنبی لڑکی کو چھیڑا۔

"ارے نہیں میڈم اب مالا حسن کو اتنا بھی گیا گزرا مت سمجھیں۔" اس کے لبوں سے نکلنے والے بے اختیار جملوں نے صوفیہ آرا کے وجود پر بم دے مارا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" دل کی بے کلی سے گھبرا کر دوبارہ پوچھا۔

"مالا حسن گردیزی، او کے بائے۔" وہ پلٹ کر ان کے دل کی دنیا تہہ و بالا کرتی جا چکی تھی۔ صوفیہ آرا کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں آ کر ریزہ ریزہ ہو گیا ہو۔ وہ سکتے کی کیفیت میں اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھیں آفس سے گھر تک کا سفر انہوں نے بمشکل طے کیا۔

سوچا بھی نہ تھا تقدیر یوں ایک دن کسی نازک موڑ پر بیٹی کو سامنے لا کھڑا کرے گی۔

گاڑی گیٹ میں داخل ہوئی تو طلحہ کے ساتھ اسود کو لان میں موجود دیکھ کر کوشش کے باوجود ان کا موڈ بحال نہ ہو سکا۔ حالانکہ اسود ان کی طرف بہت دنوں بعد آیا تھا۔

"ہیلو پھوپھو ڈی گریٹ!" وہ حسب عادت چہکتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔

"ہیلو جان! کیسے ہو؟" انہیں اپنا ہی لہجہ اجنبی محسوس ہو رہا تھا۔

"فائن ۔۔۔ آپ تو ٹھیک ہیں نا؟" وہ ان کے آگے جھکا۔

"بس ٹھیک ہوں، تمہارے امی ابو کیسے ہیں؟" انہوں نے سرسری انداز میں اس کا سر چومتے ہوئے پوچھا۔

"وہ لوگ خیریت سے ہیں اور خاص طور پر آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ ویسے پھوپھو! کمال کی بات ہے ایک ہی شہر میں رہنے کے باوجود آپ ہمیں اتنا کم صورت دکھاتی ہیں۔" اسود نے چھیڑا۔

"ہاں بیٹے! مصروفیت ہی کچھ ایسی ہے۔ صبح کورٹ، دوپہر آفس اور پھر گھر داری۔ طلحہ بھی اس وجہ سے مجھ سے خفا رہتا ہے۔" وہ جبراً مسکرائیں۔

"بالکل مجھے تو مما وقت دیتی ہی نہیں ہیں۔" طلحہ نے کیرم پر گوٹیں جماتے ہوئے سر اٹھا کر صوفیہ آرا کی طرف شکوہ آمیز نگاہوں سے دیکھا تو ایک دم چونک اٹھا۔

"کیا بات ہے مما! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے، بہت ڈسٹرب لگ رہی ہیں۔"

"ہاں، آفس میں اچانک گھبراہٹ سی ہونے لگی۔" انہوں نے نڈھال انداز میں اپنا سر اسود کے شانے پر ٹیک دیا۔

"مما پلیز کیا بہت طبیعت خراب ہے۔ آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ اسود بھائی! آپ مما کو ان کے بیڈ روم میں لے چلیں۔ میں ڈاکٹر نیازی کو فون کر دیتا ہوں۔" طلحہ کے تو اوسان ہی خطا ہو گئے۔

"نہیں طلحہ! کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں، تھوڑا ریسٹ لوں گی تو خود ہی طبیعت سنبھل جائے گی۔ ٹھیک ہے۔"

انہوں نے طلحہ کو روکا اور اسود کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ اسود بھی ان کی حالت دیکھ کر بہت گھبرا گیا تھا۔

"آپ نے بھی تو اپنی زندگی مشین بنا لی ہے پھوپھو! وکالت کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا ہے، اب دیکھیں ڈپریشن کی وجہ سے کیا حال ہو رہا ہے۔"

اسود نے صوفیہ کو بیڈ پر آرام سے لٹایا پھر کمبل اوڑھا کر خود ان کے پاس ٹک گیا۔ وہ آنکھیں موندے جانے کہاں کھوئی ہوئی تھیں۔

"اپنا خیال رکھا کریں پھوپھو! خود سے بہت لاپروا ہو گئی ہیں آپ۔" اسود ان کا ہاتھ تھامے تفکر سے کہہ رہا تھا۔

"کیا کروں چاند! اب تو عادت سی پڑ گئی ہے کام کے بغیر سکون ہی نہیں ملتا۔ لوگوں کے دکھ بانٹ کر راحت سی ملتی ہے۔"

انہوں نے تھکے تھکے سے انداز میں سر بیڈ کی پشت پر ڈال کر آنکھیں موند لیں۔ تب ہی پریشان سا طلحہ دودھ پتی والی چائے بنا کر لے آیا۔

"لیں مما گرم گرم پی لیں۔ آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک ہو جائے گی۔" اس نے مگ ان کے قریب سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور دوسرا مگ اسود کو تھما کر خود صوفیہ آرا کے پاس بیٹھ گیا۔

طلحہ کا دل رکھنے کے لیے چائے پینے میں مصروف تھیں۔ ورنہ تو ان کی بھوک پیاس اڑ چکی تھی۔

اور جب وہ دونوں انہیں آرام کی تلقین کر کے کمرے سے نکل گئے تو مضطرب دل اور اندر کی بے کلی نے انہیں چین نہ لینے دیا۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگیں، آج ان کا آرام، سکون، نیند سب کچھ کھو گیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار انہیں ندامت ہو رہی تھی۔

"یا اللہ! کیسی ماں تھی جو اپنے حقوق کی جنگ لڑتے لڑتے بیٹی کو عذابوں کے سمندر میں دھکیل دیا۔ اف کتنی بدگمان، کتنی نالاں تھی وہ ماں کے نام سے۔ کیسا کیسا زہر اس کے معصوم دل و دماغ میں بھر دیا گیا ہے۔ کس قدر گھٹیا اور غلیظ الزامات میرے وجود سے منسوب کر کے اسے بے اعتبار کیا گیا ہے۔"

ان گنت ملال اور دکھ روح میں پھانس بن کر اتر رہے تھے۔ ملامتوں اور پشیمانیوں کا احساس کسی پل چین نہیں لینے دے رہا تھا۔

رات کو اچانک اس کا فون آ گیا۔

"ہیلو مجھے ایڈووکیٹ صوفیہ آرا سے بات کرنی ہے۔" وہ سخت بے چین لگ رہی تھی۔

"ہاں بیٹا! میں صوفیہ بول رہی ہوں۔" ان کی ممتا کے سارے جذبے ایکدم بیدار ہونے لگے تھے۔

"سوری میڈم! میں نے آپ کو بے وقت ڈسٹرب کیا۔ مجھے آپ کو انفارم کرنا تھا کہ زارا بچ گئی ہے۔ گولی صرف کندھے کو چھو کر گزری ہے۔ معمولی زخم آیا ہے۔" مالا نے بے تابی سے انہیں بتایا۔

"شکر ہے مالا! یہ تو تم نے گڈ نیوز سنائی ہے، ویسے کیا تم مجھے زارا کے گھر کا ایڈریس اور ہاسپٹل بتا سکتی ہو۔ میں خود اس سے ملنا چاہوں گی۔" انہوں نے کچھ سوچ کر اس سے پوچھا۔

"آپ ملیں گی مگر کیوں؟" وہ کچھ حیران ہوئی۔

"ہاں یہ میرا پرابلم ہے۔ ویسے ملنا تو میں تمہارے

بے خبر باپ اور پھوپھو سے بھی چاہوں گی' جن کی غفلتوں نے یہ دن تمہارا مقدر بنایا ہے۔" ان کے لب و لہجے میں تلخی سمٹ آئی تھی۔

"بٹ وائے؟" وہ ٹھٹک گئی۔

"کچھ باتیں ان کہی رہنے دو مالا گردیزی! بہر حال تم اگر چاہو تو عارضی طور پر میرے گھر پناہ لے سکتی ہو؟" انہوں نے بڑے ضبط کے ساتھ اسے آفر کی۔

"نو تھینکس! یہ فلیٹ بھی میرے باپ کا ہے۔ جس کی چار دیواری میں کچھ نہ کچھ تحفظ تو ملے گا۔"

اس نے زہر خند انداز میں ان کی پیشکش قبول کرنے سے انکار کیا تو وہ جانے کس مصلحت کے تحت فوری طور پر زیادہ اصرار نہ کر سکیں کہ ابھی شاید ایسا کوئی لمحہ نہیں آیا تھا۔

مالا فون بند کر چکی تھی وہ خاصی خوف زدہ تھی اس کا خوف' اس کا ڈر' اس کی پریشانی صوفیہ آرا کے دل میں اتری جا رہی تھی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے سارے دکھ' سارے غم اور سارے خوف اپنے دامن میں سمیٹ لیں۔

کتنی دیر وہ جیسے سوچوں کے الاؤ میں جلتی رہیں۔ اور پھر بہت کچھ سوچنے کے بعد وہ ایکدم بے تابی سے اٹھیں۔ گاڑی کی چابی اور پرس اٹھایا۔ براؤن چادر لپیٹی اور ٹی وی لاؤنج میں چلی آئیں۔ جہاں طلحہ فلور کشن پر اوندھا لیٹا کوئی اسپورٹس چینل دیکھ رہا تھا۔

"طلحہ!"

"یس مما!"

اس نے پلٹ کر انہیں دیکھا پھر چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

"ہاں مجھے ایک کلائنٹ سے ملنے جانا ہے۔ کچھ دیر لگے گی۔ تم گھر کا خیال رکھنا۔" انہوں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے عجلت میں کہا اور نکل گئیں۔

"اکیلی کیسے جائیں گی میں آپ کے ساتھ چلوں۔" وہ پریشان سا ہو گیا' جانے کیوں اسے شام سے مما بے حد بجھی بجھی اور اپ سیٹ دکھائی دے رہی تھیں۔

"نہیں تمہارا گھر پر رہنا زیادہ بہتر ہے۔ اوکے۔" وہ تیزی سے مڑ گئیں۔ طلحہ دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"موجو بابا! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ اگر انہوں نے پولیس میں رپورٹ درج کرا دی تو......"

وہ سخت متوحش تھی۔ بوڑھا ملازم موجو اور اس کی بیوی اماں تاجاں بھی متفکر تھے۔ وہ اس ڈری سہمی لڑکی کو تسلیاں دے دے کر تھک گئے تھے۔

"کچھ نہیں ہو گا پتر تو ایسے ہی ہول کھا رہی ہے۔" موجو بابا اسے دلاسا دے رہے تھے۔

"آپ کو نہیں پتا' زارا کے بابا پولیس میں بہت بڑے افسر ہیں' وہ مجھے تلاش کرنے کے لیے زمین آسمان ایک کر دیں گے۔"

اس کے لرزتے لہجے میں خدشے پنہاں تھے۔ اس کی ساری جرات مندی اس وقت ہوا ہو چکی تھی' اماں تاجاں جائے نماز پر بیٹھی دامن پھیلائے اس کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ انہیں اس لڑکی کی بد نصیبی پر رونا آتا تھا جس سے ماں کی مہربان آغوش چھین کر زمانے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ جس کا باپ اس کے وجود سے بے نیاز تھا جس کے اپنے دن رات اس کے نازک دل و روح پر چوکے لگاتے تھے۔

"مالا! میری سوہنی دھی' ادھر میرے پاس آجا۔" انہوں نے دعا سے فارغ ہو کر موجو بابا کے ساتھ لگی مالا کو پاس بلایا' وہ اٹھ کر ان کے پاس دو زانو بیٹھ گئی۔

"اماں تاجاں! آپ نے میرے لیے دعا مانگی ہے نا کہ اللہ میاں میری اس غلطی کو معاف کر دے اور مجھے اس عذاب سے نجات دلا دے۔"

اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا اور نگاہوں میں یاسیت پنہاں تھی۔ تاجاں تڑپ اٹھیں' ہاتھ بڑھا کر اس کا سر اپنی

گود میں رکھ لیا۔

"میری بچی میری چندا! تو کیوں ہلکان ہو رہی ہے۔ بے شک تجھ سے بڑی غلطی ہوئی ہے مگر تو یہ کیوں بھول رہی ہے کہ سزا جزا کا اختیار تو خدا اکریم کے پاس ہے وہی انسان کی امید اور آسرا ہے۔ میں نے گڑگڑا کر رب سے تیری خیر اور بھلائی کی دعائیں مانگی ہیں۔ وہ غفور تیرے حال پر کرم کرے گا۔"

"میں کیا پتر ہم نے عفت بیگم اور صاحب کو اس بارے میں اطلاع کر دینی تھی۔ صاحب جی کا ایک فون تم کو اس پریشانی سے نکال دیتا یا پھر وہ اپنے وجاہت سائیں بھاگ دوڑ کر کے اس قصے کو ختم کرا دیتے۔" موجو بابا نے کچھ سوچ کر کہا۔

"نہیں بابا! انہیں بھلا میری کیا فکر یا پروا ہو گی۔ پھوپھو تو شکر کریں گی کہ اچھا ہے جیل میں سڑ مر جائے اور وہ وجاہت سائیں تو مجھے قتل کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ اگر ان سب کو میرا خیال ہوتا تو میں آج یہ غلطی کیوں کرتی۔" وہ تلخ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ہاں میری دھی! تیری یہ بات تو سو فیصد درست ہے۔ اپنوں کی غفلت اور بے حسی نے ہی تو یہ دن دکھایا۔ کیسا زمانہ آگیا ہے لوگ سگی اولاد سے لاپروا ہو گئے ہیں۔" تاجاں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سرد آہ بھری۔

"وہ وکیل کیا کہتی ہے پتر! جس سے تو ملنے گئی تھی۔" موجو بابا نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"جی بابا! میں نے ان سے کھل کر بات کی ہے وہ یوں تو بہت مہربان اور اچھی خاتون لگتی ہیں بڑی مصروف اور لائق وکیل ہیں۔ آج تک کوئی مقدمہ' کوئی کیس نہیں ہارا۔ پتا نہیں اب میرے معاملے میں کیا کرتی ہیں۔"

وہ صوفیہ آرا کی تعریف کرتے ہوئے دھیمے سے بولی۔ "تاجاں کی گود میں کتنا سکون کتنی راحت مل رہی تھی۔" اس کا دل ایکدم بھر سا آیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"ارے صوفیہ آرا! تم! آج کیسے یہاں کا راستہ بھول گئیں؟"

انہوں نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا' زارا کے بیڈ کے پاس بیٹھی مہربان سی خاتون انہیں ہاسپٹل کے اس کمرے میں یوں سالوں بعد اچانک دیکھ کر بری طرح چونکیں اور اپنی جگہ سے اٹھ کر سرعت سے صوفیہ کی طرف بڑھیں۔

"سائرہ تم!" وہ اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گئیں۔ سامنے کھڑی سائرہ شاہ کو دیکھ کر ان کے سامنے گزرے ماضی کے کتنے رنگ لہرا گئے۔ سائرہ ان کی عزیز از جان دوست' ان کی خیر خواہ' جس سے برسوں بعد آج اچانک ملاقات ہوئی تھی۔

"یہ تم ہو صوفیہ! اپنی یہ کیسی حالت کر لی۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" وہ ششدر اور پریشان لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

"یہ تقدیر اور بے رحم حالات کی کرم نوازیاں ہیں سائرہ! میں تو بس خوش ہوں کہ تم نے جلے ہوئے چہرے والی اس بد صورت صوفیہ آرا کو پہچاننے سے انکار نہیں کیا۔"

ان کے تلخ لہجے میں کرب سمٹ آیا تھا۔

"دوستی کے رشتے اتنے کمزور نہیں ہوتے جو دوریاں حائل ہونے سے ٹوٹ جائیں اور پھر تم تو ان گزرے برسوں میں ہر لمحہ' ہر پل میری یادوں میں رہی ہو۔ مجھے بتاؤ کہاں کھو گئی تھیں تم؟" وہ محبت بھرے انداز میں شکوہ کر رہی تھیں۔

صوفیہ آرا کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "فکر مت کرو سائرہ! بتا دوں گی کہ وقت کی دھول میں میرا یہ بے مایہ وجود کیسے کھو گیا۔ فی الحال تم یہ بتاؤ' ہماری زارا بیٹی اب کیسی ہے؟"

وہ آنکھیں موندے پڑی زارا کے قریب چلی آئیں۔

"تم زارا کو جانتی ہو؟" سائرہ ہمدانی نے چونک کر دیکھا۔

"ہاں کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔ میں زارا کو دیکھنے ہی ہاسپٹل آئی تھی، یقین مانو مجھے ہرگز علم نہیں تھا کہ تم سے ملاقات ہو جائے گی۔"

"حیرت ہے زارا نے تو آج تک تمہارا ذکر نہیں کیا۔" سائرہ حیران تھیں۔

"بھئی، یہ بے چاری کیسے ذکر کرتی کبھی مجھ سے ملی ہوتی، میرا سامنا کیا ہوتا تو نا۔ وہ بڑے سکون سے کہتی قدرے فاصلے پر پڑی کرسی پر ٹک گئیں۔

"مجھے مالا حسن گردیزی کے توسط سے آج ہی پتا چلا ہے کہ زارا اس کی دوست ہے۔" انہوں نے مزید حیران کیا۔

"کیا تم مالا سے واقف ہو؟" سائرہ ہمدانی کو کرنٹ سا لگا۔

"ہاں ایک ماں اپنی بیٹی سے کیسے واقف نہ ہوگی۔ تم سمجھ دار ہو سائرہ! جان سکتی ہو کہ یوں رات گئے کیوں اور کس لیے مجھے یہاں آنا پڑا۔ شاید تم نے ایڈووکیٹ صوفیہ آرا کا نام سنا ہو۔"

انہوں نے مزید انکشاف کرتے ہوئے سائرہ کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھا۔ جہاں اب غم و غصے کے عکس جھلملانے لگے تھے۔

"تو یوں کہو صوفیہ! تم اپنی خود سر بیٹی کو بچانے اور اس کی وکالت کرنے یہاں آئی ہو؟"

"مجھ سے یوں بدگمان نہ ہو سائرہ! یقین کرو آج سے پہلے میں بھی اس تلخ حقیقت سے لاعلم تھی کہ مالا میری بیٹی اس شہر میں رہتی ہے۔ وہ تو جب زارا کو زخمی کر کے سہ پہر کو مجھ سے قانونی مدد مانگنے آئی تو اس کے باپ کا نام جاننے کے بعد مجھ پر یہ روح فرسا انکشاف ہوا کہ یہ سرپھری لڑکی کوئی غیر نہیں میری اپنی بیٹی ہے۔"

انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے دھیرے سے بتایا۔ اس دوران زارا کی آنکھ بھی کھل گئی اور وہ ایک ٹک اس اجنبی مگر باوقار سی خاتون کو دیکھے گئی۔

"تو کیا مالا تمہارے پاس نہیں ہوتی۔" سائرہ ہمدانی کی حیرتوں میں اضافہ ہوا۔

"نہیں، اگر وہ مجھ جیسی نصیب کے پاس ہوتی تو یہ نوبت کیوں آتی۔ وہ جب مجھ سے قانونی مدد مانگنے آئی تو اس حقیقت سے لاعلم تھی کہ میں اس کی ماں ہوں، میں ممتا کے جذبے سے مجبور ہو کر زارا اور تم لوگوں کے پاس اس کی نادانی اور جذباتی پن کی معافی مانگنے آئی ہوئی۔"

"مجھے یہ سن کر واقعی ملال ہوا ہے صوفیہ! کہ وہ اکھڑ اور سرپھری لڑکی تمہاری بیٹی ہے۔ میرے لیے پھر بھی اسے معاف کرنا آسان نہیں۔ اس نے ذرا سی بات پر طیش میں آکر زارا پر گولی چلا دی۔ تم سوچو اگر میری بچی کو کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتی۔ میں نے ابھی تک اس کے خلاف رپورٹ درج نہیں کرائی۔ کیونکہ ایک تو زارا کے پاپا ملک سے باہر ہیں۔ پھر زارا نے بھی مجھے روک رکھا ہے۔ وہ اس کی عزیز دوست بھی ہے۔ شاید تمہیں مالا نے بتایا ہو۔"

وہ ناراضی بھرے انداز میں بہت کچھ جتاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ان کی خفگی بجا تھی۔ مالا کی حرکت ناقابل معافی تھی۔

"مجھے اس کی لغزش کا احساس ہے۔ سائرہ! میں اچھی طرح جانتی ہوں اس نے طیش میں اندھے ہو کر یہ قدم اٹھایا۔ وہ خود بھی بہت پشیمان اور نادم ہے۔ پلیز میری دوستی کی لاج رکھتے ہوئے اسے ایسی کوئی سزا نہ دو۔ اس کے باپ کو تو پروا نہیں مگر میں اسے مزید بکھرا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔"

صوفیہ منت بھرے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"اف خدایا مالا حسن! تم کتنی بدگمان، کتنی نالاں ہو اپنی ماں سے، اس کے نام سے، یہاں آکر دیکھو۔ یہ باوقار سی مہربان خاتون جو تمہاری ماں ہونے کا دعوا کر رہی ہیں، تمہارے لیے کتنی بے چین اور پریشان ہیں۔ کتنا چاہتی ہیں تمہیں۔"

خاموش پڑی ان کی باتیں سنتی زارا کی آنکھوں کے گوشے بھیگ سے گئے۔

"آنٹی!" زارا نے ذرا سا سر اٹھا کر بے ساختہ صوفیہ کو آواز دی۔ وہ دونوں چونک کر اس کی طرف پلٹیں۔

"کیسی ہو اب زارا بیٹے؟" وہ سرعت سے اس کے پاس آگئیں۔

"خدا کا شکر ہے اب ٹھیک ہوں۔" زارا نے انہیں گویا تسلی دینا چاہی تو صوفیہ آرا نے بے اختیار جھک کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں تمہیں جانتی نہیں تھی بیٹا مگر پھر بھی تمہاری سلامتی کی ڈھیروں دعائیں مانگی ہیں۔"

"مجھے یقین ہے، آپ جیسی اچھی اور مہربان خاتون نے میرے لیے ضرور دعائیں کی ہوں گی۔ دیکھ لیں۔ آپ کی دعائیں رائیگاں نہیں گئیں۔" زارا کے ہونٹوں پر نرم مسکراہٹ تھی۔

"زارا! تم جانتی ہو، یہ کون ہیں؟" سائرہ ہمدانی نے مداخلت کی۔

"یس ممی! ابھی یہ انکشاف میری سماعتوں نے سنا ہے کہ یہ نامور ایڈووکیٹ خاتون مالا کی مما ہی نہیں آپ کی بہت اچھی دوست بھی ہیں۔ ریلی آنٹی! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مالا کی مما اس قدر محبت کرنے والی خاتون ہوں گی۔"

وہ انہیں توصیفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"تھینک یو بیٹا یہ صرف آپ کی سوچ ہے۔ ورنہ تو میری بے مایہ ذات میری اپنی اولاد کے لیے قابل نفرت ہے۔ زارا! مجھے افسوس ہے کہ مالا نے اشتعال میں آکر تمہارے ساتھ زیادتی کی۔" ان کے لہجے میں معذرت سمٹ آئی تھی۔

"نیور مائنڈ آنٹی! غلطی میری بھی ہے۔ مجھے آپ کے حوالے سے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ بہرحال آپ بے فکر ہو جائیں۔ مالا کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔ بس آپ یہ خوشی اس کے دامن میں ڈال دیں، اسے بتا دیں کہ آپ کا اس سے کیا رشتہ ہے تاکہ وہ ٹوٹنے اور بکھرنے سے بچ جائے۔"

بیڈ پر پڑی زارا نے گویا مالا کو معاف کر کے انہیں زندگی کی نوید دے دی تھی۔

"تھینک یو سو مچ زارا! تم نے واقعی حق دوستی ادا کیا ہے، سائرہ! تمہاری بیٹی کا یہ جذبہ لائق تحسین ہے۔" ان کی بھیگی آنکھوں میں اظہار تشکر تھا۔

"ممی! آپ بھی مالا کو معاف کر دیں، وہ جذباتی سی لڑکی ہے۔" زارا نے ماں سے سفارش کی جو خاموش کھڑی ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھیں۔

"او کے جان! اگر تم خوش ہو اس سے کوئی گلہ نہیں رکھتیں تو پھر میں کیسے ناراض رہ سکتی ہوں۔ صوفیہ کی بیٹی ہونے کے ناتے تو وہ مجھے اب تم جیسی عزیز ہو گئی ہے۔" وہ خوشدلی سے مسکرائیں تو صوفیہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"بہت شکریہ سائرہ! تم نے میری بہت بڑی پریشانی دور کر دی بس اب دعا کرنا مالا مجھے ماں کے روپ میں قبول کر لے۔ اس کے دل پر چھائی نفرتوں کی دھند چھٹ جائے۔" وہ اداسی سے کہتی انہیں خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

مالا کو شام میں ان کے آفس آنا تھا، وہ اگلے روز سارا دن اپ سیٹ رہیں، کئی بار ان کا دل چاہا کہ اس جذباتی سی سرپھری لڑکی کو یہ نوید سنا دیں کہ زارا نے اس کی غلطی کو معاف کر دیا ہے کوئی رپورٹ وغیرہ درج نہیں کرائی۔ اس رشتے کی نوعیت سے بھی آگاہ کر دیں جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ مگر پھر جانے کس خیال کے تحت اپنی سوچ کو عملی جامہ نہ پہنایا بلکہ اسے آنے والی شام پر ڈال دیا۔

اور پھر یہ شام ان کی زندگی کی آزمائش بن گئی۔ وہ جو آفس میں لمحہ لمحہ اور پل پل بے قراری سے کاٹ رہی تھیں جب ڈری سہمی مالا کے ساتھ اماں تاجاں نے آفس میں قدم رکھا تو وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھٹھک گئیں۔

"صوفیہ بی بی تسا ں" تاجاں کی بوڑھی نگاہیں سالوں کے فاصلے حائل ہونے کے باوجود انہیں پہچان گئی تھیں۔

"ارے اماں! آپ انہیں جانتی ہیں۔" مالا خوشگوار

حیرت کے ساتھ دونوں کو باری باری دیکھ رہی تھی۔
"ہاں دھی رانی! دیکھے بھالے لوگ بھلا کیسے بیگانے بن سکتے ہیں۔"
تاجاں کھوئے کھوئے انداز میں حسرت اور ملال سے ان کے جلے ہوئے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ یہ چہرہ یہ صورت کبھی کتنی حسین تھی۔ کاتب تقدیر نے کتنا بڑا ظلم کیا اس بدنصیب کے ساتھ۔
"یہ تو اور بھی میرے حق میں اچھا ہوا۔ پتا ہے میڈم اس پورے جگ میں بس یہ اماں تاجاں اور موجو بابا ہی میرے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں بہت خیال رکھتے ہیں میرا۔ یہاں شہر میں ان کے ساتھ ہی رہتی ہوں۔"
وہ ان کی معلومات میں خود ہی اضافہ کیے جا رہی تھی، جب کہ صوفیہ تو بس گم صم اور بالکل خاموش کھڑی تھیں۔ ان آشنا چہروں کو دیکھتے ہی گزرے ماضی کی ساری تلخیاں نگاہوں کے سامنے گھومنے لگی تھیں۔
"کیسی ہیں آپ اماں! مجھے پہچان لیا۔ بہت مشکور ہوں کہ آپ مالا کا خیال رکھتی ہیں۔" انہوں نے لمحوں کے توقف کے بعد جیسے خود کو سنبھال لیا تھا۔ بہرحال اس موڑ کا سامنا کرنا تھا۔
"ارے کیسے نہ پہچانتی۔ تساں کوئی غیر تھوڑی تھیں۔" ان کی معنی خیز گفتگو مالا کو اچھنبے میں ڈال رہی تھی۔
"مجھے لگتا ہے، آپ لوگوں کے آپس میں گہرے مراسم ہیں۔ بہرحال مجھے بتایئے میڈم! میری پرابلم کا کیا بنا؟ آپ زارا سے ملنے گئی تھیں۔ اس کے گھر والوں سے رابطہ کیا ان کے کیا ارادے تھے؟"
وہ سب کچھ نظر انداز کر کے اصل ٹاپک کی طرف آ گئی۔ یہی بے چینی تو اسے یہاں لے آئی تھی۔ اس کی بے قراری دیکھ کر صوفیہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس کے پاس آ گئیں۔ اس کے شانے پر بازو پھیلا کر نرمی سے کہا۔
"تم اب سارے خوف دل سے جھٹک دو۔ زارا اور اس کے گھر والے تمہارے خلاف کوئی کیس نہیں کریں گے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دی۔
"ریئلی۔۔۔ آپ مذاق تو نہیں کر رہی ہیں۔ کیا زارا نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ اس کے گھر والے کوئی رپورٹ وغیرہ نہیں کر رہے۔"
اس کے پُرمسرت لہجے میں بے یقینی تھی۔ صوفیہ کے دونوں ہاتھ تھامے وہ جذباتی سی ہونے لگی تھی اور صوفیہ کا دل چاہا اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیں۔ ممتا کے جذبے اُمڈ اُمڈ کر انہیں بے بس کیے دے رہے تھے۔
"ہاں گڑیا! یقین رکھو زارا اور اس کے گھر والوں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ جانتی ہو زارا کی ممی میری پرانی اور گہری دوست نکل آئیں۔ تم جب میری رگِ جان تھیں تو وہ کیسے تمہیں کوئی سزا دے سکتی ہیں۔" اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے روانی میں بے اختیار کہتی چلی گئیں۔
"میں آپ کی رگ جان ہوں مگر کیوں؟ کس لیے؟" مالا کی آنکھوں میں الجھن اور حیرتیں سمٹ آئی تھیں۔ تاجاں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
"اماں! آپ اس پاگل لڑکی کو بتائیں کہ یہ مجھے کیوں رگ جان کی طرح عزیز ہے۔" انہوں نے تاجاں سے مدد چاہی۔ شاید خود میں اتنا حوصلہ نہ پا رہی تھیں۔ ان کے دل کی دھڑکن جیسے رکنے لگی تھی۔ جب کہ تاجاں بڑے نرم اور میٹھے لہجے میں اس سے بولی۔
"مالا میری دھی رانی! صوفیہ بی بی تیری ماں ہے پتر بالکل سگی ماں۔"
"نہیں یہ جھوٹ ہے، ایسا بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟" تاجاں کے الفاظ اپنے وجود پر تازیانے کی مانند لگے۔ بڑی بے یقینی کے ساتھ اپنے بے حد قریب کھڑی صوفیہ کو دیکھا۔
"میں تمہاری بدنصیب ماں ہوں مالا! میرا یقین

رکھو۔ میری جان۔"
انہوں نے لرزتے لہجے میں تائید کرتے ہوئے اس کے چہرے کا بوسہ لینا چاہا۔
"نہیں، مت چھوئیں مجھے۔۔۔ ایسا کوئی رشتہ میرا آپ سے نہیں ہے۔"
وہ ان کے ہاتھوں کو جھٹک کر، اپنا آپ چھڑاتی بدک کر دروازے پر جا کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگی تھیں۔ چہرے پر وحشت اتر آئی تھی۔
"مجھ سے یوں دور مت بھاگو مالا! میں تمہاری ماں ہوں چندا! یہ رشتے، یہ تعلق جھٹلائے نہیں جا سکتے۔"
وہ تڑپ کر اس کی طرف بڑھیں۔
"مت آئیں میرے قریب، میں آپ کو ماں نہیں مانتی۔ یہ رشتہ، یہ تعلق میرے لیے گالی ہے۔" مالا سارے احترام اور لحاظ بالائے طاق رکھ کر چیخ سی پڑی۔ وہ لفظوں کے نوکیلے بھالوں سے ان کے دل و روح پر چرکے لگاتی ہذیانی انداز میں چلاتی آفس چھوڑ کر جا چکی تھی۔ تاجاں تاسف بھرے انداز میں پیچھے نکل گئی تھی اور وہ بے جان مورت کی طرح گم صم کھڑی تھیں۔
عجیب سی بات تھی۔ جب برسوں کے فاصلے حائل تھے تو اسے چھوڑ کر دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔ مگر اب تقدیر نے اسے سامنے لا کھڑا کیا۔ تو انہوں نے جیسے خود سے کیے سارے عہد توڑ دیے ان کا رواں رواں اسے پانے اور پیار کرنے کے لیے تڑپنے لگا تھا۔
رات کا کھانا بھی انہوں نے برائے نام محض طلحہ کی وجہ سے کھایا ورنہ تو ان کی بھوک پیاس کب کی مٹ چکی تھی۔ طلحہ ان کی بے چینی اور بے قراری مسلسل نوٹ کر رہا تھا۔
اسی اثنا میں سجاد بھائی، آمنہ بھابھی اور اسود آ گئے۔
"کیسی ہو صوفیہ! اسود نے بتایا، کل رات تمہاری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔" سجاد بھائی نے بڑی محبت سے ان کا احوال پوچھا۔
"مجھے تو پھوپھو اب بھی بیمار لگ رہی ہیں۔" اسود کی نگاہیں ان کے بجھے بجھے چہرے پر تھیں۔ جب کہ صوفیہ بھابی اور بھائی کو سلام کر کے اسی طرح خاموش بیٹھ گئیں۔ "تم اپنا خیال کیوں نہیں رکھتیں صوفیہ! کیوں اپنی ذات سے لاپروا ہو گئی ہو۔" سجاد بھائی انہیں سرزنش کرنے لگے۔
"ہمیں بتاؤ صوفیہ کیا پریشانی ہے۔" آمنہ بھابھی نے نرمی سے پوچھا انہوں نے تھکے تھکے انداز میں اپنا سر کرسی کی پشت پر ڈال دیا اور دھیرے دھیرے سے گویا ہوئیں۔
"بھابھی! میری مالا سے ملاقات ہوئی ہے، وہ میرے آفس آئی تھی۔"
"یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ مالا تمہارے آفس آئی تھی۔ کیوں؟ کس لیے؟" سجاد بھائی نے پریشانی سے بہن کو دیکھا۔
انہوں نے بھیگے بھیگے لہجے میں مالا کی بابت سب کچھ بتا کر ان کی الجھن اور پریشانی دور کر دی۔ "اگر وہ میری بہن ہے تو آپ نے اسے جانے کیوں دیا مما! روکا کیوں نہیں، مجھے بتایئے، میں اسے خود جا کر لے آتا ہوں۔"
طلحہ کی بے قراری عروج پر تھی۔ مالا اس کی بہن جس کی بابت مما نے کبھی کچھ نہیں چھپایا تھا۔ وہ اس کے بچپن کا خواب تھی۔ بہرحال اس نے زندگی کے ہر لمحے میں بہن کے روپ میں اس کی کمی محسوس کی تھی۔ پھر مما نے تو ساری تلخ و کڑوی حقیقتیں اس پر آشکار کر رکھی تھیں۔ کچھ بھی تو پوشیدہ نہ تھا۔
"وہ یہاں نہیں آئے گی طلحہ! وہ مجھ سے بہت بدگمان ہے۔" وہ انتہائی بے بسی کے عالم میں جیسے سسک اٹھیں، آمنہ بھابھی اٹھ کر ان کے پاس آ گئیں اور کہنے لگیں۔
"اس کا کیا قصور صوفیہ! وہ معصوم بچی جس ماحول میں پروان چڑھی ہے، جس طرح کی نفرتیں اس کو قدم قدم پر برداشت کرنا پڑیں۔ وہ یہی کر سکتی تھی۔" آمنہ بھابھی نے انہیں تسلی دی۔
"غلطی آپ کی ہے پھوپھو! آپ نے اسے وہاں کیوں چھوڑا۔" خاموشی سے سب کچھ سنتے اسود نے

بالآخر زبان کھولی۔

"تم نہیں جانتے چندا! میں نے اپنی آزادی کی قیمت چکائی تھی۔ ان عورتوں کے لیے مثال بنی تھی جن کے لیے سسرال دوزخ بن جاتا ہے۔ ایسا دوزخ جس میں اکثر بزدل عورتیں سارا جیون سلگتی رہتی ہیں۔" ان کے تھکے ہارے لہجے میں زمانے بھر کا درد تھا۔

"او کے ماموں جان! جو ہو گیا اس پر مٹی ڈالیں۔ بس اب مالا کو یہاں لانا ہے' ہر صورت میں ان لوگوں کے چنگل سے آزاد کرانا ہے۔ کیوں اسود؟" طلحہ نے اپنے کزن کو دیکھا۔

"بالکل پھوپھو کی خوشی اگر مالا ہے تو ہم سب مل کر ان کی یہ خوشی چھین لائیں گے۔" اسود نے جواباً" بھرپور تائید کی تو وہ پرامید سی ہو گئیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

گھر لوٹتے ہی مالا کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا' اماں تاجاں اور موجو بابا کے مارے پریشانی سے ہاتھ پیر پھول گئے۔ انہوں نے فورا" عفت جہاں اور وجاہت شاہ کو فون کر کے بلوایا۔ شجاعت حسن گردیزی اور ان کی دوسری بیوی سلطانہ بیگم ان دنوں یوں بھی ملک سے باہر تھے۔ ان کی آمد چند دن تک متوقع تھی۔ ایمرجنسی میں مجبورا" نہ چاہتے ہوئے بھی عفت جہاں اور وجاہت شاہ کو آنا پڑ گیا۔

مالا کو فوری طور پر ہاسپٹل لے جایا گیا۔ عفت اور وجاہت کو اصل صورت حال کا علم ہوا تو ان کے تیور ہی بدل گئے۔ خاص طور پر عفت جہاں تو موجو بابا اور تاجاں پر خوب برہم ہوئیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مالا اور صوفیہ کا اتنے سالوں بعد بھی آمنا سامنا ہو سکتا ہے۔ وہ تو کب کی اس قصے کو تمام کر چکی تھیں۔

عفت جہاں کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ بھلا صوفیہ کو یہ جرات کیسے ہوئی کہ وہ مالا کے سامنے اپنی حیثیت کی پہچان کرائیں۔ وہ تلملا رہی تھیں۔ مگر اماں تاجاں نے بڑی خاموشی سے صوفیہ کو اگلے روز فون کر کے مالا کی بیماری کے بارے میں بتا دیا' وہ یہ سن کر دل پر مزید ضبط کے پہرے نہ بٹھا سکیں۔ فورا" ہی اسود اور طلحہ کے ساتھ اسے دیکھنے بھاگی چلی آئیں۔

مالا گھر آ چکی تھی۔ صوفیہ نے جب اس پر آسائش فلیٹ میں قدم رکھا تو انہیں سالوں کے بعد روبرو دیکھ کر سب چونک اٹھے۔

"تو تم یہاں بھی پہنچ گئی ہو' کس کی اجازت سے تم نے اس گھر کی دہلیز پار کرنے کی کوشش کی؟" نگاہوں میں نفرت اور بےزاری لیے عفت جہاں سلگتے انداز میں ان کے مقابل آ چکی تھیں۔ وجاہت شاہ نے بھی بڑی ترچھی نگاہوں سے اندر آنے والے ان ناآشنا چہروں کا جائزہ لیا تھا۔ جب کہ موجو بابا اور اماں تاجاں بڑے محبت بھرے انداز میں ان کا سواگت کرنے آگے بڑھے تھے۔ "جی آیاں نوں صوفیہ بی بی! بسم اللہ' آج تو ہماری چھوٹی بی بی صاحبہ آئی ہیں۔"

"تاجاں! اپنی حد میں رہو' اب ہمارا اس سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہے۔ بلکہ میں تو اس سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آخر اس نے کس تعلق اور رشتے کی بنیاد پر یہاں قدم رکھنے کی ہمت کی ہے۔"

عفت جہاں' اماں تاجاں کو بری طرح جھاڑ کر تنفر بھرے انداز میں غرائیں۔

طلحہ اور اسود کے لیے یہ توہین آمیز لب و لہجہ ناقابل برداشت تھا۔ وہ دونوں کسی بدمزگی کے خیال سے خود پر بمشکل جبر کیے کھڑے تھے۔

"سنو عفت بیگم! مجھے یہاں آنے کی جرأت اور ہمت میری بیٹی کی محبت نے دی ہے۔ اور اسی اٹوٹ رشتے نے مجھے یہاں آنے پر مجبور کیا ہے۔ جو تم تو کیا دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی۔"

انہوں نے بڑی بےخوفی سے جرات مندی کے ساتھ چبا چبا کر کہا۔ اور مالا کی طرف بڑھ گئیں۔ اس کا چہرہ ہر جذبے سے عاری اور سپاٹ تھا۔

"اونہہ ڈرامہ باز! اب بیٹی کی محبت جاگی ہے۔ یہ محبت کہاں جا سوئی تھی جب۔۔۔"

"دیکھیں محترمہ! خاموش ہو جائیں میں اب مزید آپ کو اپنی ماں کے خلاف بولنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

طلحہ کڑے تیوروں کے ساتھ مداخلت کیے بنا نہ رہ سکا۔

"اے مسٹر! تمہاری تعریف ۔۔۔" وجاہت شاہ کو اس کا یوں بولنا برا لگا۔

"طلحہ حسن اینڈ مائی کزن اسود رضا۔" اس نے بڑے اعتماد سے دونوں کا تعارف کروایا۔ "کیا تم حسن کے بیٹے ہو؟" عفت جہاں اور وجاہت شاہ نے چونک کر اس لمبے تڑنگے نوعمر لڑکے کو دیکھا۔ آنکھوں میں شکوک و شبہات واضح تھے۔

"معلوم نہیں' یہ تو صوفیہ پھوپھو کو زیادہ علم ہو گا۔" اسود نے انہیں جلانے کے لیے کندھے اچکاتے ہوئے جان بوجھ کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

"میں صرف اپنی ماما کا بیٹا ہوں اسود بھائی! اس کے علاوہ میں اور کسی رشتے کو نہیں مانتا۔" طلحہ بلاجھجک کے اپنی نفرت کا اظہار کر گیا تھا جب کہ ان کی باتوں سے بےخبر صوفیہ مالا کے پاس کھڑی تھیں۔

"میں تمہاری ماں ہوں مالا! میری بچی! تمہاری صورت دیکھنے کو ترس گئی تھی۔ میں تمہیں ساتھ لے جانے آئی ہوں۔ چلو میرے ساتھ۔"

طلحہ بھی بےتاب سا اسود کے ہمراہ قریب چلا آیا۔

"مالا! میری بہن!" طلحہ نے محبتوں سے چور لہجے میں اسے پکارا مگر اس نے انتہائی بےرخی سے منہ پھیر لیا۔

"میں ایسے کسی رشتے کو نہیں مانتی' چلے جائیں سب۔" اس کے لب و لہجے میں بیگانگی اور سرد مہری تھی۔ عفت جہاں کا چہرہ کھل اٹھا۔

"دیکھ لو صوفیہ! تمہاری سگی اولاد تم سے کتنی بےزار ہے۔ کس قدر نفرت کرتی ہے تمہاری اس صورت سے۔ بہت مان' بہت گھمنڈ تھا نا تجھے اپنی قابلیت پر۔ ارے اب کس منہ سے اسے بیٹی کہنے آئی ہے۔ اس وقت خیال نہ آیا جب اس ننھی جان کو پالنے میں چھوڑ کر رات کی تاریک میں اپنے کالے کرتوتوں سمیت نکل گئی تھی۔" عفت جہاں نے انتہائی بےرحمی سے سنگ باری شروع کی۔

"محترمہ! آپ حد سے بڑھ رہی ہیں' بہتر ہو گا کہ خاموش ہو جائیں۔" طلحہ اور اسود دونوں ایک بار پھر تلملا اٹھے تھے۔

"چلیں ماما! اس وقت مالا ڈسٹرب ہے۔ یہ رشتے ٹوٹ نہیں سکتے۔ ہم پھر آ جائیں گے۔ میں دیکھوں گا۔ محبت اور نفرت درمیان میں حائل دیواریں کیسے نہیں گرتیں۔" طلحہ انتہائی خونخوار نظروں سے عفت جہاں اور سانپ کی طرح پھنکارتے وجاہت شاہ کو گھورتا بےبسی کی تصویر بنی صوفیہ کی طرف بڑھا' اور ان کے گرد بازو پھیلا کر گویا انہیں اپنے حصار میں لے لیا۔

"ہاں پھوپھو! آپ پریشان نہ ہوں' مالا پڑھی لکھی باشعور لڑکی ہے۔ آپ کے حالات اور اصل حقیقت جان کر کبھی آپ کو مایوس نہیں کرے گی۔ چلیں۔" اسود نے بھی زہریلے لہجے میں بھرپور تائید کی' اور مایوس و ناامید سی صوفیہ آرا کو لے کر واپس چلا آیا کہ وہاں کا ماحول اس وقت بےحد تلخ اور کشیدہ تھا۔

عفت جہاں کو برسوں بعد صوفیہ آرا کا یوں بےدھڑک بنا کسی خوف اور جھجک کے بیٹی سے ملنے آنا سخت ناگوار گزرا تھا۔ ان کے جانے کے بعد بھی وہ کتنی دیر غصے سے تلملاتی رہیں' رات کا کھانا بھی بمشکل زہر مار کیا' اور درمیان میں ادھورا چھوڑ کر کمرے میں چلی آئیں۔ وجاہت شاہ ماں کی بدلتی کیفیت برابر نوٹ کرتا رہا پھر اٹھ کر ان کے پیچھے چلا آیا۔

"ماں! تم خاصی پریشان لگ رہی ہو' وجہ کیا ہے؟" اس نے عفت جہاں کے پریشان حال چہرے پر نگاہیں جمائیں انداز سوالیہ تھا۔

"ہاں مجھے اس بدبخت کی اچانک آمد نے پریشان کر دیا ہے۔ کیسے دندناتی چلی آئی' مجال ہے جو کسی ڈر یا خوف نے راستہ روکا ہو۔" ان کے لہجے میں کھولن

تھی۔
"تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے' ہمیں کون سا ساری عمر شہر میں رہنا ہے۔ تو کہتی ہے تو نور تڑکے ہی یہاں سے مالا کو لے کر گاؤں نکل چلتے ہیں' وہ کون سا ہمارے پیچھے آئے گی۔" وجاہت شاہ نے لاپروائی سے پروگرام بتایا تو عفت جہاں نے گھور کر اسے دیکھا۔
"گاؤں جانا کون سا مشکل ہے۔ مجھے دوسری فکر ہے۔" وہ لمحہ بھر کو رکیں۔
"تو اماں ایویں خوامخواہ کی فکریں کیوں پالتی ہے' وہ کون سی ایسی سورما شے ہے جو ہمارا کچھ بگاڑ لے گی۔ تجھے اپنی حیثیت اور رتبے کا اچھی طرح اندازہ ہے پھر کیوں اپنا جی جلا رہی ہے۔" اس نے مونچھوں کو تاؤ دیا۔
"تیری لاپروائی کی حد نہیں وجاہت! کسی ویلے سنجیدہ بھی ہو جایا کر۔ میرا سکھ چین اس کے بیٹے کی وجہ سے برباد ہو گیا ہے جسے اچانک وہ مالا سے ملانے لائی ہے۔ میں تو حیران ہوں آج تک اسے کیوں چھپائے رکھا۔
"تیرے شجو ماما کو خبر ہوئی تو سمجھ لے لاکھوں کروڑوں کی جائیداد اور ہاتھ سے یوں گئی۔" وہ بڑے تفکر بھرے انداز میں بولیں۔
"حیرانی کی بات ہے اماں! یہ بیٹھے بٹھائے اچانک بیٹا کہاں سے پیدا ہو گیا۔ ہو سکتا ہے صوفیہ آرا نے دوسری شادی کر رکھی ہو اور یہ لڑکا اسی شوہر کی اولاد ہو۔" وجاہت شاہ نے قیاس آرائی کی۔
"نہیں وجو! وہ اگر ایسا قدم اٹھاتی تو یوں سالوں بعد پہلی اولاد کے لیے نہ بھاگی آتی۔ تجھے نہیں پتا' بڑی ہوشیار اور چالاک عورت ہے وہ۔ طلحہ یقیناً" شجاعت کی اولاد ہے۔ اور صوفیہ آرا نے اسے پال پوس کر اس نیت سے بڑا کیا ہو گا کہ کل کلاں کو اچانک ظاہر کر کے اسے لاکھوں کی جائیداد کا وارث بنائے۔ اور تیرا یہ ماما ایسا کر گزرے گا' اس سلطانہ نے تو آج تک چڑیا کا بچہ بھی پیدا کر کے نہیں دیا۔ رات دن بس میاں کو اداؤں سے رجھاتی رہتی ہے۔"
وہ کھولتے سلگتے لہجے میں جی بھر کے دل کا غبار نکال رہی تھیں۔ لب و لہجے میں دوسری بھاوج کے لیے بھی سخت نفرت اور بے زاری تھی۔
"تجھے دل جلانے کی ضرورت نہیں' میں خود کوئی بندوبست کر لوں گا۔ تو میری مان تو اپنی اس سرکش اور ضدی بھتیجی سے آج ہی نکاح کے دو بول میرے ساتھ پڑھوا دے۔ پھر دیکھنا کیسے ماما کی جائیداد پر میری راجدھانی ہو گی۔ مجال ہے جو کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات کر لے۔" اس کے زہریلے لہجے میں اتراہٹ تھی۔
"فی الحال تو نکاح کرنا مشکل ہے' ایک تو شجاعت ملک سے باہر ہے پھر اس کی ماں کا بھی آنا جانا لگا ہوا ہے کوئی مسئلہ نہ کھڑا کر دے۔" عفت جہاں نے خدشے کا اظہار کیا۔
"یہ کون سی بڑی بات ہے' شجو ماما آج کل میں آنے والے ہیں۔ اسے گاؤں لیے چلتے ہیں۔ وہیں پر سارا حساب کتاب کر لیں گے۔" اس نے چٹکی بجاتے ہوئے ماں کو جیسے تسلی دی۔
"پتر! تجھے لڑکی کا پتا نہیں۔ بڑی منہ زور اور اکھڑ ہے۔ بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔ دیکھا نہیں ہماری مخالفت کے باوجود پڑھنے کے لیے شہر آ گئی۔ باپ کو ویسے پروا نہیں۔ سلطانہ نے اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ اپنے علاوہ کچھ اور اسے سوچنے نہیں دیتی۔" وہ جیسے بھنائی بیٹھی تھیں۔
"ہاں شجو ماما اس عورت سے بڑا دبتا ہے' اشاروں پر جو نچاتی ہے۔ خیر میں سارا معاملہ ٹھیک کر لوں گا۔ تجھے جی ہلکان کرنے کی ضرورت نہیں۔" وجاہت شاہ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ بہت دل شکستہ اور مایوس تھیں۔ مالا کی بدگمانیوں نے اس کے تلخ اور بیگانہ رویے نے ان جیسی بااعتماد جرات مند خاتون کو سخت ذہنی اذیت و کرب سے دو چار کر رکھا تھا۔
وہ ساری رات جلتے انگاروں پر لوٹتی رہیں۔ صبح ان کا پژمردہ اور تھکا تھکا نڈھال چہرہ دیکھ کر طلحہ چونکے بنا نہ رہ سکا۔
"لگتا ہے ماما! آپ ساری رات جاگتی رہی ہیں۔" وہ سلائس پر مکھن لگا کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔
"کیسے سو جاتی طلحہ! ساری رات مالا کی نفرت آمیز باتیں دل پر چوکے لگاتی رہیں۔ تم نے دیکھا نہیں وہ میری ذات' میرے وجود سے کتنی نالاں اور بدگمان ہے۔" ان کی آنکھیں چھلک پڑیں۔
"فار گاڈ سیک ماما! آپ جیسی مضبوط خاتون یوں کمزور کیوں پڑ رہی ہیں۔ آپ تو حالات سے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔" اس نے نرمی سے ان کی ڈھارس بندھانی چاہی۔ "حالات نے مجھے تھکا دیا ہے' میں ساری دنیا کی نفرت سہہ سکتی ہوں مگر اولاد کی نہیں۔ وہ میری صورت تک دیکھنے کی روادار نہیں۔"
وہ بہت مایوس اور دل گرفتہ تھیں۔
"آپ حوصلہ رکھیں۔ مالا ان ساری تلخ حقیقتوں سے لاعلم ہے۔ جن کا آپ کو سامنا کرنا پڑا' اگر آپ خود جا کر اس کے سامنے سارے حقائق بے نقاب کر دیں تو وہ سمجھ جائے گی۔"
طلحہ کے لہجے میں یقین تھا' وہ اس یقین کے سہارے ایک بار پھر اپنی زندگی داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہو گئی تھیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

مالا کو بالکل یقین نہیں تھا کہ صوفیہ وہ نامور اور معروف وکیل خاتون جو اس کی ماں ہونے کی دعوے دار ہے اس کی جانب سے برملا بے زاری اور نفرتوں کی شدتیں دیکھنے کے باوجود واپس پلٹ کر اس سے ملنے آئیں گی۔ وہ تو ان سے سارے رشتے توڑ کر لاتعلق ہو چکی تھی' مالا کی نگاہوں میں ان کے لیے بطور ایک خاتون وکیل بہت عزت اور احترام تھا۔ پھر جس طرح آڑے وقت میں انہوں نے اس کی مدد کی اسے مجرم ہونے کے باوجود سزا سے بچایا۔ اس سے اس کے دل میں ان کی وقعت اور رتبہ مزید بڑھ گیا تھا۔ مگر بالکل اچانک اس تلخ انکشاف نے کہ وہ اس کی کیا لگتی ہیں' اس کے دل سے سارے احترام ختم کر دیے تھے۔
دوسرے روز شام ساڑھے پانچ بجے کے قریب مالا فلیٹ میں بالکل تنہا تھی۔ وجاہت شاہ کو کسی اہم مسئلے کو فوری نمٹانے کے لیے گاؤں جانا پڑ گیا تھا۔ وہ انہیں جاتے جاتے دو دن میں گاؤں آنے کی سختی سے تاکید کر گیا تھا۔ اگلے روز روانگی تھی۔ عفت جہاں کچھ دیر پہلے موجو بابا کے ساتھ بازار شاپنگ کے لیے نکلی تھیں' اس کی نگرانی پر دو مسلح بدمعاش ٹائپ ملازموں کو وجاہت شاہ مامور کر گیا تھا۔ عفت جہاں بھی حکم دے گئی تھیں کہ مالا سے کسی کو نہ ملنے دیا جائے اور نہ گھر میں صوفیہ نامی کسی خاتون کو قدم رکھنے دیا جائے۔
مالا نے ایسی کسی بات میں کوئی دلچسپی نہ لی اس نے فون پر زارا کی خیریت پوچھی۔ اپنی غلطی کی معافی مانگی پھر کھڑکی میں جھک کر باہر کے نظارے دیکھنے لگی۔
ان تین دنوں میں وہ اس گھٹے گھٹے پابند ماحول سے اکتا سی گئی تھی۔ باہر گھومنے کو بہت دل مچل رہا تھا مگر کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ پھر کچھ باپ کے رویے پر بھی دل افسردہ تھا۔ اطلاع ملنے کے باوجود انہوں نے رات فون پر رسماً" اس کی خیریت پوچھی تھی۔ مالا کو موہوم سی خوش فہمی تھی کہ شاید بابا جان اس کی اچانک بیماری کا سن کر دوڑے آئیں گے مگر ان کی بے اعتنائی نے اس کے زخم خوردہ دل میں گھاؤ ڈال دیے تھے۔ اس وقت بھی وہ اداسیوں میں گھری برگ آوارہ کی مانند بھٹکتی زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جب بدتمیزی سے روکتے دو ملازموں کو یکسر نظر انداز کرتی صوفیہ سیدھی اندر چلی آئیں۔
"اس عورت کو اندر آنے سے روکیں مالا بی بی! اسے یہاں آنے کی اجازت نہیں ہے۔" ایک ملازم مالا کو دیکھتے ہوئے غرایا۔
"کس نے منع کیا ہے؟" اس نے سوالیہ انداز میں

پوچھا۔
"سائیں وجاہت شاہ نے بولا تھا" وہ ہم کو اس واسطے یہاں چھوڑ گیا ہے۔" دوسرے نے وضاحت کی۔
"تمہارے وجاہت شاہ کی ایسی کی تیسی۔ بتادینا اسے' میں یہاں اپنی بیٹی سے ملنے آئی ہوں' کسی اور سے نہیں۔ ٹھیک ہے اور اب یہاں سے دفع ہوجاؤ۔"
صوفیہ نے بڑی بے خوفی سے انہیں ڈانٹ کر بھگادیا۔ وہ دونوں مالا کے اشارے پر واپس پلٹ گئے تو صوفیہ آرا اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ جس کی تمام تر توجہ دریچے سے باہر مرکوز تھی۔ گویا وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ اسے ان کی آمد سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔
صوفیہ آرا چند لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی قریب چلی آئیں۔
"لگتا ہے میری آمد بہت ناگوار گزری ہے۔ تب ہی تم نے رخ پھیر لیا ہے۔" انہوں نے پیچھے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔
"سوری میڈم! میرے لیے آپ کا آنا جانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔" اس نے بے رخی سے کہا۔
"یوں مت کہو گڑیا! میں تمہاری ماں ہوں' یہ رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا۔" وہ تڑپ سی گئیں۔
اس نے سنگ گراں کی طرف رخ پھیرا۔ "پلیز! اس مقدس رشتے کی توہین مت کریں۔ آپ جیسی عورت بھلا ان نازک اور خوبصورت رشتے ناتوں کو کیا جانے۔"
اس کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے تھے۔ کس قدر تضحیک آمیز انداز تھا' اس کا ان کا رواں رواں تپ اٹھا۔
"یوں کچھ جانے بنا الزام تراشی مت کرو مالا! بعض حقیقتوں کے چہرے بہت مکروہ اور تلخ ہوتے ہیں' تم وہ سب کچھ نہیں جانتیں۔ میری بچی' جس کی مجھے خبر ہے تمہیں میری ذات سے متنفر کرنے کے لیے بدظن کیا گیا ہے۔"
انہوں نے شاکی نگاہوں سے دیکھتی مالا کو قائل کرنا چاہا تب ہی اماں تاجاں اندر چلی آئی۔
"صوفیہ بی بی تساں!" اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ خوشی بھی تھی۔
"ہاں اماں! میں بدنصیب' جو ہر روز اپنی بیٹی سے ملنے کی لگن اور تڑپ لیے یہاں بھاگی آتی ہوں' مگر اسے میری بے قرار ممتا کی تڑپ اور بے تابیوں کا احساس ہی نہیں۔ خدا کے لیے اماں! تم تو میری بربادیوں کی سب سے بڑی گواہ ہو۔ آج اسے بتادو کہ کیوں اور کس لیے میں نے اولاد اور گھر چھوڑا۔ اس احمق لڑکی کے دل سے صرف تم ہی بدگمانیوں کا زہر نکال سکتی ہو۔ میرے وہ جرم بتاسکتی ہو' جن کا خمیازہ میں آج تک بھگت رہی ہوں۔"
صوفیہ جیسے پارہ پارہ ہوکر بکھر گئیں' اماں تاجاں کے روپ میں ایک مضبوط گواہ' ایک مخلص مہربان آسرے کو سامنے پاکر ان کے سارے درد جاگ پڑے۔
"روؤ نہیں بی بی! دھی رانی ناداں ہے۔ ایس نوں حقیقت دا کوئی علم نہیں اے۔ اودھر آپتر میں تجھے بتاتی ہوں کس واسطے صوفیہ بی بی نے تیرے باباجان دا گھر بار چھوڑا تھا۔"
اماں تاجاں ___ سلگتی کھولتی مالا کا ہاتھ تھام کر بیڈ پر لے آئی اور مالا کی عدم دلچسپی اور سرد مہری کے باوجود ان گزرے تلخ واقعات کو دہرانے لگی' جن کی وہ گواہ تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

صوفیہ تعلیم یافتہ باشعور اور زندہ دل لڑکی جب اپنے آن بان والے باپ کی رضا پر سر جھکا کر شجاعت حسن گردیزی سے بیاہ کرکے حسن گڑھ آئی تو شادی کے دوسرے دن اسے احساس ہوگیا کہ زندگی اب پھولوں کی سیج سے نکل کر خار دار راستوں پر قدم رکھ چکی ہے۔
اسے ایک شب میں بخوبی اندازہ ہوگیا کہ اس گھٹی . زدہ جاہلانہ اور حد درجہ دقیانوسی ماحول میں جیون گزارنا کس قدر مشکل اور اذیت ناک ہوگا۔ مگر اس کے اباجی کا حکم تھا جس سے مشرقی لڑکی ہونے کے ناتے بہرحال اس میں سرتابی کی جرات نہ تھی۔ حالانکہ اس کی دوست سائرہ اس بے جوڑ رشتے پر سخت ناخوش اور چراغ پا تھی۔
"تمہاری مت ماری گئی ہے صوفی! یہ پر آسائش زندگی چھوڑ کر وہاں کیسے گزارو گی۔" اسے رہ رہ کر افسوس ہوتا۔
"سارے مقدر کے چکر ہیں ڈیر فرینڈ! اگر میرے نصیب میں شجاعت حسن گردیزی لکھا ہے تو میں کیسے دامن بچاسکتی ہوں۔ ویسے تم نے بندہ دیکھا ہے' اچھی خاصی پرسنالٹی کا حامل ہے۔" آخری جملہ ادا کرتے ہوئے صوفیہ کے لہجے میں شرارت سمٹ آئی تھی۔
"حکومت' میرے لیے وہ جاگیردار قطعی اہم نہیں' شکر ہے میرے والدین اس معاملے میں روشن خیال ہیں۔ فاروق بہت اچھے اور محبت کرنے والے فراغ دل انسان ہیں۔"
سائرہ فخر سے اترائی اس کا دو ماہ پہلے اپنے ماموں زاد سے نکاح ہوا تھا جو کہ سعودی عرب میں تھا اور اب وہ بھی وداع ہوکر کچھ عرصے تک وہیں جانے والی تھی۔
"ہاں بھئی اب سب تمہاری طرح قسمت کے دھنی تو نہیں ہوسکتے۔ بہرحال تم فکر مت کرو۔ لڑکی اچھا برا ماحول خود بناتی ہے۔ میں کوشش کروں گی ان سب کو اپنے ماحول اور طور طریقوں میں ڈھال لوں۔" اس کے لہجے میں امید کے دیے روشن تھے۔
"بہت مشکل ہے' تمہیں نہیں پتا یہ جاگیردارانہ ذہنیت کے حامل لوگ بڑے تنگ نظر اور سخت گیر ہوتے ہیں' عورت کو تو پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں۔" سائرہ اسے ڈرائی۔
"نو پرابلم سائرہ بی بی! جب میرا رویہ محبت آمیز ہوگا تو وہ کیسے اپنی سوچ اور خیالات بدلیں گے اور تمہیں اچھی طرح علم ہے میرا تعلق ان لڑکیوں میں سے نہیں جو سر جھکا کر حالات سے ڈر کر دب کر جیتی ہیں' میں اپنے حق کے لیے لڑنا اچھی طرح جانتی ہوں۔"
وہ اترائی تو سائرہ نے مزید بحث کرنے کے بجائے اس کی زندگی کی ڈھیروں دعائیں دل میں مانگ ڈالیں۔
شجاعت حسن گردیزی کے گھر والوں سے ان کے پرانے اور خاندانی مراسم تھے۔ خاص طور پر اباجی کا بہت آنا جانا تھا اور وہ ذاتی طور پر ان کی حیثیت اور شان و شوکت سے بہت مرعوب تھے۔ خود ان کا تعلق ایک پڑھے لکھے اور متوسط طبقے سے تھا۔ وہ خود ایک محکمے میں سرکاری عہدے پر فائز تھے' ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کی کسی اولاد کا رشتہ گردیزی خاندان میں ہوجائے شاید ہر والدین کی طرح وہ بھی اپنے بچوں کا تابناک مستقبل دیکھنے کے خواہاں تھے۔ تب ہی تو جب شجاعت حسن گردیزی کے والد سلطان حسن گردیزی نے دوستی کا بھرم رکھتے ہوئے ان سے بیٹے کے لیے دامن پھیلایا تو وہ دل کی خواہش پر سر جھکاتے ہوئے انکار نہ کرسکے۔ اور بخوشی یہ رشتہ قبول کرلیا حالانکہ ان لوگوں کے ماحول اور رہن سہن میں طرز زندگی میں خاصا فرق تھا۔
سب سے زیادہ تضاد تعلیم اور شعور و آگہی کا تھا گو کہ شجاعت حسن خود پڑھے لکھے تھے' مگر ان کی حویلی کا ماحول بے حد حبس زدہ تھا۔ صوفیہ جیسی باشعور' حد درجہ بولڈ اور روشن خیال لڑکی کے لیے یہ سب کچھ بے حد تکلیف دہ تھا مگر' وہ والدین کے فیصلوں سے بغاوت نہ کرسکتی تھی۔ ایسا کوئی اختیار اس کے پاس نہ تھا اباجی کے دل و دماغ پر تو ان کی جائیداد اور دولت اور مرتبے و حیثیت نے ایسا سحر طاری کیا تھا کہ وہ سب کچھ نظر انداز کرگئے۔
صوفیہ کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اونچے فصیلوں والی اس حویلی میں آکر زندگی آغاز سفر میں درد کا جلتا صحرا بن جائے گی۔ اور قدم قدم پر اپنی ذات کی نفی کرکے صرف دوسروں کی مرضی اور رضا پر جینا پڑے گا۔
حویلی کے کئی کرتا دھرتا تھے۔ جن میں سب سے نمایاں حیثیت اور مقام عفت جہاں کا تھا۔ ایک بیٹے

وجاہت شاہ کے ساتھ جوانی میں اجڑ کر دوبارہ اس حویلی میں آبسی تھیں۔

جھگڑالو طبیعت کے باعث چچا زاد شوہر سے دو ڈھائی سال سے زیادہ نہ بن سکی اور ماتھے پر طلاق جیسا بدنما داغ سجا کر بڑے کروفر سے گود میں وجاہت شاہ کو لیے میکے کی دہلیز پر لوٹ آئیں۔ ماں حیات نہ تھی۔ چھوٹی بہن بیاہ کر اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ ملک سے باہر جا چکی تھی۔ حویلی پر مردوں اور ملازموں کی فوج کا راج تھا۔

عفت جہاں کے عیش ہو گئے۔ آتے ہی سیاہ و سفید کی مالک بن گئیں۔ بھائی اور باپ کو سیاست کے بکھیڑوں اور زمینوں و فیکٹری وغیرہ کے چکروں میں الجھنے کی وجہ سے فرصت نہ تھی۔ انہیں پورے رعب و دبدبے کے ساتھ ہر شے کے اختیارات خود بخود حاصل ہو گئے' ساری حویلی میں دندناتی پھرتیں بیٹا بھی ماں کا دوسرا عکس تھا۔

دونوں ماں بیٹا اس خوش فہمی کا شکار تھے کہ ننھیال کی ساری جائیداد اور مال و دولت کے وہی مختار کل ہیں صوفیہ کو جب وہ بیاہ کر لائیں تو ان کا خیال تھا با آسانی اسے بھی دبا کر رکھیں گی۔ مگر یہ ان کی خام خیالی تھی صوفیہ پڑھی لکھی باشعور' پراعتماد لڑکی تھی۔ وہ عفت جہاں کا عزت و احترام ضرور کرتی تھی اس کی جائز بات کو مان بھی لیتی تھی مگر یوں اپنا آپ مٹا کر اس کی تابعداری کرنا اسے کسی طور گوارا نہ تھا۔

شجاعت گردیزی پڑھے لکھے ہونے کے باوجود تنگ نظر اور عورت کو پیر کی جوتی سمجھتے تھے۔ بہن سے البتہ دبتے تھے۔ شاید اس کی وجہ ایک تو عفت جہاں کی تیز مزاجی اور جھگڑالو طبیعت تھی دوسرا حویلی میں ان ہی کا سکہ چلتا تھا' ہر کام' ہر مسئلے میں داخل اندازی کرنا وہ اپنا حق سمجھتی تھیں۔ ملازم بے چارے ان سے کانپتے تھے مگر صوفیہ کے معاملے میں وہ بری طرح مات کھانے لگیں۔ وہ کسی طور بھی ان کے غلط اور ناجائز احکامات پر سر جھکانے کے حق میں نہ تھی۔ وہ زندگی کو سلیقے سے خوبصورت انداز میں گزارنے کی قائل تھی۔

اسے شجاعت حسن گردیزی کے رنبیلے پن پر بھی اعتراض نہ تھا۔ وہ رعب جماتے حکم دیتے' جھگڑا بھی کر لیتے تو صوفیہ حوصلے اور صبر سے سہہ لیتی۔ مگر جب ان کی زیادتیاں حد سے تجاوز کرنے لگتیں' بہن کے بہکاوے میں آکر وہ قدم قدم پر اس کی تعلیم اس کی روشن خیالی کا نفرت انگیز انداز میں مذاق اڑانے لگتے' تب وہ پلٹ کر اپنے دفاع کے لیے جواب دینا اپنا فرض سمجھتی کہ وہ بہر حال مٹی کا بے جان مادھو نہ تھی۔

اس بحث و تکرار پر ان کے اختلافات بڑھ جاتے۔ صوفیہ جیسی بااعتماد اور بولڈ لڑکی کے لیے یہ روش یہ رویہ انتہائی اذیت ناک ہوتا وہ ان بے جا پابندیوں کا جواز چاہتی۔ ان ناانصافیوں پر احتجاج کرنا چاہتی اپنے حق کے لیے باز پرس کرتی تو جیون عذاب بن جاتا۔ شجاعت حسن گردیزی کے اندر کا گنوار مرد بیدار ہو کر وحشت کی تصویر بن جاتا۔

عفت جہاں بھی بڑھ چڑھ کر بھائی کی زیادتیوں کا ساتھ دیتیں اس کے صاف ستھرے کردار پر تہمتیں لگاتیں' اسے بدکردار آوارہ اور بدچلن جیسے خطابات سے نوازا جاتا۔ اس کی جرات مندی اور صاف گوئی کو بے حیائی اور بدلحاظی سے منسوب کیا جاتا۔ غرض قدم قدم پر تذلیل کی جاتی۔

اس سلگتے کھولتے ماحول کو ایک امید سی بندھی تھی مگر عفت جہاں کو مات دینا آسان نہ تھا۔ شجاعت حسن گردیزی تو سیاست الیکشن اور جائیداد کے حساب کتاب کے چکروں میں الجھے رہتے۔ آئے دن لاہور اور اسلام آباد چلے جاتے۔

سلطان حسن گردیزی پوتی کی پیدائش سے چند ماہ پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ وہ پھر بھی اچھے اور صوفیہ کا خیال رکھنے والے مہربان انسان تھے۔ صوفیہ کو ان کے شفیق وجود کی کمی قدم قدم پر محسوس ہوتی۔ عفت جہاں کو تو گویا کھلی چھٹی مل گئی تھی۔ اب وہ سارے گھر کی کرتا دھرتا تھیں۔

مالا کی پیدائش پر تو اور بھی خار کھانے لگی تھیں۔ مکاری ایسی کہ بھائی کو صاف جتا دیا۔ مالا صرف ان کے بیٹے وجو کی دلہن بنے گی۔ شجاعت کہاں اعتراض کرنے والے تھے۔ فوراً" رضامندی دے دی۔ عفت جہاں نے بھاوج کی مرضی اور رائے کو اہمیت دیے بنا جھٹ سے مالا کے گلے میں بیٹے کے نام کی طلائی زنجیر ڈال دی اور اس بندھن کو اپنے طور پر اٹوٹ کر دیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"میرے حوصلے اب ٹوٹنے لگے ہیں۔ بہت تھک گئی ہوں۔" وہ تاجاں کے شانے پر سر رکھے بلک اٹھتی۔

"اللہ بڑا کارساز ہے۔ میری بچی وہ تجھ پر اپنا کرم کرے گا۔ تیرے جیون کے سارے اندھیرے دور ہوں گے۔"

اماں تاجاں کے لہجے میں یقین ہوتا۔ اور وہ اس یقین کے سہارے پھر خواب دیکھنے لگتی۔

ایک سلگتی سہ پہر کو وہ ڈیڑھ سالہ مالا کے لیے فیڈر بنانے کچن میں آئی۔ ان دنوں طبیعت کچھ ست سی تھی۔ شجاعت گھر پر نہ تھے مالا نے اٹھتے ہی بھوک کی وجہ سے رونا اور چلانا شروع کر دیا' وہ اسے اماں تاجاں کے حوالے کر کے خود نڈھال سی کچن میں آکر فیڈر بنانے لگی۔ پھر کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک عفت جہاں کسی آندھی طوفان کی طرح دھاڑتی اس کے سر پر پہنچ گئیں۔

"آگ لگے تمہارے ان انگریزی طریقوں کو کم بخت بچی رو رو کر آدھی ہو گئی اور تو یہاں مگن کھڑی ہے لاکھ کہا اسے بازاری دودھ کا عادی نہ بنا۔ مگر تو کہاں سنتی ہے۔"

انہوں نے چیختے چلاتے ہوئے صوفیہ کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے۔

"اُفوہ آپا' آپ کیوں شور مچانے لگی ہیں۔ اس کے رونے سے کوئی قیامت تو نہیں ٹوٹ پڑی' بچے روتے رہتے ہیں۔" قدرے جھنجلاتے ہوئے انہیں جواب دیا اور دودھ چولہے پر رکھ کر فیڈر دھونے لگی۔ صوفیہ کے اس جواب نے گویا سلگتی کھولتی عفت جہاں کے سر سے پاؤں تک آگ لگا دی۔

"تیری یہ ہمت میرے آگے زبان چلاتی ہے کس بات کی اکڑ ہے۔ آج میں تیرا سارا غرور ساری پڑھائی لکھائی خاک میں ملا دوں گی۔ تیرے اس حسن کو ملیا میٹ نہ کر دوں میں۔" اور پھر اس سے پہلے کہ صوفیہ سنبھلتی نفرت کے شعلوں میں گھر کر عفت جہاں نے انتہائی بے رحمی اور حقارت سے آگ پر رکھا ابلتا کھولتا دودھ انتہائی سرعت سے اٹھا کر اس کے خوبصورت چہرے پر پھینک دیا۔ بے خبر صوفیہ کو یوں لگا جیسے سارا چہرہ تیزاب میں جھلسا دیا ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بے اختیار چیخیں مارتی گرتی پڑتی اپنے بیڈ روم کی طرف بھاگی۔

"خیر تو ہے پتر! کیا ہوا؟" اماں تاجاں جو روتی بسورتی مالا کو چپ کرا رہی تھیں صوفیہ کی ابتر حالت دیکھ کر حواس باختہ ہو گئیں۔

"تمہاری عفت جہاں نے مجھے جلا دیا ہے اماں! مار ڈالا ہے مجھے۔" وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ جلن اور تکلیف کی شدت لحہ بہ لحہ بڑھ رہی تھی۔

"ہائے میرے مولا۔۔۔ یہ بڑی بی بی نے کیا ظلم کر ڈالا۔ کیا بگاڑا تھا تو نے اس کا۔ میں موجو کو بلاتی ہوں۔ تجھے ابھی اس وقت ہسپتال لے جائے خان جی بھی گھر پر نہیں ہیں۔ اللہ تو رحم کر۔ کیسی سنگدل ہے بڑی بی بی۔"

تاجاں کی آنکھیں حیرت اور تاسف سے پھٹ گئی تھیں۔ وہ مالا کو جھولے میں ڈال کر دیوانہ وار کمرے میں چکر کاٹتی صوفیہ کو تھام کر بیڈ پر لے آئی جو درد اور جلن کی شدت سے نڈھال ہو رہی تھی۔ تاجاں واویلا مچاتی باہر مردان خانے کی طرف جانے لگی تو عفت جہاں نے بری طرح جھاڑ کر اس کے اٹھتے قدم وہیں روک دیے۔

شجاعت گردیزی رات گئے لوٹے تو وہ اس دوران اذیتوں کے پل صراط سے کئی بار گزر چکی تھی' خوبصورت اور دلکش چہرہ بڑے بڑے آبلوں سے بھر گیا تھا مگر وہ شاید بڑے صبر اور ضبط سے یہ اذیت یہ

تکلیف برداشت کیے صرف اس بے حس شخص کی منتظر تھی۔ جو اسے عزت کی چادر اوڑھا کر یہاں تک لایا تھا۔

"صوفیہ! چلو میں تمہیں ہاسپٹل لیے چلتا ہوں۔" شجاعت آتے ہی اس کا جلا ہوا چہرہ دیکھ کر گھبرا گئے۔

"نہیں یہ میرا پرابلم ہے۔ میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے جانا چاہتی ہوں شجاعت حسن گردیزی! تم جیسے بزدل اور بے حس مرد کے ساتھ میرا مزید نباہ نہیں ہو سکتا۔" اس نے انتہائی سرد لہجے میں شجاعت کو اپنے تلخ اور اٹل فیصلے سے آگاہ کیا۔

"بکواس مت کرو۔ احمق عورت گھر چھوڑنے کا مطلب جانتی ہو تم؟" وہ کڑک دار انداز میں گرجے۔

"ہاں مطلب جان کر ہی تو تم سے یہ مطالبہ کیا ہے۔ اس دوزخ میں مزید ایک منٹ' ایک لمحہ گزارنا میرے لیے عذاب ناک ہو گا گردیزی! میں اور تم اب ایک راستے کے مسافر نہیں بن سکتے۔ مجھے آزاد کر دو۔ اس قفس سے نجات دے دو۔"

اس نے دل کے زخم چھپاتے ہوئے بڑے اعتماد سے ششدر کھڑے شجاعت حسن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی خواہش کو دوہرایا۔

"سن لی۔ شجاعت حسن! اس حرافہ کی بکواس' ارے مجھے پہلے ہی شک تھا۔ یہ پڑھی لکھی لڑکیاں کبھی کسی ایک مرد کی ہو کر نہیں رہتیں۔ اور نہ گھر بسانا جانتی ہیں۔" عفت جہاں نے بھائی کو اکسایا۔

"آپ چپ رہیں آپا! یہ ہم دونوں کا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ جیسی سنگدل عورت کو بھلا کیا پتا رشتوں کی عزت کیسے کی جاتی ہے۔ انہیں کیا مقام اور حیثیت دی جاتی ہے۔ آپ تو بس حکم چلانا اور دوسروں کو اپنا غلام بنانا جانتی ہیں۔" صوفیہ نے انہیں لتاڑتے ہوئے دل کا غبار نکالا۔

"زیادہ زبان چلانے کی ضرورت نہیں۔ ناشکری لڑکی کیا تکلیف کیا دکھ ملا ہے تجھے یہاں اوقات سے بڑھ کر عیش مل گئے۔ پھر بھی ناخوش ہے تو۔" عفت جہاں نے آنکھیں نکالیں۔

"گھروں میں چھوٹے موٹے لڑائی جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔ صوفیہ! طلاق لینا شریف عورتوں کا شیوہ نہیں اور نہ ہمارے خاندان میں ایسے فیصلے کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تمہیں دنیا بھر کی آسائشیں ملی ہوئی ہیں۔ اور کیا چاہتی ہو؟"

شجاعت حسن نے رعونت بھرے انداز میں باز رکھنا چاہا تو وہ بپھر اٹھی۔

"یہ آسائشیں یہ راحتیں۔ یہ سکھ چین آپ کو مبارک ہوں شجاعت حسن! میں اب یہاں ایک پل بھی نہیں ٹھہر سکتی' میرے نزدیک اس دوزخ میں رہنے سے طلاق لینا زیادہ بہتر ہے۔ بہتر ہو گا تم مجھے چھوڑ دو ورنہ میں اپنے حقوق کی جنگ لڑنے کے لیے اس جلے ہوئے چہرے کے ساتھ کورٹ تک بھی جا سکتی ہوں۔"

وہ نگاہوں میں نفرتوں کے طوفان سمیٹے بڑی جرات سے اپنا مطالبہ دہرا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے شجو! اس حرافہ کو بے شک طلاق دے دے مگر اسے بتا دے مالا اس کے ساتھ نہیں جائے گی۔ وہ ہمارے پاس اس حویلی میں پروان چڑھے گی۔" عفت جہاں غرائی۔

"نہیں مالا کو آپ مجھ سے نہیں چھین سکتے۔" وہ بے اختیار جھولے میں سوئی مالا کی طرف بڑھی۔

"اپنے قدم یہیں روک لو صوفیہ بیگم! اگر آزادی چاہتی ہو تو اس کی قیمت بھی مالا کے روپ میں تمہیں ادا کرنی پڑے گی۔"

پھر اس نے کتنی منت سماجت کی۔ کتنے واسطے دیے مگر ان کا دل موم نہ ہو سکا۔ وہ چاہتی تو مالا کے حصول کے لیے قانون کو آواز دے سکتی تھی۔ مگر شجاعت گردیزی کی مالی اور سیاسی حیثیت کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ وہ بااختیار اور طاقت ور تھے حکومتی ایوانوں تک رسائی حاصل تھی۔ صوفیہ کو بخوبی علم تھا۔ بس اسے خدا پر یقین اور اعتبار تھا کہ جیون کے کسی موڑ پر وہ اسے ضرور ملے گی۔

گھر والے اس کا جلا ہوا بھیانک چہرہ اور ان کی زیادتیاں سن کر کھول اٹھے' ابا تو جیسے ڈھے گئے۔ سجاد بھائی سخت طیش میں تھے۔ ان کی اتنی پیاری اور محبت کرنے والی بہن کا جیون انہوں نے عذاب بنا دیا تھا۔ بھلا وہ کیسے معاف کر دیتے۔ انہیں صوفیہ کے فیصلے پر خوشی ہوئی تھی۔ ایسے عقوبت خانے میں سلگ سلگ کر مرنے سے آزادی حاصل کرنا اور صوفیہ کا یوں جرات مندانہ اقدام انہیں بہت پسند آیا تھا۔

پھر چہرے کا علاج کرانے کے دوران ہی یہ خوبصورت انکشاف اس کی روح کو سرشار کر گیا کہ وہ جیون کی اسی کٹھن راہ پر اکیلی نہیں چلے گی بلکہ اس کے دکھ بانٹنے والا ایک اور ننھا منا وجود بھی اس کے ساتھ ہو گا۔ اماں اور بھابھی کا خیال تھا وہ اس سے نجات پالے۔

مگر اس نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بلکہ اس نے سارے گھر والوں کو قسم دے دی کہ بچے کی آمد کا شجاعت گردیزی یا اس کے خاندان کے کسی فرد کو علم نہ ہو۔ وہ مالا کے بعد اسے نہیں کھونا چاہتی تھی۔ سب نے ہی اس کی خواہش پر سر جھکا دیا کہ اس کے دکھ ان سے پوشیدہ نہ تھے۔

اور پھر یوں ہوا کہ طلحہ کی پیدائش نے اس کے اندھیرے جیون میں اجالے کی کرنیں بکھیر دی تھیں گو کہ مالا سے بچھڑنے کے بعد اس کی حالت انتہائی ابتر ہو رہی تھی۔ سب اس کی حالت پر دن رات کڑھتے ابا تو بیٹی کے اجڑنے کا غم چند ماہ سے زیادہ نہ سہہ سکے اور جلد ہی خالق حقیقی سے جا ملے' اماں بھی بیمار رہنے لگی تھیں۔ بس بھابھی اور سجاد بھائی دن رات اس کی دل جوئی میں لگے رہتے۔ بھائی نے تو اسے اپنا کیریر بنانے کی اجازت دے دی تھی۔ ان کا نظریہ تھا وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو کر زیادہ اعتماد سے سر اٹھا کر جی سکے گی۔ بھابھی بھی ان کی ہم نوا تھیں اور یوں طلحہ کی پیدائش کے بعد ایک کامیاب وکیل خاتون بننے کے لیے ایل ایل بی میں ایڈمیشن لے لیا۔ طلحہ کو بھابھی نے سنبھال لیا' اور وہ پوری دل جمعی سے پڑھنے لگی۔

یوں وقت گزرنے کا پتا بھی نہ چلا۔ ان گزرے برسوں میں وہ اپنی تمام تر انا' خودداری سمیت پورے عزم اور ولولوں کے ساتھ معروف قانون دان بن گئیں۔ انہوں نے ہمیشہ ایسے مقدموں کی پیروی کی جس میں عورت کے ساتھ ظلم اور زیادتی ہوتی۔ اماں جان تھک کر خاموش ہو گئی تھیں' کہانی ختم ہو چکی تھی' صوفیہ آرا کی سسکیاں اس افسردہ اور کرب انگیز ماحول میں ان کی بے گناہی واضح کر رہی تھیں۔

وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ کتنی دیر مالا کے کچھ کہنے کچھ بولنے کی منتظر رہیں مگر جب اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا تو وہ تھکے تھکے بے جان قدموں سے باہر نکل گئیں۔ کاش وہ جاتے جاتے پلٹ کر ایک نگاہ اس چہرے پر ڈال لیتیں جو ان کے درد جان کو بڑی خاموشی سے اشک لٹا رہا تھا۔ اس کے بھیگتے لب انہیں صدا دینے کے لیے محض لرز کر رہ گئے تھے اور اس بے درد شب کو وہ پل پل اذیتوں پر گزارتے ہوئے سوچتی رہی۔

"ماما! میں نے آپ کے درد تو جان لیے مگر مجھے بتائیے میرے ان گزرے دکھوں کا حساب کون دے گا۔ لڑکپن سے لے کر شعور کی حدود کو چھونے تک مجھے لمحہ لمحہ یہی باور کرایا گیا کہ میں نے جس عورت کی کوکھ سے جنم لیا ہے وہ ایک آوارہ اور بدچلن عورت تھی جو رات کی بھیانک تاریکی میں اپنی ڈیڑھ سالہ روتی بلکتی بچی کو پالنے میں چھوڑ کر اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہوئی۔ اگر میری ماں کو مجھ سے محبت ہوتی تو وہ کبھی مجھے چھوڑ کر نہ جاتی۔ یہ طعنہ ساری عمر میرے اونچے شملے والا باپ بڑی بے رحمی سے مجھے دیتا رہا۔ مجھے عفت پھپھو اور وجاہت شاہ جیسے شیطان صفت انسان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود نئی دنیا بسالی۔ سیاست کے گورکھ دھندوں میں الجھ کر میرے روم روم میں تشنگی بھر دی۔

بس کبھی کبھار سلطانہ آنٹی کی مہربانیوں سے بابا اس کے ساتھ کھڑے کھڑے ملنے آجاتے یا پھر فون پر رسماً احوال پوچھ لیتے۔ سلطانہ آنٹی بھی پڑھی لکھی مگر انتہائی ہوشیار اور مفاد پرست خاتون تھیں۔ تاہم مالا

سے بہرحال انہیں کوئی پرخاش نہ تھی۔ اس کی ایک بڑی وجہ ان کا بے اولاد ہونا تھا مگر مالا ان سے بھی نالاں اور بدگمان رہتی تھی۔

"کاش ماما! میں اس تعلق سے بے خبر ہی رہتی۔ میں جو آپ سے' آپ کی ذات آپ کے وجود سے اس قدر بدظن اور نالاں تھی آپ کے خلاف نفرتوں کا زہر میرے اندر سمندر بن گیا تھا۔ آج ساری روح فرسا تلخ حقیقتیں جان کر میں مجرم سی بن گئی ہوں۔ اب یہ احساس جرم مجھے بے کل اور مضطرب کیے دے رہا ہے۔"

♥ ♡ ♡ ♥

چھٹی کے وقت کالج گیٹ سے باہر آتے ہوئے اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک آشنا سا اجنبی بندہ اسود علی کے روپ میں سفید سوزوکی لیے اس کا منتظر ہوگا۔

"آیئے مالا یہاں بیٹھیں۔" وہ جو قدرے گھبرائے انداز میں چار سو اپنی گاڑی تلاش کر رہی تھی۔ وہ بڑی بے تکلفی اور اپنائیت سے گاڑی ریورس کرکے اس کے قریب لے آیا۔

"آپ یہاں؟" مالا کی نگاہوں کے سامنے چند روز قبل کا وہ چہرہ گھوم گیا۔

"جی اسود علی! آپ کا فرسٹ کزن نام اور رشتے کی اہمیت سے تو آپ بخوبی واقف ہوں گی۔ آئیں پلیز میں آپ کو چھوڑ دوں گا۔" اس نے شائستگی کے ساتھ دروازہ کھولتے ہوئے فرنٹ سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں شکریہ۔" رسٹ واچ کو دیکھا' ڈیڑھ بج رہا تھا اور گاڑی کا کہیں نام و نشان نہ تھا' وہ یوں بھی آج بہت دنوں بعد کالج آئی تھی شجاعت حسن گردیزی اچانک دو دن میں پاکستان لوٹنے والے تھے۔ اس لیے اس کے بار بار اصرار پر عفت جہاں نے فی الحال گاؤں جانے کا پروگرام بدل دیا تھا' مالا آج ضد کرکے کالج آئی تھی۔

"آپ کی گاڑی میں نے واپس بھجوا دی ہے مالا! آپ کو مجبوراً" میرے ساتھ بیٹھنا پڑے گا۔" اس نے بڑے سکون سے دھماکا سا کیا۔

"وہاٹ؟ کس کی اجازت سے آپ نے ایسی حرکت کی؟" مالا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

"یہ کوئی ایسی معیوب بات نہیں مالا! میرا اور آپ کا رشتہ اجنبی نہیں اور اعتبار کریں۔ میں آپ کو آپ کی خوشی اور رضا کے بغیر ہرگز پھوپھو کے پاس جبراً" نہیں لے جاؤں گا۔ بس چند باتیں کرنے کے لیے آدھ گھنٹہ سے زیادہ نہیں لوں گا۔ اوکے۔"

اس کے تپتے تپتے چہرے پر ایک گہری نگاہ ڈال کر دوبارہ بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ مزید بحث کرنے کے بجائے خاموشی سے آکر اندر بیٹھ گئی۔

"تھینک یو کزن! آپ نے مجھے اعتماد دیا۔" اسود نے ممنون لہجے میں کہتے ہوئے گاڑی سیاہ سڑک پر ڈال دی۔

"ماما اور طلحہٰ کیسے ہیں؟" کتنے بے جان لمحے گزرنے کے بعد دل کے تقاضوں سے مجبور ہو کر خود ہی اس سکوت کو توڑ ڈالا۔

اسود نے چونک کر اس کے اپ سیٹ چہرے کو دیکھا پھر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تلخی سے بولا۔

"آپ کے خیال میں اس ماں کی کیا حالت ہوگی جیسے جیتے جی اولاد کی نفرت اور معاشرے کی زیادتیوں کے سوا کچھ نہ ملا ہو۔ ایسے لوگ تو مر مر کر جیتے ہیں مالا گردیزی۔"

اسود کے لہجے میں صوفیہ آرا کے دکھ بول رہے تھے۔

"آپ کو نہیں پتا اسود! میں نے یہ اتنے سارے برس کس آگ میں سلگ کر گزارے ہیں۔" اس کی آواز اچانک رندھ گئی تھی۔ خوبصورت آنکھیں پانیوں سے جھلملانے لگی تھیں۔ اسود لمحہ بھر کو ان پانیوں کے عکس میں ڈوب سا گیا۔

"آپ کا شکوہ بجا سہی مالا! مگر پھوپھو اس وقت بہت لاچار اور بے بس تھیں۔ ان کی پوزیشن اتنی مستحکم نہ تھی۔ جو وہ پیسے کے بل بوتے پر تمہیں جیت لیتیں' جب کہ شجاعت حسن گردیزی کے ایک اشارے پر

بہت کچھ ہو سکتا تھا۔"

"کیسی عجیب سی بات ہے اسود علی! بابا جان مجھے جیت کر بھی ہار گئے ساری عمر مجھے اپنی محبتوں کے لیے ترسایا اور اب۔" وہ زہرخند سی ہو کر چپ ہوگئی کہ اس کا فلیٹ آگیا تھا۔

"اور اب کیا سوچا ہے تم نے' کیا پھوپھو کو یوں ہی مایوس رکھو گی؟" گاڑی کو بریک لگاتے اسود نے سوالیہ نگاہیں اس پر ٹکائیں۔ جانے ان نگاہوں کی گہرائی میں کیا تھا۔ کہ ان کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کرکے وہ نروس سی ہو کر نیچے اترنے لگی۔

"پتہ نہیں یہ تو وقت بتائے گا اب تو مجھے بابا جان کی آمد کا انتظار ہے۔ فیصلہ ان کے آنے پر ہوگا۔" وہ بے تاثر انداز میں کہتی فرنٹ ڈور کھول کر بیگ کندھے پر ڈال کر نیچے اتر گئی۔

"مالا بات سنو۔" اسود نے بے اختیار ہی اسے آواز دے ڈالی وہ پلٹ کر کھڑکی میں جھکی۔

"جی فرمائیے۔" اس کا نازک سا دل جانے کیوں اتھل پتھل ہونے لگا تھا۔

"اگر تم چاہو تو وقت تمہارے دامن میں بہت کچھ ڈال سکتا ہے۔ پھوپھو کے پاس لوٹنے کا فیصلہ کرتے وقت یہ مت بھولنا کہ ان کے علاوہ کوئی اور بھی اپنے تمام تر صادق جذبوں سمیت تمہارا منتظر ہوگا۔ اوکے وش یو گڈ لک۔"

معنی خیز جملے میں بہت کچھ واضح تھا اور آنکھوں میں جلتی قندیلیں روشن تھیں۔ جن کے حصار میں گھر کر وہ سحر زدہ سی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔ شاید عفت جہاں نے اسے اسود کے ساتھ آتے دیکھ لیا تھا۔ تب ہی تو اس کے گھر میں قدم رکھتے ہی انہوں نے طوفان کھڑا کر دیا۔

"اچھا تو اب تیرے لچھن بھی اپنی ماں جیسے ہوگئے ہیں' پڑھائی کے بہانے یہ گل کھلاتی پھرتی ہے۔ ہماری اجازت کے بغیر اس غیر مرد کے ساتھ آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس لیے گاڑی واپس بھیج دی تھی۔" عفت پھوپھو اس پر برس پڑیں۔

”خدا کے لیے پھوپھو! مت اتنا شور مچائیں وہ کوئی غیر نہیں تھا۔ اسود علی تھا‘ میرا ماموں زاد۔“ مالا نے قدرے پرسکون ہو کر بلا خوف جتایا۔

”تیرے ماموں زاد کو یہاں تک آنے کی جرات کیسے ہوئی۔ اور تجھے شرم نہیں آتی باپ کی پگڑی یوں سڑکوں پر اچھالتی ہے مجھے پہلے ہی یقین تھا تیرے کرتوت بھی اپنی ماں جیسے ہوں گے۔“ عفت جہاں پھر رکیک الزامات پر اتر آئی تھیں اور وہ جیسے پوری جان سے سلگ اٹھی۔

”خبردار پھوپھو! جو اب کبھی میری ماں کے کردار پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں وہ کس کردار کی خاتون تھیں۔“

اس نے بلا جھجک ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دی تھیں۔ اس کا یہ انداز عفت جہاں کو دنگ کر گیا تھا۔

”ہونہہ! بہت اونچا اڑنے لگی ہے اب مجھے تیرے پر کاٹ کر قید کرنا ہی پڑے گا“ وہ بری طرح تلملا رہی تھیں۔

رات کو مالا دیر تک جاگتی رہی‘ کسی کی بولتی آنکھوں کا سحر بار بار ڈسٹرب کرتا رہا۔

اسے بابا جان کا انتظار تھا‘ کیا یہ خوبصورت خبر ان کے لیے خوشی کا باعث نہیں ہوگی کہ طلحہٰ کے روپ میں ان کا وارث دنیا میں موجود ہے۔ پتا نہیں وہ اسے قبول بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ مجھے ہمت اور جرات کے ساتھ ساری حقیقتیں بتانی ہوں گی۔ اس فیصلے سے آگاہ کرنا ہوگا اور اگر تب بھی بابا جان نہ مانے تو میں بلا خوف و خطر یہ گھر اور ان سب کو چھوڑ دوں گی۔ چاہے اس کڑے امتحان سے گزرتے ہوئے مجھے بابا جان کو بھی نہ کھونا پڑے۔

وہ خود سے عہد کرتے ہوئے بہت پر عزم ہو رہی تھی۔ آج شام ہی تو طلحہٰ نے فون پر اس سے کتنی ڈھیر ساری باتیں کی تھیں۔ اسے اپنی محبتوں اور بھرپور تحفظ کا کتنا یقین دلایا تھا۔ بار بار ماما کے پاس لوٹ آنے کی التجائیں کی تھیں اور وہ جانے کیوں اسے کوئی امید‘ کوئی تسلی دے کر مطمئن نہ کر سکی تھی۔

صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی۔ جب اماں تاجاں نے جگایا تو دن کے نو بج رہے تھے۔ گویا کالج جانے کا وقت نکل چکا تھا۔ یوں بھی آج اس کا جانے کا موڈ نہ تھا کہ شام کو شجاعت حسن گردیزی آ رہے تھے۔ اور وہ ہر صورت حال کے لیے خود کو تیار کیے ہوئے تھی۔ تب وہ ناشتے کے لیے ڈائننگ روم میں جاتے ہوئے عفت جہاں کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ٹھٹھک گئی شاید وجاہت لوٹ آیا تھا اور وہ عفت پھوپھو سے کسی بات پر الجھ رہا تھا۔

”بس اماں! میں نے کہہ دیا اب مزید ڈھیل نہیں ہوگی‘ پہلے ہی تیری نرمی نے اسے بہت بگاڑ دیا ہے۔ بڑی خود سر اور طرم خان بن گئی ہے۔“

وہ انتہائی گنوار پن کے ساتھ اس کے خلاف زہر اگل رہا تھا۔

”وجو! تیری تو مت ماری گئی ہے۔ کتنی بار کہا ہے کچھ دنوں کے لیے زبان اور مزاج کو قابو میں رکھ۔ تیرا ماما آجائے پھر دو بول پڑھوا کر یہ قصہ ہی ختم کر دوں گی۔“ عفت جہاں اس کا غصہ ٹھنڈا کرتے ہوئے وثوق سے کہہ رہی تھیں۔

”تجھے یقین ہے اماں! وہ تیرا بھائی سب کچھ مان لے گا۔ جب اسے پتا چلے گا کہ وارث کی شکل میں اس کا بیٹا اس دنیا میں موجود ہے تو وہ کبھی بھی ساری جائیداد میرے نام نہیں کرے گا۔ مجھے پہلے اس لڑکے کا بندوبست کرنا ہوگا۔“

وجاہت شاہ سخت مشتعل ہو گیا تھا۔ اس کی انتقامی سوچ نے مالا کو پوری جان سے لرزا دیا۔

”آہستہ بول پتر! اسے علم ہو گیا تو وقت سے پہلے قیامت کھڑی کر دے گی۔ کم بخت پوری اپنی ماں پر گئی ہے۔ میں نے سوچ لیا ہے شجاعت کو‘ اس وقت تک ہوا بھی نہیں لگنے دیں گے‘ جب تک تیرا مالا سے نکاح نہیں ہو جاتا اور اگر تو نے اس رکاوٹ کو دور ہی کرنا ہے تو اپنی کسی جاننے والے کے ذریعے یہ قدم اٹھانا‘ میں تو خود نہیں چاہتی شجاعت کے کسی ولی وارث کا اس جگ میں نام و نشان ہو‘ کروڑوں کی جائیداد اکارت گئی تو ساری عمر ملال رہے گا۔“

عفت جہاں کا شیطانی ذہن بہت دور کی سوچ رہا تھا۔

”تو فکر نہ کر اماں! میرے ہوتے ہوئے تیرے بھائی کی جائیداد کا مالک کوئی مائی کا لال نہیں بن سکتا۔ بس تو پہلے اس چالباز لڑکی کو قابو میں کر لے۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ اس نے خوفناک لہجے میں ماں کو تسلی دی تو وہ مزید کچھ نہ سن سکی۔ اپنے حواسوں کو سنبھالتی اندیشوں میں ڈوبے دل کے ساتھ خود کو مطمئن ظاہر کرتی‘ ناشتے کے لیے وہاں سے چلی آئی۔

شجاعت حسن گردیزی اور سلطانہ بیگم واپس آ چکے تھے‘ بظاہر ان کی آمد پر خوشی کا بھرپور اظہار کیا جا رہا تھا۔ سلطانہ آنٹی پہلے سے زیادہ فریش اور گریس فل دکھائی دے رہی تھیں۔ مالا سے وہ بڑی محبت سے پیش آئی تھیں۔ بابا جان نے بھی خلاف توقع بڑے چاؤ اور لگاوٹ سے اس کا احوال پوچھا تھا‘ مالا نے محسوس کیا تھا وہ عام دنوں کے مقابلے میں اس کی ذات کو بے حد اہمیت دے رہے تھے۔ صوفیہ آرا کے متعلق ابھی تک کوئی ذکر نہیں چھیڑا تھا۔ اور نہ ہی کسی نے اس موضوع پر بات کی تھی۔ پھوپھو اور وجاہت شاہ تو بس انتہائی چاپلوسی کے ساتھ خاطر مدارت میں بچھے جا رہے تھے۔ عفت جہاں ہمیشہ کی طرح سلطانہ بیگم کو یکسر نظر انداز کر کے بھائی کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں۔ مالا تو سب کچھ دیکھ کر ہونٹ چباتی رہی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اگلے روز وہ کالج سے لوٹی تو شجاعت حسن گردیزی نے اسے بلوا بھیجا۔ وہ پورے اعتماد کے ساتھ ان کے پاس چلی آئی‘ جہاں سب موجود تھے۔ تفاخر اور جیت کے نشے سے سرشار وجاہت شاہ‘ عفت جہاں اور چہرے پر گہری سنجیدگی لیے سلطانہ بیگم بھی وہیں تھیں۔

”جی بابا جان کوئی کام تھا؟“ اس نے کمرے میں ٹہلتے شجاعت گردیزی کو متوجہ کیا۔

”ہاں میں نے یہ بتانے کے لیے تمہیں بلوایا ہے کہ میں نے عفت آپا کی خواہش اور رضا پر کل شام تمہارا نکاح وجاہت سے کرنے کا فیصلہ کیا ہے مجھے یقین ہے تم اس فیصلے کو بخوشی قبول کر لو گی۔“ انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور اس کے وجود کی بنیادیں ہلا دیں۔

مالا نے بری طرح چونک کر باپ کو دیکھا۔

”سوری بابا جان! میں آپ کی طرح اپنی زندگی کی خوشیاں عفت پھوپھو کے غلط اور ناجائز فیصلوں پر قربان نہیں کر سکتی۔“ دوسرے ہی لمحے وہ بڑے واضح انداز میں انکار کر رہی تھی۔ اس کا انداز بے لچک اور بے خوف تھا۔ سلطانہ بیگم کے بیزار چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جب کہ عفت جہاں کی آنکھوں سے

شرارے نکلنے لگے تھے۔ وجاہت شاہ الگ پھنکارنے لگا تھا۔ اور شجاعت حسن گردیزی کی آنکھوں میں تو جیسے غیظ و غضب اتر آیا تھا۔

"مالا! تم ہماری ڈھیل اور نرمی سے ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ' تمہارا انکار ہماری توہین ہے۔ اور میں اچھی طرح جانتا ہوں تمہیں اس خود سری' اس بے باکی کا سبق کس عورت نے پڑھایا ہے۔" انہوں نے گرج کر کہا۔

"ارے یہ سارے سبق اس عورت نے سکھائے ہیں' مجھے پہلے ہی ڈر تھا اس کا آنا جانا یوں ہی شروع نہیں ہوا۔ دیکھ لے شجو! وہ ہماری خوشیوں کی کتنی بڑی دشمن ہے۔"

عفت جہاں نے واویلا مچانا شروع کر دیا۔

"خدا کے لیے عفت پھوپھو یہ ڈرامے بازی بند کریں اور خاموش ہو جائیں۔ مجھے اب تم مزید احمق نہیں بنا سکتیں۔ میں نے ساری اصلیت جان لی ہے۔ میرے باپ کی خوشیوں اور گھر اجاڑنے کی دشمن تم ہو صرف تم۔ میری ماں کو گھر سے نکلوایا' اور ساری عمر مجھے ماں کے مقدس وجود سے بدظن کرتی رہیں اور اب میرے معصوم بھائی کی جان لے کر ماں بیٹا میرے باپ کی جائیداد کے وارث بننا چاہتے ہو۔"

وہ پورے اعتماد کے ساتھ عفت جہاں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر' سارے راز فاش کرتی چلی گئی۔ اس کے چہرے پر کسی ڈر یا خوف کا شائبہ تک نہ تھا۔

"تمہارا بھائی؟ یہ کیا الٹی سیدھی ہانک رہی ہو۔" شجاعت حسن اور سلطانہ بیگم بوکھلا کر اس کی طرف لپکے۔

"ہاں طلحہٰ میرا بھائی' جسے ماں نے یہاں سے جانے کے بعد جنم دیا تھا' مگر اس ڈر سے چھپائے رکھا کہ کہیں آپ ان سے چھین نہ لیں۔ ہاں بابا جان آپ لاوارث نہیں ہیں۔ وجاہت شاہ اور آپ کی عفت آپا اسے مارنا چاہتے ہیں۔ آپ خدا کے لیے اسے بچا لیں۔" وہ باپ کے دونوں ہاتھ تھامے سسک پڑی۔

"طلحہٰ میرا بیٹا! میرا وارث۔" شجاعت حسن بے یقینی سے بڑبڑاتے ہوئے مارے خوشی کے بوکھلا سے گئے۔ سلطانہ آنٹی کا چہرہ بھی جگمگا اٹھا تھا۔

"بابا جانی! میں نے آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگا۔ مگر آج پہلی اور آخری بار میرے دامن میں ماما کی محبتیں ڈال دیں۔ مجھے ان کے پاس جانے دیں' مجھے ان کی بہت ضرورت ہے۔ وہ بھی میرے لیے بہت روئی اور تڑپی ہیں۔"

وہ ٹوٹے لہجے میں کہتی' انہیں گم صم چھوڑ کر روتے ہوئے اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔ جانے کتنے لمحے' کتنے پل گزر گئے۔ جب اچانک اس نے اپنے شانے پر کسی کے نرم ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا۔

"چندا تمہارے بابا جان مان گئے ہیں۔ چلو ہم تمہیں چھوڑ آتے ہیں۔ میں نے فون پر انہیں اطلاع کر دی ہے وہ سب تمہارے منتظر ہوں گے۔"

سلطانہ آنٹی کی محبتوں میں ڈوبی آواز روتی سسکتی مالا کو حیران کر گئی۔

"آپ...!" اس نے بھیگی آنکھوں کے سامنے حیرت سے پلٹ کر انہیں دیکھا" کبھی کبھی غلط فہمیاں انسان کو ایک دوسرے سے بدگمان کر دیتی ہیں۔ میں جانتی ہوں میں اب کبھی ماں نہیں بن سکتی مگر طلحہٰ اور تم مجھے ہمیشہ عزیز رہو گے۔ اچھا اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ اسود علی! تمہاری ماما سمیت بے قراری سے تمہاری راہ دیکھ رہا ہو گا۔"

اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے وہ شوخ ہو گئیں اور وہ اسود کے نام پر جھینپ سی گئی۔ چند لمحوں بعد وہ نگاہوں میں آنے والی خوشیوں کی جوت لیے شجاعت حسن اور سلطانہ بیگم کے ساتھ ان راستوں پر رواں دواں تھی۔ جہاں ماما کے علاوہ بھی کوئی اپنے تمام تر خلوص سمیت اس کا منتظر تھا۔

☆ ☆

سعادت مند بنو

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "کوئی جاندار نفس ایسا نہیں ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم دونوں میں جگہ نہ بنائی ہو اور اس کے لیے شقاوت (بدبختی) یا سعادت (نیک بختی) نہ لکھ دی ہو۔" عرض کیا گیا تو کیا ہم (تقدیر پر) بھروسہ نہ کر بیٹھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں' بلکہ) عمل کرتے رہو اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہ بیٹھو کیونکہ ہر شخص جس کام کے لیے پیدا ہوا ہے' اسی کی اس کو توفیق ہوتی ہے۔ پس سعادت مندوں کے لیے سعادت مندوں کے اعمال آسان کر دیے جاتے ہیں اور بدبختوں کے لیے بدبختوں کے اعمال آسان کر دیے جاتے ہیں۔" (لہٰذا انسان کو زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کر کے سعادت مندوں میں شمار ہونا چاہیے۔)

(کنزل العمال' جلد اول صفحہ 119)

حمیرہ مہتاب۔۔۔ کراچی

پانچ موقعوں پر عجلت کا حکم

شیر خدا حیدر کرار حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ' کے حوالے سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ "اپنے کاموں اور دیگر معاملات زندگی میں عجلت اختیار نہ کرو' اس لیے کہ از روئے قرآن حکیم جلدی کا کام شیطان کا کام ہے۔ البتہ پانچ مواقع ایسے ہیں کہ ان میں عجلت کا حکم ہے۔

1 ۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو نماز کی ادائیگی میں عجلت کرو۔

2 ۔ جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ و استغفار میں عجلت کرو۔

3 ۔ جب کوئی مہمان تمہارے گھر آئے تو اس کی تکریم اور ضیافت میں عجلت کرو۔

4 ۔ جب لڑکی سن بلوغ کو پہنچ جائے تو اس کی شادی میں عجلت کرو۔

5 ۔ جب کسی کی رحلت واقع ہو جائے تو اس کی تدفین میں عجلت کرو۔

فاطمہ۔ لاہور

ہوس

پہلی چیز جو انسان کے دل کو واقعی کھٹکھٹاتی ہے اور اس پر مکمل اعتماد کے ساتھ دستک دیتی ہے وہ ہوس ہے۔ اگر انسان شروع ہی میں اس دستک پر آنکھیں کھول کر اٹھ بیٹھے تو عمر بھر طرح طرح کے رت جگوں اور بے داریوں سے فیض یاب ہوتا رہتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو "جیسا کہ عموماً" نہیں ہوتا" تو پھر ہمیشہ کے لیے ہوس کے چکر میں پھنس جاتا ہے۔ ہوس کی ابتدائی آوازیں صور اسرافیل سے کم نہیں ہوتیں۔ کانوں تک پہنچ جائیں تو مردے زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل آتے ہیں۔ ہوس کی آواز صور اسرافیل کی آواز سے اس لیے مشابہت رکھتی ہے کہ یہ جلاتی بھی ہے اور مارتی بھی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صور اسرافیل پہلے موت کی نیند سلائے گا اور بعد میں زندہ کر دے گا اور ہوس پہلے زندہ کرتی ہے اور پھر موت کی نیند سلاتی ہے۔

(مشکور حسین یاد کی کتاب "جوہر اندیشہ" سے اقتباس)

روشن ہے زندگی

☆ موت کا عمل تو زندگی کے عمل کے ساتھ ہی

شروع ہو جاتا ہے بچپن تو بچپن ہی میں مرجاتا ہے جوانی ختم ہو جاتی ہے بینائی کے چراغ مدھم ہو جاتے ہیں انسان کی آنکھوں کے سامنے مانوس چہرے رخصت ہونا شروع ہو جاتے ہیں تاریخیں بدل جاتی ہیں آرزوئیں حسرتیں بن جاتی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ موت صرف سانس یا آنکھ کے بند ہو جانے کا نام ہے۔

☆ انسان ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا..... موسم بدلے تو ہواؤں کے رخ بدل جاتے ہیں انسان کی فطرت بھی کئی رنگوں میں رنگی ہوئی ہے۔

☆ کبھی کبھی نیکی بھی ایسے آتی ہے جیسے بارش! اور کبھی کبھی برائی ایک راستے کی طرح پاؤں کے نیچے آجاتی ہے.....

☆ آدمی دانا کیسے بنتا ہے کامیابی کیسے آتی ہے سکون کہاں سے ملتا ہے خوشی کہاں سے نازل ہوتی ہے راز کدھر سے دریافت ہوتا ہے بس ایسے ہی جیسے آدمی انسان بنتا ہے۔

☆ حال کے لمحے کو پہچاننے والے دنیا میں آنے والے زمانوں کو جاننے والے ہوتے ہیں۔

☆ فنا کی بستی میں بقا کے مسافر مجبوریوں سے آزاد کردیے جاتے ہیں وہ اپنے وجود سے نکلیں تو چاہنے والوں کے دل میں یاد بن کر ہمیشہ کے لیے موجود رہتے ہیں۔

☆ انسان کے کردار کا اس کے گرد جمع ہونے والے چہروں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چہرہ ہی کردار، مرتبہ، شخص کی اصل وردی ہے چہرے پر سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے مسافر کے سفر کی صعوبتیں گزرا ہوا زمانہ اور آنکھوں سے بہنے والے آنسو چہرے پہ بہت کچھ مرتسم کر جاتے ہیں لیکن دیکھنے والی آنکھ چاہیے جو پہچان رکھنے والے پہ سب عیاں کردے۔

☆ دریا عبور کرنے کے لیے کشتی ضرور سبب ہے مگر گرداب سے نکلنے کے لیے دعا کا سفینہ چاہیے۔
عمل، عمل کے تابع نہ ہو تو علم، علم کے مطابق نہیں رہتا۔ (واصف علی واصف)

درثمن..... سرگودھا

ستم کا پھول

محبت کی امر بیل میں ہمیشہ ستم کے پھول کھلتے ہیں۔ ستم کا پھول، جس کی پنکھڑیوں پر تاسف کے آنسو منجمد ہوتے ہیں اور جس کی مخملیں جلد سے جدائی کی خوشبو آتی ہے..... ستم کے پھول کی کہانی سنی ہے، کبھی تم نے.....؟ یہ تو دکھ کے پھول کی داستان ہے۔ ایک ایسا پھول، جس میں محبت کا مدفن ہوتا ہے..... دیوتا اپولو اور وینس کی محبت بادام کے شگوفوں کی طرح معطر، نازک، مگر ہر خوب صورت چیز، تمام خوب صورت لمحے صرف چند روزہ کیوں ہوتے ہیں.....“

وینس کی قبر پر اپالو کے اتنے آنسو گرے کہ اک دن اس میں سے اک پودے نے سر نکالا اور اس میں ایک پھول کھلا ارغوانی رنگ کا، یہ ستم کا پھول تھا۔ ستم کا پھول، پچھتاوے کا پھول، محبت کا مدفن اس کی ہر ایک پنکھڑی پر لکھا ہوتا ہے..... ”افسوس صد افسوس“
(بانو قدسیہ کی امر بیل سے اقتباس)

ثمر شریف..... سندھ

امید سحر رکھتے ہیں

اس کے باوصف کہ ہر سمت اندھیرا ہے محیط
ہم ہیں وہ لوگ جو امید سحر رکھتے ہیں
ہم خطاوار زمانہ ہیں فرشتہ تو نہیں
ہیں زیاں کار کہ اوصاف بشر رکھتے ہیں

فوزیہ ثمروٹ..... گجرات

میرا دل

☆ میرے دل نے کہا کہ میں ان چیزوں سے محبت کروں جن سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور ان لوگوں سے دوستی پیدا کروں جنہیں دنیا ملامت کرتی ہے۔

☆ میرے دل نے مجھ پر یہ حقیقت واضح کردی کہ محبت صرف عاشق کا مرتبہ ہی نہیں بڑھاتی بلکہ محبوب کی قدر و منزلت میں بھی اضافہ کرتی ہے۔

☆ میرے دل نے مجھے نصیحت کی کہ صورت و رنگ کے پردوں میں حسن کو تلاش کروں، ہاں میرے دل نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں ہر اس چیز پر اپنی نگاہیں جمادوں جو بد نما خیال کی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ خوب صورت نظر آنے لگیں۔

☆ میرے دل نے کہا کہ میں ایک نادیدہ چیز کی تلاش کروں اور اس نے مجھے بتایا کہ ہم جس چیز کو اپنے قبضے میں لانا چاہتے ہیں اس سے ہم محبت کرتے ہیں۔

☆ میرے دل نے مجھے کہا کہ نہ میں بونوں سے زیادہ قد آور ہوں اور نہ دیووں سے زیادہ پست۔ اس سے پہلے مجھے نوع انسانی دو گروہوں میں دکھائی دیتی تھی ایک ناتواں۔ جسے میں حقارت سے دیکھتا تھا اور ان پر ترس کھاتا تھا اور دوسرے طاقتور..... جن کی یا تو اطاعت کرتا تھا یا ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا تھا۔ لیکن اب میں جانتا ہوں کہ میں بھی اسی مٹی سے بنا ہوں جس سے دوسرے لوگ بنے ہیں۔ میرا ضمیر ان کا ضمیر ہے۔ اگر وہ نیکی کا کام کرتے ہیں تو میں بھی اس نیکی میں ان کا شریک ہوں۔
(اقتباس از کلیات خلیل جبران)

انیقہ انا..... چکوال

خاموشی

٭ اگر ہم زبان کی پھیلائی ہوئی مصیبتوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ خاموشی کتنی راحت ہے۔

٭ آواز انسان کو دوسروں سے متعلق کرتی ہے اور خاموشی انسان کو دوسروں سے متعارف کرتی ہے۔

٭ زندگی سراپا اور سربستہ راز ہے اور راز ہمیشہ خاموش ہوتا ہے۔ اگر خاموش نہ ہو تو راز نہیں رہتا۔
باطن کا سفر، اندرون بینی کا سفر، من کی دنیا کا سفر، دل کی گہرائیوں کا سفر، راز ہستی کا سفر، دیدہ وری کا سفر، چشم بینا کا سفر، حق بینی کا سفر اور حق یابی کا سفر، خاموشی کا سفر ہے۔

٭ خاموش انسان خاموش پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں۔

مریم عزیز۔ کراچی

اقوال زریں

○ کسی بھی حالت میں اپنے حوصلے کو مت گراؤ۔ کیونکہ لوگ گرے ہوئے مکان کی اینٹیں تک اٹھا کے لے جاتے ہیں۔

○ خاموشی ایک ایسا پردہ ہے، جس کے پیچھے لیاقت بھی ہو سکتی ہے حماقت بھی۔

○ یہ دنیا مکافات عمل کا نام ہے۔ پس تم اگر کسی کی راہ میں پتھر ہو گئے تو آنے والا وقت تمہاری راہ میں پہاڑ بن جائے گا۔

فوزیہ ثمروٹ ..... گجرات

شکر

کسی نے بوعلی سینا سے پوچھا۔
”دن کیسے گزر رہے ہیں؟“ جواب دیا۔
”اللہ کی رحمتیں گناہگار ہونے کے باوجود مجھ پر برس رہی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس بات پر اس کا شکر ادا کروں کثرت نعمت پر یا اپنے بے اندازہ عیبوں کی پردہ پوشی پر۔“

نازیہ ثمروٹ ..... گجرات

یوں ہوتا ہے.....

کب درد کے ماروں کو سکون ہوتا ہے صاحب؟
جب عشق نہیں ہوتا تو جنون ہوتا ہے صاحب
یہ عشق جو اپنا ہمیں ہونے نہیں دیتا!
یہ عشق بھی ہوتا ہے تو کیوں ہوتا ہے صاحب؟
ہر شام چراغوں کی طرح جلتی ہیں آنکھیں
کیا کوئی چلا جائے تو یوں ہوتا ہے صاحب؟

نوشین اقبال۔ گاؤں بدر مرجان

بشریٰ محمود

صبا، کی ڈائری میں تحریر

_____ فیض احمد فیض کی غزل

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے سے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

حدیث یار کے عنوان نکھرنے لگتے ہیں
تو ہر حریم میں گیسو سنورنے لگتے ہیں

ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے
جواب بھی تیری گلی سے گذرنے لگتے ہیں

صبا سے کرتے ہیں غربت نصیب ذکر وطن
تو چشم صبح میں آنسو اُبھرنے لگتے ہیں

وہ جب بھی کرتے ہیں اس نطق و لب کی بخیہ گری
فضا میں اور بھی نغمے بکھرنے لگتے ہیں

در قفس پہ اندھیرے کی مہر لگتی ہے
تو فیض دل میں ستارے اُترنے لگتے ہیں

_____

راشدہ مریم، کی ڈائری میں تحریر

_____ اختر شیرانی کی نظم

اے عشق ہمیں برباد نہ کر،

اے عشق ہمیں برباد نہ کر، ہم بھولے ہوؤں کو یاد
نہ کر
پہلے ہی بہت ناد شاد ہیں ہم، تو اور ہمیں ناشاد نہ کر

قسمت کا ستم ہی کم تو نہیں، یہ تازہ ستم ایجاد نہ کر
یوں ظلم نہ کر بے داد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
جس دن سے ملے ہیں دونوں کا سب چین گیا آرام گیا
چہروں سے بہار صبح گئی آنکھوں سے فروغ شام گیا
ہاتھوں سے خوشی کا جام چھٹا، ہونٹوں سے ہنسی کا نام گیا

غمگین نہ بنا ناشاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
وہ راز ہے یہ غم، آہ جسے پا جائے کوئی تو خیر نہیں
آنکھوں سے جب آنسو بہتے ہیں آ جائے کوئی تو خیر
نہیں
ظالم ہے یہ دُنیا دل کو یہاں بھا جائے کوئی تو
خیر نہیں
ہے ظلم مگر فریاد نہ کر
اے عشق ہمیں نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

_____ قتیل شفائی کی غزل

طاہرہ عمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر

تم پوچھو اور میں نہ بتاؤں ایسے تو حالات نہیں
ایک ذرا سا دل ٹوٹا ہے اور تو کوئی بات نہیں

کس کو خبر تھی سانولے بادل بن برسے اُڑ جائیں گے
ساون آیا لیکن اپنی قسمت میں برسات نہیں

ٹوٹ گیا جب دل تو پھر یہ سانس کا نغمہ کیا معنی
گونج رہی ہے کیوں شہنائی جب کوئی بارات نہیں

غم کے اندھیرے میں تجھ کو اپنا ساتھی کیوں سمجھوں
تو پھر تو ہے میرا تو سایہ بھی میرے ساتھ نہیں

مانا جیون میں عورت اک بار محبت کرتی ہے
لیکن مجھ کو یہ تو بتا دے کیا تو عورت ذات نہیں

ختم ہوا میرا افسانہ اب یہ آنسو پونچھ بھی لو
جس میں کوئی تارا چمکے آج کی رات وہ رات نہیں

میرے غمگین ہونے پر احباب ہیں یوں حیران قتیل
جیسے میں پتھر ہوں میرے سینے میں جذبات نہیں

_____

فرزانہ، کی ڈائری میں تحریر

_____ ادا جعفری کی نظم

وہ لمحہ جو میرا تھا،

اک دن
تم نے مجھ سے کہا تھا
دھوپ کڑی ہے
اپنا سایا ساتھ ہی رکھنا
وقت کے ترکش میں جو تیر تھے کھل کر برسے ہیں
زرد ہوا کے پتھریلے جھونکوں سے
جسم کہاں چھپی گھائل ہے
دھوپ کا جنگل، پیاس کا دریا
ایسے میں آنسو کی اک اک بوند کو
انساں ترسے ہیں
تم نے مجھ سے کہا تھا
سمے کی بہتی ندی میں
لمحے کی پہچان بھی رکھنا
میرے دل میں جھانک کے دیکھو
دیکھو ساتوں رنگ کا پھول کھلا ہے
وہ لمحہ جو میرا تھا وہ میرا ہے

وقت کے پیکاں بے تنک تن پر آن لگے
دیکھو اس لمحے سے کتنا گہرا رشتہ ہے
خوشبو بند دریچے کھول رہی ہے
چاندنی راتوں سا موسم بھی
کلیاں بھی ہیں، شبنم بھی
یہ سب میرے اپنے ہیں
اور ہر آئینے میں تم ہو

_____

سیدہ امبر ہاشمی، کی ڈائری میں تحریر

_____ افتخار عارف کی غزل

ہو گئے جوان بچے، بوڑھی ہو رہی ہے ماں
بے خواب آنکھوں میں چراغ ہو رہی ہے ماں

روٹی اپنے حصے کی دے کر اپنے بچوں کو
صبر کی ردا اوڑھے بھوکی سو رہی ہے ماں

سانس کی مریضہ ہے پھر بھی ٹھنڈے پانی میں
اتنی سخت سردی میں کپڑے دھو رہی ہے ماں

غیر کی شکایت پر، کبھی کسی شرارت پر
مجھ کو مار کر عارف خود بھی رو رہی ہے ماں

روکتی تھی مجھ کو کھیلنے سے جس مٹی میں
آج اسی مٹی کو اوڑھے سو رہی ہے ماں

_____

ماڈل _____	عظمیٰ
میک اپ _____	روز بیوٹی پارلر
ٹرانسپیرنسی _____	موسیٰ رضا

شگفتہ سلیمان

بشریٰ آصف ــــــ لاہور
تاروں کا گو شمار میں آنا محال ہے
لیکن کسی کو نیند نہ آئے تو کیا کرے

ماہ نور علی ــــــ کراچی
تمام عمر کی بیداریاں بھی سہہ لیں گے
ملی ہے چھاؤں تو بس ایک نیند سو لیں آج

ناصرہ ــــــ شورکوٹ
کچھ ایسی بھی گزری تھیں تیرے ہجر کی راتیں
دل درد سے خالی ہو مگر نیند نہ آئے

کرن شبیر ــــــ کراچی
ہم رہا ہونے کو تھے جب خواہشوں کی قید سے
اس کو نیند اچھی تو مجھ کو رت جگا اچھا لگا

آسیہ جاوید ــــــ کراچی
نیند تو درد کے بستر پہ بھی آ سکتی ہے
ان کی آغوش میں سر ہو یہ ضروری تو نہیں

اقرا جبیں ــــــ سیالکوٹ
بھول کر ذات تم کو یاد کیا
بات بے بات تم کو یاد کیا
نیند ناراض ہو گئی ہم سے
ہم نے جس رات تم کو یاد کیا

صدف عمران ــــــ کراچی
گردش دوراں، زمانے کی نظر، آنکھوں کی نیند
کتنے دشمن اک رسم دوستی سے ہو گئے

نادیہ ــــــ گجرات
گزرتے ہیں یہ لمحے خاموشی سے
مگر ایسے کہ نیندیں ہی اڑا دیں

عظمیٰ خان ــــــ کراچی
برسات کے موسم سے تجھے پیار بہت تھا
اب دیکھ لے آ کر میری بھیگی ہوئی آنکھیں

ندا، فضہ ــــــ کراچی
بدن میں آگ لگی ہے اور آنکھ روتی ہے
کہیں پہ دھوپ کہیں بارشوں کا موسم ہے

مہر النساء ــــــ ہری پور ہزارہ
رفاقتوں کے نئے خواب خوشنما ہیں مگر
گزر چکا ہے ترے اعتبار کا موسم

افشاں ــــــ کراچی
رتوں کا قاعدہ ہے یہ وقت پہ آتی جاتی ہیں
ہمارے شہر میں کیوں رک گیا فریاد کا موسم
نہ کوئی غم خزاں کا ہے نہ خواہش ہے بہاروں کی
ہمارے ساتھ ہے امجد کسی کی یاد کا موسم

عنبر بتی ــــــ کراچی
ابھی تو خشک ہے موسم بارش ہو تو سوچیں گے
کہ ہم نے اپنے ارمانوں کو کس مٹی میں بونا ہے

عائشہ ــــــ گوجرہ
آنکھ تازہ منظروں کی آس میں کھو جائے گی
دل پرانے موسموں کو ڈھونڈ تا رہ جائے گا

زبیدہ ریاض ــــــ کراچی
نیا موسم میری بینائی کو تسلیم نہیں
مری آنکھوں کو وہی خواب پرانا لا دے

اقصیٰ ناصر ــــــ کراچی
تمہاری یاد کے موسم بھی رخ بدلنے لگے
ہوا تھمی ہے تو بارش کے تیر چلنے لگے

عظمیٰ غلام نبی ــــــ کراچی
کتنا نازک ہے وہ پری پیکر
جس کا جگنو سے ہاتھ جل جائے
خشک پیڑوں کی تالیاں سن کر
زرد موسم نہ پھر بدل جائے

رضیہ طاہر ــــــ کراچی
ہم نے تو پھونک پھونک کر رکھا قدم مگر
موسم ہی میرے شہر میں رسوائیوں کا تھا

آسیہ جاوید ــــــ علی پور چٹھہ
سجدہ آدم کو ملائک نے کیا روز ازل
ہیں فرشتوں سے سوا مرتبے انسانوں کے

نمرہ، اقرا ــــــ کراچی
رزق، ملبوس، سانس، مرض، قرض، دوا
منقسم ہو گیا انسان انہی افکار کے بیچ

عذرا ناصر ــــــ کراچی
ڈھل چکا عہد جوانی تو ترا پیار ملا
ہم سے کھنڈرات میں انسان بسائے نہ گئے

ماہ نور علی ــــــ اورنگی ٹاؤن
کیا ہوا یہ تری آنکھوں میں نمی کیسی ہے
سامنے میں ہوں کوئی کرب کا منظر تو نہیں
تو جس انداز سے گزرا ہے مرے پہلو سے
سوچتا ہوتا ہیں انسان ہوں پتھر تو نہیں

رضیہ طاہر ــــــ کراچی
یہ کون سی جدت ہے یہ کیسی ترقی ہے
انسان ہی انسان کو مخلوق دگر سمجھے

صدف عمران ــــــ کے ڈی اے
اپنی ہستی کا بھی انسان کو عرفان نہ ہوا
خاک پھر خاک تھی اوقات سے آگے نہ بڑھی

صائمہ یحییٰ ــــــ کراچی
انسان کی خواہشوں کی کوئی انتہا نہیں
دو گز زمین بھی چاہیے دو گز کفن کے بعد

سعدیہ سلیم ــــــ کراچی
میرے اندر کا تو انسان ابھی زندہ ہے
جھوٹ بولوں گا تو سولی پہ چڑھا دے گا مجھے

فرزانہ، رضوانہ ــــــ اسلام آباد
انسان کی پہلی موت وگی قدرتی نہ تھی
انساں کے منہ سے خون ہے جب کا لگا ہوا

نوشین اقبال نوشی ــــــ گاؤں بدو مرجان
برباد ہوا ہوں تو نہیں دوش کسی کا
میں نے دل کم فہم کی مانی ہی بہت ہے
تم سایہ دیوار میں جا کر کہیں بیٹھو
میں نے تو ابھی دھوپ کمائی ہی بہت ہے

عارفہ ــــــ لاہور
توڑ دی ہر آس کی ڈوری آسوں میں کیا رکھا ہے
قسمت میں جو لکھا ہے وہ آخر ہو کر رہنا ہے
عشق محبت باتیں ہیں سب ان باتوں میں کیا رکھا ہے
چند لکیریں الجھی سی اور ہاتھوں میں کیا رکھا ہے

ام ہانی ــــــ کراچی
بستی میں ہے وہ سناٹا جنگل مات لگے
شام ڈھلے جب گھر پہنچوں تو آدھی رات لگے
خط میں دل کی باتیں لکھنا اچھی بات نہیں
گھر میں کتنے لوگ ہیں جانے کس کے ہاتھ لگے

زاہدہ انجم ــــــ ملتان
خود سے روٹھوں تو کئی روز نہ خود سے بولوں
پھر کسی درد کی دیوار سے لگ کر رو لوں
تو سمندر ہے تو پھر اپنی سخاوت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں پیاس کا دامن کھولوں

رومیہ ــــــ کراچی
یوں بھی نہیں کہ شہر کو ویران چھوڑ آئے
لوگوں میں اس سے عشق کا امکان چھوڑ آئے
لہجے کے بعد اب وہ بدلتا نگاہ بھی
رستہ بدل کر ہم اسے حیران چھوڑ آئے

قمر ناز ــــــ کورنگی
میں اس کو جانتا ہوں وہ جس کا نصیب ہے
کیسے اسے بتاؤں مجھے کیا نہیں ملا
وہ بھی بہت اکیلا ہے شاید میری طرح
اس کو بھی کوئی چاہنے والا نہیں ملا

سمیرا عبدالغنی بٹ ــــــ دریجیف لودھرے
تمہاری آنکھ سے دل تک کا سفر کرنا ہے ہم کو
یہ کتنی خوبصورت منزلوں کا راستہ ہو گا

نوشین اقبال نوشی ــــــ گاؤں بدو مرجان
اگر وہ کرتا دعائیں سچے دل سے
چل نہ پڑتیں رکتی ہوئی سانسیں

یاسمین ظفر ــــــ لاہور
یہ جو ہم ہیں نا احساس میں جلتے ہوئے لوگ
ہم زمیں زاد نہ ہوتے تو ستارے ہوتے

خالدہ جیلانی

میسی روٹی آم کی چٹنی کے ساتھ

اجزا :

مسور کی دال	1/2 کپ
چنے کی دال	1/2 کپ
ماش کی چھلکوں والی دال	1/2 کپ
مونگ کی چھلکوں والی دال	1/2 کپ
گندم کا آٹا	2 کپ
پیاز (درمیانے سائز کی)	2 عدد
ہری مرچیں	8 عدد
انار دانہ (پسا ہوا)	2 کھانے کے چمچے
اجوائن	1 چائے کا چمچہ
پودینہ و ہرا دھنیا (کترا ہوا)	حسب پسند
گرم مسالا پاؤڈر	1 کھانے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
بناسپتی گھی (تلنے کے لیے)	حسب ضرورت

اجزاء برائے آم کی چٹنی :

آم کچے پکے	3 عدد
سفید زیرہ پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچہ
کلونجی	1/2 چائے کا چمچہ
تیل	2 کھانے کے چمچے
شکر	4 کھانے کے چمچے
نمک، سرخ مرچ (کٹی ہوئی)	حسب ذائقہ

ترکیب :

ایک برتن میں چنے، ماش اور مونگ کی دال تقریباً ایک لیٹر پانی (4 کپ) میں ڈال کر گلنے کے لیے چولہے پر رکھ دیں۔ جب دالیں گلنے کے قریب ہوں تو ان میں مسور کی دال بھی شامل کر دیں اور اچھی طرح گل جانے پر پانی مکمل خشک کر کے دالوں کو گرائنڈر میں ڈال کر پیس لیں۔ اب دالوں کے آمیزے میں چوخانے کٹی ہوئی پیاز اور باریک کتری ہوئی ہری مرچیں شامل کر لیں۔ انار دانہ، اجوائن، پودینہ، ہرا دھنیا، گرم مسالا پاؤڈر، انڈے، نمک، 1/2 کپ گھی شامل کر کے آٹے میں گوندھ لیں۔ آٹا دودھ سے گوندھا جائے تاکہ نرم گوندھے۔ اب اس آٹے کے پیڑے بنا کر روٹی کو بیل لیں اور توے پہ ڈال کر پراٹھوں کی طرح فرائی کر لیں۔

ترکیب برائے آم کی چٹنی :

آم کے لمبے ٹکڑے کاٹ لیں۔ برتن میں تیل گرم کر کے اس میں کلونجی ڈال کر کڑکڑائیں۔ کچھ دیر بعد اس میں آم کے ٹکڑے، نمک، زیرہ پاؤڈر اور کٹی ہوئی سرخ مرچ ڈال کر تھوڑی دیر تک بھونیں۔ آمیزہ جب خوب پکنے لگے تو اس میں شکر ڈال کر پانی خشک ہونے تک پکائیں۔ آم کی چٹنی تیار ہے۔ ٹھنڈی ہو جانے پر پیش کرنے والے برتن میں نکال لیں اور گرما گرم میسی روٹی کے ساتھ تناول فرمائیں۔

چکن بالٹی دال

اجزا :

چنے کی دال	آدھا کلو
مرغی (ہڈی کے بغیر)	آدھا کلو
ہری پیاز (چوپ ہوئی)	2 عدد
ثابت مرچیں (بڑا سائز)	8 عدد
کڑھی پتا	4 عدد

رائی	1 چائے کا چمچہ
ٹماٹر (کٹے ہوئے)	2 عدد
سرخ مرچ پاؤڈر	1 چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	1 چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	حسب پسند
نمک	حسب ذائقہ
تیل	5 کھانے کے چمچے

ترکیب :

دال صاف کر کے اچھی طرح دھو کر پتیلی میں ڈال کر ابالیں۔ ابال آجانے پر آنچ کم کر کے دال کو اتنا پکائیں کہ گل جائے لیکن ثابت رہے۔ گل جانے پر دال کو ایک الگ پیالے میں نکال کر رکھ لیں۔ ایک برتن کو اچھی طرح گرم کر کے اس میں تیل ڈال دیں اچھی طرح گرم ہو جانے پر اس میں ہری پیاز، ثابت مرچیں، کڑھی پتا اور رائی ڈال کر 3-2 منٹ تک بھونیں۔ اس کے بعد اس میں ٹماٹر، سرخ مرچ، دھنیا پاؤڈر، گوشت اور نمک شامل کر کے 10-7 منٹ تک اور بھوننے کے بعد دال شامل کر کے 10-8 منٹ اور پکائیں۔ گوشت گل جائے اور دال میں اچھی طرح مکس ہو جائے تو پیش کرنے والے برتن میں نکال کر اوپر ہرا دھنیا کی سجاوٹ کر دیں۔ اسے پراٹھوں کے ساتھ گرم گرم تناول فرمائیں۔

کوفتہ چنے

اجزا :

قیمہ (روکھا)	1/2 کلو
ہری مرچیں	5-4 عدد
پیاز (چھوٹی)	1 عدد
گرم مسالا پاؤڈر	1 چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	1 چائے کا چمچہ
زیرہ پاؤڈر	1 چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

قیمہ، ہری مرچیں، پیاز، گرم مسالا، انڈا، دھنیا پاؤڈر، زیرہ پاؤڈر اور نمک ڈال کر باریک پیس کر آمیزے کے کوفتے بنا لیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے کوفتے اس میں تل لیں اور الگ رکھ لیں۔

اجزاء برائے چنا سالن :

چنے ابلے ہوئے	ایک پاؤ
پسا ہوا ادرک لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
کٹی لال مرچیں	ایک کھانے کا چمچہ
پسا ہوا گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
پسا ہوا دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
پسا ہوا زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد
ٹماٹر	تین عدد
ادرک	ایک درمیانہ ٹکڑا
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک کپ

ایک پتیلی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز کو ہلکا سنہری کر لیں۔ اس کے بعد پسا ہوا ادرک لہسن ڈال کر

بھونیں کچھ دیر بعد ٹماٹر' کٹی لال مرچ' پسا ہوا دھنیا اور زیرہ شامل کردیں جب مسالا بھن جائے تو چنے شامل کردیں اور ساتھ ہی سبز الائچی اور نمک بھی ڈال دیں۔ 7-5 منٹ پکانے کے بعد احتیاط سے کوفتے بھی شامل کردیں۔ ڈیڑھ سے 2 کپ پانی ڈال کر ڈھکن بند کر کے پکائیں تیل اوپر آجانے کی صورت میں ہری مرچیں اور پسا ہوا گرم مسالا ڈال کر ہلکی آنچ میں دم پر لگا دیں مزے دار کوفتہ چنے تیار ہیں۔ پیش کی جانے والی ڈش میں نکال کر ہرا دھنیا اور باریک کٹی ہوئی ادرک کی سجاوٹ کے ساتھ نان سے تناول فرمائیں۔

عربی بریانی

اجزا :

چاول	ایک کلو (بھگو دیں)
چنے کی دال	ایک پاؤ (ابال لیں)
پیاز	ایک کلو (کتر لیں)
لہسن	دو پوتھی (پسی ہوئی)
ادرک	دو چائے کے چمچے
ہلدی	دو چائے کے چمچے
خشک لیموں	چھ عدد (ٹکڑے کرلیں)
گوشت	دو کلو (ابال لیں)
ٹماٹر	ڈیڑھ کلو (کٹے ہوئے)
آلو	آدھا کلو (کاٹ لیں)
دار چینی	تین ٹکڑے (درمیانے)
سرخ مرچ	دو چائے کے چمچے
گھی	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
بادام	دس عدد (تل لیں)
کشمش	تین چائے کے چمچے

گوشت میں آدھا چمچی' نمک' ہلدی اور لیموں ڈال کر اتنے پانی میں چڑھائیے کہ گوشت گل بھی جائے اور چاولوں کے لیے یخنی بھی بچے۔ گوشت جب پکنے لگے تو لیموں کے ٹکڑے نکال لیں۔ گوشت گل جائے تو ہلکا سا تل لیں اور ایک پاؤ حصہ کے ریشے ریشے کر لیں۔ گھی میں پیاز سنہری کرنے کے بعد سارا اکٹھا اور پسا ہوا مسالا ڈال کر بھون لیں اور بھونے ہوئے مسالے کا آدھا حصہ نکال کر گوشت میں ملا لیں۔ باقی مسالے میں چاول' دال' ریشہ ہوا گوشت' ٹماٹر' آلو اور یخنی ڈال کر دھیمی آنچ پر پکائیں۔ چاول گل جائیں تو میوہ جات تل کر شامل کرکے باقی بچے ہوئے گوشت کو اوپر سے جما دیں دس پندرہ منٹ کے دم کے بعد پیش کی جانے والی ڈش میں نکال کر گرم گرم تناول فرمائیں۔

ہرے مسالے والی چکن

اجزا :

چکن	ایک عدد (دو کلو)
ہرا دھنیا	تین گٹھی
ہری مرچیں	حسب ذائقہ و پسند
لہسن	چھلا ہوا آٹھ جوئے

(ہرا دھنیا' ہری مرچیں اور لہسن کو ملا کر چٹنی پیس لیں)

دہی	ایک پیالی
ادرک لہسن (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ ثابت	دس عدد (موٹی کوٹ لیں)
لیموں	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
گھی / تیل	حسب ضرورت

چکن کے ٹکڑوں کو اچھی طرح سے دھو کر دہی' نمک' پسا ہوا ادرک لہسن لگا کر ہلکی آنچ پر بغیر ڈھکن ڈھانکے ابال لیں۔ جب پانی سوکھ جائے تو گوشت کے ٹکڑے نکال کر ایک تھالی میں رکھ دیں۔ اب دیگچی میں آدھا تیل گرم کرکے چٹنی کو ہلکا سا تل لیں۔ ایک الگ فرائنگ پین میں آدھا تیل گرم کرکے گوشت کے ٹکڑوں کو سنہری مائل کرکے تلی ہوئی چٹنی میں شامل کردیں۔ پھر اوپر سے کالی مرچ اور لیموں کا رس ڈال کر پانچ سے دس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں سادے چاولوں یا پراٹھوں کے ساتھ کھانے کے لیے پیش کریں۔

☼ ☼

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جارہے ہیں۔

ذوالقرنین

یاسمین سلطانہ ۔۔۔ کراچی

س کیا بات ہے تم میرے لگاتار کئی سوالات ہضم کر چکے ہو تمہارا پیٹ ہے یا لالو کھیت کہ لکڑ بھی اور پتھر ہضم بھی؟

ج جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' لالو کھیت علاقہ کا نام ہے۔

فرزانہ ناز بلوچ ۔۔۔ کراچی

س بھیا فلم دیکھو محبت' ٹی وی دیکھو محبت' گانا سنو تو محبت' رسالہ پڑھو تو محبت' آخر جائیں تو کہاں جائیں؟

ج کہیں نہیں جائیں بس آپ بھی ایک عدد۔۔۔۔

س ناکام عاشق شاعر یا گلوکار بنتے ہیں آخر کیوں؟

ج سوز جو آجاتا ہے۔

روبینہ نہال روبی ۔۔۔ گمنام

س نین کہوں' ظالم کہوں' انکل کہوں' نین تم خود ہی بتاؤ تم کو آخر کیا کہوں؟

ج اب میں اپنے منہ سے کیا کہوں۔

فوزیہ روبی ۔۔۔ ڈیرہ اسماعیل خان

س نین سے نین ملیں تو کیا ہوتا ہے؟

ج وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

س یہ کرن رسالہ مغرور کیوں ہوتا جارہا ہے۔ ہر ماہ اس قدر انتظار کرواتا ہے۔

ج خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے۔

شہناز فیضی ۔۔۔ کراچی

س
ہم ہیں مشتاق وہ ہیں بے زار؟
یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے

ج
قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں تو عداوت ہی سہی

فرزانہ کرن ۔۔۔ کراچی

س سب سے زیادہ کون کھاتا ہے؟

ج بخدا میں نہیں کھاتا۔

حنا جمیل احمد ۔۔۔ کراچی

س شعر کا جواب شعر میں دیں؟
دیکھو میری نگاہ میں حسرت ہے آج بھی
سمجھو تو سمجھ لو تم سے محبت ہے آج بھی

ج
ان کی نگاہ میں میری تباہی کے واسطے
اتنا خلوص تھا کہ شکایت نہ ہو سکی

افشاں پروین..... کراچی

س نین جی! اگر تمہاری مرغی سونے کا انڈہ دینے لگے تو "کرن" چھوڑ کر بھاگ تو نہیں جاؤ گے؟
ج مرغی پڑوسیوں سے چھپانے کی فکر کروں گا۔

حسینہ نقوی..... فیصل آباد

س اگر آپ کے سر پر سینگ ہوتے تو؟
ج تمہارے سینگوں سے کسی کا کچھ بگڑا ہے۔

رعنا گل..... کراچی

س آج کے دور میں لڑکا... مجنوں اور فرہاد بننے کو تیار ہے لیکن بھائی بننے کے لیے نہیں ہے کیوں؟
ج آخر بھائی کس کا بنے۔

روبینہ نذر..... فیصل آباد

س روح نکلے تو جسم تڑپتا ہے دل ٹوٹے تو آنسو بہتے ہیں احساس مرجائے تب کیا ہوتا ہے؟
ج روح مرجاتی ہے۔

راجکماری..... کراچی

س کیا تمہیں علم نہیں کہ پلکوں کی ذرا سی جنبش سے تمہارے ہاتھوں میں تھمے سارے دہلے گرا سکتی ہوں؟
ج ہاں بھئی مان لیا آپ سب کچھ کر سکتی ہیں ریاستیں چلی گئیں مگر راجکماری کے اطوار نہ بدلے۔

عالیہ مسرت واسطی..... کراچی

س ذوالقرنین بھیا! میری ساری خوب صورت گھنیری پلکیں گر کر اب بہت تھوڑی رہ گئی ہیں میں کیا کروں؟
ج میرے مشورے پر عمل کیا تو رہی سہی پلکیں بھی گر جائیں گی۔
س نین بھیا کبھی کبھی آپ ایسے بے زار کن جواب دیتے ہیں جیسے ٹال رہے ہو ایسا کیوں ہے؟
ج کبھی اپنے سوالوں پر بھی نظر ڈال لیا کرو۔

روشن مقصود..... کراچی

س روک کے ڈوبتے سورج کو ذرا یہ کہہ دو!
ج ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے۔

ہاجرہ گل..... کراچی

س نین اگر آپ کا کبھی ٹکراؤ کسی حسین لڑکی سے ہو جائے تو پھر؟
ج پھر وہی ہوگا جو اب تک ہوتا آیا ہے۔

رفیقہ درانی..... کھاریاں

س جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے پھر بھی وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے کیسے؟
ج کبھی اڑ کر کبھی رینگ کر۔
س ذوالقرنین صاحب! جلدی سے بتائیے کہ لوگ انسان کو گدھا کیوں کہتے ہیں؟
ج لوگوں کو گدھا پسند ہے تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

غزالہ پروین..... کراچی

س نین جی! کبھی آپ افق کے پار گئے ہیں؟
ج پچھلی باتیں یاد دلا کر اداس کر دیا تم نے۔
س اپنی عمر تو سچ بتا دو؟
ج کوئی میں خاتون ہوں جو عمر پوچھ رہی ہو۔

یاسمین انصاری..... گوجرانوالہ

س بھائی جان! لوگ جب آپ کا نام بگاڑ کر پکارتے ہیں تو آپ کو برا نہیں لگتا؟
ج بہت اچھا لگتا ہے، سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔

عظمیٰ سحر..... بلوچستان

س نین تمہارا ستارہ کون سا ہے پتا چلے تو بتاؤں کہ گردش میں ہے کہ نہیں؟
ج بے فکر رہو میرے اور تمہارے خیالات میں بڑا فرق ہے۔

س کیوں یار! کیا خیال ہے مستعفی ہوتے ہو کہ نہیں اس رسالے سے؟
ج زیادہ بے تکلفی مجھے پسند نہیں۔

خدیجہ صبوحی..... بلوچستان

س آپ کی رس بھری محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں مایوسی تو نہیں ہوگی؟
ج مایوسی تو نہیں ہوگی..... البتہ یہ رس بھری محفل کچھ.....

یاسمین کنول..... شکار پور

س نین جی! وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ آپ کا کیا خیال ہے؟
ج رنگ میں بھنگ پڑنے والا محاورہ تم نے نہیں سنا۔

ثمینہ گل..... بلوچستان

س نین جی! آپ کو یاد ہے پیدائش کے وقت اذان کس نے دی تھی؟
ج کس کی پیدائش کے وقت۔

لبنیٰ عنایت..... پشاور

س کبھی آپ نے وہ اخلاقی فرض ادا کیا ہے، جو اکثر فلموں میں ہیرو ادا کرتے ہیں؟
ج میں حقیقی دنیا کا ہیرو ہوں اس لیے۔

ثمینہ شاہین..... پشاور

س یہ جو تیری آنکھیں سوچتی رہتی ہیں؟
جانے کس کے سپنے دیکھتی رہتی ہیں
ج بتا دیا تو ناراض ہو جاؤ گی۔

زاہدہ گل..... حیدر آباد

س کبھی کبھی مرنے کو دل کیوں چاہتا ہے بتاؤ؟
ج اپنے دل سے پوچھو۔

سہیلہ منیر..... کراچی

س انکل میری عیدی مہنگائی الاؤنس کے ساتھ دیجیے؟
ج آپ بہت لیٹ آئیں بی بی سہیلہ منیر۔

مسرت جبیں قادری..... جلالپور پیروالا

س آپ دن میں خیالی پلاؤ کتنی مرتبہ پکاتے ہیں؟
ج تم پکا پکایا بھیج دیتی ہو پکانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔
س سچ سچ بتائیے آپ کتنا جھوٹ بول کر بہنوں سے اپنا پیچھا چھڑاتے ہیں؟
ج جھوٹ بولتے پر پکڑنے کا عالم تو دیکھو۔

توحید صدیقی..... کراچی

س ساون کے اندھے کو ہرا ہرا کیوں نظر آتا ہے کوئی اور رنگ کیوں نظر نہیں آتا؟
ج خزاں میں ہوتا تو پت جھڑ نظر آتا۔

صالحہ امان اللہ..... کراچی

س بھیا! یہ لڑکیاں تم سے فری ہونے کی ناکام کوشش کیوں کرتی ہیں؟
ج چلو یہ بھی اچھا ہے کہ ناکام کوشش کرتی ہیں۔

سیما جمیل..... کراچی

س زندگی کا آخری سہارا بھی چھن جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج کوئی سہارا آخری نہیں ہوتا بی بی۔
س انسان کی عقل کب ٹھکانے لگتی ہے؟
ج جب ٹھوکر لگے۔

صوفیہ شوکت..... کراچی

س کیا بات ہے کھو کھیت کی سنتے کھلیان کی ہو؟
ج کیا کہا؟ ذرا زور سے بولو۔

ثمینہ رزاق..... ڈیرہ اسماعیل خان

س یاد رکھو گے؟
ج ہاں۔

انیقہ ناز۔۔۔ چکوال

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ میں نے سوچا اس سے قبل کہ آپ انیقہ کو بھول جائیں' میں ذرا حاضری لگوا دوں مبادا نام ہی خارج نہ ہو جائے اور یوں بھی "نامے میرے نام" کی محفل مجھے اپنے بغیر ادھوری سی لگتی ہے (ہائے ری خوش فہمی)

سرورق اس بار کچھ خاص نہ بھایا نہ ہی کرن کتاب متاثر کن لگی۔ بشریٰ احمد کے بارے میں جان کر اچھا لگا وہ میری ہم برج ہیں' پڑھ کر اور زیادہ خوشی ہوئی پھر مستقل سلسلے کھنگالے۔ میری ارسال کردہ نظم آخر ایک طویل تر مدت کے بعد شائع ہو ہی گئی۔ اب ایسے ہی میری ارسال کردہ تحاریر کو بھی کھول کر نوک پلک سنوار کر' ناک نقشہ درست کر کے شائع کر دیں نا پلیز آپی! (امید کی ڈور تھامے بیٹھی ہوں)

بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو سلسلے وار دونوں ناول بہت اچھے جا رہے ہیں۔ "دردل" میں جہاں دل آور کا بہت اچھا امیج' خراب ہوا کہ اب مجھے اس کے کردار میں وہ دلکشی محسوس نہیں ہوتی۔ لوگوں کو انصاف دلانے والا انسان کسی کو بغیر جرم کے سزا دے یہ تو "قانون اندھا ہوتا ہے" والی بات ہوئی' دوسری جانب زری کا جنون ہولائے دیتا ہے۔

"عشق جس قدر جنون خیز ہو' جدائی اتنا ہی گھات لگائے ہوتی ہے" (یہ میں نے فرمایا۔ ہاہا)

دوسرے ناول میں خرم اور نمل کے جھگڑے طول پکڑ رہے ہیں تو بے زاری (ہماری) بھی اب اس ناول میں جو قصہ باعث دلچسپی ہے وہ "رومیلہ اور زوبیہ" کے حالات ہیں۔

دیکھا جائے تو اس بار کرن میں سبھی تحاریر کمال کی تھیں۔

"ندو کی بچی!" منفرد سا عنوان اور چلبلا سا انداز تحریر۔۔۔ ہنستا کھلکھلاتا ناول میرے خیال میں اس ماہ کی بہترین تحریر ہے۔ سعد کا کردار بہت اچھا لگا۔ صبا جی! مبارک ہو خدا کرے زور قلم اور زیادہ۔ (آمین)

مہوش افتخار۔۔۔ کا ناول 'ایثار' قربانی دوستی کے جذبات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ نام سے ظاہر ہے کہانی کا پلاٹ بھی عمدہ تھا کردار و واقعات بھی خوب تھے۔ پر ایک بات عجیب لگی اور مجھے پسند بھی نہ آئی وہ یہ کہ مریم کو خضر کی ڈائری سے ان کی محبت کا علم ہوا۔ عجیب یہ کہ کیا خضر اپنی پرسنل ڈائری یونیورسٹی لے جاتا تھا؟ کیونکہ مریم تو اس کے گھر گئی نہیں اور بری بات یہ لگی کہ ایک باشعور انسان' کسی کی پرسنل ڈائری کو پڑھے'! اچھا نہیں لگتا نا! اگر مریم پر یہ حقیقت کسی اور طرح منکشف ہوتی تو خوب۔ ایک اس وجہ سے یہ ناول اس ماہ دوسرے نمبر پر آیا۔

"نایاب ہیں ہم" کچھ عرصہ قبل میں بھی اسی زعم میں مبتلا تھی' اب احساس ہوا۔ خاک کے پتلے بھی نایاب ہوتے ہیں کیا؟ ویسے شفق! برا مت مانیں تو ایک بات بتائیں؟ آپ مہوش افتخار کی کچھ لگتی ہیں یا محض اتفاق کہ دوسرا نام ایک ہے۔

ناول کے بارے میں بات کروں تو آغاز سے اختتام تک فی الحال سارا پلاٹ ذہن میں ہے۔ نیا تو فاطمہ کی گزشتہ زندگی کے اسرار کھلنے کے بعد پتا چلے گا۔ ویسے جب اس قسم کی صورت حال ہوتی ہے تو دل کہتا ہے بڑوں کو چاہیے کہ بچوں کو مناسب عمر میں لوگوں کی اصلیت (جن سے نقصان کا اندیشہ ہو) بتا دینی چاہیے لیکن یار! یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں کہ فاطمہ اگر اذان کو ساری حقیقت بتا دیتیں تو نہ ہی کوئی سجل ہوتی' نہ ہی اذان کو زروہ سے شادی پر اعتراض ہوتا اور نہ ہی ناول کا عنوان اتنا شاعرانہ ہوتا۔۔۔ بس جی! تو بات ختم' قصہ ہم سارا شفق کے قلم پر چھوڑتے ہیں ہماری تک بندیوں اور قیافہ شناسی کی حد یہیں تک تھی۔ ویسے اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

"نامحرم" ناولٹ میں فاخرہ نے موضوع بہت اچھا چنا۔

اس عنوان کو آپ مزید تفصیل سے لکھتیں تو بلاشبہ شاہکار ناول تخلیق ہوتا۔ موضوع ہی خاصا حساس ہے۔ اکثریت' بچے گود لیتے وقت ان مسائل کو خاطر میں نہیں لاتی جن کی جانب شریعت ہماری رہنمائی کرتی ہے اور پھر خاطر میں نا لانے والوں پر معاشرہ انگلیاں اٹھاتا ہے۔ مذکورہ ناولٹ میں حماد نے اگرچہ لفظ سخت ہی استعمال کیے' پر تھا وہ حق پر اور ایک مخلص شوہر' لیکن سلونی نے جو کیا وہ بھی حق پر تھی شریعت کی رو سے (میری ناقص عقل تو یہی کہتی ہے) لیکن حماد اور روحینہ کے ساتھ برا ہوا۔۔۔ فاخرہ۔ میری مانیے تو اس ناولٹ کے پلاٹ ــــــ کا دوسرا حصہ تحریر کریں۔ حماد کو بھی اندازہ ہو کہ شریعت پر عمل ضروری ہے اور سلونی کو بھی موت سے قبل حقیقت کا اندازہ ہو۔ یقین مانیے پورا ناول تحریر ہو سکتا ہے مزید۔

"ریحانہ امجد" کا ناولٹ عنوان سے خاصا دلکش ہے' لیکن یہ پری آئے گی کب۔۔۔ اور فرزان کے لیے ہو گی یا اذان کے لیے؟ میں نے پہلی چار اقساط ایک ہی دن پڑھیں' ریحانہ نے بلاشبہ شاعری کا انتخاب تو بہت عمدہ کیا' یقیناً" کئی کئی شعراء کے دیوان تو کھنگالے ہوں گے فرزان کا کردار بہت پسند ہے مجھے۔ پر بڑا تجسس سا ہوتا ہے کہ آخر فرزان کے دماغی خلل کی وجہ کیا ہے؟ آخر اس کا انجام کیا ہو گا؟ کتنے ہی سوالیہ نشان ہیں اور ہر ماہ بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ بہرحال فی الوقت ناول بہت اچھا جا رہا ہے۔

افسانے بھی خوب رہے۔ "ضد" میں نشاط نے سچ میں پیروں پر کلہاڑی ماری شوہر کے گھر میں عزت سے رہنا زیادہ اچھا تھا یا میکے میں بھابیوں کی کڑوی کسیلی سنتے ہوئے۔

"شناخت" کے متعلق کیا کہوں؟ اس سلسلے میں میرے بہت سے شکوک و شبہات ہیں' بعد ازاں بات کروں گی۔ اب میرا خیال ہے مجھے اجازت دیجیے۔ سچ کہوں تو آج ایک طویل مدت کے بعد اتنا جامع تبصرہ کیا' سچے دل سے کیا۔ اپنا خیال رکھیے گا۔

کرن کی ترقی کے لیے ڈھیروں دعاؤں کے ہمراہ

زبیریہ اکبر' سائرہ اکبر اور سمیرا عارف۔۔۔ لاہور

مجھے چار سال ہو چکے ہیں "کرن" کو پڑھتے ہوئے۔ مجھے قلم اٹھانے پر جس نے مجبور کیا۔ وہ "دردل" ہے۔ ہر ماہ ہمیں اس کا بہت بے تابی سے انتظار رہتا ہے۔ ہم تمام کزنز اسے بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔ کرن پڑھنے پہ مجبور ایک دوست نے کیا تھا۔ اب اس میں موجود خوب صورت تحریریں مجبور کرتی ہیں۔ کرن کا ٹائٹل بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ ہم اس کے شیدائی ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں کن الفاظ میں اس پر تبصرہ کروں۔

"نبیلہ عزیز" سے اک گزارش ہے کہ وہ "زری" کو "دل آور" سے ضرور ملائیں۔ کیونکہ ہم تمام کزنز کو یہ کردار بہت پسند ہے۔ "وہ اک پری ہے" میں اذان اور فرزان کی شاعری بہت خوب صورت ہے۔ ان کے الفاظ دل پر اثر کرتے ہیں۔

اس سے زیادہ تبصرے کی ہمت نہیں کیونکہ جس سے انسان کو محبت ہوتی ہے اس کی خامیاں بھی خوبیاں نظر آتی ہیں شاید اس لیے۔ آخر میں اک درخواست ہے۔ میں کرن میں پہلی بار خط لکھ رہی ہوں۔ ہمیں اس چیز کی اجازت تو نہیں پھر بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر لکھ رہی ہوں۔ پلیز پلیز ہمارے اس خط کو ضرور شامل کیجیے گا۔ ہم سب آپ کے بہت شکر گزار ہوں گے۔

دعا ہے کہ اللہ ادارہ کرن کے لکھنے والوں کو اور ترقی دے۔ اس امید کے ساتھ کہ آپ ہمارا خط ضرور شائع کریں گے۔

فوزیہ ثمرٹ۔۔۔ گجرات

ستمبر کا کرن ڈائجسٹ چودہ تاریخ کو ملا۔ ایک ماہ کی غیر حاضری کے بعد حاضر خدمت ہوں۔ جس کی وجہ آمنہ رئیس ہے۔ 19 اگست کو آمنہ رئیس نے دنیا میں آ کر مجھے اپنی اکلوتی خالہ جانی بننے کا شرف دیا۔

انٹرویوز میں فواد حسن سے پہلے ملاقات ہو چکی ہے۔ بینش چوہان دو کے پہاڑ میں چھا گئیں۔ "مجھ سے ملیے" میں بشریٰ احمد کی باتیں اچھی لگیں مکمل ناول "ندو کی بچی" مجھے اچھا لگا۔ ایسی تحریر مجھے بہت اچھی لگی ہے۔ جس میں ہیرو۔ حساس دل اور خوش مزاج ہو۔

نادیہ کی سمجھ داری سے خالہ بھی قابو میں آئیں ورنہ تو نادیہ کسی اور کی ڈولی میں بیٹھ جاتی۔

"نایاب ہیں ہم۔" اچھی تحریر تھی۔ اب تو اگلی قسط میں ہی معلوم ہو گا۔ سجل اب زری کے ساتھ کیا کرنے والی ہے پلیز زری کو اذان کا ہی رہنے دیجیے گا اور یہ نہ ہو کہ آپ زری کو بلال سے ملا دیں۔ اس سے تو اذان کا شک یقین میں بدل جائے گا کہ زری اور بلال ایک دوسرے میں انوالو

تھے۔

''اہل وفا'' مہوش افتخار کی کمال کی تحریر تھی اہل محبت کے لیے بہترین سبق۔ ثمرو کا اپنی محبت سے دستبردار ہونا اچھا لگا۔ ہوتے ہیں کچھ سرپھرے انسان جو اپنا نقصان کر کے رشتوں' دوستی کی لاج رکھتے ہیں اچھی کاوش تھی۔

ناولٹ ''نامحرم'' بہت اچھا تھا مگر سلوئی نے کمینے پن کی انتہا کردی سچ ہے بدفطرت مرد ہو یا عورت موقع سے فائدہ ضرور اٹھاتے ہیں۔ سلوئی نے اپنی شکستہ زندگی کا کتنا بھیانک بدلہ لیا ہے حماد سے ؟افسوس تو ارمغان کے گھر والوں پہ ہوا کہ کیسی ذہنیت کے لوگ تھے۔ عورت اپنی آئی پہ آئے تو تخت سے تختہ پر لے آتی ہے اور یہی کچھ سلوئی نے بے چارے حماد سے کیا۔ حماد کی بھی غلطی تھی۔ سلوئی اس کی محلے دار تھے۔ اتنا اچھا تھا تو سلوئی اور اس کی بہنوں کی مدد کردیتا۔ الٹا اسے آئینہ دکھانے چلا تھا۔

''ضد'' نظیر فاطمہ کی سبق آموز تحریر تھی شادی شدہ خواتین کے لیے' نشاط نے اپنا بانجھ پن نہیں دیکھا اور انا پرست عورت اگر بات کو سمجھ جاتی تو آج تنہا زندگی نہ گزارتی۔

مسرت ظہور کا افسانہ ''راہ کٹھن'' ان لڑکیوں کے لیے ایک نصیحت تھا جو ماں باپ کی عزت کا جنازہ نکالتی ہیں۔ محبت کو حاصل کرنا یہ کون سا طریقہ ہے کہ گھر سے بھاگ جاؤ اور ''وہ اک پری ہے'' اتنی اچھی تحریر ہے دل چاہتا ہے ساری کہانی اکٹھی پڑھ لوں۔

ان دنوں میں بڑی مشکلوں سے ٹائم نکال کر کرن کو پڑھ رہی ہوں۔ بادجہ مجبوری آمنہ رئیس' ہانیہ عمران جن کی والدہ محترمہ جب بھی کرن کو ہاتھ میں لیتی ہوں آوازیں دینے لگتی ہیں۔

خیر اب تو اس بات کا بھی رولا مک جائے گا تا سردیاں زندہ باد' کرن ڈائجسٹ زندہ باد۔

باقی تمام مستقل سلسلے لاجواب تھے۔ نہلے پہ دہلا میرے ابوجی نے لازم پڑھنا ہوتا ہے کیا نئے سرے سے یہ سلسلہ شروع نہیں ہوسکتا۔

''نامے میرے نام'' اچھے تھے۔

''مسکراتی کرنیں'' میں کوئی بھی لطیفہ ہنسنے پہ مجبور نہ کر سکا۔ اکتوبر کی دس تاریخ کو مابدولت کی سالگرہ ہے۔

ج۔ ''پیاری فوزیہ! آپ کو سب سے پہلے اپنی سالگرہ کی بہت بہت مبارک باد اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کی کامیابیاں عطا فرمائے (آمین) اس کے ساتھ ہی بھانجی کی ولادت بھی مبارک ہو اللہ تعالیٰ اس بچی کو صحت کے ساتھ کامیاب زندگی عطا فرمائے (آمین)

ماریہ ام قصیٰ۔۔۔۔ ہارون آباد

کسی بھی رسالے میں یہ میرا پہلا خط ہے۔ اگر حوصلہ افزائی ہوئی تو آئندہ بھی لکھتی رہوں گی۔ اس ماہ کا کرن سترہ کو ملا۔ ٹائٹل بہت خوب صورت تھا۔ سب سے پہلے مہوش افتخار کا مکمل ناول پڑھا' بہت پسند آیا۔ افسانوں میں ٹاپ آف دالسٹ ''راہ کٹھن اور دھوپ کڑی'' تھا فاخرہ گل کا ''نامحرم'' بھی بہت پسند آیا۔

میں خواتین' شعاع اور کرن کی باقاعدہ قاری ہوں۔ لیکن خط لکھنے کی ہمت پہلی بار ہوئی ہے۔ پلیز ضرور شائع کیجیے گا۔ آئندہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔ بہت سا پیار اور دعائیں' اجازت۔

خالدہ نثار۔۔۔۔ ڈونگہ بونگہ

میں کرن کی بہت پرانی قاری تو نہیں کچھ ہی عرصہ ہوا ہے پڑھتے ہوئے' لیکن یہ عرصہ میری پچھلی ساری زندگی پہ محیط ہوچکا ہے کرن نے ہمارے گرد ایسا مضبوط حصار کھینچا ہے کہ اب اس سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں۔

کرن کے سبھی سلسلے بہت اچھے ہیں۔ سب رائٹرز ماشاء اللہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں' کسی ایک کو دوسرے پہ فوقیت دینا بہت مشکل ہے' سب کچھ اچھا ہونے کے باوجود بھی مجھے کرن سے یہ شکایت ہے کہ کرن نے ہمارا حق ہمارے فنکاروں کو دے دیا' ہر عید پہ مجھے عید سے زیادہ' عید نمبر کرن کی خوشی ہوتی تھی کہ کرن میں ہمارے لیے عید کی اچھی اچھی کہانیوں کے ساتھ ساتھ سروے بھی ہوگا جس میں قارئین کے لیے دلچسپ سوال ہوں گے' لیکن اب تو دل ہی بجھ گیا' ٹی وی آن کرلو' ریڈیو کھولو' میگزین اخبار جو بھی چیز لو آپ کے فیورٹ اداکار سے انٹرویو لیا جارہا ہے۔

خدا کے لیے ان فنکاروں کو ہمارے اوپر اتنا سوار مت کیجیے کہ ہمیں ان سے چڑ ہوجائے میں تو پہلے ہی شعاع' خواتین اور کرن میں ان کے انٹرویوز اور دوغلی باتیں پڑھ پڑھ کر بے زار ہوں' پلیز آپ سے معصومانہ ریکوسٹ ہے کہ کرن کے ساتھ اپنائیت و محبت کے اس احساس کو ختم نہ کیجیے جس کی بنا پہ ہم بڑے فخر و مان سے یہ کہتے ہیں کہ

کرن ہمارا رسالہ ہے۔ پلیز آپ ہر اہم ایونٹ پر اداکاروں کی بجائے قارئین سے سروے کیا کریں۔

ج۔ پیاری خالدہ آپ کی فرمائش پر سروے کے سوالات شائع کیے جارہے ہیں اب جلدی سے ان کے جوابات ہمیں روانہ کردیں تاکہ عید نمبر میں شامل اشاعت ہوسکیں۔

سدرہ الیاس۔۔۔۔ جہلم

امید کرتی ہوں کہ کرن کا تمام اسٹاف اور تمام پڑھنے والے خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے میں اپنی بہن سعدیہ اور اس کے بعد عثمان بیٹے کو جس کی دوسری سالگرہ 8 اکتوبر کو ہے' وش کرنا چاہتی ہوں میری دعا ہے کہ اللہ پاک تمہیں لمبی' صحت و تندرستی اور خوشیوں بھری زندگی عطا فرمائے۔ دین و دنیا دونوں میں سرخرو کرے۔ (آمین)

اب آتی ہوں کرن کی طرف۔ ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی کرن شاندار تھا۔ حمد و نعت پڑھنے کے بعد انٹرویوز کی طرف آئے۔ بینش چوہان کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگا۔ مکمل ناول میں ''اہل وفا'' اور ''نایاب ہیں ہم'' زبردست تھے۔ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔

ناولٹ میں ''نامحرم'' اچھا تھا۔ جس مسئلے کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔ نازک مسئلہ ہے۔ واقعی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ''شناخت'' کہانی بھی اچھی تھی۔ واقعی تیسری جنس کے ساتھ بہت ظلم ہو رہا ہے۔ ہم تو بس دعا ہی کرسکتے ہیں کہ انہیں بھی وہی احترام ملے۔ باقی تمام افسانے بھی اچھے تھے۔ مسکراتی کرنیں میں تمام لطیفے اچھے تھے۔ واقعی اس دفعہ کرن شاندار تھا۔ آخر میں میں آپ سے فرمائش کرنا چاہتی ہوں کہ ''آواز کی دنیا سے'' میں 101 لاہور کے ڈی جے محمد مزمل حسین کا انٹرویو لازمی کریں ''دوکا پہاڑہ'' میں سمیع خان اور مجھ سے ملیے میں عمیرہ احمد' نمرہ احمد اور مریم عزیز کا انٹرویو بھی شائع کریں۔

نمرہ ثمرین انور۔۔۔۔ راولپنڈی

میں آپ سے ناراض تو نہیں ہوں لیکن ستمبر کے شمارے میں ''نامے میرے نام'' میں اپنا نام نہ دیکھ کر افسوس ضرور ہوا ہے۔ پہلے تو دل میں آیا کہ میرا خط ردی کی ٹوکری کی نذر ہوگیا لیکن بعد میں خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو میرا خط ملا ہی نہ ہو۔ اب اس بات کا جواب تو آپ ہی دیں گی۔ گلے شکوے بہت ہوگئے اب آتے ہیں تبصرے کی جانب۔

افسانے سارے ہی بہت زبردست تھے مگر شہزادی عباس کا ''شناخت'' اور رشک حبیبہ کا ''ہم سخن'' بازی لے گیا دونوں نے بہت زبردست موضوع پر لکھا۔ ویلڈن اگر کوئی ڈائجسٹ پڑھتا ہے تو اسے کہانی میں سے اچھا سبق سیکھنا چاہیے نہ کہ برا۔۔۔ اور کیا ہم انسانوں میں جو تیسری جنس ہوتی ہے وہ انسان نہیں ہوتے کیا؟ کیا ان کے کوئی جذبات یا احساسات نہیں ہوتے؟ اس بارے میں ضرور سوچنا چاہیے۔ فاخرہ گل کا ناولٹ ''نامحرم'' بھی بہت اچھا تھا۔ سلوئی نے بہت برے طریقے سے حماد کا قرض اتارا تھا مگر اس میں روحینہ کا کیا قصور تھا۔ مہوش افتخار کا ناول ''اہل وفا'' بہت اچھا لگا وہ تینوں ہی اعلا ظرف تھے۔ تینوں نے ہی ایک دوسرے کے لیے اپنی محبت کی قربانی دینے کا سوچا تھا۔ مریم کی موت پر کافی افسوس ہوا۔ فی الحال اتنا ہی پڑھا ہے۔

ایک اور بات کہنی تھی کہ میں نے جولائی میں آپ کو ایک افسانہ ارسال کیا تھا اور اگست میں ایک ناولٹ۔۔۔ پلیز مجھے میرے افسانے اور ناولٹ کے بارے میں بتائیں۔ میرے خط کا جواب ضرور دیجیے گا آخر میں کرن کی تمام مصنفین اسٹاف اور قارئین کو دعا اور سلام۔

آسیہ بلوچ۔۔۔۔ نواب شاہ

کرن میں یہ میرا پہلا خط ہے۔ امید ہے کہ تھوڑی سی جگہ ہمیں بھی مل جائے گی۔ کرن ڈائجسٹ ہے ہی اتنا زبردست کہ قلم اٹھانے پر مجبور ہوگئے۔ ٹائٹل ہمیشہ کی طرح بہت خوب صورت لگا۔ انٹرویو میں نور حسن سے ملاقات بہت اچھی لگی۔ ''مجھ سے ملیے'' میں اپنی فیورٹ مصنفہ بشریٰ احمد سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ وہ خود بھی بہت اچھی ہیں اپنے ناولز کی طرح سچی محبت کے جذبوں کی معصومیت سے لبریز مکمل ناول ''اہل وفا'' نے تو کرن کو چار چاند لگادیے۔ اویس خضر اور ثمرہ اکرام کے کردار بہت پسند آئے۔ واقعی اوروں کے لیے قربانی دینے والے لوگ عظیم ہوتے ہیں۔ بہت اچھا لکھا آپ نے مہوش افتخار۔ آئندہ بھی لکھتی رہیں۔

صبا سحر کی تحریر ''ندو کی بچی'' بھی بہت مزے کی تھی۔

پڑھ کر موڈ اچھا ہو گیا۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ عتیقہ ملک کا افسانہ "اعتبار حاصل زیست" بھی بہت خوب صورت لگا۔ مستقل سلسلے میں "یادوں کے دریچے سے" اور "مجھے یہ شعر پسند ہے" میرے فیورٹ سلسلے ہیں۔ "کرن کرن خوشبو" سے بہت اچھی باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں۔

نامے میرے نام میں صدف سلیمان کا تبصرہ اچھا لگا۔ اب اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ کرن یوں ہی چار سو اپنی کرنیں بکھیرتا رہے۔

اجالا فاطمہ..... بنیاں

ہماری طرف سے پوری ٹیم کو (ارے کرن کی ٹیم) بہت بہت مبارک باد کہ وہ اتنا اچھا کام کر رہی ہے۔ کرن بہت اچھا رسالہ ہے۔ مجھے تین سال ہوئے ہیں ۔ دوسرے پرچے زیادہ عرصہ ہوا ہے پڑھتے ہوئے لیکن جب کرن خریدا تو پھر ہر مہینے کرن خریدنے لگی ہوں اس لیے کافی سوچ بچار کے بعد قلم بھی اٹھالیا کرن میں یہ ہمارا پہلا خط ہے اور اس کی کہانیاں بھی بہت اچھی ہیں آپ کو پتا ہے اگر بہت ہی اچھی کہانی ہو تو میں اپنی امی کو بھی ساتھ لگا لیتی ہوں کیا کریں رشوت دینی پڑتی ہے۔

اب آتے ہیں اس شمارے کی طرف تو جناب ہمیں مکمل ناول "اہل وفا" بہت پسند آیا۔ "نامحرم" اچھی کہانی تھی کوئی نہ کوئی ایسی کہانی ضرور ہوتی ہے جو دل کو چھو لیتی ہے اور کبھی کبھار تو جناب دل و دماغ پہ بھی اثر کرتی ہے۔ اس لیے کرن میرا سب سے فیورٹ ڈائجسٹ بن گیا ہے۔ میں نے ہمت کر کے ایک کہانی بھی لکھ لی ہے اور خط بھی اب پتا نہیں دونوں شائع ہوتے بھی ہیں یا کسی ردی کی ٹوکری کی زینت بنتے ہیں۔ ویسے پلیز شائع کر دیجیے گا ہم نے زندگی میں پہلی بار تو حوصلہ کیا ہے۔ تو ٹیپے گا مت۔ ہمیں انتظار رہے گا۔ ہمیں اجازت دیجیے اس دعا کے ساتھ اللہ آپ کی دعائیں قبول کرے اور زیادہ اچھا کام کرنے کی توفیق دے اور ہمیں بھی۔ (آمین)

ام رومان..... عبدالحکیم

کرن تیرہ کو ملا' سرورق بالکل پسند نہیں آیا حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد سب سے پہلے مستقل سلسلوں کی طرف آئے اپنی موجودگی باعث راحت بنی' اس کے بعد نبیلہ عزیز کا "درول" پڑھا نبیلہ جی! ناول تو ہمیشہ کی طرح بہترین لگ رہا ہے پر زری کو اس کی محبت جانے ملے گی کہ نہیں چانسز تو نہیں لگتے کہ ملے گی لیکن آپی پلیز! پاگل لڑکی کے ساتھ ایسا ہونا تو نہیں چاہیے نا .....؟ اور علیزے پر بھی بے حد ترس آیا دل آور کو یہ رویہ بالکل سوٹ نہیں کر رہا جو بھی ہے علیزے تو بے قصور ہی ہے نا ۔ اس کے بعد فوزیہ یاسمین کا ناول "دست کوزہ گر" پڑھا زوبیہ کی حالت دیکھ کر خرم پر بے تحاشا غصہ آیا اور خرم کے دوست تو زہر لگتے ہی ہیں ہمیں..... رومیلہ سے بھی الیان کو محبت ہو جانی چاہیے۔ بس بہرحال ناول بہت اچھا جا رہا ہے۔ مکمل ناول "اہل وفا" بہت اچھا لگا مہوش جی کیپ اٹ اپ ایسے ہی پیارے پیارے ناولز لکھتی رہیے ہمارے لیے فاخرہ گل کا ناولٹ "نامحرم" بھی اچھا لگا بشریٰ احمد سے ملاقات بھی اچھی رہی۔ اللہ پیارے کرن کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی اور کامرانی سے نوازے۔ (آمین)

صائمہ ساہی..... منگووال

تمام قارئین کو پیار بھرا اسلام۔

میں گزشتہ دو سال سے کرن کو باقاعدگی سے پڑھ رہی ہوں۔ امید ہے آپ اپنی محفل میں جگہ ضرور دیں گی۔

اب آتے ہیں کرن کی طرف تمام سلسلے ہی بامعنی اور خوب صورت ہیں سب سے زیادہ اٹریکشن نبیلہ عزیز کے "درول" میں محسوس ہوتی ہے اور ہر ماہ اس کا بڑی بے چینی سے انتظار رہتا ہے اور دوسرا سلسلے وار ناول "دست کوزہ گر" ذرا سست جا رہا ہے پلیز شائستہ کی روح والی بات کلیئر کریں۔

اس شمارے میں سب سے زیادہ دل کو چھونے والی تحریر "اہل وفا" تھی ایسی بے مثال اور لازوال دوستی اب صرف تحریروں میں پڑھنے کی حد تک ہی ہے۔

اگر اس خط کو جگہ ملی تو آئندہ ماہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔ میری تمام تر پرخلوص دعائیں اور نیک تمنائیں ہمیشہ "کرن" اور کرن کے تمام اسٹاف کے لیے۔

☼ ☼